

بیادگار

حضرت تاج العلماء سراج العرفاء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قدس سرہ
حضرت سید العلماء سراج الاولیاء سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں قدس سرہ
حضرت احسن العلماء سراج الاصفیاء سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قدس سرہ

مجلس مشاورت

شفیق ملت حضرت سید حسین میاں زیدی قادری برکاتی
امین ملت حضرت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی
شرف ملت حضرت سید محمد اشرف قادری برکاتی

مجلس ادارت

جناب سید محمد افضل قادری برکاتی
جناب سید محمد امان میاں قادری برکاتی
جناب احمد مجتبیٰ صدیقی قادری برکاتی

مدیر اعلیٰ

سید نجیب حیدر قادری برکاتی نوری

مدیر معاون

ساحل شہسرامی (علیگ)

طابع و ناشر : سید نجیب حیدر قادری برکاتی نوری، نائب سجادہ نشین، خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف
منتظم : محمد اکبر قادری برکاتی، قادری مسجد، بلاک نمبر ۱، کبیر کالونی، علی گڑھ
کمپیوٹر کمپوزنگ : مشکوٰۃ کمپیوٹرز، نزد سلیمان ہال، علی گڑھ، فون: 9897674550
مطبع : مکتبہ جام نور، میاں محل، جامع مسجد، دہلی



دین و دنیا کے ہمیں برکات دے برکات سے
عشق حق دے عشق، عشق، ایتما کے واسطے

اہل سنت کی آواز

جلد ۱۶، ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ / نومبر ۲۰۰۹ء

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کا ترجمان

خصوصی شمارہ

اکابر مارہرہ مطہرہ

خانقاہ برکاتیہ، بڑی سرکار، مارہرہ شریف
ضلع ایٹہ، اتر پردیش

فہرست مضامین

- ۱- ادارہ (۱) سید نجیب حیدر قادری برکاتی نوری ۹
۲- ادارہ (۲) ساحل شہسرامی (علیگ) ۲۲

کاروان خاندان برکات - مدینہ طیبہ سے دہلی تک

- ۳- عربی شجرہ قادریہ برکاتیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی ۲۸
۴- خانوادہ برکاتیہ - حضرت مولیٰ علی سے علامہ عبدالمبین نعمانی مصباحی ۳۳
فاتح بلگرام تک
۵- منظوم نسب نامہ علامہ سید عبد الجلیل نامی واسطی بلگرامی ۱۳۶
۶- نسب نامہ کاردو ترجمہ ساحل شہسرامی (علیگ) ۱۳۶
۷- منظوم اردو شجرہ قادریہ برکاتیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی ۱۴۵

بلگرام شریف - گہوارہ اکابر مارہرہ مطہرہ

- ۸- گہوارہ اکابر مارہرہ - بلگرام شریف مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی ۱۴۸
۹- آب و گل من کہ فیض عام است علامہ سید عبد الجلیل نامی واسطی بلگرامی ۱۹۹
۱۰- سیر باید کرد یاراں، نو بہار بلگرام میر سید محمد شاعر بلگرامی ۲۰۱
۱۱- اللہ عز و شان واحترام بلگرام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی ۲۰۲
۱۲- باغ جناں ہے کوچہ و بازار بلگرام شیخ علی بخش ظہیر بلگرامی ۲۰۳
۱۳- ہم کو کیونکر ہونہ پیارا بلگرام صغیر بلگرامی ۲۰۴

مارہرہ مطہرہ - جلوہ گاہ سادات زیدی

- ۱۴- مارہرہ مطہرہ جلوہ گاہ سادات زیدی ڈاکٹر محمد افضال برکاتی ۲۰۶
۱۵- میر عبد الجلیل شاہ زماں سید شاہ محمد حمزہ عینی ۲۲۵
۱۶- مقبول خدا، اولیس ثانی شاہ جلال بسوی خرد مارہروی ۲۲۶
۱۷- مثل مکہ شدہ مارہرہ مقام برکات سید اسماعیل حسن وقار مارہروی ۲۲۷
۱۸- عجب ہے رنگ مارہرہ سید محمد اشرف قادری برکاتی ۲۲۸
۱۹- اپنے رنگ و بو میں ہے ذیشان پدم شری بیکل اتسابی ۲۳۰
مارہرہ شریف
۲۰- حسن عقیدت اور سلام مارہرہ کے نام پدم شری بیکل اتسابی ۲۳۱
۲۱- وہ میرا عالی نسبت تاجدار مارہرہ پدم شری بیکل اتسابی ۲۳۲

سلطان العاشقین صاحب البرکات سید شاہ برکت اللہ
قادری عشقی مارہروی قدس سرہ

- ۲۲- سلطان العاشقین صاحب البرکات مولانا اختر حسین فیضی مصباحی ۲۳۴
سید شاہ برکت اللہ قادری عشقی مارہروی
۲۳- زبرکات الہ ازمن چہ پرسی حضرت شاہ روح اللہ برکاتی ۲۹۳
۲۴- شاہ برکات اے ابوالبرکات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی ۲۹۴
۲۵- اے خوش آں سرکہ جبین ساست قاضی غلام شہر حسرت بدایونی ۲۹۶
بیاب برکات
۲۶- پانچلوت نہم از مجلس عام برکات شیخ ارادت اللہ متولی بدایونی ۲۹۷

- ۲۷- حمد خوان ذات وحدت شاہ برکت مولانا علی احمد سیوانی مصباحی ۲۹۸
- آپ ہیں
- ۲۸- تراوہ وسعدت تھا ماہ پارہ شب ساحل شہسرامی (علیگ) ۳۰۰

اسد العارفین سید شاہ محمد حمزہ عینی مارہروی قدس سرہ

- ۲۹- اسد العارفین سید شاہ محمد حمزہ عینی ساحل شہسرامی (علیگ) ۳۰۲
- مارہروی قدس سرہ
- ۳۰- منتخب اشعار اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا قادری برکاتی ۲۸۷
- ۳۱- سعید زمرہ سادات، کامل برحق محمد عارف بلگرامی ۲۸۹
- ۳۲- ہوا ہونا مالوں گرج دم آل محمد کا قاضی غلام شہر برکاتی حسرت بدایونی ۲۹۰

مظہر غوث اعظم ابوالفضل شمس الدین سید شاہ آل احمد انچھے میاں قادری برکاتی مارہروی قدس سرہ

- ۳۳- شمس مارہرہ مولانا اسید الحق عاصم القادری ۲۹۲
- ۳۴- اے بدو خود امام اہل ایقان آمدہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی ۵۳۹
- ۳۵- اردو ترجمہ مولانا جمیل احمد نوری ۵۴۱
- ۳۶- شمس و قمر سے بڑھ کر ہے شان آل احمد تاج الفحول مولانا عبدالقادر فقیر قادری ۵۴۳
- ۳۷- یک کب تک ہوں یادو کا یا آل احمد خذ بیدی قاضی غلام شہر حسرت بدایونی ۵۴۴
- ۳۸- زمیں سے عرش اعظم تک ہے مولانا طفیل احمد متولی بدایونی ۵۴۵
- شہرت آل احمد

- ۳۹- پر گہر دامن آل برکات قاضی غلام شہر برکاتی ۵۴۶
- ۴۰- وہ جن کے دل میں سچا احترام آل احمد مجتبیٰ صدیقی برکاتی ۵۴۷
- احمد ہے

گوشہ نعت و مناقب

- ۴۱- رفتہ رفتہ نکھر رہا ہوں میں پروفیسر سید ابوالحسنات حقہ ۵۵۰
- ۴۲- پھولوں کا تبسم بھول گئے بیکل اتساہی ۵۵۱
- ۴۳- شاہ طیبہ کا جس پہ کرم ہو گیا بیکل اتساہی ۵۵۱
- ۴۴- فکر رسا کو رحمت حق پر لٹائیے افسر امر و ہوی ۵۵۲
- ۴۵- بیٹھے بیٹھے مجھے اک دن یہ خیال آیا تھا سید منظر چشتی ۵۵۳
- ۴۶- نزول رحمت ہوا ہے ان پر نامعلوم ۵۵۶
- ۴۷- دل و نظر میں مدینہ ہے آج بھی روشن یاور وارثی ۵۵۷
- ۴۸- یہ شب، یہ نعت نبی کا موسم یاور وارثی ۵۵۸
- ۴۹- مہرباں محبوبیت کا تاجور ہونے کو ہے یاور وارثی ۵۵۹
- ۵۰- خود کو جب ان کے تصور میں ناظر صدیقی ۵۶۰
- ڈبو دیتا ہوں میں
- ۵۱- اے مرے حامی، مرے غم خوار میں قاسم حبیبی ۵۶۱
- کچھ بھی نہیں
- ۵۲- سمندروں سے سفینے نکالتے ہیں وہی قاسم حبیبی ۵۶۲
- ۵۳- ملتفت محبوب رب سوئے زمیں میکائیل ضیائی ۵۶۳
- ہونے کو ہے

- ۵۴- نور معبود حقیقی جلوہ گر ہونے کو ہے میکائیل ضیائی ۵۶۴
- ۵۵- سرسحرائے طیبہ جو ادائے دل نوازی ہے میکائیل ضیائی ۵۶۵
- ۵۶- وقت مہرکا ہے، گھڑی تہکی ہے، منظر مہرکا شان عالم مسعودی ۵۶۶
- ۵۷- ہر ایک رنج و مصیبت کا سد باب کرے احمد مجتبیٰ صدیقی ۵۶۷
- ۵۸- ایمان مبارک ہو، یہ قرآن مبارک ڈاکٹر رضوان الرضازضوان ۵۶۸
- ۵۹- روشنی پھیلا رہا ہے احمد نوری کا نام کلیم دانش برکاتی ۵۶۹
- ۶۰- ہیں یہاں نوری میاں، ہے وہاں صابر فریدی برکاتی ۵۷۰
- نوری میاں
- ۶۱- علم کا روشن منارا ہیں ابوالقاسم حسن میکائیل ضیائی ۵۷۱
- ۶۲- سر بلندی کی علامت مصطفیٰ حیدر حسن ناظر صدیقی ۵۷۲
- ۶۳- اے میرے حسن خوب ہے تنویر تہماری قاسم حبیبی ۵۷۳
- ۶۴- زمانے بھر کی ہیں آنکھوں کے کلیم دانش برکاتی ۵۷۴
- تارے مرشد اعظم
- ۶۵- بایں انداز کرتا ہوں ثنائے مرشد اعظم کلیم دانش برکاتی ۵۷۵
- ۶۶- کس نے پہنایا ہے مارہرہ کو نوری پیر بن کلیم دانش برکاتی ۵۷۶

احوال و کوائف خانقاہ برکاتیہ

- ۶۷- عرس قاسمی برکاتی ۲۰۰۸ء کی محمد اکبر قادری برکاتی ۵۷۸
- سہ روزہ تقریبات
- ۶۸- سالانہ فاتحہ حضور احسن العلماء قدس سرہ محمد اکبر قادری برکاتی ۵۸۲
- ۶۹- حضرت امین ملت کے تبلیغی اسفار محمد اکبر قادری برکاتی ۵۸۶
- ۷۰- کوائف جامعہ البرکات احمد مجتبیٰ صدیقی ۵۹۳



اداریہ (۱)

سید نجیب حیدر قادری برکاتی نوری

مدینہ منورہ سے عراق کے شہر واسطہ اور وہاں سے مختلف علاقوں سے ہوتا ہوا خانوادہ رسول ﷺ کا یہ کنبہ بلگرام پہنچا اور وہاں لائی ہے اس آفتاب دیں کی تحویل جلیل ساغر مارہرہ میں صہبائے جام بلگرام۔

خانوادہ برکات کا علمی ترجمان و اہل سنت والجماعت کی شیرازہ بندی کا غماز رسالہ "اہل سنت کی آواز" ایک مرتبہ پھر اپنے بانی حضور تاج العلماء حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قدس سرہ اور ان کے دونوں جید معاونین حضور سید العلماء و حضور احسن العلماء قدس سرہم کی خانقاہی، دینی و علمی روایات کی عکاسی کرتا ہوا معزز قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔ اپنے سن تجدید ۱۹۹۲ء سے لے کر آج تک احسن العلماء قدس سرہ کی حیات و خدمات، توحید، تصوف، قصیدہ نور کا، عظمت قرآن، اخلاق و آداب نمبر، مصطفیٰ جان رحمت، سرکار غوث اعظم، غریب نواز جیسے مفید علمی جواہر پارے آپ کی ذوق علمی کی نذر کر چکا ہے اور اس سال اکابر مارہرہ قدس سرہم کی حیات اور ان کی روحانی عظمتوں کو بیان کرتا ہوا "مخصوص شمارہ اکابر مارہرہ" کی شکل میں عاشقان صاحب البرکات کی خدمت میں حاضر ہے۔

سادات زیدیہ کی وہ شاخ جو حضرت میر سید عبدالجلیل کے مارہرہ آنے کے بعد مارہرہ کو اپنا جائے سکونت بناتی ہے (اور یہ واقعہ عہد جہاں گیر کا ہے) اس شاخ کی اولاد ذکور و اناث میں جو مشائخ و علما ایسے گزرے جن سے ایک زمانہ نے دین متین، شریعت مطہرہ اور طریقت روحانی کو سمجھا اور سمجھ کر عمل کیا ان میں جو اصحاب اپنے وقت میں خانقاہ کی روحانیت، علم اور روایات کے نمائندہ ہوئے، انہیں ہم اکابر مارہرہ کے لقب سے جانتے ہیں۔ حضرت غوث الثقلین سیدنا ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تسبیح کے دانے اور حضرت بوعلی شاہ قلندر کا انہیں حضور صاحب البرکات کو پیش کرنا اور ان تسبیح کے دانوں اور مارہرہ مطہرہ کے اقصاب کی تعداد یہ وہ روایات ہیں جو سینہ بہ سینہ بھی ہم تک پہنچی ہیں اور معرض تحریر میں بھی آچکی ہیں اور اصحاب علم کے علاوہ عوام بھی اس سے

خوب واقف ہیں۔

اکابر مارہرہ میں چند خصوصیات ہمیشہ مشترک رہی ہیں:

- ۱- حسب نسب کی مضبوطی
 - ۲- سلوک و روحانیت کے ساتھ ساتھ علم و فضل
 - ۳- حکام وقت کے درپہ نہ جانا
 - ۴- عوام الناس کا رجوع
 - ۵- علمائے کرام کی قدر دانی
 - ۶- تحریری خدمات
 - ۷- عوامی رابطہ اور غربا پروری
 - ۸- معاصر مشائخ و علما کا رجوع خاص
 - ۹- پابندی شریعت میں مداومت
 - ۱۰- مذہب اہل سنت پر تہذیب کے ساتھ قائم رہنا اور اعزہ و احباب کو اسی کی نصیحت و وصیت۔
 - ۱۱- زمانے کی رفتار پر نظر
- اگر ان نکات کی تفصیل بیان کی جائے تو ایک کتاب تیار ہو جائے۔ آئندہ صفحات میں آپ پائیں گے کہ اکابر مارہرہ کی زندگی کی تاریخ دراصل ان ہی نکات کی تفصیل ہے۔

اکابر مارہرہ پر یہ خصوصی شمارہ تمام اکابر کا احاطہ نہیں کر سکا۔ اس لئے بعونہ تعالیٰ یہ ارادہ کیا کہ پہلے شمارہ میں خاندان کی مختصر تاریخ اور تاریخ کی کڑی سے کڑی جوڑنے کے لئے مارہرہ آنے سے پہلے والے بزرگوں کے مختصر احوال اور پھر حضور شاہ عبدالجلیل، حضور صاحب البرکات، حضرت شاہ حمزہ، حضور آل احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہم کا ذکر تفصیل سے بیان ہو۔

اگلے خصوصی شمارہ میں انشاء اللہ تعالیٰ خاتم اکابر حضرت سید شاہ آل رسول، خاتم اکابر ہند سید شاہ ابوالحسن احمد نوری، سید شاہ محمد صادق، حضرت ابوالقاسم سید شاہ اسماعیل حسن عرف شاہ جی میاں صاحب، تاج العلماء حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب، حضرت سید العلماء سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں، حضور احسن العلماء سید شاہ مصطفیٰ حیدر سید حسن

میاں قدست اسرار ہم کے بارے میں مضامین ہوں گے۔ ساتھ میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ بزرگوں کی شان میں وہ مناقب شامل کی جائیں جو اس دور کے معتقدین و متوسلین نے رقم فرمائی ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کا رقم کردہ وہ شجرہ مبارک جو بہ صیغہ درود ہے جو انہوں نے اپنے مرشد کے حکم پر تصنیف فرمایا تھا اس کا قلمی عکس بطور تبرک حاضر ہے۔

خانقاہ برکاتیہ پندرہ سلاسل تصوف کا حسین سنگم ہے جس میں چار بڑے دریا قادریت، چشمتیت، سہروردیت اور نقش بندیت ہیں۔ ہمارے اجداد کرام عراق کے شہر واسط سے ہندوستان تشریف لائے۔ یہ وہ دور تھا جب حضرت شمس الدین اتمش ہندوستان پر حکومت کر رہے تھے اور قطب وقت حضرت سیدنا قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہ عوام الناس کے دلوں پر حکومت کر رہے تھے۔ انہوں نے ہمارے جد کریم حضرت سیدنا میر محمد صغریٰ رحمۃ اللہ علیہ کو تاج خلافت عطا فرمایا۔ اس طرح فاتح بلگرام کا یہ کنبہ ہجرت کرتا ہوا مارہرہ تشریف لایا۔ مارہرہ کو یم نگر برکات نگری بنانے والے صاحب البرکات نے مارہرہ میں مسند ارشاد بچھائی اور تشنگان شریعت و معرفت کو راہ ہدایت سے سرفراز فرمانے کا سلسلہ دراز کیا۔ صاحب البرکات کے دو صاحبزادے ہوئے سرکار کلاں حضرت سید شاہ آل محمد جو بڑی سرکار کے بانی ہیں اور دوسرے سید شاہ نجات اللہ صاحب قدس سرہ چھوٹی سرکار کے مورث اعلیٰ ہیں۔ الحمد للہ: دونوں شاخوں میں صاحبان علم و معرفت پیدا ہوئے اور اپنے اجداد کرام کا نام خوب خوب روشن کیا۔

نام و نمود کے شوق سے دور، نسبی تفاخر و تکبر، کاروباریت و بازاریت سے بیزاری اور علم دوستی، محبت و اخلاص و انکسار کو اپنا وطیرہ بنا کر ان بوریا نشین درویشوں نے اپنی خانقاہ کو شریعت و طریقت کا سرچشمہ بنایا اور شاید یہی وجہ تھی کہ ان گرامی شخصیتوں نے دنیا کو اپنے کردار و اطوار سے ایسا متاثر کیا کہ بڑے بڑوں نے اپنا سر عقیدت ان کی بارگاہوں میں ختم کیا اور ہدایت پائی۔ بڑے بڑے اساطین شریعت و معرفت نے مارہرہ کو اپنا مرکز عقیدت تسلیم کیا۔ بریلی شریف، بدایوں شریف، کچھوچھو شریف کے صاحبان علم و تصوف نے اپنا تن من دھن مارہرہ شریف پر نچھاور کیا اور انہوں نے اس کے بدلے کیا پایا۔ یہ زمانہ اچھی طرح جانتا ہے۔ اس خانقاہ عالیہ کا تعلق فی الدین خود میں امتیازی شان کا حامل ہے اور آج بھی یہ کوشش جاری ہے کہ بزرگوں کی ان روایات کی پاس داری جہاں تک ممکن ہو جاری رکھی

جائے، تعمیر نصب العین ہو، تخریب سے خود کو باز رکھا جائے۔ حفظ ناموس رسالت کی ذمہ داری کل بھی ہمارے بزرگوں کا اولین مقصد تھا اور آج بھی ہم اسے اپنا سب سے اہم فریضہ تصور کرتے ہیں۔ گمراہی کے طوفان سے امت کو بچانے کا جو درس آج سے ساڑھے تین سو سال پہلے یہاں سے دیا گیا تھا، اس پر آج بھی عمل پیرا ہونے کا پورا اہتمام ہے۔ فکری فساد اور تذبذب کے دلدل سے مسافران امت کو بچانے اور ایمان اور اعتقاد کی حفاظت کے لیے جو سعی ہمارے اکابر نے فرمائی اس کام کو انجام دینے کے لیے آج پورے حوصلے اور عزم کے ساتھ اہل خاندان کمر بستہ ہیں۔ مسلک اعلیٰ حضرت جو اصل میں مسلک حق اور قدیم مذہب مہذب اہل سنت کو مضبوط تر کرنے کا نام ہے، اس کی حفاظت اور ترویج و اشاعت کے لیے آج بھی ذمہ داران خانقاہ پروقار طریقے سے سعی کر رہے ہیں۔ الحمد للہ اس سال ارادہ کیا کہ عاشقان خانوادہ برکات کو ان کے مرکز عقیدت کے اکابر کے احوال اور ان کی زریں خدمات سے آگاہ کیا جائے اور اس کے دو فائدے سر دست نظر آئے: اول بزرگان مارہرہ کی حیات و خدمات جدید قلم کاروں کی کاوشوں کی شکل میں ڈھل کر تاریخ کے ایک روشن باب کی شکل میں محفوظ ہو جائیں اور دوسری طرف عقیدت کیش اپنے بزرگوں کی زندگی اور ان کی گراں قدر خدمات سے سبق حاصل کر کے اپنی زندگی کو نمونہ عمل بنانے کے لیے حسب توفیق کوشش کریں۔ تو اکابر مارہرہ کی سیرت کا مطالعہ فرمائیے اور دیکھئے کہ شروع سے آخر تک کیسے کیسے پر آشوب حالات میں ان اکابر نے نہ صرف یہ کہ دین کی شمع روشن رکھی بلکہ اپنے زمانے کے سماج کو بھی کئی طرح سے متاثر کیا اور کس طرح شریعت محمدی سے مکمل وفادار رہے۔ روحانی سلسلہ خصوصاً سلسلہ قادریہ کی زبردست توسیع فرمائی۔ اندھیری رات میں کبھی کبھی ایک چھوٹا سا چراغ بھی منزل تک پہنچانے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ یہاں تو ہم نے آپ کے سامنے ”اہل سنت کی آواز“ کے افق پر شریعت و طریقت کے آفتاب و ماہتاب سجا کر پیش کر دیے ہیں۔

رب کریم اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہمیں ان اکابر کی پیروی کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے آمین۔



وفیات

سید و اصف علی نقوی

برادرِ مکرم حضرت امین ملت اور برادرِ محترم سید محمد افضل کے سب سے بڑے برادرِ نسبتی تھے۔ اس سال ۲۱ ویں رمضان کو بعارضہ ذیابیطس اس سرائے فانی سے رخصت ہوئے۔ خاموش طبع، متصلب سنی اور اپنے بھائی بہنوں کو بہت چاہنے والے تھے۔ ان کے مزاج میں انکسار کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ محکمہ پولس کے ایک اچھے منصب سے ریٹائر ہوئے لیکن ان میں ”پولیسیت“ نام کو نہیں تھی۔ ان کے انتقال سے ہماری بھابیوں اور دیگر بہنوں بھائیوں کو جو صدمہ ہوا ہے، ہم اس سے واقف ہیں اور ان کا درد اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں۔ تدفین الہ آباد ہی میں عمل میں آئی۔ برادرِ محترم حضرت امین ملت نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ہم سب اس موقع پر وہاں حاضر تھے۔ خدا تعالیٰ مرحوم کے مقامات بلند فرمائے اور بھائیوں بہنوں اور تمام متعلقین اور احباب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ الحبیب الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

سید وثاق الحسن رضوی عرف منے بھائی

ہمارے خالو حکیم سید آفاق حسین رضوی مرحوم کے منجھلے صاحبزادے سید وثاق الحسن رضوی ہجرت کے بعد سیتا پور سے پاکستان چلے گئے تھے۔ تعلیم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ہوئی۔ پاکستان میں اعلیٰ سرکاری مناصب پر کام کیا۔ انکم ٹیکس کمشنر ملتان اور انکم ٹیکس کمشنر کراچی رہے۔ صوبہ سندھ کے پبلک سروس کمیشن کے ممبر سے سبکدوش ہوئے۔ بلاشبہ سینکڑوں ضرورت مندوں کو ملازمت دی۔ منے بھائی بڑے کنبہ پرور اور سخی دل انسان تھے۔ علم و ادب اور تعلیم سے بہت دلچسپی تھی۔ سرسید انجینئرنگ یونیورسٹی کراچی کے بانیان میں سے ایک تھے۔ آخر تک اس یونیورسٹی کے ٹریڈر رہے۔ بعارضہ سرطان جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ اپنے پیچھے دو بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑی ہیں جو بہت نیک اطوار اور شریف الطبع ہیں۔

منے بھائی اپنے خالو جان یعنی حضور احسن العلماء قدس سرہ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ حضور تاج العلماء قدس سرہ کے خاص عقیدت مند تھے۔ والد ماجد علیہ الرحمۃ والرضوان کے بعد اب وہ حضرت امین ملت سے بے حد مانوس تھے۔ حضرت امین ملت کے قیام کراچی کے دوران وہ اپنی ساری مصروفیات چھوڑ کر ہفتے میں دو تین بار ملنے ضرور آتے تھے۔ ہماری والدہ ماجدہ کو بیحد چاہتے تھے۔ ہم میں سے کوئی بھی کراچی جاتا تو اس کے اکرام میں ایک ایسی بڑی دعوت کرتے کہ ہمارا پورا قبیلہ (نہیلی قبیلہ) وہاں مدعو ہوتا۔ وہ کبھی اس دعوت کا ناغہ نہیں کرتے تھے۔ ان کے انتقال سے ہم بھائیوں کا ذاتی نقصان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور بیٹیوں بیٹیوں اور تمام متعلقین کو صبر جمیل کی طاقت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ الحبیب الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

سید اختر حسین زیدی ادیب مارہروی

سید صاحب ۱۹۵۰ء کے لگ بھگ مارہرہ آئے اور مثلاً لال گلزاری لال ہندو مسلم انٹر کالج میں استاد کے فرائض انجام دینے لگے اور پھر مارہرہ کے ہی ہو کر رہ گئے۔ متوسط قامت، گھٹیلاد بدن، سرخ و سفید رنگت، لباس عموماً شیروانی۔ ہمہ وقت تعلیم سے متعلق باتیں کرتے تھے۔ وہ عم محترم سید حسین میاں زیدی سے لے کر مجھ فقیر تک کے استاد تھے اور اس امر کا محفلوں میں خصوصی ذکر کرتے تھے۔ انگریزی گرامر میں بہت ماہر تھے۔ شعر بھی خوب کہتے تھے۔ حضرت تاج العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان سے عقیدت تھی جس کا ثبوت وہ چار قطعات ہیں جو آج بھی حضور تاج العلماء قدس سرہ کے روضہ میں سید صاحب کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے فریم میں لگے ہیں۔ وہ اس نسل سے تعلق رکھتے تھے جو شاگردوں کی فلاح و بہبود کو اپنا فرض منصبی سمجھتی تھی۔ وہ کبھی کسی کے رعب میں نہیں رہے۔ پرنسپل نے من مانی کرنا چاہی تو وائس پرنسپل پر ٹھوکر ماری۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ

افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

ہماری دعا ہے کہ اللہ رب العزت اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں سید اختر حسین زیدی مرحوم کی مغفرت فرمائے، انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور

ہماری استانی صاحبہ اور ان کے صاحبزادے سید مظفر حسین زیدی (جو ایک لائق ادیب اور پبلشر ہیں) کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ الحبیب الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

حاجی محمد حنیف برکاتی

ہمارے قصبہ مارہرہ کے بڑے معزز گھرانے کے فرد اور ہم سب کے بہت چاہنے والے محمد حنیف برکاتی صاحب بھی ۲۶ مئی ۲۰۰۹ کو اس سے سرائے فانی سے رخصت ہوئے۔ حنیف بھائی قصبہ مارہرہ کے ان افراد میں سے تھے جنہیں خاندان برکات کا عاشق صادق کہا جاتا ہے۔ انکا پورا گھرانہ خاندان برکات کا شیدائی اور حلقہ ارادت میں ہے۔ حنیف برکاتی بڑے آبا حضرت سید العلماء قدس سرہ سے بیعت تھے۔ وہ میرے والد ماجد حضور احسن العلماء قدس سرہ کی تعظیم و محبت مثل مرشد کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انکے ہاتھوں کو بڑے ہنر عطا فرمائے تھے۔ موتیوں میں طرح طرح کے رنگ بھرنے کا جو فن انکو آتا تھا اس کا آس پاس علاقوں میں کوئی ثانی نہیں ہے۔ حنیف بھائی اور ان کے سب گھر والوں سے ہم سب بھائیوں کے بڑے عمیق مراسم ہیں۔ انکے برادر اکبر حافظ شریف احمد صاحب کمیٹی منظمہ درگاہ سید شاہ برکت اللہ قدس سرہ کے ممبر منتظم ہیں۔ حنیف برکاتی صاحب البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی کی مجلس عاملہ کے رکن اور مارہرہ ایجوکیشنل سوسائٹی کے خازن تھے۔

حنیف بھائی بڑے متصلب سنی، بہت ہی مخیر، اور سماجی بہود کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والوں میں سے تھے۔ مساجد کے انتظام و انصرام سے تو انہیں عیش تھا اور مدارس اسلامیہ کے طلبہ کی تعلیم میں مدد انکا شوق تھا۔ ہم سب کو انکی رحلت سے بہت صدمہ پہنچا۔ حضرت امین ملت انکے انتقال کے خبر سنتے ہی علیگڑھ سے روانہ ہوئے اور انہوں نے ہی نماز جنازہ پڑھائی۔ دعا ہے کہ رب کریم حاجی حنیف برکاتی مرحوم کی مغفرت فرمائے اور انکے تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے (امین)

احمد ضیا صاحب

ہمارے بہت ہی عزیز احمد ضیا صاحب بھی داغ مفارقت دے گئے۔ ان کے انتقال سے دل کو بڑی تکلیف پہنچی، احمد ضیا صاحب کا تعلق بہت بڑے علمی خانوادے سے تھا۔ ان کے دادا ڈاکٹر سر ضیاء الدین صاحب مشہور ماہر ریاضی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے

وائس چانسلر تھے بلکہ یوں سمجھئے کہ وہ جدید علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے معماروں میں سے تھے۔ احمد ضیا صاحب انہیں کے لائق پوتے تھے۔ اپنے خاندان کا فخر تھے۔ ان سے ہمارا وطن کا بھی رشتہ تھا اور دل کا بھی۔ احمد ضیا بھائی ہماری بہت ہی محترم اور عزیز بہن روجی آپا کے شوہر تھے۔ جتنا روجی آپا ہم سب کو چاہتی ہیں احمد ضیا بھائی بھی اتنی ہی الفت ہم سب سے رکھتے ہیں۔

ان کے برادر نسبتی محترم پرویز زبیری صاحب سابق چیئر مین ٹاؤن ایریا مارہرہ کے ہمراہ اکثر احمد ضیا بھائی سے ملاقاتیں رہتیں ہمیشہ بہت ہی خندہ پیشانی خلوص و محبت سے پیش آتے تھے۔ برادران محترم حضرت امین ملت اور حضرت شرف ملت سے بہت عمیق مراسم تھے۔ دونوں بھائیوں سے ان کا عرصے تک پڑوس کا ساتھ رہا۔ حضرت امین ملت کافی سالوں میرس روڈ پر مقیم رہے اور حضرت شرف ملت جب علی گڑھ میں کمشنر کے عہدے پر فائز ہوئے تو ان کے آفس اور احمد ضیاء صاحب کے دولت خانہ کے درمیان فاصلے کا نام ایک دیوار تھا۔ احمد ضیاء بھائی بڑے متصلب سنی صحیح العقیدہ تھے۔ دہلی میں ان کا انتقال ہوا ان کا وہاں سے جنازہ علی گڑھ لایا گیا۔ ضیا کمپاؤنڈ سے ملحق ان کے آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ حضرت امین ملت مدظلہ العالی نے پڑھائی۔ راقم بھی تدفین میں شامل تھا۔ اللہ تعالیٰ احمد ضیا صاحب کی مغفرت فرمائے۔ روجی آپا اور ان کے بچوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

مسمات رضوانہ زبیری مرحومہ

دنیا میں کچھ انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی منصب کے مالک نہیں ہوتے لیکن اپنے کردار کی صلابت اور شرافت کے باوصف دلوں میں گھر بنا لیتے ہیں۔ محلہ کبہوہ کے اسلام الحق صاحب مرحوم کی ہمیشہ مسمات رضوانہ زبیری صاحبہ بھی ایسی ہی تھیں۔ تنگ دستی کے باوجود تواضع کرتی تھیں۔ جب بھی خانقاہ تشریف لاتیں، چھوٹے بچوں کے لئے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور لاتیں، خوشی غمی کے موقع پر ہمیشہ ساتھ رہتیں۔ بڑا بے عیب کردار پایا تھا۔ شرافت کے ساتھ زندہ رہیں اور اسی شرافت کی چادر کو اوڑھ کر آج اپنی قبر میں سو رہی ہیں۔ ہمارے گھر کی چھوٹی بڑی مستورات سے وہ بہت مانوس تھیں۔ مجھے کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ عالم برزخ میں جنت کی طرف کھلی ہوئی کھڑکی سے ہاتھ نکال کر، گزک، مونگ

بھلی، پھل وغیرہ کے تحفے فرشتوں کو بلا کر بلا کر دے رہی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور متعلقین کو صبر کی طاقت دے۔ آمین بجاہ الحیب الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

زین الدین صاحب

ہمارے قصبے کے ڈاکٹر زین الدین صاحب کا انتقال بھی اسی سال ہوا۔ مرحوم ہم سب سے بڑا گہرا ربط رکھتے تھے، خانقاہ کے چاہنے والوں میں سے تھے۔ عرس قاسمی کے ایام میں خانقاہ کی طرف سے جو میڈیکل کمپ لگتا ہے، اس میں اپنی خدمات پیش کیا کرتے تھے۔ اور بہت مستعدی سے پورے عرس کے دوران یہ کام ذمہ داری سمجھ کر کرتے تھے۔ اس باران کی بہت کمی محسوس ہوگی۔ رب کریم انہیں غریقِ رحمت کرے۔ ان کے گھر والوں اور عزیزوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔



جامعہ البرکات کی سرگرمیاں

خانقاہ برکات کی سرپرستی میں چلنے والا یہ ادارہ روز بہ روز ترقی کی راہوں پر گامزن ہے۔ ہمارا مقصد کبھی البرکات سے مالی منفعت نہیں رہا اور شاید یہی وجہ ہے کہ ادارہ بہت کم وقت میں کامیابی کی اُن منزلوں پر نظر آ رہا ہے جس کی توقع اتنی جلدی ہمیں بھی نہیں تھی۔ ہماری یہ کوشش ہے کہ ہمارے طلبہ میں وسیع نظری پیدا ہو، ایک دوسرے کے لیے کچھ کر سکنے کا جذبہ بیدار ہو۔ ایسی اقدار بیدار ہوں جو انسانیت اور رواداری کے جذبے کو مزید بالیدگی بخشیں اور یہ چیزیں عام طور پر عصری علوم کی درس گاہوں عنقاہیں۔ البرکات میں چونکہ عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن کی تعلیم اور سیرت مبارکہ سے آشنائی، شرعی دینی مسائل کی معلومات نماز اور روزہ پابندی اوقات کے ساتھ ادا کرنے کی ترغیب نصاب کا ضروری حصہ تصور کرتے ہوئے ”تر بیت کلاس“ کے ذریعے دی جاتی ہے۔ اس لیے یہاں کے طلبہ و طالبات بھی دیگر درس گاہوں کے طلبہ کے مقابلے میں منفرد نظر آتے ہیں۔ میرے برادران ذی وقار حضرت امین ملت، حضرت شرف ملت اور افضل میاں صاحب نے خود کو لگ بھگ اس مشن کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ یہ فقیر برکاتی بھی البرکات کے معاملات میں حتی الوسع

دلچسپی رکھنے کے ساتھ مارہرہ شریف میں چلنے والے مارہرہ پبلک اسکول میں خود کو مصروف رکھنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ ماشاء اللہ تقریباً ۶۰۰ سے زائد طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ اسکول بھی جلد ہی CBSE Board سے الحاقی ہوگا۔ صوبائی حکومت سے اس سلسلے میں منظوری کا خط حاصل ہو گیا ہے۔ جامعہ البرکات میں اور مارہرہ پبلک اسکول میں کیا تعمیری اور تعلیمی کارگزاریاں انجام دی جا رہی ہیں کوائف البرکات میں ملاحظہ فرمائیں۔



تعمیرات

خانقاہ میں تعمیرات کا سلسلہ پچھلے کئی سال سے اب تک جاری تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس سال یہ تمام عمارتیں مکمل ہو کر اپنی خدمتوں کے حوالے ہیں۔ ہم سب کی خواہش ہے کہ ہمارا برکاتی لنگر خانہ پختہ ہو جائے تاکہ اس میں ضرورت کا سامان مستقل طور پر فراہم کیا جاسکے۔ امید قوی ہے کہ اگلے سال یہ کام بھی پائے تکمیل کو پہنچ جائے گا اس کام سے ایک طرف تو لنگر خانے کا انتظام دیکھنے والے ہمارے احباب کو بہت سہولت ہوگی اور دوسرے ہمارے احباب کو دورانِ لنگر آرام بھی۔

خانقاہ شریف میں قائم ہونے والے کتب خانے کی عمارت تیار ہے، خانقاہ برکات میں نادر و نایاب کتب اور اسلامی مخطوطات کا خزانہ بفضلہ تعالیٰ موجود ہے اور الحمد للہ محفوظ بھی ہے۔ اب ارادہ ہے کہ ان تمام کتب کو موجودہ جدید Library Preservation Technology کے ذریعہ محفوظ کر کے کتب خانہ کو نئی عمارت میں منتقل کر دیا جائے تاکہ عوام اس سے فیضیاب ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ عرس قاسمی کے بعد اس کام کا آغاز ہوگا۔

اس سال جامعہ البرکات میں بڑے پیمانے پر تعمیرات کا کام مکمل ہوا۔ ایم۔ بی۔ اے۔ انسٹی ٹیوٹ کی بلڈنگ جس میں کانفرنس ہال اور طلبہ کے لیے شاندار کینٹین طلبہ و طالبات کے لیے الگ الگ کمن روم اور لائبریری کی سہولتیں موجود ہیں مکمل ہو گئی۔ اور اس میں کلاس بھی شروع ہو چکے ہیں۔ ایم۔ بی۔ اے کی سابق عمارت کو سیکشن بڑھا کر اسکول کو دے دیا گیا ہے۔

ہماری والدہ ماجدہ کے نام سے موسوم ”البرکات محبوب فاطمہ گرلس ہاسٹل“ بھی اسی سال مکمل ہوا اور آباد بھی۔ ماشاء اللہ بچیاں فرحت اور تحفظ کے احساس کے ساتھ کسب تعلیم اور تربیت میں مصروف ہیں۔

برادر محترم حضرت امین ملت مدظلہ کی دلی خواہش تھی کہ لڑکیوں کے لئے الگ پڑھائی کا انتظام ہو جس میں خواتین ہی پڑھائیں اور خواتین ہی اس کے انتظامی امور کو انجام دیں تاکہ لڑکیاں اپنے ہی ماحول میں آزادی کے ساتھ پڑھ سکیں لہذا ان کی خواہش کی تکمیل کے لئے گرلس ہوسٹل سے ملحق زمین پر لڑکیوں کے لئے ۱۲ ویں کلاس تک الگ سیکشن کھولنے کا ارادہ کیا۔ نقشہ وغیرہ تیار ہو چکے ہیں۔ امید ہے کہ اس سال یہ ادارہ بھی پائے تکمیل تک پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد ہمارا اگلا منصوبہ ایک انجینئرنگ کالج اور vocational college شروع کرنے کا ہے جس کے لئے الگ زمین کی فراہمی کا معاملہ زیر غور ہے اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو بھی منزل مقصود تک پہنچائے آمین۔



عرس قاسمی برکاتی میں پروگراموں کی توسیع

فکر و تدبیر کانفرنس

پچھلے سال عرس قاسمی شریف میں بہت سے نئے اور خوشگوار اضافے کیے تھے وہ اس نیت کے ساتھ کہ زائرین عرس مستفید اور مستفیض ہوں۔ پچھلے سال خانقاہ شریف میں ”فکر و تدبیر کانفرنس“ کا انعقاد کیا گیا تھا، ماشاء اللہ بہت کامیاب رہی، کثیر تعداد میں علماء کرام، و مشائخ عظام و دانشوران ملت نے شرکت فرمائی۔ مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ نے بھی شرکت فرمائی۔ اس کانفرنس کی تجاویز پر عمل بھی کیا گیا اور شہر لکھنؤ کے دارالعلوم وارشہ میں اس حوالے سے محافل و مجالس کا انعقاد کیا گیا۔ اس بار انشاء اللہ عرس قاسمی میں ”دوسری کل ہند فکر و تدبیر کانفرنس“ میں ملت کے ترجیحی مسائل پر غور و خوض کیا جائے گا۔ ترجیحی مسائل میں ہم نے سب سے پہلے تعلیم کو چنا ہے، جو کہ امت کے لئے ایک اہم ترین مسئلہ ہے۔ اس بار اس کانفرنس کا خصوصی موضوع ”مسلم معاشرے میں تعلیم کے مسائل اور امکانات“ ہے۔ امید ہے کہ اس کانفرنس میں تعلیم کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں جو تجاویز

علماء، مشائخ و دانشوران آئیں گی، ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انہیں علماء، مشائخ و دانشوران کی مدد سے منصوبہ جات مرتب کئے جائیں گے تاکہ امت مسلمہ اس سے استفادہ کر سکے۔

روحانی کیمپ

اللہ نے چاہا تو اس سال درگاہ برکاتیہ میں تلاوت قرآن پاک، اوراد و وظائف و اذکار کا اہتمام ایام عرس میں کیا جائے گا جو خانقاہی معمولات کا اہم حصہ ہے۔ صوفیائے کرام اپنی خانقاہوں اور آستانوں میں عوام کو ان تمام عبادات اور ریاضات کی طرف رجوع کرتے کیونکہ یہ تشنگان معرفت و سلوک کے لئے تزکیہ نفس و تسکین قلب کا واحد ذریعہ ہے۔

البرکات تربیتی و تعلیمی کیمپ

البرکات ادارہ علوم اسلامی کے زیر اہتمام گذشتہ سال زائرین عرس کی دینی معلومات میں اضافہ کرنے کی غرض سے کیمپ لگایا گیا تھا جس میں عوام نے کافی دلچسپی دکھائی اور اس کا فائدہ اٹھایا۔ اس بار انشاء اللہ تعالیٰ اس کو اور منظم کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ معلوماتی لٹریچر کے ساتھ کیمپ عوام کے لئے اور بھی فائدے مند ثابت ہوگا۔ البرکات ایجوکیشنل انسٹی ٹیوٹ کے ذمہ داران اس سال البرکات تعلیمی کیمپ لگانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انشاء اللہ اس کے ذریعہ آپ حضرات کو اپنے بچوں کے تعلیم اور روزگار کے متعلق اچھی جانکاریاں حاصل ہوں گی آئندہ آنے والے سالوں میں یہ کیمپ بھی اپنی افادیت میں چار چاند لگائے گا۔

اس سال ہمارے البرکات علوم اسلامی کے ادارے کے زیر اہتمام سیرت پاک کے تعلق سے ایک پوسٹر شائع کیا جا رہا ہے، جس میں سرکار دو عالم ﷺ کی حیات مبارکہ کے متعلق معلومات ہیں۔ جب یہ پوسٹر آپ کے ہاتھوں میں ہوگا تو آپ کو یقیناً خوشی ہوگی کہ ایک جگہ حضور ﷺ سے متعلق اتنی معلومات کی فراہمی ہے۔ یہ ہر امتی پر لازم ہے کہ وہ اپنے نبی پاک ﷺ کی سیرت سے آشنائی رکھے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مرتبین ڈاکٹر مولانا سرور صاحب اور ڈاکٹر مولانا شکیل صاحب کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

اہل سنت کی آواز کی اشاعت اب ہمارا مشن ہے۔ ہماری کوشش رہی ہے کہ ہر سال اس کے معیار میں چار چاند لگیں اور ہمارے قارئین کو ایک سال کے انتظار کا اچھا پھل ملے۔ مدیر معاون علامہ ساحل شہسرامی کے ممنون ہیں کہ انہوں نے اس ذمہ داری کو بہت محنت اور لگن کے ساتھ اپنے اوپر لیا ہے اور اس کا حق ادا کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔

اُن تمام اصحاب قلم کا میں دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے مضمون اس شمارے کی زینت ہیں۔

جناب عبدالرحمن رفیق اور ان کے رفقاء کا شکریہ کہ وہ اس بابرکت کام کو کئی برسوں سے اپنا کام سمجھ کر انجام دے رہے ہیں۔ میں ان تمام معروضات کے بعد آپ سے اس گزارش کے ساتھ رخصت ہوتا ہوں کہ اہل سنت کی آواز کے اس شمارے پر اپنے تاثرات ضرور ارسال کریں تاکہ اگلے شمارے میں یہ شامل اشاعت ہو سکیں۔

آپ کی دعاؤں کا طالب

سید نجیب حیدر قادری برکاتی نوری

اداریہ (۲)
ساحل شہسرامی (علیگ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہندوستان کی سرزمین پر خاندان برکات کا باضابطہ نقطہ آغاز فاتح بلگرام سیدنا سید محمد چشتی صاحب الدعوة الصغریٰ قدس سرہ (م ۶۲۵ھ) کو تسلیم کیا جاتا ہے جو سلطان عادل شمس الدین اتمش کے زمانے میں فوجی سپہ سالار، مقرب خاص اور سیدنا خواجہ قطب الدین بختیار کا کی قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ نے پچاس سال کی عمر میں سری نگر (بلگرام) پر تاخت کر کے وہاں کے ظالم کافر بادشاہ کو زیر کیا اور پھر اس خطے میں اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ آباد ہو گئے۔ اپنی ایمانی، روحانی اور جسمانی قوت سے آپ نے یہاں کفر کو ہر محاذ پر شکست دی۔ سحر و ساحری، اجنہ اور سرکش کافروں کی ریشہ دوانیاں سبھی آپ کی خداداد شوکت و قوت کے سامنے سر بہ خم ہو گئیں اور پھر آپ کے قدم مہمنت لزوم نے اس خطے میں اسلام کے ایسے پھریرے لہرائے کہ آج تک ایک زمانہ آپ کے متعلقین اور مستفیدین سے دین اور علم کی برکتیں حاصل کر رہا ہے۔

فاتح بلگرام سید محمد چشتی صاحب الدعوة الصغریٰ قدس سرہ کے چھوٹے صاحبزادے سید محمد عمر قدس سرہ کی نسل سے ایک شاخ سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ سے ہوتی ہوئی مارہرہ پہنچتی ہے۔ سیدنا میر عبدالخلیل چشتی بلگرامی ثم مارہروی (م ۱۰۵۷ھ) گیارہویں صدی کے آغاز میں مارہرہ شریف تشریف لائے۔ پھر آپ کی شاخیں چار سو سال سے زائد عرصہ ہوتا ہے، علم و فضل، جود و عطا اور زہد و اتقا کی نعمتیں تقسیم کر رہی ہیں۔

حضرت فاتح بلگرام سید محمد علیہ الرحمہ کی رحلت (م ۶۲۵ھ) تقریباً آٹھ سو سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ اس طویل مدت میں آپ کے خاندان ذیشان میں عرفا، علما، مشائخ، ادباء، شعراء، امراء، اصحاب کمال، صاحبان ثروت کی طویل صفیں نظر آتی ہیں۔ ناچیز نے صرف حضور صاحب البرکات کے بڑے صاحبزادے سیدنا شاہ آل محمد کی نسل کے نمایاں افراد کی

علمی اور ادبی خدمات کا اجمالی جائزہ پیش کیا تو وہ تقریباً دو سو صفحات پر پھیل گیا۔ اگر صغریٰ سادات کی جملہ شاخوں کے ہمہ جہت فضائل و کمالات اور دینی، علمی، ادبی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو بلا مبالغہ صغریٰ برکاتی انسائیکلو پیڈیا کی سینکڑوں جلدیں درکار ہوں گی۔ ایسے وسیع الجبات خاندان کے اکابر کی حیات و خدمات کا اجمالی جائزہ ”اہل سنت کی آواز“ مارہرہ شریف دوستوں میں پیش کر رہا ہے۔ پہلی قسط پیش نگاہ ہے۔ دوسری قسط اگلے سال پیش ہوگی۔



اس خاندان ذیشان کی کئی نمایاں خصوصیات ہیں۔ فاتح بلگرام سید محمد صاحب الدعویٰ الصغریٰ کی پانچویں پشت کے دادا حضرت سید ابو الفرح واسطی قدس سرہ نے اپنے پورے قبیلے کے ساتھ ہندوستان کا رخ کیا۔ سید تراب علی بلگرامی (بیچ بھیا) اپنے نسب نامے میں لکھتے ہیں:

آں ولی اللہ (سید ابو الفرح واسطی) مع قبائل و عیال و اطفال و سی و شش قوم رعایا و لوازم دار ضروری ہمراہ گرفتہ، بسمت ہندوستان روانہ گشتند (تاریخ بلگرام، ص ۹۷)

حضرت سید ابو الفرح واسطی اپنے اہل و عیال اور رعایا کی ۳۶ قوموں اور ضروری لوازمات کے ساتھ ہندوستان روانہ ہوئے۔ اس لئے نسب کے تحفظ کا اس خاندان میں خاص اہتمام رہا۔



صاحبان سیف اور صاحبان قلم اس خاندان میں ہمیشہ پیدا ہوتے رہے اور اب تک یہ سلسلہ امتیاز جاری و ساری ہے۔ امراء اور منصب دار بھی خاصی تعداد میں رہے۔ خود صاحب عرس قاسمی سیدنا شاہ ابوالقاسم اسماعیل حسن شاہ جی میاں قدس سرہ کے والد ماجد سید شاہ محمد صادق قدس سرہ آنریری مجسٹریٹ تھے۔ اور پیچھے کی صفوں میں چلے تو اس خاندان کے دیوان سید بھیکا اور سید محمد، ہمایوں کے مقرب خاص اور منصب دار تھے۔ سید محمد فیاض، راجہ نول رائے نائب صوبے دار اودھ کے فوجی جنرل تھے۔ سید دانش مند علی عرف دان شاہ نواب آصف الدولہ کے مصاحب خاص رہے۔ نواب عماد الملک عماد الدولہ مومنین جنگ علی

یار خان مولانا سید حسین اسی خاندان کے فرد تھے۔ خان بہادر نواب مجد الدولہ دبیر الملک قائم جنگ سید نیاز حسن، شاہ اودھ کے مصاحب خاص اور وزیر اعظم کے منصب پر فائز تھے۔ حضور اچھے میاں کے چھوٹے بھائی حضرت سید آل حسین سچے میاں بہت بڑے منصب دار نواب تھے جو اپنی جاگیر کی دیکھ بھال کے سلسلے میں مارہرہ شریف سے آرہے کو اتھ تشریف لے گئے۔ کوئی صاحب ذوق اس جہت سے بھی خاندان برکات کی اس افسرانہ خصوصیت کا جائزہ پیش کرے تو بڑی علمی خدمت ہوتی۔



خاندان برکات کے اکابر اصحاب تصنیف گذرے ہیں۔ ان حضرات کی بہت سی تصانیف اور قلمی یادگاریں گردش روزگار کی نذر ہوئیں لیکن اس علمی ضیاع کے باوجود اب بھی برکاتی ذخیرہ تصانیف اچھی تعداد میں محفوظ ہے۔ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، رضا لائبریری راپور، خدابخش لائبریری، کراچی یونیورسٹی، بلگرام شریف کی سرکاری اور ذاتی لائبریریوں میں اب بھی برکاتی مخطوطات محفوظ ہیں۔ ضرورت ہے کہ انہیں ایڈٹ یا ترجمہ کر کے حالات اور ضرورت کے مطابق منظر عام پر لایا جائے۔ الحمد للہ اس سمت پیش رفت ہو چکی ہے۔ حضرت شاہ حمزہ کی کاشف الاشار شریف اور حضرت شاہ حقانی کے اردو ترجمہ قرآن پر تحقیقی کام ہو چکا ہے۔



شعرو سخن عرب کی پہچان ہے۔ سادات کرام کے جدِ اعلیٰ مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شعری دیوان آج بھی دل و نگاہ کو روشنی عطا کرتا ہے۔ صرف فاتح بلگرام کی نسل کی جملہ شاخوں کی شاعری کے دستیاب ذخیرے جمع کئے جائیں تو سینکڑوں جلدیں تیار ہو جائیں گی۔ صرف علامہ آزاد بلگرامی کے دواوین کی تعداد دس سے زائد اور ان کے صرف عربی اشعار سترہ ہزار سے زیادہ ہیں۔ اس جانب بھی اصحاب علم کو متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔



رجال خاندان پر متاخرین میں تاج العلماء سید اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی

قدس سرہ مرشد برحق حضرت امین ملت مدظلہ نے معتد بہ علمی کارنامے انجام دیئے ہیں لیکن وہ بھی نصف صدی سے پہلے کے ہیں۔ ضرورت ہے کہ حضرت تاج العلما کے رُشحاتِ قلم بھی شائع کئے جائیں اور ان کی اور دیگر مخطوطات کی روشنی میں رجال خاندان کی دینی، روحانی، علمی، ادبی، سماجی خدمات کا جامع اور مفصل جائزہ پیش کیا جائے۔ یہ ایک طویل پروجیکٹ ہے جو قاموسی طرز پر پیش ہونے کے لئے اصحاب علم کے ایک بورڈ کا متقاضی ہے۔



رجال خاندان برکات کی علمی اور ادبی خدمات پر مختلف یونیورسٹیوں میں پی ایچ ڈی کے لئے ارباب علم و عقیدت رجسٹریشن کرائیں اور اپنے مشائخ کے حضور علمی اور تحقیقی سطح پر خراج عقیدت پیش کریں۔ الحمد للہ! اس ذیل میں بھی پیش رفت ہو چکی ہے۔ حضور صاحب البرکات کے فارسی ادب پر کسی صاحب نے دہلی یونیورسٹی سے ایم فل کے لئے مقالہ پیش کیا ہے۔ حضرت احسن العلما کے والد ماجد حضرت سید شاہ آل عباؒ حضرت آوارہؒ کی ادبی خدمات پر تحقیقی مقالے کے لئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں رجسٹریشن ہو چکا ہے۔

مشہور فکشن نگار شہزادہ احسن العلما، حضرت شرف ملت حضرت سید محمد اشرف قادری برکاتی (I.R.S) کی ادبی خدمات پر پانچ یونیورسٹیوں میں پی ایچ ڈی ہو رہی ہے۔ اس سلسلے کو منصوبہ بند طریقے سے اور دراز کرنے کی ضرورت ہے۔



وسائل ممکنہ اور دستیاب مواد کی روشنی میں اکابر مارہرہ کی حیات و خدمات کے تعارف پر مشتمل اہل سنت کی آواز کا یہ شمارہ قسط اول کی صورت میں پیش ہے۔ محدود وقت میں اسے قارئین کے لئے جامع بنانے کی کوشش رہی ہے۔ احقر کا مقالہ خاصا طویل ہو گیا جو دراصل کاشف الاستار شریف کے اردو ترجمے کا مقدمہ ہے۔ تھوڑے سے حذف و اضافہ کے بعد اسے مقالہ کی صورت میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس میں کاشف الاستار شریف کے مندرجات کی روشنی میں حضرات صوفیہ پر مستشرقین اور معاندین اہل سنت کے بے سرو پا

اعتراضات اور شبہات کے ازالے کی کوشش کی گئی ہے۔ انصاف پسند طبیعتیں اسے پڑھنے کے بعد دلوں میں اطمینان محسوس کریں گی ان شاہ اللہ تعالیٰ امید ہے اس تناظر میں اس کی طوالت حضرات قارئین کے لئے بار محسوس نہ ہوگی۔



نظم کا حصہ امسال خاصا وسیع ہے۔ کاشف الاستار شریف اور دیگر قدیم مطبوعات سے فارسی کلام کا انتخاب بھی شامل ہے۔ وقت کی قلت کے پیش نظر چند فارسی نظمیں بغیر ترجمہ کے جوں کی توں شامل کر لی گئی ہیں۔ حسب سابق شعرائے گلشن برکات کی با معنی اور دلکش نظمیں بھی شریک اشاعت ہیں۔ قدیم و جدید انتخاب کے اس امتزاج نے حصہ نظم کو بھی دستاویزی صورت دیدی ہے۔



یہ شمارہ، مضمون نگار حضرات علما اور شعرائے کرام کے تعاون سے ہی اپنا معیاری ہدف حاصل کرتا ہے۔ اریکین ادارہ ان سبھی حضرات کے تعاون پر تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔ ٹائپنگ، پروف ریڈنگ، اشاعت کے سارے مراحل میں تعاون کرنے والے سبھی حضرات کا بہت بہت شکریہ۔

طالب دُعا

ساحل

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے اپنے مرشد تربیت سراج السالکین
سیدنا شاہ ابوالحسن احمد نوری قدس سرہ کی فرمائش پر یہ عربی شجرہ درود یہ اپنے قلم سے فی
البدیہ تحریر فرمایا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے دست مبارک سے تحریر فرمودہ اس نادر شجرہ
درود یہ کا عکس نذر قارئین ہے۔

2009\Shijra\Shijra in Adobe Photoshop\01.jpg not found.



کاروانِ خاندانِ برکات
مدینہ طیبہ سے دہلی تک

2009\Shijra\Shijra in Adobe Photoshop\03.jpg not found.

2009\Shijra\Shijra in Adobe Photoshop\02.jpg not found.

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَى رَفِيعِ الْمَكَانِ
الْمُرْتَضَى عَلَى الشَّانِ الَّذِیْ رُجِّلَ مِنْ اُمَّتِهِ خَيْرٌ مِنْ رِّجَالِ مِنَ السَّالِفِیْنَ وَحَسْبُنْ مِنْ
زُمْرَتِهِ اَحْسَنُ مِنْ كَذَا وَكَذَا اَحْسَنًا مِنَ السَّابِقِیْنَ. اَلْسَّيِّدُ السَّجَّادُ زَيْنُ الْعَابِدِیْنَ بِاَقْرِ
عُلُوْمِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ. سَاقِی الْكُوْثَرِ مَالِكُ تَسْنِیْمٍ وَجَعْفَرُ الَّذِیْ یَطْلُبُ مُوسَى
الْكَلِیْمِ رِضَاءَ رَبِّهِ بِالصَّلَاةِ عَلَیْهِ وَیَذْهَبُ اِبْرَاهِیْمُ الْخَلِیْلُ لِطَلَبِ مَعْرُوفٍ جُوْدَهُ اِلَیْهِ
اَلَسَّرْتُ السَّارِیَ سِرَّهُ فِی ذَرَاتِ الْاَكْوَانِ الْغَالِبِ جُنِیدٌ مِنْ جُنُوْدِهِ عَلَى جُبُوشِ
الْحَوْرِ وَالْعُدُوْنَ اَصْلُ الْمَرَادِ مِنْ عَالَمِ الْاِیْحَادِ الَّذِیْ لَهُ اَنْ یَقُوْلَ لَا دَمَ وَمَنْ دُوْنَهُ
نَجْلِیْ وَلِكُلِّ اَسَدٍ مِّنْ اُسْدِ اللّٰهِ شِبْلِیْ اَلَا حَدَّ الْمَاجِدُ، عَبْدُ الْوَاحِدِ اُخُوْلًا حَزَانٌ فِی
عِشْقِهِ اَبُو الْفَرَحِ مِنْ لُّطْفِهِ وَرَفِیْقِهِ، اَلْاِیْمَانُ حَسَنٌ وَهُوَ اَبُو الْحُسَيْنِ اِذْ مِنْهُ نَشَاوِبُهُ
ظَهَرَ، وَالْمُؤْمِنُ سَعِیدٌ وَهُوَ اَبُو سَعِیدٍ اِذْ هُوَ الَّذِیْ رَبِّیْ وَهْدَاهُ فَبَرٍّ وَاَفِرٍّ اَلْاَیْدِیْ،
قَادِرُ الْبَیْدِیْنَ عَبْدُ الْقَادِرِ غَوْثُ الثَّقَلِیْنَ، عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَاسِمُ الْاَزْرَاقِ، اَبُو صَالِحٍ الْمُؤْمِنِیْنَ،
نَصْرُ الْاِسْلَامِ مُحَسِّی الدِّیْنِ عَلَی الْمُرْتَقِی وَالْمَدَارِجِ، مُوسَى طُورِ الْمَعَارِجِ حَسَنُ
الْخُلُقِ، اَحْمَدُ الْخَلْقِ، بَهَاؤُ الدِّیْنِ الْكَرِیْمِ سَنَا شَرِیْعَةِ اِبْرَاهِیْمِ، الْاُمِّی الْقَارِیْ نِظَامُ دِیْنِ
الْبَارِیْ، اَلْعَرَبُ الْفَرَسُ وَالْهِنْدُ كُلُّهُمْ لَهُ سَائِلٌ وَكَدَاوِ بِهَكَارِیْ ضِیَاءُ الْاَنْبِیَاءِ، جَمَالَ
الْاَوَّلِیَا مُحَمَّدُ الذَّاتِ اَحْمَدُ الصِّفَاتِ، فَضْلُ اللّٰهِ وَبَرَكَةُ اللّٰهِ، وَعَلَى اَلِ مُحَمَّدٍ اِلَّا
عَظِیْمُ الْعَارِفِیْنَ نَصُّ الشَّرْعِ الْمُطَهَّرِ وَرَمْزُهُ، الضَّیَاعِیْمُ الْمُتَحَمِّلِیْنَ شِدَّةَ الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ
حَمَزُهُ، هُمُ اَلِ اَحْمَدُ الْعَظِیْمِ الْكَرِیْمِ اَلِ الرُّسُوْلِ الرَّؤُفِ الرَّحِیْمِ، كُلُّ مِنْهُمْ اَلِ بَرَكَاتِ
الرِّسَالَةِ وَ اَمِیْرُ عَالَمِ الْفَضْلِ وَ النَّبَالَةِ اللّٰهُمَّ وَ عَلَی اَصْحَابِهِ الْعِظَامِ، مَشَائِعُنَا الْكَرِیْمِ وَ
عَلَيْنَا مَعَهُمْ یَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ مَا رَهْرَهَ اَقْمَارُ الْیَقِیْنِ فِی مَهْمِهِ صُدُورِ الْعَارِفِیْنَ، اٰمِیْن
اٰمِیْن، یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ، (اَللّٰهُمَّ) وَمَنْ اَنْشَأَ هَذِهِ الصَّیِّغَةَ الْمُبَارَكَةَ فَاغْفِرْ لَهُ یَا عَظِیْمُ
وَارْضَ عَنْهُ حَبِیْبُكَ اَحْمَدُ رِضًا مُمَوَّلَی الْعَفْوِ الْكَرِیْمِ اٰمِیْن -

کتبہ الفقیر احمد رضا القادری غفرلہ فی مارہرہ المطہرہ ۱۳۱ / محرم یوم

الجمعة ۱۳۱ھ

خانوادہ برکاتیہ

حضرت مولیٰ علی سے فاتح بلگرام تک

علامہ محمد عبدالمبین نعمانی، المجمع الاسلامی، مبارک پور

خانوادہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ (ہند) سادات زیدیہ واسطیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس خاندان کے ایک بزرگ سید علی عراقی واسطی کے احفاد میں سید ابو الفرح واسطی اپنے چار صاحب زادوں کے ساتھ سلطان محمود غزنوی کے عہد میں غزنی تشریف لائے، پھر ایک صاحب زادے سید معز الدین کے ساتھ واسطہ واپس ہو گئے، باقی تین صاحب زادوں سید ابو فراس، سید ابو الفضائل اور سید داؤد نے ہندوستان کا رخ کیا۔ سید ابو فراس کے احفاد میں حضرت سید محمد صغریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حسب ایماے سلطان شمس الدین التمش سری نام راجہ بلگرام کے ساتھ جو بڑا سخت کافر اور سرکش تھا جہاد فرمایا۔ اس کے قتل کے بعد ۶۱۴ھ میں آپ نے فتح پائی۔ سلطان شمس الدین نے اس فتح کے صلے میں بلگرام مع توابع آپ کی جاگیر کردی، حضرت سید محمد صغریٰ نے اس بستی کا نام سری نگر سے بلگرام کر دیا، آپ نے یہیں مستقل بود و باش اختیار کر لی۔ پھر آپ ہی کی نسل سے ایک بزرگ حضرت سید عبد الجلیل بلگرامی، مارہرہ شریف آگئے آپ کی آمد مارہرہ میں بعہد جہاں گیری ۱۰۱۷ھ میں ہوئی، انھیں کے صاحب زادے سید شاہ اولیس کے فرزند، حضرت سید شاہ برکت اللہ ہیں جن کے نام سے سلسلہ برکاتیہ، اور خانقاہ برکاتیہ موسوم ہے۔ اسی سلسلۃ الذہب میں حضرت مولیٰ علی سے لے کر حضرت سید محمد صغریٰ تک جتنے مشائخ اولیا ہیں ان کا ذکر اس تحریر میں مقصود ہے باقی شخصیات کا ذکر دوسرے مقامات پر ملاحظہ کریں۔ اس تذکرے کا آغاز مولیٰ علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الاسنی سے کیا جا رہا ہے۔

علی مرتضیٰ شیر خدا

کرم اللہ وجہہ الاسنی

سب سے پہلے مولائے کائنات کے مقام و مرتبے سے متعلق ایک اجمالی تحریر ملاحظہ کریں پھر ان کی حیات و خدمات کے مزید گوشوں پر روشنی ڈالی جائے گی۔

مقام علی:

پروردہ رسول، قلیم ولایت کے تاجدار، عبادت و ریاضت میں مسلمانوں کے پیشوا، زمانہ رسالت میں بدر سے لے کر آخری غزوہ تک میدان شجاعت کے تاجدار، خصوصاً معرکہ خیبر کے شہسوار، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غم خوار، خلفائے ثلاثہ کے خیر خواہ، تمام صحابہ کے محبوب، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محب صادق، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا مژدہ دیا۔ جن سے بغض رکھنا کفر، جن سے محبت کرنا ایمان۔ حضور پاک کی وہ لاڈلی صاحب زادی جو مجلس میں آئیں تو حضور کھڑے ہو جائیں، جن کی سواری میدان محشر سے گزرے تو تمام اہل محشر کی گردنیں جھک جائیں۔ ایسی گرامی مرتبت شہزادی، خاتون جنت، سیدتنا فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر، جنت کے جوانوں کے سردار حسین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے والد، سلسلہ نسل محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بانی، جو اگر صدقہ دیں تو قرآن ناطق ہو، اور جن کے رکوع و سجود پر قرآن شاہد۔

حضور کے تربیت یافتہ عم زاد، جن کی سرکارناز برداری کریں، جن کو تعجب پڑھوانے کے لیے حضور راتوں کو جگانے آئیں، جو اگر روٹھ جائیں تو سرکار انھیں منانے آئیں، اور اسی عالم میں سرکار سے ”ابو تراب“ کا لقب پائیں، جس سے وہ ناراض ہو جائیں وہ سرکار کا معتب اور جس سے وہ راضی ہو جائیں وہ سرکار کا محبوب ہو۔ اندھیری راتوں میں ساحل مراد تک پہنچنے کے لیے جہاں آسمان ہدایت کے ستاروں کے بغیر گزرا نہیں وہاں ان کے سفینے کے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں، وہ پیدا ہوئے تو کعبے میں، شہادت پائی تو مسجد میں، جن کی زندگی کا محور آغاز سے انجام تک اللہ تعالیٰ کا گھر تھا۔ جب تک دنیا میں رہے تو اللہ کی خاطر

دنیا سے گئے تو اللہ کی خاطر، جنہوں نے اپنے شہزادوں کو تربیت بھی ایسی دی کہ دونوں نے شہادت پائی، یہ سارا خاندان ہی شہداء کا تھا۔ رسول اللہ خاتم الانبیاء تھے اور یہ خاتم الخلفاء۔ یہ وہ ہیں کہ جن کی محبت میں جینا عبادت ہے اور جن کی محبت میں مرنا شہادت ہے۔ انھیں کو علی مرتضیٰ کہتے ہیں۔ (مقالات سعیدی، از: علامہ غلام رسول سعیدی ص: ۲۱۲، دہلی) سلسلہ نسب:

آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب۔ آپ کی کنیت ابوالحسن تھی اور رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کی کنیت ابوتراب ارشاد فرمائی، آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھا اور وہ ہی پہلی ہاشمی خاتون ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور ہجرت فرمائی۔ اور ہاشمی بچہ جنا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی قمیص مبارک سے ان کا کفن بنایا قبر میں لیٹ کر اس کو متبرک کیا اور دفن کے بعد دعا فرمائی:

”اللَّهُمَّ اغْفِرْ فَاطِمَةَ بِنْتَ اسد وَوَسَّعْ عَلَيْهَا مَدْخُلَهَا بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْأَنْبِيَاءِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِي۔“

اے اللہ! فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما، ان کی قبر کو کشادہ کر، اپنے نبی اور تمام مجھ سے پہلے نبیوں کے صدقے میں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کثیر العیال تھے اور انتہائی عسرت کی زندگی گزرتی تھی اس لیے حضور نے اپنے چچا حضرت عباس سے فرمایا: ہمیں ابوطالب کی پریشانی میں ہاتھ بٹانا چاہیے۔ چنانچہ حضرت عباس نے جعفر کی کفالت اپنے ذمے لی اور حضور اقدس کی نگاہ انتخاب نے حضرت علی کو پسند کیا اور پھر دس برس سے قبل ہی سے آپ حضور کی تربیت میں رہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ عشرہ مبشرہ میں تھے یعنی ان صحابہ میں جن کو دنیا ہی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دے دی تھی۔ رشتہ موافقہ کے وقت حضور نے حضرت علی کو اپنا بھائی قرار دیا جب کہ آپ حضور کے پہلے ہی سے برادر عم زاد تھے۔

قبول اسلام:

آپ اسلام میں قدیم ہیں بلکہ ابن عباس، حضرت انس، زید بن ارقم اور سلمان فارسی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور بہت سے صحابہ کرام اس پر متفق ہیں کہ سب سے پہلے آپ ہی اسلام لائے اور بعض نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، بنی ہاشم میں آپ پہلے خلیفہ ہوئے۔ (تاریخ الخلفاء للسيوطی، ص: ۱۵۵-۱۵۶، مکتبہ اشاعت الاسلام، دہلی)

ابو یعلیٰ نے حضرت علی ہی سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوشنبہ کے دن اعلان نبوت کیا اور میں نے سہ شنبہ کو اسلام قبول کیا اور قبول اسلام کے وقت آپ کی عمر دس سال کی تھی۔ ایک قول نو سال کا ہے اور ایک قول آٹھ سال کا بھی ہے۔ بلکہ ایک قول اس سے بھی کم کا ہے۔

حضرت حسن بن زید بن حسن نے فرمایا: بچپن میں بھی حضرت علی نے کبھی بتوں کی پوجا نہیں کی۔ یہ روایت ابن سعد کی ہے۔

ہجرت مدینہ:

رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب مدینہ ہجرت کا ارادہ فرمایا تو حضرت علی کو حکم دیا کہ وہ چند روز مکہ میں ٹھہریں یہاں تک کہ سب کو امانتیں سپرد کر دیں اور جو جو وصیتیں ہیں ان کو ادا کر دیں پھر اپنے اہل کے ساتھ سرکار سے مل جائیں تو آپ نے ایسا ہی کیا۔ (تاریخ الخلفاء)

معرکوں میں شرکت:

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تبوک کے علاوہ تمام معرکوں میں شریک رہے اور جرأت و بسالت کے جوہر دکھائے، اور تبوک میں بھی حضور ہی نے آپ کو چھوڑا تا کہ وہ مدینے میں سرکار کی نیابت کا فریضہ انجام دیں۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کئی معرکوں میں آپ کے ہاتھوں میں جھنڈا عطا فرمایا: اور جنگ خیبر میں بھی آپ کو جھنڈا دیا اور فتح کی بشارت سنائی جو مشہور ہے۔ تفصیل اس کی بخاری و مسلم میں موجود ہے، جو کچھ اس طرح ہے۔

جب خیبر کا قلعہ کئی دنوں تک فتح نہ ہو سکا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

فرمایا کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو خدا اور رسول خدا کو محبوب ہے۔ جب صبح ہوئی تو ہر شخص متمنی تھا کہ کاش اس فخر و شرف کا تاج اس کے سر پر ہوتا، لیکن یہ دولت گراں مایہ حیدر کرار کے لیے مقدر ہو چکی تھی۔ صبح کو بڑے بڑے جاں نثار اپنے نام سننے کے منتظر تھے کہ دفعۃً حضور نے علی مرتضیٰ کا نام لیا یہ آواز غیر متوقع تھی کیوں کہ حضرت علی آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں بلا کر اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگا دیا اور دعا فرمائی جس سے فوراً یہ شکایت دور ہو گئی۔ پھر آپ ہی کے ہاتھوں خیر فتح ہوا۔ (بخاری: کتاب المغازی ۶۰۵/۲)

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی قبل خلافت بھی اور بعد خلافت بھی غزوات اور جنگوں میں گھری ہوئی تھی، آپ ایک طرف تو عبادت و ریاضت میں طاق تھے دوسری طرف جرأت و بسالت بھی آپ کا طرہ امتیاز ہی تھا۔ یوں ہی فصل و قضا میں بھی آپ نمایاں مقام کے حامل تھے۔

اخلاق و کردار کے اعلیٰ نمونے:

اپنوں کے ساتھ تو ہر کوئی اخلاق سے پیش آتا ہے اور حسن سلوک کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن کردار کا اعلیٰ معیار یہ ہے کہ آدمی اپنے دشمنوں اور مقابلوں میں بھی اچھا سلوک کرے جو وقت غصے اور جوش انتقام کا ہو اس وقت حد اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی زندگی میں ایسے بہت سے واقعات ہمیں درس عبرت دیتے ہیں اور حضرت مولیٰ علی کے مقام و مرتبے کو اجاگر کرتے نظر آتے ہیں۔

حضرت مولیٰ علی کی زندگی کا سب سے افسوس ترین معرکہ جنگ جمل کا تھا جس کی کمان حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کر رہی تھیں اور ادھر حضرت علی قائدانہ رول ادا کر رہے تھے۔ جب میدان کا زرار گرم ہوا اور دوسری طرف سے خوں ریزی کا سلسلہ دراز ہو گیا تو حضرت مولیٰ علی بہت متفکر ہوئے جنگ کو روکنے کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی نظر آئی تو ایک سپاہی کو اشارہ کیا اس نے پیچھے سے جا کر حضرت عائشہ کے اونٹ کی کوچیں کاٹ دیں اونٹ بلبلا کر بیٹھ گیا، اونٹ کے بیٹھتے ہی حضرت عائشہ کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی اور حضرت علی کے حق میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت علی نے خوشی کے شادیانے نہیں بجائے، فتح کا جلوس نہیں نکالا بلکہ قابل افسوس صورت حال پر

کنٹرول کرتے ہوئے آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو جو اس وقت حضرت علی کی حمایت میں تھے حکم دیا کہ اپنی ہم شیرہ کی خبر گیری کریں اور عام منادی کرادی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں، مال غنیمت نہ لوٹایا جائے، جو ہتھیار ڈال دے وہ مامون ہے۔ پھر خود ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس حاضر ہو کر مزاج پرسی کی اور بصرہ میں چند دنوں تک آرام و آسائش سے ٹھہرا کر ان کے بھائی محمد بن ابی بکر کے ہمراہ عزت و احترام کے ساتھ مدینہ بھیج دیا، بصرہ کی چالیس شریف و معزز خواتین کو پہنچانے کے لیے ساتھ کیا اور رخصت کرنے کے لیے خود چند میل تک ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحب زادوں کو مشالعت کے لیے بھیجا۔ حضرت عائشہ نے بھی رخصت ہوتے وقت لوگوں سے فرمایا: میرے بچو! ہماری باہمی کشمکش محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی ورنہ مجھ میں اور علی میں پہلے سے کوئی جھگڑا نہ تھا۔ حضرت علی نے بھی مناسب الفاظ میں ان باتوں کی تصدیق کی اور فرمایا یہ ہمارے نبی کی حرم محترم اور ہماری ماں ہیں ان کی تعظیم و توقیر ضروری ہے۔

حضرت زبیر نے ایک حریف کی حیثیت سے مولیٰ علی کا مقابلہ کیا تھا اور وہ جنگ جمل کے سپہ سالاروں میں تھے۔ مگر جب ان کا قاتل ابن جرموز ان کا مقتول سر اور ان کی تلوار لے کر حاضر ہوا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: فرزند صفیہ (زبیر) کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو پھر حضرت زبیر کی تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا: یہ وہی تلوار ہے جس نے کئی بار سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرے سے مشکلات کا بادل ہٹایا ہے۔

مستدرک میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس جب حضرت زبیر کا سر آیا تو فرمایا: فرزند صفیہ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ ہرنی کے خواری ہوتے ہیں اور میرا خواری زبیر ہے۔

(مستدرک حاکم، ۳/۳۶۷)

یہ واقعہ بھی حضرت مولیٰ علی کے اعلیٰ کردار کا ایک عبرت آموز نمونہ ہے کہ جب حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دشمنوں نے قتل کے ارادے سے آپ کے پورے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اس وقت حضرت علی نے دونوں شہزادوں حسن و حسین کو پیہرے

کے لیے لگا دیا تھا۔ لیکن جب دشمنوں نے دوسرے کے گھر سے چڑھ کر آپ کو شہید کر دیا اور شہادت کی خبر حضرت علی کو ہوئی تو آپ فوراً آئے ”انا للہ“ پڑھا اور حالات دریافت کیے اور اپنے فرزندوں سے فرمایا، جب تم دونوں دروازے پر موجود تھے تو امیر المومنین کس طرح شہید کر دیے گئے۔ غصے سے آپ نے ایک طمانچہ حضرت حسن کو اور ایک گھونہ حضرت حسین کے سینے پر مارا اور سخت غصے میں گھر کو واپس آئے۔

آپ کی زندگی میں اخلاق و کردار کی بلندی کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں، ازراہ اختصار انھیں نقل نہیں کیا جاتا تفصیل تذکرے کی طویل کتابوں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

شہادت:

۱۷ رمضان المبارک کی صبح حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب فجر کی نماز کے لیے جا رہے تھے ابن النجم خارجی نے امیر المومنین کے سر پر تلوار ماری زخم کاری تھا اس لیے جاں بر نہ ہو سکے اور چار روز بعد ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ بروز جمعہ وصال فرمایا۔

محبت رسول اور مولیٰ علی:

مولائے کائنات علی مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی حیات طیبہ میں محبت رسول کے جلوے جگہ جگہ بکھرے دکھائی دیتے ہیں انھیں میں ایک ایمان افروز جلوہ یہ دکھائی دیتا ہے کہ حضرت مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد غسل دینے کا شرف حاصل ہوا تو بعد غسل سرکار کے ابروؤں میں پانی کے چند قطرے نظر آئے۔ حضرت علی نے موقع غنیمت جانا اور ان کو منھ لگا کر چوس لیا۔

(مسند امام احمد بن حنبل: ۱/۴۴۱ م بروایت جعفر بن محمد)

دوسرا بہت مشہور واقعہ وہ ہے جو مقام صہبا میں واقع ہوا جب سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا سر انور علی کی آغوش میں رکھ کر سو گئے تھے اور نماز عصر کا وقت چلا گیا تھا۔ مگر علی نے سرکار کو بیدار کرنا گوارہ نہ کیا البتہ قضاے عصر کی فکر میں ایک اضطرابی کیفیت طاری ہوگئی اور اس کے نتیجے میں آنکھوں سے آنسوؤں کے پیمانے چھلک پڑے، جو سرکار کے رخسار مقدس پر پڑے، آقا بیدار ہوئے، وجہ دریافت کی کہ علی کیوں رو رہے ہو؟ عرض کیا سرکار! نماز عصر قضا ہوگئی، سرکار نے دعا کی تو سورج دوبارہ نمودار ہو گیا، تو علی مرتضیٰ نے نماز

عصر ادا کی پھر سورج غروب ہوا۔

(مشکل الآثار امام طحاوی، المعجم الکبیر: ۲۴/۱۴۴، حدیث: ۳۸۲)

اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ یوں گویا ہوئے۔

مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
سورج اٹھے پاؤں پلٹے، چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

مناقب علی مرتضیٰ:

مناقب علی میں احادیث اور اقوال صحابہ بکثرت مروی ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت امام احمد نے فرمایا:

”لم ينقل لاحد من الصحابة ما نقل لعلی.“ (الاصابه فی تمييز

الصحابة للعسقلانی: ۴/۶۶۰، المكتبة التوفيقية، قاہرہ، مصر)

حضرت علی کے لیے جو مناقب منقول ہیں وہ صحابہ میں کسی کے لیے منقول نہیں۔

بعض حضرات نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ بنی امیہ کے کچھ لوگوں نے جب حضرت مولیٰ علی سے بغض ظاہر کر کے ان کی شان گھٹانے کی کوشش کی تو صحابہ کرام میں جن جن کے پاس آپ کے مناقب و فضائل تھے سب نے ان کی اشاعت میں دلچسپی لی اور ان کو خوب خوب پھیلا دیا، اور یہ وہ مناقب ہیں جو روافض کی گڑھی ہوئی حدیثوں کے علاوہ ہیں، کچھ لوگ حضرت علی کے قابل اعتماد مناقب کو بھی روافض کی طرف منسوب کر کے شان علی گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں وہ خارجی ذہنیت کے حامل ہیں۔

ذیل میں حضرت علی کے بارے میں ارشاد فرمودہ احادیث کا ایک حصہ پیش کیا جاتا ہے جس سے ان کے مقام و مرتبے کا اندازہ لگانا آسان ہے۔

(۱) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تم علی مرتضیٰ سے کیا چاہتے ہو بیشک علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں، اور وہ میرے بعد ہر ایمان دار کا دوست ہے۔“

(۲) حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ: ”جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کے دن حضرت علی کو جھنڈا عطا فرمایا تو وہ بہت تیزی سے چلے ان کے ساتھی کہتے تھے کہ آہستہ چلیے۔ مگر وہ چلتے رہے یہاں تک کہ خیبر کے قلعے تک پہنچ گئے۔ آپ نے قلعے کا دروازہ پکڑ کر کھینچا اور زمین پر گر دیا (وہ اتنا گراں تھا کہ) پھر ستر آدمیوں نے مل کر اٹھایا تو اسے اٹھا سکے اور اسے اٹھا کر اپنی جگہ رکھا۔

(۳) مسند امام احمد بن حنبل میں ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود راوی ہیں کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! آپ کے بعد ہم لوگ کسے امیر بنائیں گے؟ فرمایا: اگر تم ابو بکر کو امیر بناؤ گے تو انھیں دنیا سے کنارہ کش اور آخرت کی طرف رغبت والا پاؤ گے۔

اور اگر تم عمر کو اپنا امیر بناؤ گے تو انھیں طاقتور اور امین پاؤ گے وہ اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں کریں گے۔ اور اگر تم علی کو اپنا امیر بناؤ گے اور میرا گمان یہ ہے کہ تم اس طرح نہیں کرو گے تو تم انھیں ہدایت یافتہ رہنما پاؤ گے وہ تمھیں راہِ مستقیم پر لے چلیں گے۔ (الاصابہ: ۴/۶۳)

(۴) حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام بلند کا اندازہ اس حدیث سے لگائیں کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا:

”أَنْتَ مِنِّي وَ اَنَا مِنْكَ“

تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں

(بخاری: ۵۲۵/۱، ترمذی: ۲۱۳/۲)

اس کا ایک معنی یہ ہے کہ تو میرا بھائی اور میں تیرا بھائی ہوں، کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اور علی کے درمیان مواخات فرمائی تھی۔ یہ دونوں حضرات عم زاد تھے۔ دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اے علی! تو میرے خاندان بنی ہاشم کا ایک فرد ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ یعنی میری نسل تیرے ذریعہ پروان چڑھے گی۔

اور ترمذی کی روایت میں اتنا اور ہے:

”وَهُوَ وَلِيٌّ كُلِّ مُؤْمِنٍ“

علی ہر مومن کے ولی یعنی دوست اور ناصر ہیں

(۵) حضرت سہل بن سعد اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جنگ خیبر کے موقع پر جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے چھوٹ گئے تھے کیوں کہ آپ کی آنکھوں میں تکلیف تھی، تو آپ نے فرمایا: کیا میں حضور سے پیچھے رہ جاؤں گا۔ پھر آپ نکلے اور حضور سے مل گئے پھر جب وہ شام آئی جس کی صبح اللہ نے فتح فرمائی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ضرور کل ایک ایسے آدمی کو جھنڈا سپرد کروں گا یا کل ایک ایسا شخص جھنڈا سنبھالے گا جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتا ہے، یا فرمایا وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ اللہ اس کے ہاتھوں پر فتح عطا فرمائے گا۔ سرکار کے اس فرمان کے بعد لوگ رات بھر غور کرتے رہے کہ وہ کون شخص ہے جسے کل جھنڈا دیا جائے گا۔ اور جس کے ہاتھوں فتح نصیب ہوگی۔ جب صبح ہوئی تو لوگ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اس حال میں کہ ہر ایک اپنے بارے میں امید لگائے ہوئے تھا۔ تو سرکار نے ارشاد فرمایا:

”أَيُّنَ عَلِيٍّ بَنِ ابْنِي طَالِبٍ“

علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟

لوگوں نے جواب دیا حضور! وہ آنکھوں کی بیماری میں مبتلا ہیں فرمایا ان کو بلاؤ، وہ لائے گئے تو حضور نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمادی تو وہ ایسے اچھے ہو گئے جیسے ان کو کوئی تکلیف ہی نہ تھی، پھر حضور نے ان کو جھنڈا عطا فرمایا، تو علی نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ان سے اس وقت تک جنگ کروں گا جب تک وہ ہمارے مثل نہ ہو جائیں گے۔ (یعنی جب تک وہ توحید کے قائل نہ ہو جائیں) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بھہرو! (اور سنو) تمھیں یہ کرنا ہے کہ جب ان کے سامنے میدان میں پہنچو تو انھیں اسلام کی دعوت دو اور ان کو ان کے فرائض بتاؤ کہ ان پر اللہ کا (جوان کا رب ہے) کیا حقوق ہیں؟ اس لیے کہ اللہ کی قسم! اللہ تمہارے ذریعہ اگر ایک بھی آدمی کو ہدایت (سیدھا راستہ) دیدے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ یعنی ان قیمتی اونٹوں کے صدقے کے ثواب سے کہیں

زیادہ بہتر ہے۔ حضرت علی نے جھنڈا لیا اور اللہ نے ان کو فتح سے سرفراز فرمایا۔

(بخاری: ۱/۵۲۵، کتاب الجہاد: ص: ۴۱۳ فضائل اصحاب النبی)

(۶) حضرت مولیٰ علی کی کنیت ابوتراب ہے اور یہ کنیت انھیں بہت پسند تھی، اس کا واقعہ حضرت سہل بن سعد کی زبانی ملاحظہ کیا جائے جو امام بخاری نے متعدد مقامات پر نقل فرمایا ہے: حضرت سہل بن سعد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے گھر آئے تو دیکھا کہ علی نہیں ہیں، فرمایا: اے فاطمہ تمہارے عم زاد کہاں ہیں؟ (یعنی علی) عرض کیا میرے ان کے درمیان کچھ بات ہو گئی ہے وہ مجھ سے غصہ ہو کر نکل گئے ہیں، میرے پاس قبیلہ بھی نہیں کیا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے کہا دیکھو علی کہاں ہیں تو اس نے آ کر عرض کیا یا رسول اللہ! وہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں، حضور مسجد میں آئے دیکھا تو وہ لیٹے ہوئے ہیں۔ ان کی چادر پہلو سے ڈھلک کر نیچے آ گئی ہے اور آپ کے اوپر مٹی لگ گئی ہے، تو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے پوچھنے لگے اور کہنے لگے اے ابوتراب اٹھ جائیے، اے ابوتراب اٹھ بیٹھئے۔

(بخاری: ۱/۶۳، کتاب الصلوٰۃ)

کتاب المناقب باب مناقب علی میں اتنا زائد ہے۔ ایک صاحب حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ شکایت کی کہ مدینے کا فلاں حاکم حضرت علی کو برسر منبر (غیر مناسب لفظ سے) پکارتا ہے۔ سہل نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے؟ عرض کیا وہ ”ابوتراب“ کہہ کر پکارتا ہے، تو سہل نے تبسم فرمایا اور کہا یہ نام تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رکھا ہوا ہے، اور علی کو اس سے زیادہ کوئی نام پسند نہیں تھا۔ پھر اس کے مطالبے پر حضرت سہل نے مذکورہ واقعہ بیان کیا۔

(بخاری: ۱/۵۲۵، فضائل اصحاب النبی)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت علی سے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کس قدر محبت تھی۔ اور یہ بھی کہ حضرت علی کو سرکار سے کیسی محبت تھی کہ محض سرکار کے نام رکھ دینے سے وہ نام انھیں پیارا اور محبوب ہو گیا، جب کہ اس کا معنی ہے ”مٹی والا“ اور سرکار نے محض اتفاقی طور پر اس نام سے یاد فرمایا، مستقل پکارنے کے لیے نام نہیں رکھا تھا مگر حضرت علی نے اس کو پسند فرمالیا۔

(۷) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا: تمہارا اور میرا معاملہ ایسا ہے جیسا کہ حضرت ہارون کا حضرت موسیٰ کے ساتھ (علیہما السلام) ہاں لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(بخاری و مسلم و مشکوٰۃ: ص: ۵۶۳، باب مناقب علی)

یہ فرمان اس وقت کا ہے جب حضور غزوہ تبوک میں جا رہے تھے اور حضرت علی کو گھر کی نگرانی کے لیے چھوڑ دیا تھا اور انھوں نے اس بات کو گراں سمجھا تھا کہ مجھے اس غزوہ میں شرکت کا موقع نہیں مل رہا ہے، تو حضور نے حضرت علی کی تسلی کے لیے یہ فرمایا کہ جیسے طور پر جاتے ہوئے حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کو اپنا جانشین بنایا تھا میں بھی غزوے میں جاتے ہوئے تمہیں جانشین بناتا ہوں۔

واضح رہے کہ یہ جانشینی سرکار کی حیات میں تھی اور گھر کی نگرانی کے لیے تھی بعد وصال کی خلافت و جانشینی کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اور خود حضرت ہارون علیہ السلام کی مثال سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ کیوں کہ حضرت ہارون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات ہی میں انتقال فرما گئے تھے، اگر خلافت کا اشارہ دینا ہوتا تو سرکار، نماز کی امامت پر مامور فرماتے۔ حالاں کہ اس دوران نماز جو اہم العبادات ہے اس کی امامت پر ایک نابینا صحابی حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا۔ جس کا تعلق ایک اہم عبادت سے بھی ہے اور امت سے بھی، لیکن حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم کی خلافت کا کوئی قائل نہیں ہوا۔

(۸) حضرت زبیر بن جحیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، حضرت موسیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس نے دانوں کو پھاڑ کر پودا اگایا اور جانداروں کو پیدا فرمایا کہ نبی امی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے پختہ عہد لیا ہے کہ مجھ سے صرف مومن ہی محبت کرے گا۔ اور مجھ سے منافق ہی بغض رکھے گا، یہ روایت امام مسلم کی ہے اور صحیح ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح: ص: ۵۶۳، ترمذی: ۲/۲۱۵)

اس سے وہی محبت مراد ہے جو ایمان صحیح کے تقاضوں کے مطابق اور مشروع ہو، وہ محبت جس میں تفریط کا پہلو اور جس سے ایمان ہی میں خلل واقع ہو وہ محبت ہرگز مراد نہیں۔ جیسے فرقہ نصیری نے آپ کو خدا مان لیا تو یہ محبت نہیں محبت کا جھوٹا دعویٰ ہے۔ اسی طرح اجماع صحابہ و اجماع امت کے خلاف کسی صحابی کے مقام و مرتبے میں کمی و بیشی کرنا اور کسی کو نشان

طعن بنانا بھی جائز نہیں۔

(۹) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيْهِ مَوْلَاهُ. رواه احمد و الترمذی.“

جس کا میں مولی ہوں علی بھی اس کے مولی ہیں، اس کو امام احمد و ترمذی نے روایت کیا۔

(مشکوٰۃ: ص: ۵۶۴، مناقب علی)

مولی کے بہت سے معنی ہیں مثلاً: سید و سردار، مالک، محب، ناصر، حلیف وغیرہ۔ اور یہ سبھی معانی یہاں مراد لیے جاسکتے ہیں۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی صحت میں کچھ کلام نہیں بلکہ بعض حفاظ حدیث نے اس کو متواتر بتایا ہے، اس لیے کہ امام احمد کی ایک روایت میں ہے کہ اس کو تیس صحابہ کرام نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے، اور انھوں نے حضرت علی کے لیے اس وقت اس کی شہادت بھی دی ہے۔ جب حضرت علی کے دور خلافت میں ان کے بارے میں نزاع پیدا ہوئی۔

(۱۰) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سنہ پینتیس ہجری میں لوگوں کو ایک میدان کے اندر جمع کر کے دریافت کیا، میں ہر ایک کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ”غدرِ خرم“ میں فرماتے سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کھڑے ہوئے تو کیا فرمایا؟ تو اس سوال کے بعد میں آدمی کھڑے ہوئے اور انھوں نے گواہی دی کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

”مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيْهِ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَاَلَاہِ وَعَادِ مَنْ

عاداہ۔“ (ترمذی: ۱۲۳/۲)

میں جس کا مولی علی بھی اس کے مولی۔ اے اللہ! جو علی سے محبت کرے اس سے تو محبت فرما اور جو اس سے دشمنی رکھے تو اس کو دشمن رکھ۔

(تاریخ الخلفاء، ص: ۱۵۸)

(۱۱) حضرت مولی علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ ابوبکر پر رحم فرمائے، انھوں نے اپنی صاحب زادی کا مجھ سے نکاح کیا اور مجھ کو مدینے کی ہجرت پر ابھارا اور بلال کو اپنے مال سے خرید کر آزاد کیا۔ اللہ عمر پر رحم فرمائے، وہ حق بات کہتے ہیں اگرچہ کڑوی ہی ہو (اور حق کی وجہ سے) ان کا کوئی ساتھی نہیں۔

اللہ عثمان پر رحم فرمائے، ان سے ملا نہ کہ حیا فرماتے ہیں۔

اللہ علی پر رحم فرمائے۔ اے اللہ! حق کو ادھر ہی کر دے جدھر علی جائے۔

(ترمذی: ۲۱۳/۲، مجلس برکات، مبارک پور)

(۱۲) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

”لَا يُحِبُّ عَلِيًّا مَنْافِقٌ وَلَا يُبَغِضُهُ مُؤْمِنٌ.“

علی سے منافق محبت نہیں کرتا اور جو مومن ہوتا ہے وہ علی سے بغض نہیں رکھتا۔

(ترمذی، ص: ۲۱۳/۲)

(۱۳) حضرت ابن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے چار شخصوں کی محبت کا حکم دیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ وہ بھی ان سے محبت فرماتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں ان کے نام سے آگاہی بخشیں؟ فرمایا: ان میں علی بھی ہیں، ان میں علی بھی ہیں، ان میں علی بھی ہیں اور ان کے علاوہ ابوذر، مقداد اور سلمان ہیں اور مجھے حکم دیا ہے ان سے محبت کرنے کا اور یہ بھی خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتا ہے۔

(ترمذی: ۲۱۳/۲)

(۱۴) حبشی بن جنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”عَلَيَّْ مَنِّي وَأَنَا مِنْ عَلَيٍّ وَلَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا أَنَا أَوْ عَلِيٌّ.“

علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں، اور میری طرف سے ادائیگی میں خود کروں گا یا علی کریں گے۔ (ترمذی، ص: ۲۱۳/۲)

یعنی علی میری طرف سے ضامن اور امین ہیں۔

(۱۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ”رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کے درمیان مواخاۃ فرمائی (یعنی ایک کو دوسرے کا بھائی قرار دیا) تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنسو بہاتے ہوئے آئے اور عرض کیا آپ نے اپنے اصحاب کے درمیان مواخاۃ فرمائی لیکن میرا بھائی چارہ کسی سے نہیں فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی تو میرا بھائی ہے۔ دنیا اور آخرت میں۔“ (ترمذی، ص: ۲۱۳/۲)

اس سے حضرت علی کا مقام ظاہر ہوا کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں صحابہ کے مقابلے میں اپنا بھائی قرار دیا اور مزید یہ بھی فرمایا علی میرے بھائی صرف دنیا ہی میں نہیں دنیا و آخرت دونوں میں ہیں۔

(۱۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک (بھنا ہوا) پرندہ تھا تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! میرے پاس ایسے کو لا جو مخلوق میں تجھے بہت محبوب ہو، وہ میرے ساتھ اس پرندے کو کھائے تو (اس کے بعد) علی آئے اور انھوں نے حضور کے ساتھ اس پرندے کو تناول فرمایا۔ (ترمذی، ص: ۲۱۳/۲)

اس حدیث سے حضرت علی کی اللہ اور رسول اللہ کی بارگاہ میں محبوبیت کا پتہ چلتا ہے۔

(۱۷) حضرت عبداللہ بن عمرو بن ہند جملی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی نے ارشاد فرمایا: ”میں جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ پوچھتا یا مانگتا تو سرکار عطا فرماتے اور جواب دیتے، اور جب خاموش رہتا تو خود کچھ ارشاد فرماتے یا کچھ عطا فرماتے۔“ (ترمذی، ص: ۲۱۳/۲)

اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی کو کس قدر چاہتے تھے اور انھیں کیسا نوازتے تھے۔

(۱۸) حضرت علی ہی سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”أَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا.“

میں علم کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں

(مسند امام احمد: ۱/۶۴، ترمذی: ۲/۲۱۳)

(۱۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا فَمَنْ أَتَى الْعِلْمَ فَلْيَاتِ الْبَابَ.“ (المقاصد الحسنة للسخاوی، ص: ۱۲۱۔ المستدرک للحاکم، ۳/۱۲۶، اتحاف السادة المتقين: للزبيدي: ۶/۲۴۴۔ الاسرار المرفوعة للقاری، ص: ۱۱۸، مجمع الزوائد للهيثمی: ۹/۱۱۴۔ المعجم الكبير للطبرانی ۱۱/۶۶)

اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے علامہ سخاوی نے متعدد اقوال نقل کیے اور آخر میں فرمایا:

”وَبِالْحِمْلَةِ فَكُلُّهَا ضَعِيفَةٌ وَالْفَاظُهَا رَكِيعَةٌ وَاحْسِنَهَا حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ بَلْ هُوَ

حَسَنٌ.“ (المقاصد الحسنة، ص: ۱۲۱)

الحاصل اس سلسلے کی تمام روایتیں ضعیف ہیں اور ان کے اکثر الفاظ رکیک

اور ان میں سب سے بہتر ابن عباس کی حدیث ہے، بلکہ وہ حسن کے درجہ پر ہے۔

یہ حدیث ایک مفصل حدیث کا جز ہے، اسے ذیل میں ملاحظہ کریں

(۲۰) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں، سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَابُو بَكْرٍ أَسَاسُهَا وَعُمَرُ حِيطَانُهَا وَعُثْمَانُ سَقْفُهَا وَعَلِيٌّ

بَابُهَا..... وَلَا تَقُولُوا فَيَ ابْنِي بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ الْآخِرُ.“ (فردوس

الاحبار للحافظ شیرویه الدیلمی: ۱/۷۶)

میں علم کا شہر ہوں، ابو بکر اس کی بنیاد ہیں، عمر اس کی دیواریں ہیں، عثمان اس

کی چھت ہیں اور علی اس کا دروازہ ہیں..... تم ابو بکر و عمر، عثمان اور علی کے بارے میں

سوائے اچھی بات کے کچھ نہ کہو۔ (اشعة الممعات مترجم: ۷/۴۵۸)

(۲۱) حضرت مولیٰ علی کے مقام کا اندازہ لگانے کے لیے یہ حدیث کس قدر ایمان افروز ہے، ملاحظہ کریں:

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے دن حضرت علی کو بلایا اور ان کے ساتھ رازداری کی گفتگو فرمائی۔ صحابہ کرام نے کہا، حضور نے بڑی لمبی بات کی اپنے بچا کے بیٹے سے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ان کے ساتھ رازداری کی گفتگو نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے راز دارانہ گفتگو فرمائی۔“ (سنن ترمذی: ۲/۲۱۴- مناقب)

یعنی یہ گفتگو بحکم خدا تھی اور میں نے حکم خدا کی تعمیل میں اتنی طویل گفتگو فرمائی۔

(۲۲) انس بن مالک سے روایت ہے کہ دو شنبے کے دن رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا، اور سہ شنبہ کے روز حضرت علی ایمان لے آئے۔

(ترمذی: ۲/۳۱۴)

یعنی حضرت علی نے بس دوسرے ہی دن ایمان قبول کر لیا، زیادہ تاخیر نہیں فرمائی، اور کیوں نہ ہوتا کہ آغوش نبوت کے پروردہ تھے، اور یہ ایک روز کی تاخیر بھی غالباً غور و فکر کے لیے تھی تاکہ جو بات قبول کی جائے غور و فکر کے بعد کی جائے اور اس کے اندر پختگی ہو اور عمر بھی تو بہت کم تھی، بعض روایات میں دس سال ہے اور بعض میں آٹھ سال، جیسا کہ جامع الاحادیث ۴/۵۸۳، میں حضرت عروہ کی روایت موجود ہے کہ حضرت علی آٹھ سال کی عمر میں ایمان لے آئے۔

(۲۳) نہایہ ابن اثیر کے حوالے سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ ایک روایت نقل فرماتے ہیں، جو مقام علی کو مزید واضح کرتی ہے:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی مرتضیٰ میرے اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیچ میں جنت کی طرف خوش خوش چلیں گے یا میرے اور ان کے بیچ میں جنت کی طرف انھیں یوں لے جائیں گے جیسے نئی دھن کو دو لہا کے یہاں لے جاتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ: ۶/۲۰۱، رضا اکیڈمی ممبئی)

(۲۴) ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا جس میں حضرت علی مرتضیٰ بھی تھے۔ ام عطیہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہے ہیں: ”اَللّٰهُمَّ لَا تُمَيِّنُنِيْ حَتّٰی تُرِيِّنِيْ عَلَیْہِ۔“ اے اللہ! مجھے اس وقت تک وفات نہ دے جب تک تو مجھے علی کو نہ دکھا دے۔

(ترمذی: ۲/۲۱۵- مشکوٰۃ: ۵۶۴)

مناقب علی مرتضیٰ میں روایات کثیر ہیں۔ بطور اختصار انھیں پراکتفا کیا جا رہا ہے۔ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے مقام و مرتبہ کا اندازہ لگانے کے لیے اتنی روایات بھی بہت ہیں اور خارجی ذہن والوں کے لیے اس سے زیادہ بھی ناکافی۔

حضرت مولیٰ علی کے بعض کلمات طیبہ:

حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال مبارکہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور ان کی تعداد بھی بہت ہے۔ یہاں چند اہم اور جامع اقوال نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) جس سے محبت ہوتی ہے وہ قریب ہوتا ہے اگرچہ نسب میں دور ہو، اور جس سے عداوت ہوتی ہے وہ دور ہوتا ہے اگرچہ نسب کے اعتبار سے وہ قریب ہو۔ دیکھو ہاتھ جسم میں سب سے زیادہ قریب ہے لیکن جب وہ خراب ہو جائے تو کاٹ دیا جاتا ہے اور جب کاٹ دیا جاتا ہے تو ضائع کر دیا جاتا ہے۔

(۲) فرمایا مولیٰ علی نے: مجھ سے پانچ باتیں یاد کر لو:

- ۱- کوئی نہ ڈرے مگر اپنے گناہ سے۔
- ۲- اور کوئی آرزو نہ کرے مگر اپنے رب ہی سے۔
- ۳- جو نہ جانے اس کو سیکھنے میں کوئی آدمی شرم نہ کرے۔
- ۴- اور جب کوئی ایسی بات کے بارے میں سوال کیا گیا جو وہ نہ جانے تو وہ یہ کہنے میں شرم نہ کرے کہ میں نہیں جانتا اللہ ہی خوب جانتا ہے۔
- ۵- اور یہ کہ صبر ایمان سے ایسا ہی تعلق رکھتا ہے جیسا کہ سر جسم سے (یعنی جیسے بغیر سر کے جسم بے کار ہے، بغیر صبر کے ایمان کمال کو نہیں پہنچ سکتا) جب صبر گیا ایمان گیا اور جب سر گیا جسم گیا۔

(تاریخ الخلفاء ص: ۱۷۳، بحوالہ سنن سعید بن منصور)

(۳) فرمایا: پورا فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ کرے۔ اور انھیں اللہ کی نافرمانی میں رخصت نہ دے اور ان کو اللہ کے عذاب سے بے خوف نہ کر دے اور قرآن سے روگردانی کرے اور اس کو چھوڑ کر دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔ لاعلمی کی عبادت میں کچھ بھلائی

نہیں، اور وہ عالم نہیں جس میں سمجھ نہیں اور وہ قراءت، قراءت نہیں جس میں غور و فکر نہیں۔

(تاریخ الخلفاء، ص: ۱۷۴، بحوالہ فضائل القرآن ابن ضریس)

(۴) جب مجھ سے ایسی بات کا سوال ہوتا ہے جو میں نہیں جانتا تو واللہ اعلم (اللہ ہی خوب جانتا ہے) کہنے میں مجھے زیادہ سکون ملتا ہے۔

(ایضاً، بحوالہ ابن عساکر)

(۵) جو اپنی طرف سے لوگوں میں انصاف کرنا چاہے تو ان کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرے۔

(ایضاً)

(۶) سات باتیں شیطان کی طرف سے ہیں: (۱) سخت غصہ (۲) چھینک کی شدت

(۳) جماعی کی شدت (۴) قے (۵) نکسیر پھوٹنا (۶) سرگوشی (۷) ذکر کے وقت نیند۔

(۷) ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ امت میں ایمان والا ہی سب سے زیادہ ذلیل ہوگا۔

(تاریخ الخلفاء، ص: ۱۷۴، بحوالہ سنن سعید بن منصور)

(۸) عمل سے زیادہ اس کے مقبول ہونے کا اہتمام کرو (اور اس کے لیے اخلاص کی

ضرورت ہے) اور تقویٰ کے ساتھ تھوڑا عمل کم نہیں اور جو عمل مقبول ہو جائے وہ کیسے کم ہوگا۔

(۹) تمہارا مال اور اولاد زیادہ ہوں تو یہ کوئی خوبی نہیں، خوبی تو یہ ہے کہ تمہارا علم زیادہ

ہو اور حلم بڑھا ہوا ہو اور یہ کہ لوگوں سے اگر مقابلہ کرنا ہے تو اپنے رب کی عبادت میں مقابلہ

کرو۔ اگر تو نیکی کرے تو اللہ کی حمد بجالا اور اگر برائی سرزد ہو جائے تو اللہ سے معافی طلب

کرو۔ دنیا میں بھلائی دو ہی آدمی کے لیے ہے۔ ایک تو وہ کہ جس نے گناہ کیا تو توبہ سے

تدارک کر لیا۔ اور دوسرا وہ کہ جو نیکیوں میں جلدی کرتا ہے۔ پرہیزگاری اور تقویٰ کے ساتھ

تھوڑا عمل بھی کم نہیں اور جو عمل قبول ہو جائے وہ کیسے کم ہو سکتا ہے۔

(۱۰) علم کے چشمے اور شب کے چراغ بن جاؤ، تمہارے کپڑے تو پرانے ہوں لیکن

دل نئے ہوں، اس کی وجہ سے تمہیں آسمان میں پہچانا جائے گا اور زمین میں تمہارے

چرچے ہوں گے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج: ۱، ص: ۷۵، بیروت)

(۱۱) حضرت علی کرم اللہ وجہ سے کسی نے پوچھا، آپ نے اپنے رب کو کس طرح پہچانا؟

فرمایا: جس طرح اس نے مجھے اپنی ذات کا علم عطا فرمایا۔ کوئی صورت اس کے مشابہ نہیں اور نہ ہی

حواس کے ذریعہ اس کا ادراک کیا جاسکتا ہے اور نہ لوگوں پر اس کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ وہ دوری

میں قریب اور قرب میں بعید ہے۔ وہ ہر چیز سے بالا ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ کوئی چیز اس کے

نیچے ہے اور ہر چیز کے تحت ہے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ کوئی چیز اس کے اوپر ہے۔ ہر چیز کے آگے

ہے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ کوئی چیز اس کے سامنے ہے۔ وہ ہر شے میں ہے مگر اس طرح نہیں جس

طرح کوئی چیز کسی چیز میں ہوتی ہے کسی چیز سے۔ پاک ہے وہ ذات جو ایسی ہی ہے جس کا بیان

ہو اور اس کے علاوہ کوئی اس طرح نہیں۔ (یعنی لیس گمٹیلہ شے اس کی شان ہے۔) (اللمع

فی التصوف: ۱۲۴، لابی نصر عبد اللہ بن علی السراج الطوسی المتوفی

۳۷۸ھ، دار الکتب بیروت ۱۴۲۱ھ)

(۱۲) حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ اپنے خطبے میں فرمایا کرتے: اللہ تعالیٰ

نے اشیا کو پیدا فرمایا لیکن کسی چیز سے نہیں جو اس کے ساتھ تھی، اور نہ کسی چیز سے مشابہت

پیدا کی جو پہلے سے موجود تھی، جب کہ دیگر صانع (بنانے والے) کسی شے سے ہی کوئی اور

شے بناتے ہیں اور اس جہاں میں جس قدر عالم ہیں وہ پہلے جاہل تھے اور جہالت سے علم کی

جانب آئے جب کہ اللہ تعالیٰ ایسا عالم ہے کہ اس پر کبھی بھی جہالت کا دور نہیں گزرا بلکہ وہ

ہمیشہ سے عالم ہے۔

(۱۳) عمرو بن ہند ایمان کے بارے میں حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہ کا قول نقل کرتے ہیں:

ایمان دل میں ایک سفید نقطے کی مانند ہے جو جو ایمان میں ترقی ہوتی ہے

قلب بھی مزید سفید ہوتا جاتا ہے اور جب ایمان مکمل ہو جاتا ہے تو قلب بھی پوری طرح

روشن ہو جاتا ہے، جب کہ منافقت دل میں سیاہ نقطے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور جو

جو دل میں گھر کرتی جاتی ہے یہ سیاہی بھی بڑھتی جاتی ہے، پھر جب منافقت پورے طور

سے دل پر چھا جاتی ہے تو سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ (اللمع فی التصوف، ص: ۱۲۴)

(۱۴) حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا، گناہوں سے لوگوں میں

کون زیادہ محفوظ ہے؟ فرمایا: جس نے اپنی عقل کو اپنا امیر بنایا اور اپنے پرہیز کو اپنا وزیر بنایا

اور نصیحت و موعظت کو اپنی زمام اور صبر کو اپنا قائد، تقویٰ شکاری کو اپنا مددگار اور خوف خدا کو

اپنا ہم نشین اور موت کو اور اس کے بعد سڑنے گلنے کو اپنا انیس (یعنی من پسند) بنایا۔

(۱۵) حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: اپنے دوست سے

محبت میں نرمی (یعنی میانہ روی) اختیار کرو کہ کہیں وہ تمہارا دشمن نہ ہو جائے اور دشمن سے دشمنی میں بھی نرمی کرو کہ کہیں وہ تمہارا دوست نہ ہو جائے۔

یعنی گہری دوستی کے بعد دشمنی اور گہری دشمنی کے بعد دوستی باعث افسوس ہوتی ہے۔ لہذا دونوں درمیانی درجے کی ہوں تو بعد میں شرمندگی کی نوبت نہ آئے گی۔

(۱۶) ایک روز حضرت مولائے کائنات کرم اللہ وجہہ خزانہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے یعنی بیت المال کے دروازے پر اور فرمایا: اے چاندی، اے سونا! میری علاوہ کسی اور کو دھوکا دے۔

(۱۷) ایک روز حضرت علی نے عمر فاروق سے فرمایا: اگر اپنے دوست (خدا) سے ملنا چاہتے ہیں تو اپنی قمیص میں پیوند لگائیں اور اپنے کرتے سلیں اور امیدیں کوتاہ کریں اور پیٹ بھر کر نہ کھائیں۔

(۱۸) نماز کے وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رنگ بدل جاتا اور کانپنے لگتے۔ ایسی حالت میں جب آپ سے اس کا سبب پوچھا جاتا تو فرماتے: اس امانت کا وقت آپہنچا جس کے بارے میں اللہ عزوجل نے فرمایا:

”إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ.“ (الاحزاب: ۷۲/۳۳)

بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انھوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی۔

(کنز الایمان)

تو میں نہیں جانتا کہ اس امانت کو ٹھیک ٹھیک ادا کر پاؤں گا یا نہیں جس کو اپنے ذمے لے لیا ہے۔

(۱۹) اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میری اور میرے نفس کی مثال بکریوں کے چرانے والے کی ہے۔ جب وہ بکریوں کو ایک طرف سے ملاتا ہے دوسری طرف سے وہ منتشر ہو جاتی ہیں۔

(یعنی نفس کو قابو میں رکھنا بہت مشکل ہے اور اگر کبھی قابو میں آ جاتا ہے تو فوراً دوسری طرف سے بھاگ نکلتا ہے اور تصوف و معرفت کی جان یہی نفس کشی ہے لہذا آدمی کو نفس کے

سلسلے میں ہمیشہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔)

(۲۰) حضرت مولیٰ علی کا فرمان ہے: بھلائی چار چیزوں میں جمع ہے: خاموشی، گویائی، بینائی (دیکھنا) اور نقل و حرکت میں۔

تو جس بات میں اللہ کا ذکر نہ ہو وہ لغو ہے۔

اور جس خاموشی میں فکر نہ ہو وہ سہو ہے۔

اور جس نظر میں عبرت پذیری نہ ہو وہ غفلت ہے۔

اور جس حرکت میں اللہ کی عبادت کا تصور نہ ہو وہ سستی ہے۔ (یعنی صوفی کی ہر نقل و حرکت اللہ کے لیے ہوتی ہے)۔

تو اللہ رحم فرمائے اس بندے پر جس نے اپنی گویائی کو ذکر کے لیے اور خاموشی کو فکر کے لیے اور نظر کو عبرت کے لیے، اور حرکت کو عبادت کے لیے وقف کر دیا اور اس کا یہ حال ہو گیا کہ لوگ اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ و مامون رہتے ہیں۔

ان اقوال کو نقل کر کے صاحب ”کتاب الممع“ علامہ امام ابو نصر سراج طوسی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں:

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایسے بہت سے احوال و اقوال اور افعال ہیں جن سے ارباب قلوب، اہل اشارات اور صوفیہ میں جو اصحاب وجد و حال ہیں، تعلق رکھتے ہیں (اور ان کی روشنی میں راہ سلوک طے کرتے ہیں)۔

اور پھر خلفائے راشدین کے احوال و مقامات کو سامنے رکھتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: جن لوگوں نے بالکلیہ دنیا کو ترک کر دیا اور جس کسی چیز کے مالک ہوئے اس سب کو چھوڑ کر اور سب سے بے تعلق ہو کر بساط فقر و تجرید پر رنق افروز ہوئے۔ ان کے امام سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

اور وہ لوگ جنھوں نے بعض مال و اسباب کو راہ خدا میں لٹا دیا اور بعض کو اہل و عیال اور حقوق و صلہ رحمی کے لیے رکھ چھوڑا تو ان کے امام امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

اور جنھوں نے اللہ کے لیے ہی مال جمع کیا اسی کے لیے روکا اور اسی کی راہ میں خرچ کیا اور اسی کے لیے کسی کو دیا تو ان کے امام حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ

تعالیٰ عنہ ہیں۔

اور جو دنیا کے گرد گھومتے نہیں اور اگر بغیر طلب ان کے آس آ جاتی ہے تو اسے چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں تو اس سلسلہ میں ان کے امام سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ ہیں۔
(اللمع فی التصوف، ص: ۱۲۴ تا ۱۲۶۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ۔ ترجمہ و تشریح از نعمانی)
گویا صوفیہ کے تمام طبقے خلفائے راشدین کے نقش قدم پر ہیں اور ان میں سب کا رنگ جدا جدا ہے۔ ع

ہر گلے رارنگ و بوے دیگرست

(۲۱) علامہ امام یوسف بن اسماعیل نبہانی قدس سرہ ”الشرف الموبد“ میں تحریر فرماتے ہیں۔ مولیٰ علی فرماتے ہیں:
میری محبت اور ابو بکر و عمر کی عداوت جمع نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ یہ دونوں ضدیں ہیں اور دو ضدیں جمع نہیں ہو سکتیں۔

(برکات آل رسول ترجمہ اشرف الموبد، ص: ۳۱۵ از علامہ شرف قادری، مکتبہ قادریہ، لاہور۔ ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء)

(۲۲) حضرت علی فرماتے ہیں:

توفیق (خیر) بہترین قائد ہے، حسن خلق بہترین دوست ہے اور عقل بہترین ساتھی اور ادب بہترین میراث ہے اور عجب (خود پسندی) سے سخت کوئی وحشت نہیں۔

(تاریخ الخلفاء، ص: ۱۴۴، مطبوعہ غلام رسول سورتی)
(۲۳) حضرت مولیٰ علی سے پوچھا گیا: سخاوت کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: جس کو آدمی از خود دے وہ سخاوت ہے، اور جو سوال کرنے پر دے تو بہ حیا اور بہ تکلف سخاوت کرنا ہے۔

(ایضاً)
(۲۴) ابن ملجم نے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ضرب کاری لگائی اور جب حضرت امام حسن کو خبر ہوئی تو وہ روتے ہوئے آئے تو ان سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا: چار چار باتیں مجھ سے یاد کر لو۔ کہا وہ کیا ہیں؟ فرمایا:

☆ سب سے بڑی تو نگری عقل ہے۔

☆ اور سب سے بڑی تنگ دستی حماقت ہے۔

☆ اور بڑی وحشت عجب (خود پسندی) ہے۔

☆ اور بہترین کرم خلق حسن ہے۔

عرض کیا، اور چار کیا ہیں؟ فرمایا:

☆ احمق کی صحبت سے بچنا کیوں کہ وہ تم کو فائدہ پہنچانا چاہے مگر نقصان پہنچا دے گا۔

☆ جھوٹے کی دوستی سے بچنا کیوں کہ وہ دور کو قریب کر دے گا اور جو قریب ہوگا اس کو دور کر دے گا۔

☆ بخیل کی دوستی سے بھی بچنا کہ وہ تم سے وہ چیز روک دے گا جس کے تم زیادہ محتاج ہو گے۔

☆ بدکار کی صحبت سے بھی بچنا اس لیے کہ وہ تم کو حقیر اور معمولی چیز کے بدلے بیچ دے گا۔

(تاریخ الخلفاء، ص: ۱۴۵)

مولیٰ علی راہ طریقت کے امام ہیں:

اہل طریقت کا تقریباً اجماع ہے کہ مرکز ولایت حضرت مولاے کائنات علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ راہ طریقت کے امام ہیں، چنانچہ حضرت داتا گنج بخش و مخدوم سید علی ہجویری لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۷۶۵ھ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”کشف المحجوب شریف“ میں فرماتے ہیں:

”چوتھے خلیفہ راشد، انی مصطفیٰ، غریق بحر بلا، حریق نار ولا، مقتداے جملہ اولیا و اصفیا سیدنا ابوالحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں۔ طریقت میں آپ کی شان عظیم اور مقام رفیع ہے، اصول حقائق کی تعبیر و تشریح پر آپ کو کمال دست رس حاصل تھی، یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ”شیخنا فی الاصول و البلاء علی المرتضیٰ۔“ (اصول و بلا میں ہمارے رہنما و پیشوا حضرت علی مرتضیٰ ہیں)۔ اور آپ علم طریقت اور اس کے معاملات میں ہمارے امام ہیں۔ علم طریقت کو اہل طریقت اصول کہتے ہیں اور معاملات طریقت دراصل بلاؤں کا تحمل ہے۔“

(کشف المحجوب مترجم: ۱۱۴، رضوی کتاب گھر دہلی)

کسی نے حضرت مولیٰ علی سے عرض کیا، اے امیر المومنین: مجھے کوئی وصیت کیجیے،

آپ نے فرمایا:

”لا تجعل أكبر شغلك باهلك وولدك فان يكن اهلك وولدك من اولياء الله تعالى فان الله لا يضيع اولياءه و ان كانوا اعداء الله فما همك و شغلك لا عداؤه سبحانه.“

اپنے اہل و عیال سے انہماک تیرا سب سے بڑا مشغلہ نہ بن جائے۔ اگر تیرے اہل و عیال اولیاء اللہ میں سے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں کو ضائع نہیں کرتا اور اگر وہ دشمنانِ خدا ہیں تو اس کے دشمنوں سے تجھے کیا سروکار۔

یہ مسئلہ من دون اللہ (اللہ کے علاوہ) سے دلی انقطاع و علاحدگی سے متعلق ہے۔ وہ اپنے بندوں کو جیسا چاہتا ہے رکھتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ کو جو حضرت شعیب علیہ السلام کی دختر تھیں، انتہائی نازک حال (درد زہ) میں چھوڑ کر تسلیم و رضاے الہی اختیار فرمائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑ کر رضاے الہی پر شاکر ہو گئے۔ انھوں نے ان کو اپنا سب سے بڑا مشغلہ نہ جانا اور ہمہ تن ہو کر دل کو حق سے واصل کر دیا۔ بالآخر انھیں دونوں جہاں میں سرفرازی حاصل ہوئی۔

حضرت علی مرتضیٰ سے ایک اور موقع پر کسی نے دریافت کیا کہ سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”غناء القلب باللہ تعالیٰ۔“ (اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل کو تو نگر یعنی بے نیاز بنانا)۔ جو دل خدا کے ساتھ غنی (بے نیاز) ہوتا ہے اسے نہ تو دنیا کی نیستی پریشان کر سکتی ہے اور نہ دنیا کی ہستی خوش کر سکتی ہے، درحقیقت یہ فکر و صفوت (دنیا سے بے نیاز ہو کر مقبول خدا ہونے) کی طرف لطیف اشارہ ہے۔ لہذا اہل طریقت کو چاہیے کہ عبادات کے حقائق، اشارات کے دقائق (باریکیاں) دنیا و آخرت کے مال سے انقطاع اور تقدیر الہی کے نظارے میں آپ کی اقتدا کریں۔ (کشف المحجوب مترجم: ۱۱۴-۱۱۵)

تصوف سراسر تزکیۂ نفس کا نام ہے۔ قرآن پاک میں آیا:

”قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا۔“ (الشمس: ۹۱/۹-۱۰)

بے شک مراد کو پہنچا جس نے اسے (یعنی نفس کو) ستھرا کیا اور نامراد ہوا جس

نے اسے معصیت میں چھپایا۔ (کنز الایمان)

یقیناً امام و مولیٰ علی نے آغوشِ نبوت میں تربیت پا کر اپنے نفس کو پاک اور ستھرا کر لیا تھا، اسی لیے اسلام قبول کرنے میں زیادہ تاخیر نہیں کی اور پوری زندگی اسوۂ رسول کے سانچے میں ڈھال کر گزار دی، زہد و تقویٰ اور خشیتِ الہی میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ کی خدمت میں فالودہ پیش کیا گیا تو آپ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا: تیری خوشبو اچھی ہے، رنگ حسین ہے، مزہ لذیذ ہے مگر میں نہیں چاہتا کہ نفس کو ایسی چیز کا عادی بناؤں جس کا وہ عادی نہیں، اور اسے تناول نہیں فرمایا۔

(حلیۃ الاولیاء، ج: ۱، ص: ۸۱)

ایک مرتبہ حضرت علی سے کہا گیا، آپ اپنے پیرائے میں پیوند کیوں لگاتے ہیں؟ فرمایا: خشوعِ قلب کی وجہ سے اور اس لیے کہ مومن اس کی اقتدا کریں۔

(حلیۃ الاولیاء، ج: ۱، ص: ۸۳)

یعنی پیوند لگانے سے خشیتِ قلب پیدا ہوتی ہے جو تکبر کے سراسر خلاف ہے اور اس سے نفس بھی مرتا ہے۔ کیوں کہ اچھا کھانا اور اچھا پہننا بالعموم لوگوں کو دنیا سے قریب کر دیتا ہے اور نفس کو موٹا۔

حضرت علی کے فقر کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ اپنی تلوار منگائی اور کہا: کون میری یہ تلوار خریدتا ہے، خدا کی قسم اگر ایک تہ بند کی قیمت بھی ہوتی تو میں اس کو فروخت نہیں کرتا۔

(حلیۃ الاولیاء، ج: ۱، ص: ۸۳)

حضرت مولیٰ علی کا زہد اس سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے وقت جو سامان ملا زندگی بھر اس کو باقی رکھا اور اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا، نہ عیش کی زندگی گزاری۔ (تذکرہ خلفائے راشدین)

مولیٰ علی کا مقام علم:

حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام علم بڑا عظیم اور عالی شان ہے، آپ کے مقام علم تک عام صحابہ کی بھی رسائی نہ تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو خود بڑے اونچے مقام کے حامل ہیں اور جن کے بارے میں سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللّٰهُمَّ عَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ۔“ (اے اللہ!

اسے کتاب و حساب کا علم عطا فرما) وہ فرماتے ہیں۔

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایا: اے ابن عباس! عشا کی نماز پڑھ کر تم قبرستان پہنچ جانا چنانچہ میں نے نماز پڑھی اور قبرستان پہنچ گیا، اس رات چاندنی پھیلی ہوئی تھی، فرمایا: الحمد للہ! کے الف کی تفسیر کیا ہے؟ میں نے کہا مجھے علم نہیں۔ پھر اس کے بارے میں ایک ساعت گفتگو فرمائی، اس کے بعد کہا: الحمد کے لام کی تفسیر کیا ہے؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں: آپ نے اس بارے میں پوری ساعت گفتگو فرمائی اور کہا الحمد کے حا کی تفسیر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا مجھے علم نہیں ہے۔ اس کے متعلق بھی پوری ایک ساعت گفتگو فرمائی، پھر کہا الحمد کے میم کی تفسیر کیا ہے؟ میں نے کہا مجھے علم نہیں، اس کی تفسیر میں بھی ایک ساعت گفتگو کی، پھر فرمایا: الحمد کے دال کی تفسیر بتاؤ؟ میں نے کہا: مجھے علم نہیں۔ پھر اس کے بارے میں گفتگو فرمائی یہاں تک کہ صبح کا ذب نمودار ہو گئی تو آپ نے فرمایا: ابن عباس! اپنے گھر جاؤ اور صبح کی نماز کی تیاری کرو، میں وہاں سے اٹھا تو جو کچھ آپ نے فرمایا تھا اسے محفوظ کر چکا تھا پھر میں نے غور کیا تو قرآن پاک کے بارے میں میرا علم حضرت علی کے علم کے سامنے اس طرح تھا جیسے سمندر کے سامنے ایک حوض۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی فرماتے ہیں کہ:

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے اور حضرت علی کا علم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے سامنے اور میرا علم حضرت علی کے علم کے سامنے اور میرا علم کیا صحابہ کا علم حضرت علی کے سامنے اس طرح ہے جیسے ایک قطرہ سات سمندروں کے سامنے ہو۔

غور کرو کہ مخلوق کے علوم و معارف میں کتنا فرق ہے۔ (برکات آل رسول، ص: ۱۳۲)

حضرت ابوالطفیل فرماتے ہیں:

”میں حاضر تھا حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ خطبہ دے رہے تھے، اسی دوران فرمایا: مجھ سے پوچھو! بخدا تم مجھ سے جو پوچھو گے میں تمہیں اس کی خبر دوں گا۔ مجھ سے قرآن مجید کے بارے میں پوچھو، بخدا میں ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ دن میں نازل ہوئی یا رات میں، پہاڑ پر نازل ہوئی یا نرم زمین پر اگر میں چاہوں تو سورۃ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ لادوں۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مزید فرماتے ہیں:

حضرت علی مرتضیٰ کو علم ۹۱ حصہ عطا کیا گیا اور بخدا وہ باقی ۱۰۰ میں لوگوں کے ساتھ شریک ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے پوچھتے، جب انھیں آپ کی شہادت کی خبر پہنچی تو فرمایا:

”ابن ابی طالب (حضرت علی) کی وفات سے فقہ اور علم جاتا رہا۔“

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مشکل سے پناہ مانگتے تھے جس کے حل کے لیے ابوالحسن (علی مرتضیٰ) جیسی شخصیت موجود نہ ہو۔

حضرت عطا (تابعی) سے پوچھا گیا کیا صحابہ میں کوئی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ علم والا تھا؟ انھوں نے فرمایا نہیں بخدا میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا (جو علم میں حضرت علی سے بڑھا ہوا ہو)۔ (برکات آل رسول، ص: ۱۳۳)

حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے قاضی بنا کر یمن کی طرف بھیجا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں کم عمر نا تجربہ کار ہوں اور قضا جانتا ہی نہیں تو فیصلہ کیسے کروں گا؟ تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے سینے پر اپنا دست پاک مار کر فرمایا: ”الہی اس کے دل کو ہدایت کے نور سے روشن کر، اور اس کی زبان کو استقامت عطا فرما۔“

حضرت علی فرماتے ہیں رب ذو الجلال کی قسم اس دن سے کسی دو آدمی کے معاملے میں فیصلہ کرنے میں مجھے ذرہ برابر بھی شبہ نہ ہوا۔ (تاریخ الخلفاء، ص: ۱۵۹)

علی مرتضیٰ صحابہ کرام کی نظر میں:

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم حضرت مولا کے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے کمالات و فضائل کے معترف تھے جیسا کہ ذیل کے ارشادات سے واضح ہے:

(۱) امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”لَوْ لَا عَلِيٌّ لَهْلَكَ عُمَرُ۔“ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ (اللمع، ص: ۱۲۶)

(یعنی حضرت علی کے مشورے حضرت عمر فاروق کے عہد میں ان کی کامیابی کی ضمانت تھے)۔

ابن سعید نے سعید بن مسیب سے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مشکل سے پناہ مانگتے تھے کہ جس کے آنے کے وقت ابوالحسن یعنی حضرت علی نہ ہوں۔

(حاشیہ للمع، ص: ۱۲۶)

گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت مولیٰ علی کو مشکلات کا حل کرنے والا سمجھتے تھے۔ شاید اسی وجہ سے حضرت مولیٰ علی کو مشکل کشا کہا جانے لگا۔ جو لوگ اس لقب پر اعتراض کرتے ہیں وہ اس روایت سے سبق حاصل کریں اور اپنی غلط فہمی دور کر لیں۔

ابن سعد ہی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، انھوں نے کہا کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ ”علی ہم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے (قاضی) ہیں۔“..... اور فرمایا: ”علی کو تین ایسی خصوصیتیں حاصل ہیں کہ ان میں سے اگر ایک بھی مجھے حاصل ہوتی تو وہ مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ پسند ہوتی۔“ آپ سے پوچھا گیا، وہ کون ہیں؟ تو فرمایا: ”حضور نے ان سے اپنی لاڈلی فاطمہ کا نکاح کیا، مسجد کو ان کا مسکن قرار دیا کہ جو ان کے لیے حلال ہے (یعنی جنابت میں گزرنا) وہ میرے لیے حلال نہیں اور فتح خیبر کے دن ان کو جھنڈا دینا۔“

حضرت عمر نے فرمایا: رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضور حضرت علی سے راضی تھے۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاکم نے روایت کیا کہ ہم اہل مدینہ یہ کہا کرتے تھے کہ حضرت علی ہم میں سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ اور سب میں زیادہ فرائض کا علم انھیں کو ہے۔

(۳) ابن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ انھوں نے فرمایا: جب کوئی ثقہ آدمی حضرت علی کے حوالے سے کوئی مسئلہ بیان کرتا تو ہم لوگ اس سے تجاوز نہیں کرتے۔ یعنی اسے بے چوں و چرا مان لیتے ہیں۔ اور فرمایا: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں تین سو آیات نازل ہوئی ہیں۔ اور فرمایا: اٹھارہ ایسی فضیلتیں حضرت علی کو حاصل ہیں جو امت میں کسی حاصل نہیں۔ حضرت ابن عباس حضرت

علی کے وصال کے بعد اتنا روئے کہ ان کی بینائی جاتی رہی۔

(برکات آل رسول، ص: ۱۳۲)

(۴) سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے ہیں، صحابہ کرام میں کوئی ایسا نہ تھا جو کہے، مجھ سے پوچھ لو، سوائے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے۔

(۵) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حضرت علی کا ذکر کیا گیا تو فرمایا: جو لوگ سچ گئے ہیں ان میں سنت کا سب سے زیادہ علم حضرت علی کو ہے۔

(۶) ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غضب ناک ہوتے تو حضرت علی کے سوا آپ سے بات کرنے کی کوئی ہمت نہیں کرتا۔

(۷) ایک دن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک ساتھی ضرّار الصدائی سے کہا مجھے حضرت علی کی تعریف و توصیف سنا۔ انھوں نے کہا: امیر المومنین! مجھے معاف رکھیں (یعنی میرے اندران کے محاسن بیان کرنے کی تاب نہیں) پھر حضرت امیر معاویہ نے کہا ضرور تمہیں ان کے محاسن بیان کرنے ہیں، حضرت ضرار نے کہا اچھا اگر سننے ہی کی خواہش ہے تو پھر سنئے۔

بخدا وہ (یعنی حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ) بہت ہی بلند مرتبہ اور عظیم قوتوں کے مالک تھے، دو ٹوک بات کہتے، منصفانہ فیصلہ کرتے، ان کے اطراف و جوانب سے علم کا دریا بہتا تھا ان کے ارد گرد دانش مندی ناطق رہتی تھی، دنیا اور اس کی زیب و زینت سے وحشت زدہ رہتے، رات اور اس کی تنہائی سے مانوس رہتے تھے۔ ان کے آنسو کثرت سے بہتے اور اکثر فکر میں غلطاں رہتے۔

انھیں مختصر لباس اور معمولی کھانا پسند تھا، ہمارے درمیان عام آدمی کی طرح رہتے جب ہم ان سے سوال کرتے ہمیں جواب دیتے اور جب ان سے کوئی بات پوچھتے تو بتا دیتے۔ بخدا وہ ہم سے قریب رہتے اور ہمیں اپنے قریب رکھتے اس کے باوجود ہم ان کی ہیبت کے سبب ان سے کلام نہیں کر سکتے تھے۔ دین کی تعظیم کرتے یعنی اسے ہر معاملے میں سر بلند رکھتے۔ مساکین کو اپنا قرب عطا کرتے، طاقتور ان سے غلط فیصلے کی توقع نہیں رکھتا تھا، اور کمزور ان کے انصاف سے ناامید نہیں ہوتا تھا۔

بخدا میں نے انھیں دیکھا، رات گہری ہو چکی تھی وہ اپنی داڑھی کو پکڑے ہوئے کسی زخمی کی طرح مضطرب تھے اور غم و اندوہ میں ڈوب کر اور رو کر کہہ رہے تھے:

اے دنیا کسی اور کو دھوکا دے، کیا تو میری طرف مائل ہے یا میرے لیے بنی سنوری ہے، مجھے اپنی طرف مائل کرنا بہت دور کی بات ہے میں تجھے تین طلاق دے چکا ہوں۔ جن میں رجوع کی کوئی گنجائش نہیں، تیری عمر مختصر ہے، تیرا تصور معمولی ہے، افسوس! زادِ راہ کم ہے۔ سفر بہت بعید ہے اور راہ پر وحشت۔

یہ سن کر حضرت امیر معاویہ رو پڑے، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوالحسن (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پر رحم فرمائے۔ بخدا وہ اسی طرح تھے۔ پھر حضرت ضرار سے فرمایا:

تمہیں ان کا کتنا غم ہے؟ ضرار نے کہا: ”جیسے کسی عورت کی گود میں اس کا بچہ ذبح کر دیا جائے۔“ (برکات آل رسول، ترجمہ الشرف الموبد، ص: ۱۳۳-۱۳۴)

مذکورہ بالا بیان کردہ محاسن میں اخلاق و تصوف کے وہ تمام اصول آگئے، جن پر عمل کر کے ایک مومن، کمال کے درجات پر فائز ہوتا ہے۔ اور ان اوصاف کا ایک ایک حصہ ہمارے عوام اور خواص کے لیے کس درجہ درس عبرت اور قابل عمل ہے۔

(۸) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ایک آدمی آیا تو اس نے حضرت عثمان کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے حضرت عثمان کے محاسن بیان کر دیے، فرمایا:

شاید تجھے یہ برا لگے اس نے کہا ہاں تو ابن عمر نے فرمایا اللہ تیری ناک خاک آلود کرے۔ پھر اس نے حضرت علی کے بارے میں سوال کیا تو ان کے بھی محاسن اور خوبیوں کا ذکر کر دیا۔ اور کہا ان کا گھر نبی کے گھر کے بیچ ہے۔ شاید یہ تجھے برا لگے۔ اس نے کہا ہاں ابن عمر نے کہا اللہ تجھے خاک آلود کر دے، جاتجھ سے جو بن پڑے میرے خلاف کر، (یعنی میں نے ان بزرگ صحابہ کرام کے محاسن و فضائل بیان کیے ہیں اور یہ ان فضائل کے لائق ہیں، اب تجھے برا لگے، لگا کرے۔ میں تیری کچھ پرواہ نہیں کرتا۔

(بخاری: ۵۲۵/۱، کتاب المناقب)

حضرت عبداللہ، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحب زادے ہیں جو حضرت مولائے کائنات کے فضائل و محاسن بیان کرنے میں کیسی جرأت کا ثبوت دے رہے ہیں اور منکرین و معاندین کی کچھ پرواہ نہیں کرتے ان کے اس طرز عمل سے ہمیں بھی

سبق لینا چاہیے کہ جو کوئی اہل بیت یا صحابہ کا منکر ہو ہم اس کی پرواہ کیے بغیر ان کے محاسن بیان کریں، اور اس سلسلے میں جرأت کا مظاہرہ کریں، اور بزدلی سے بچیں۔

(۹) صحابی رسول، حضرت سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم گروہ انصار، منافقین کو ان کے، حضرت علی سے بغض کی وجہ سے پہچان لیتے تھے۔

(ترمذی، ابواب المناقب: ۲/۲۱۳)

یعنی صحابہ کے زمانے میں حضرت مولیٰ علی سے بغض منافقت کی علامت تھی اس سے بھی حضرت مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام و مرتبہ واضح ہو رہا ہے۔

کرامات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم:

مولائے کائنات علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گونا گوں کمالات و مناقب کے ساتھ صاحب کرامات بھی تھے ذیل میں ان کی کرامات کا ایک معتد بہ حصہ، شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی مجددی علیہ الرحمہ کی شاندار کتاب ”کرامات صحابہ“ سے نقل کیا جا رہا ہے جو محبان علی کے لیے سرمایہ عقیدت اور موجب ازدیادِ محبت ہوگا، اور اس رخ سے بھی حضرت مولیٰ علی کے کمالات اجاگر ہوئے نظر آئیں گے۔

قبر والوں سے سوال جواب:

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ ہم لوگ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ مدینہ منورہ کے قبرستان جنۃ البقیع میں گئے تو آپ نے قبروں کے سامنے کھڑے ہو کر بہ آواز بلند فرمایا کہ اے قبر والو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ! کیا تم لوگ اپنی خبریں ہمیں سناؤ گے یا ہم تم لوگوں کو تمہاری خبریں سنائیں؟ اس کے جواب میں قبروں کے اندر سے ندا آئی۔ ”علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ اے امیر المومنین آپ ہی ہمیں یہ سنائیے کہ ہماری موت کے بعد ہمارے گھروں میں کیا کیا معاملات ہوئے؟ حضرت امیر المومنین نے فرمایا کہ اے قبر والو! تمہارے بعد تمہارے گھروں کی خبر یہ ہے کہ تمہاری بیویوں نے دوسرے لوگوں سے نکاح کر لیا اور تمہارے مال و دولت کو تمہارے وارثوں نے آپس میں تقسیم کر لیا اور تمہارے چھوٹے چھوٹے بچے یتیم ہو کر در بدر پھر رہے ہیں اور تمہارے مضبوط اور اونچے اونچے محلوں میں تمہارے دشمن آرام و چین کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس

کے جواب میں قبروں میں سے ایک مردے کی یہ دردناک آواز آئی کہ اے امیر المومنین! ہماری خبر یہ ہے کہ ہمارے کفن پرانے ہو کر پھٹ چکے ہیں اور جو کچھ ہم نے دنیا میں خرچ کیا تھا اس کو ہم نے یہاں پالیا ہے اور جو کچھ ہم دنیا میں چھوڑ آئے تھے اس میں ہمیں گھانا ہی گھانا اٹھانا پڑا ہے۔ (حجۃ اللہ علی العالمین: ج: ۲، ص: ۸۶۳، از علامہ اسماعیل نبہانی)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو یہ طاقت و قدرت عطا فرماتا ہے کہ قبر والے ان کے سوالوں کا بہ آواز بلند اس طرح جواب دیتے ہیں کہ دوسرے حاضرین بھی سن لیتے ہیں۔ یہ قدرت و طاقت عام انسانوں کو حاصل نہیں ہے۔ لوگ اپنی آوازیں تو مڑ دوں کو سن سکتے ہیں اور مردے ان کی آوازیں کو سن بھی لیتے ہیں مگر قبر کے اندر سے مردوں کی آوازیں کو سن لینا یہ عام انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے، بلکہ یہ خاصانِ خدا کا حصہ اور خاصہ ہے جس کو ان کی کرامت کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ اور اس روایت سے یہ بھی پتہ چلا کہ قبر والوں کا یہ اقبالی بیان ہے کہ مرنے والے دنیا میں جو مال و دولت چھوڑ کر مر جاتے ہیں، اس میں مرنے والوں کے لیے سراسر گھانا ہی گھانا ہے اور جس مال و دولت کو وہ مرنے سے پہلے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں وہی ان کے کام آنے والا ہے۔

فانج زندہ اچھا ہو گیا:

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”طبقات“ میں ذکر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دونوں شاہ زادگان حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ حرم کعبہ میں حاضر تھے کہ درمیانی رات میں ناگہاں یہ سنا کہ ایک شخص بہت ہی گڑگڑا کر اپنی حاجت کے لیے دعا مانگ رہا ہے اور زار زار رورہا ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ اس شخص کو میرے پاس لاؤ۔ وہ شخص اس حال میں حاضر خدمت ہوا کہ اس کے بدن کی ایک کروٹ فانج زندہ تھی اور وہ زمین پر گھسٹتا ہوا آپ کے سامنے آیا۔ آپ نے اس کا قصہ دریافت فرمایا تو اس نے عرض کیا: اے امیر المومنین! میں بہت ہی بے باکی کے ساتھ قسم قسم کے گناہوں میں دن رات منہمک رہتا تھا اور میرا باپ جو بہت ہی صالح اور پابند شریعت مسلمان تھا، بار بار مجھ کو ٹوٹا اور گناہوں سے منع کرتا رہتا تھا، میں نے ایک دن اپنے باپ کی نصیحت سے ناراض ہو کر اس کو مار دیا اور میری مار کھا کر میرا باپ رنج و غم میں ڈوبا ہوا

حرم کعبہ آیا اور میرے لیے بددعا کرنے لگا۔ ابھی اس کی دعا ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ بالکل ہی اچانک میری ایک کروٹ پر فانج کا اثر ہو گیا اور میں زمین پر گھسٹ کر چلنے لگا۔ اس غیبی سزا سے مجھے بڑی عبرت حاصل ہوئی اور میں نے رورو کر اپنے باپ سے اپنے جرم کی معافی طلب کی اور میرے باپ نے اپنی شفقتِ پدری سے مجبور ہو کر مجھ پر رحم کھایا اور مجھے معاف کر دیا اور کہا کہ بیٹا چل! جہاں میں نے تیرے لیے بددعا کی تھی اسی جگہ میں اب تیرے لیے صحت و سلامتی کی دعا مانگوں گا۔ چنانچہ میں اپنے باپ کو اونٹنی پر سوار کر کے مکہ معظمہ لارہا تھا کہ راستے میں بالکل ناگہاں اونٹنی ایک مقام پر بدک کر بھاگنے لگی اور میرا باپ اس کی پیٹھ پر سے گر کر دو چٹانوں کے درمیان ہلاک ہو گیا اور اب میں اکیلا ہی حرم کعبہ میں آ کر دن رات رورو کر خداے تعالیٰ سے اپنی تندرستی کے لیے دعائیں مانگتا رہتا ہوں۔ امیر المومنین نے ساری سرگزشت سن کر فرمایا، اے شخص! اگر واقعی تیرا باپ تجھ سے خوش ہو گیا تھا تو اطمینان رکھ خداوند کریم بھی تجھ سے خوش ہو گیا ہے۔ اس نے کہا کہ اے امیر المومنین! میں بہ حلف شرعی کہتا ہوں کہ میرا باپ مجھ سے خوش ہو گیا تھا۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کی حالت زار پر رحم کھا کر اس کو تسلی دی اور چند رکعت نماز پڑھ کر اس کی تندرستی کے لیے دعا مانگی، پھر فرمایا کہ اے شخص! اٹھ کھڑا ہو جا! یہ سنتے ہی وہ بلا تکلف اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور چلنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ اے شخص! اگر تو نے قسم کھا کر یہ نہ کہا ہوتا کہ تیرا باپ تجھ سے خوش ہو گیا تھا تو میں ہرگز تیرے لیے دعا نہ کرتا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین: ج: ۲، ص: ۸۶۳)

گرتی ہوئی دیوار تھم گئی:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دیوار کے سائے میں ایک مقدمہ کا فیصلہ فرمانے کے لیے بیٹھ گئے۔ درمیان مقدمہ لوگوں نے شور مچایا کہ اے امیر المومنین! یہاں سے اٹھ جائیے، یہ دیوار گر رہی ہے۔ آپ نے نہایت سکون و اطمینان سے فرمایا کہ مقدمہ کی کارروائی جاری رکھو، اللہ تعالیٰ بہترین حافظ و ناصر و نگہ بان ہے۔ چنانچہ اطمینان کے ساتھ آپ اس مقدمہ کا فیصلہ فرما کر جب وہاں سے چل دیے تو فوراً ہی وہ دیوار گر گئی۔

(ازالۃ الخفاء، از شاہ ولی اللہ دہلوی، مقصد: ۲، ص: ۲۷۳۔ تاریخ الخلفاء، از علامہ جلال الدین سیوطی، ص: ۱۶۷)

یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ خداوند قدوس اپنے اولیاء کرام کو ایسی ایسی روحانی طاقتیں عطا فرماتا ہے کہ ان کے اشاروں سے گرتی ہوئی دیواریں تو کیا چیز ہیں؟ بہتے ہوئے دریاؤں کی روانی بھی ٹھہر جاتی ہے۔ سچ ہے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

آپ کو جھوٹا کہنے والا اندھا ہو گیا:

علی بن زازان کا بیان ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ کوئی بات ارشاد فرمائی تو ایک بدنصیب نے نہایت ہی بے باکی کے ساتھ یہ کہہ دیا کہ اے امیر المومنین آپ جھوٹے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اے شخص! اگر میں سچا ہوں تو تو ضرور قبرِ الہی میں گرفتار ہو جائے گا۔ اس گستاخ نے کہہ دیا کہ آپ میرے لیے بد دعا کر دیجیے، مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ اس کے منہ سے ان الفاظ کا نکلتا تھا کہ بالکل ہی اچانک وہ شخص دونوں آنکھوں سے اندھا ہو گیا اور ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔

(ازالۃ الخفاء، مقصد: ۲، ص: ۲۷۳۔ تاریخ الخلفاء، ص: ۱۶۷، مطبوعہ ممبئی۔)

کون کہاں مرے گا، کہاں دفن ہوگا:

حضرت اصغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سفر میں میدانِ کربلا کے اندر ٹھیک اس جگہ پہنچے جہاں آج حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر انور ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس جگہ آئندہ زمانے میں ایک آلِ رسول کا قافلہ ٹھہرے گا اور اس جگہ ان کے اونٹ بندھے ہوئے ہوں گے اور اسی میدان میں جو انانِ اہل بیت کی شہادت ہوگی اور اسی جگہ ان شہیدوں کا دفن بنے گا اور ان لوگوں پر آسمان وزمین روئیں گے۔

(ازالۃ الخفاء، مقصد: ۲، ص: ۲۷۳۔ بحوالہ الریاض النضرہ)

روایاتِ بالا سے پتہ چلتا ہے کہ اولیاء اللہ کو بذریعہ کشف برسوں بعد ہونے والے

واقعات اور لوگوں کے حالات، یہاں تک کہ لوگوں کی موت اور دفن کی کیفیات کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور یہ درحقیقت علمِ غیب ہے جو اللہ تعالیٰ کے عطا فرمانے سے اولیاء کرام کو حاصل ہوا کرتا ہے اور یہ اولیاء کرام کی کرامت ہوا کرتی ہے۔

فرشتوں نے چکی چلائی:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلانے کے لیے ان کے مکان پر بھیجا تو میں نے وہاں یہ دیکھا کہ ان کے گھر میں چکی بغیر کسی چلانے والے کے خود بخود چل رہی ہے۔

جب میں نے بارگاہِ رسالت میں اس عجیب کرامت کا تذکرہ کیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر! اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے بھی ہیں جو زمین کی سیر کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کی یہ بھی ڈیوٹی فرمادی ہے کہ وہ میری آل کی امداد و اعانت کرتے رہیں۔

(ازالۃ الخفاء، مقصد: ۲، ص: ۲۷۳)

اس روایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آلِ پاک کو بارگاہِ خداوندی میں اس قدر قرب اور مقبولیت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتوں کو ان کی امداد و نصرت اور حاجت براری کے لیے خاص طور پر مقرر فرمادیا ہے۔ یہ شرف حضراتِ اہل بیت کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبتِ خاصہ کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ سبحان اللہ! سلطانِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و عظمت اور ان کے وقار و اقتدار کا کیا کہنا کہ آپ کے گھر والوں کی چکی فرشتے چلایا کرتے تھے۔

میں کب وفات پاؤں گا؟:

حضرت فضالہ بن فضالہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام ”بنج“ میں بہت سخت بیمار ہو گئے تو میں اپنے والد کے ہم راہ ان کی عیادت کے لیے گیا۔ دورانِ گفتگو میرے والد نے عرض کیا، اے امیر المومنین! آپ اس وقت ایسی جگہ علالت کی حالت میں مقیم ہیں۔ اگر اس جگہ آپ کی وفات ہوگئی تو قبیلہ ”جُہینہ“ کے گنواروں کے سوا اور کون آپ کی جہیز و تکفین کرے گا۔ اس لیے میری

گزارش ہے کہ آپ مدینہ منورہ تشریف لے چلیں کیوں کہ وہاں اگر یہ حادثہ رونما ہوا تو وہاں آپ کے جاں نثار مجاہدین و انصار اور دوسرے مقدس صحابہ آپ کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور یہ مقدس ہستیاں آپ کے کفن و دفن کا انتظام کریں گی۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: اے فضالہ! تم اطمینان رکھو کہ میں اپنی اس بیماری میں ہرگز ہرگز وفات نہیں پاؤں گا۔ سن لو اس وقت تک ہرگز ہرگز میری موت نہیں آسکتی جب تک کہ مجھے تلوار مار کر میری اس پیشانی اور داڑھی کو خون سے رنگین نہ کر دیا جائے۔ (ازالۃ الخفاء، مقصد: ۲، ص: ۲۷۳)

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بد بخت عبدالرحمن بن ملجم مرادی خارجی نے آپ کی مقدس پیشانی پر تلوار چلا دی جو آپ کی پیشانی کو کاٹتی ہوئی جڑے تک پیوست ہو گئی۔ اس وقت آپ کی زبان مبارک سے یہ جملہ ادا ہوا: ”فزت برب الکعبۃ“ (یعنی کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔) اس زخم میں آپ شہادت کے شرف سے سرفراز ہو گئے اور آپ نے حضرت فضالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مقام پنج میں جو فرمایا تھا وہ حرف بحرف صحیح ہو کر رہا۔

در خیر کا وزن:

جنگ خیبر میں جب گھمسان کی جنگ ہونے لگی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ڈھال کٹ کر گر پڑی تو آپ نے جوش جہاد میں آگے بڑھ کر قلعہ خیبر کا پھانک اکھاڑ ڈالا اور اس کے ایک کواڑ کو ڈھال بنا کر اس پر دشمنوں کی تلواروں کو روکتے تھے یہ کواڑ اتنا بھاری اور وزنی تھا کہ جنگ کے خاتمہ کے بعد چالیس آدمی مل کر بھی اس کو نہ اٹھا سکے۔ (زرقانی علی المواہب، ج: ۲، ص: ۲۳۰)

کیا فاتح خیبر کے اس کارنامہ کو انسانی طاقت کی کارگزاری کہا جاسکتا ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ یہ انسانی طاقت کا کارنامہ نہیں ہے بلکہ یہ روحانی طاقت کا ایک شاہ کار ہے، جو فقط اللہ والوں ہی کا حصہ ہے، جس کو عرف عام میں کرامت کہا جاتا ہے۔

کٹا ہوا ہاتھ جوڑ دیا:

روایت ہے کہ ایک حبشی غلام جو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتہائی مخلص محب تھا۔ شامت اعمال سے اس نے ایک مرتبہ چوری کر لی۔ لوگوں نے اس کو پکڑ کر دربار خلافت میں پیش کر دیا اور غلام نے اپنے جرم کا اقرار بھی کر لیا۔ امیر المومنین حضرت علی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ جب وہ اپنے گھر کو روانہ ہوا تو راستہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن الکراء سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ ابن الکراء نے پوچھا کہ تمہارا ہاتھ کس نے کاٹا؟ تو اس غلام نے کہا: امیر المومنین و یعسوب المسلمین، داماد رسول و زوج بتول نے۔ ابن الکراء نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمہارا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر بھی تم اس قدر اعزاز و اکرام اور مدح و ثنا کے ساتھ ان کا نام لیتے ہو؟ غلام نے کہا کہ کیا ہوا؟ انھوں نے حق پر میرا ہاتھ کاٹا اور مجھے عذاب جہنم سے بچالیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کی گفتگو سنی اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا تو امیر المومنین نے اس غلام کو بلو کر اس کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی کلائی پر رکھ کر رومال سے چھپا دیا۔ پھر کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ اتنے میں ایک غیبی آواز آئی کہ رومال ہٹاؤ۔ جب لوگوں نے رومال ہٹایا تو کٹا ہوا ہاتھ اس طرح کلائی سے جڑ گیا تھا کہ کہیں کٹنے کا نشان بھی نہیں تھا۔ (تفسیر کبیر، ج: ۵، ص: ۴۷۹)

شوہر عورت کا بیٹا نکلا:

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاشانہ خلافت سے کچھ دور ایک مسجد کے پہلو میں دو میاں بیوی رات بھر جھگڑا کرتے رہے۔ صبح کو امیر المومنین نے دونوں کو بلا کر جھگڑے کا سبب دریافت فرمایا۔ شوہر نے عرض کیا: اے امیر المومنین! میں کیا کروں؟ نکاح کے بعد مجھے اس عورت سے بے انتہا نفرت ہو گئی۔ یہ دیکھ کر بیوی مجھ سے جھگڑا کرنے لگی، پھر بات بڑھ گئی اور رات بھر لڑائی ہوتی رہی۔ آپ نے تمام حاضرین دربار کو باہر نکال دیا اور عورت سے فرمایا کہ دیکھ میں تجھ سے جو سوال کروں اس کا سچ جواب دینا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے عورت! تیرا نام یہ ہے، تیرے باپ کا نام یہ ہے، عورت نے کہا کہ بالکل ٹھیک ٹھیک آپ نے بتایا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے عورت! تو یاد کر کہ تو زنا کاری سے حاملہ ہو گئی تھی۔ اور ایک مدت تک تو اور تیری ماں اس حمل کو چھپاتی رہیں۔ جب درد زہ شروع ہوا تو تیری ماں تجھے اس گھر سے باہر لے گئی اور جب بچہ پیدا ہوا تو اس کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر تو نے ایک میدان میں ڈال دیا۔ اتفاق سے ایک کتا اس بچے کے پاس آیا۔ تیری ماں نے اس کتے کو پتھر مارا، لیکن وہ پتھر بچے کو لگا اور اس کا سر پھٹ گیا۔ تیری ماں کو اس بچے پر رحم آ گیا

اور اس نے بچے کے زخم پر پٹی باندھ دی۔ پھر تم دونوں وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئیں۔ اس کے بعد اس بچے کی تم دونوں کو کچھ بھی خبر نہیں ملی۔ کیا یہ واقعہ سچ ہے؟ عورت نے کہا کہ ہاں اے امیر المومنین یہ پورا واقعہ حرف بحرف صحیح ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے مرد! تو اپنا سر کھول کر اس کو دکھا دے۔ مرد نے سر کھولا تو اس زخم کا نشان موجود تھا۔ اس کے بعد امیر المومنین نے فرمایا کہ اے عورت! یہ مرد تیرا شوہر نہیں ہے، بلکہ تیرا بیٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم دونوں کو حرام کاری سے بچالیا۔ اب تو اپنے اس بیٹے کو لے کر اپنے گھر چلی جا۔

(شواہد النبوة، ص: ۱۶۱)

مذکورہ بالا دونوں مستند کرامتوں کو بغور پڑھیے اور ایمان رکھیے کہ خداوند قدوس کے اولیاء کرام عام انسانوں کی طرح نہیں ہوا کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے ان محبوب بندوں کو ایسی ایسی روحانی طاقتوں کا بادشاہ بلکہ شہنشاہ بنا دیتا ہے کہ ان بزرگوں کے تصرفات اور ان کی روحانی طاقتوں اور قدرتوں کی منزل بلند تک کسی بڑے سے بڑے فلسفی کی عقل و فہم کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی۔

ذرا دیر میں قرآن مجید ختم کر لیتے:

یہ کرامت روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ گھوڑے پر سوار ہوتے وقت ایک پاؤں رکاب میں رکھتے اور قرآن مجید شروع کرتے اور دوسرا پاؤں رکاب میں رکھ کر گھوڑے کی زین پر بیٹھنے تک اتنی دیر میں ایک قرآن مجید ختم کر لیا کرتے تھے۔ (شواہد النبوة، ص: ۱۶۰)

اشارے سے دریا کی طغیانی ختم:

ایک مرتبہ نہر فرات میں ایک ایسی خوف ناک طغیانی آئی کہ سیلاب میں تمام کھیتیاں غرقاب ہو گئیں۔ لوگوں نے آپ کے دربار گوہر بار میں فریاد کی۔ آپ فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ مبارکہ و عمامہ زیب تن فرما کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور آدمیوں کی ایک جماعت جس میں حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے۔ آپ کے ساتھ چل پڑے۔ آپ نے پل پر پہنچ کر اپنے عصا سے نہر فرات کی طرف اشارہ کیا تو نہر کا پانی ایک گز کم ہو گیا۔ پھر دوسری مرتبہ اشارہ فرمایا تو مزید ایک گز کم ہو گیا۔ جب تیسری بار اشارہ کیا تو تین گز پانی اتر گیا اور سیلاب ختم ہو گیا۔ لوگوں نے شور

مچایا کہ امیر المومنین بس کیجیے، یہی کافی ہے۔ (شواہد النبوة، ص: ۱۶۲)

تمہاری موت کس طرح ہوگی؟

ایک شخص آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کے حالات سنا کر یہ بتایا کہ تم کو فلاں کھجور کے درخت پر پھانسی دی جائے گی۔ چنانچہ اس شخص کے بارے میں جو کچھ آپ نے فرمایا تھا وہ حرف بحرف درست نکلا اور آپ کی پیش گوئی پوری ہو کر رہی۔

(شواہد النبوة، ص: ۱۶۲)

پتھر اٹھایا تو چشمہ ابل پڑا:

مقام صفین کو جاتے ہوئے آپ کا لشکر ایک ایسے میدان سے گزرا جہاں پانی نایاب تھا۔ پورا لشکر پیاس کی شدت سے بے تاب ہو گیا۔ وہاں کے گرجا گھر میں ایک راہب رہتا تھا۔ اس نے بتایا کہ یہاں سے دو کوس کے فاصلے پر پانی مل سکے گا۔ کچھ لوگوں نے اجازت طلب کی تاکہ وہاں پر جا کر پانی پیئیں۔ یہ سن کر آپ اپنے خنجر پر سوار ہو گئے اور ایک جگہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس جگہ تم لوگ زمین کو کھودو۔ چنانچہ لوگوں نے زمین کی کھدائی شروع کر دی تو ایک پتھر ظاہر ہوا۔ لوگوں نے اس پتھر کو نکالنے کی انتہائی کوشش کی لیکن تمام آلات بے کار ہو گئے اور وہ پتھر نہ نکل سکا۔ یہ دیکھ کر آپ کو جلال آ گیا اور آپ نے اپنی سواری سے اتر کر آستین چڑھائی اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو اس پتھر کی دراڑ میں ڈال کر زور لگایا۔ تو وہ پتھر نکل پڑا اور اس کے نیچے سے ایک نہایت ہی صاف شفاف اور شیریں پانی کا چشمہ ظاہر ہو گیا اور تمام لشکر اس پانی سے سیراب ہو گیا۔ لوگوں نے اپنے جانوروں کو بھی پلایا اور لشکر کے تمام مشکوں کو بھی بھر لیا۔ پھر آپ نے اس پتھر کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ گرجا گھر کا عیسائی راہب آپ کی یہ کرامت دیکھ کر سامنے آیا اور آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ فرشتہ ہیں؟ آپ نے کہا، نہیں۔ اس نے پوچھا: کیا آپ نبی ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس نے کہا، پھر آپ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا میں پیغمبر مرسل حضرت محمد بن عبد اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہوں اور مجھ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چند باتوں کی وصیت بھی فرمائی ہے۔ یہ سن کر وہ عیسائی راہب کلمہ شریف پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

آپ نے فرمایا: تم نے اتنی مدت تک اسلام کیوں قبول نہیں کیا تھا؟ راہب نے کہا تھا کہ ہماری کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اس گرجا گھر کے قریب جو ایک چشمہ پوشیدہ ہے اس چشمہ کو وہ شخص ظاہر کرے گا جو یا تو نبی ہو گا یا نبی کا صحابی ہوگا۔ چنانچہ میں اور مجھ سے پہلے بہت سے راہب اس گرجا گھر میں اسی انتظار میں مقیم رہے۔ اب آج آپ نے یہ چشمہ ظاہر کر دیا تو میری مراد برآئی۔ اس لیے میں نے آپ کے دین کو قبول کر لیا۔ راہب کی تقریر سن کر آپ رو پڑے اور اس قدر روئے کہ آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی اور پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ الحمد للہ! کہ ان لوگوں کی کتابوں میں بھی میرا ذکر ہے۔ یہ راہب مسلمان ہو کر آپ کے خادموں میں شامل ہو گیا اور لشکر میں داخل ہو کر شامیوں سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گیا۔ اور آپ نے اس کو اپنے دست مبارک سے دفن کیا اور اس کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ (شواہد النبوة، ص: ۱۶۴)

حضرت فاطمہ بتول زہرا رضی اللہ عنہ

..... (ماخوذ از، اصح التواریخ).....

ولادت شریف:

حضرت خاتون جنت حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام ثم علیہا کی سب میں چھوٹی صاحب زادی ہیں۔ (کتاب الاستیعاب وغیرہ)

سن ولادت میں اقوال مختلف ہیں، اصح واشہر یہ ہے کہ بعثت قدس سے پانچ برس پہلے نور افزائے خاکدان عالم ہوئیں۔ (مدارج النبوة)

حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سن مبارک اس وقت پینتیس برس کا تھا۔ (اصابہ) کنیت شریف ام ایہا یعنی ام محمد علیہ ثم علیہا الصلوٰۃ والسلام تھی، اور نام فاطمہ اور القاب شریفہ بتول وزہرا و زکیہ و راضیہ و طاہرہ تھے۔ (اصابہ و مدارج و شجرہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ عزوجل نے فاطمہ اس وجہ سے نام رکھا کہ اس نے انھیں اور ان کے دوست رکھنے والوں کو نارِ جہنم سے بچا لیا ہے۔ (کنز العمال)

فضائل:

حضرت بی بی فاطمہ کے فضائل و محاسن سے کتب احادیث و سیر بھری ہوئی ہیں اور ایک یہی فضیلت اکیلی کیا کم ہے کہ آپ حضور اقدس کی بہت چہیتی پیاری تھیں جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوتیں حضور بغایت محبت کھڑے ہو جاتے اور آپ کے دست مبارک کو اپنے دست مبارک میں لیتے اور پیشانی مبارک کو بوسہ دے کر اپنی مسند شریف پر اپنی تشریف رکھنے کی جگہ بٹھاتے، یوں ہی جب حضور، حضرت بی بی کے یہاں تشریف لے جاتے تو وہ استقبال کے لیے اٹھ کھڑی ہوتیں اور آپ کے پاس جا کر دست مبارک پکڑ کر حضور کو اپنی مسند مبارک پر اجلاس کراتیں، حدیث صحیح میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں، اور حسن و حسین جو انان اہل جنت کے۔

نیز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ فرمایا: فاطمہ میرا ٹکڑا ہیں جس نے انھیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے انھیں دشمن رکھا اس نے مجھے دشمن رکھا۔ نیز فرمایا کہ بیشک اللہ غضب فرماتا ہے فاطمہ کے غضب فرمانے سے اور راضی ہوتا ہے ان کی رضا سے۔

اور حدیث صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک بار حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک اونچی چادر اوڑھے باہر تشریف لے گئے کہ امام حسن تشریف لائے حضور نے ان کو اس ردائے مبارک میں لے لیا، ان کے بعد سبط اصغر امام حسین حاضر ہوئے اسی طرح ان کو بھی چادر مبارک میں لے لیا۔ پھر ان کے بعد ان کے والدین کریمین جناب مولیٰ علی مرتضیٰ و حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہم حاضر ہوئے ان کو بھی چادر مبارک کے اندر کر لیا، اور پھر ان چاروں کی شان مبارک میں یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی:

”إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا“

نیز ان چاروں کی شان میں فرمایا میں اس سے برسر جنگ ہوں جو ان سے برسر جنگ ہے اور جو ان سے صلح رکھتا ہے میں اس سے صلح رکھتا ہوں، اور حضرت ثوبان مولیٰ حضور اقدس علیہ و علی آلہ و اصحابہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہیں سفر کو تشریف

لے جاتے تو سب سے آخر میں حضرت بی بی کو وداع کرتے (کہ روانگی کے آخری وقت ان کے دیدار سے مسرور رہیں) اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو گھر والوں میں سب سے پہلے حضرت بی بی سے ملاقات فرماتے۔ اس کے بعد حجرہ مطہرہ میں تشریف لے جاتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب آدمیوں میں کسے سب سے زائد چاہتے تھے، فرمایا فاطمہ کو، پوچھا گیا اور مردوں میں؟ فرمایا ان کے شوہر یعنی جناب مولیٰ علی کو اور دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی سوال ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ سب آدمیوں میں زائد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو چاہتے تھے اور مردوں میں ان کے والد ماجد حضرت سیدنا صدیق اکبر کو سب نے سچ فرمایا، ان سب کو اپنی اپنی حیثیت سے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے زائد دوست رکھتے تھے، ایک بار حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بی بی فاطمہ کے یہاں تشریف لا کر فرمایا واللہ اے فاطمہ میں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا محبوب تم سے زائد کسی کو نہ دیکھا، اور خدا کی قسم آپ کے والد حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد میرا بھی اور کوئی محبوب آپ سے بڑھ کر نہیں۔ (مدارج واستیعاب وغیرہ)

سبحان اللہ یہاں سے ان محبوبانِ خدا، آل و اصحاب و ازواجِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس ایمانی ایقانی للہی محبت و اخلاص و اتحاد و وداد و کامل محکم کا اندازہ لگانا چاہیے جو ان میں باہم ایک دوسرے سے تھی، غرض حضرت خاتونِ جنت کے فضائل بے شمار ہیں اب ہم اس ایک فضیلت کو اور ذکر کر کے اس بیان کو ختم کرتے ہیں۔ حضرت ابویوب سے حدیث مروی ہے کہ روز قیامت عرش کے درمیان منادی ندا کرے گا کہ اے اہل محشر اپنے سر جھکا لو اور آنکھیں بند کر لو تا کہ حضرت فاطمہ بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پل صراط پر سے گزر جائیں۔ پس حضرت بی بی مع ستر ہزار جاریہ کے حور عین سے اس طرح گزر جائیں گی جیسے بجلی کو ند گئی۔ (صواعق وغیرہ)

یہیں سے حضرت تاج الفحول مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی فرماتے ہیں۔

ہو بھی جائے گی جب آئیں گی جناب سیدہ
بند چشم اہل محشر واہ کیا توقیر ہے

سیرت شریف:

حضرت خاتونِ جنت اپنے اب کریم علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سے بات چیت رفتار گفتار، صورت و سیرت میں سب لوگوں سے زائد مشابہ تھیں۔ (مدارج)

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، میں نے فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زائد کسی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بات چیت میں مشابہ نہ دیکھا۔

یہی ام المومنین حضرت بی بی کی نسبت فرماتی ہیں، ان کی چال حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سی تھی۔ (اصابہ)

حلم و کرم، صبر و قناعت، طاعت و عبادت وغیرہا صفات حمیدہ و خصائل پسندیدہ سب اپنے اب کریم رؤف و رحیم علیہ و علی آلہ و اصحابہ الصلوٰۃ والتسلیم سے ورثہ میں ملی تھی، ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت خاتونِ جنت کے دولت خانہ میں تشریف لائے، اس وقت مالک دو جہاں کے حبیب مختار کی اس آنکھوں کی ٹھنڈک اور کلیجے کے ٹکڑے کے جسم نازنین پر اونٹ کے اون سے بنا ہوا ایک موٹے کبل کا لباس تھا، اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو اس موٹے لباس میں دیکھ کر چشمانِ مبارک میں آنسو ڈبڈبائے اور ارشاد ہوا، اے فاطمہ! آج کے دن مشقت اور تنگی دنیا پر صبر کرتا کہ قیامت کے دن نعيم بہشت اس کا بدلہ ملے۔ (مدارج)

دنیا کی مصیبت اور مشقت پر صبر و قناعت کا یہ حال تھا کہ نکاح ہو جانے کے بعد امورِ خانہ داری کے انجام دینے میں آگ کے سامنے بیٹھنے اور روٹی، ہانڈی پکانے اور چکی دَ لنے اور گھر میں جھاڑو دینے کی وجہ سے چہرہ اقدس کا رنگ سونا گیا اور دست نازنین فگار ہو گئے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر مولیٰ علی نے فرمایا کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں جاؤ اور لونڈی غلام اس بار بہت خدمت شریف میں آئے ہیں، تم بھی ایک خادم مانگ لاؤ۔ آپ حاضر خدمت ہوئیں اور صرف سلام کر کے واپس آ گئیں۔ حیا کی وجہ سے اپنی اس حاجت کا اظہار نہ کر سکیں۔ یہاں تک کہ خود حضور اقدس ان کے گھر رونق افروز ہوئے۔ اس وقت حضرت خاتونِ جنت اور حضرت شیر خدا دونوں ایک چادر اوڑھے لیٹے تھے، جو ایسی تھی

کہ اگر اس سے پاؤں ڈھانکتے تو سر کھل جاتا اور اگر سر ڈھکتے تو پاؤں کھل جاتے۔ حضور کو تشریف لاتے دیکھ کر دونوں حضرات نے اٹھنا چاہا۔ حضور نے ارشاد فرمایا، اپنی جگہ رہو۔ سنو ہم ایسی چیز تمہیں بتاتے ہیں جو اس سے بہتر ہے جو تم نے ہم سے مانگی تھی۔ جب سونے لیٹو تو ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کہہ لیا کو اور ہر نماز کے بعد دس دس بار۔ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب سے حضور نے مجھے یہ ورد تعلیم فرمایا میں نے اسے کبھی نہیں چھوڑا۔ یہاں تک کہ صفین کی رات میں بھی۔ (اصابہ ومدارج)

فقیر کہتا ہے غفر اللہ تعالیٰ سبحان اللہ ان کرم والوں کی ہر بات ہم گناہ گاروں، سیاہ کاروں کے لیے باعث نزول ہزاراں ہزار رحمت و برکت دنیا و آخرت ہے۔ اپنے لیے خادم مانگنے گئے تھے۔ رب کریم کے محبوب کریم نے وہ کرم و رحمت لانے والی چیز بتائی جس نے نہ صرف انھیں ہی راحت ابدی دلائی بلکہ آج تک جو اس پر عمل کرتا ہے وہ محکمہ تعالیٰ و بفضل رسولہ علیہ الصلاۃ والسلام دارین میں امن چین پاتا ہے۔

سبط اکبر حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت بتول زہرا کو ایک رات اپنے گھر کی مسجد کی محراب میں نماز پڑھتے دیکھا، یہاں تک کہ صبح طالع ہو گئی اور حضرات مومنین و مومنات کے لیے بہت کچھ دعائیں فرماتی رہیں اور خاص اپنے نفس کے لیے کچھ دعائے کی دوسروں ہی کے لیے فرماتی رہیں۔ فرمایا: اے میرے پیارے بچے پہلے پڑوسیوں کے لیے اچھائی چاہیے پھر اپنے لیے۔ (مدارج)

نکاح:

رمضان المبارک ۲ھ میں غزوہ بدر سے مراجعت کے بعد حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت بی بی فاطمہ کا عقد نکاح حضرت شیر خدا سے محکمہ وحی الہی فرمایا اور ذی الحجہ کے مہینے میں رخصتی ہوئی۔ حضرت بی بی کا سن مبارک اس وقت پندرہ برس ساڑھے پانچ ماہ یا سولہ برس یا اٹھارہ برس اور حضرت شیر خدا کا ۲۱ سال ۵ ماہ کا تھا۔ اول صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت بی بی کی درخواست کی۔ حضور نے فرمایا کہ میں ان کے عقد کے بارے میں وحی کا منتظر ہوں اور مشکوٰۃ شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت بی بی کی صغریٰ کا عذر فرمایا۔ پھر حضرت مولیٰ علی کو ام ایمن یا ان کے اور اہل و خواص نے خواستگاری کا

مشورہ دیا۔ مولیٰ نے کہا، مجھ کو حضور اقدس سے عرض کرتے ہوئے شرم آتی ہے، اور جب صدیق و فاروق کی درخواست رد ہو چکی ہے، میری درخواست کب شرف قبول پائے گی۔ انھوں نے کہا، ایک تو آپ کا رشتہ حضور سے بہت اقرب ہے، آپ ان کے سگے چچا کے بیٹے اور ابوطالب کے لڑکے ہیں، شرم نہ کیجیے اور حاضر ہو کر عرض کیجیے۔ الغرض ان کے اصرار سے حضرت مولیٰ علی حاضر خدمت ہو کر آداب و تسلیم بجالائے اور حضور اقدس کے استفسار پر اپنا مقصد ظاہر فرمایا۔ حضور نے مرحبا و اہلا جواب دیا اور اس سے زائد اور کچھ نہ فرمایا۔ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں، میں خدمت اقدس میں حاضر تھا کہ حضور اقدس پر نزول وحی کی کیفیت ظاہر ہوئی۔ جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو ارشاد فرمایا کہ اے انس! جبریل امین نے رب العرش کے پاس سے آکر ابھی یہ وحی مجھ کو پہنچائی کہ رب العزت تبارک و تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ میں (حضرت بی بی) فاطمہ کو (حضرت مولیٰ) علی سے بیاہ دوں۔ حضور اقدس کے استفسار پر مولیٰ علی نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک زرہ اور ایک گھوڑا ہے۔ فرمایا گھوڑا تو تمہیں جہاد میں درکار ہے، زرہ بیچ ڈالو اور اس کے دام ہماری خدمت میں حاضر لاؤ۔ وہ زرہ حضرت مولا علی سے چار سو اسی درم کو حضرت عثمان نے خرید کر قیمت کے ساتھ زرہ بھی حضرت مولیٰ علی ہی کو دے دی۔ حضرت مولیٰ علی سب درم اس کی قیمت کے خدمت میں حاضر لائے۔ حضور نے ان میں سے ایک ٹھٹی بھر درم تو حضرت بلال کو دے کر فرمایا: ان سے خوشبو حضرت بی بی فاطمہ کے لیے لے آؤ اور باقی حضرت ام سلمہ اور بروایت ام سلیم والدہ حضرت انس کو دیے کہ اس سے جہیز یعنی سامان خانہ داری حضرت بی بی کے لیے تیار کر دو۔ چنانچہ ایک چار پائی اور دو نہالی کتان کی اور دو چادریں برد کی ایک تنکیہ دو بازو بند چاندی کے اور ایک پانی بھرنے کی مشک اور دو گھڑے مٹی کے اور چند چیزیں اسی قسم کی، چکی ڈول وغیرہ سامان ضروری تیار کیا گیا اور حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام نے قبل نکاح خود حضرت بی بی فاطمہ سے بھی اذن لے کر حضرت ابو بکر و عمر و عثمان و طلحہ و زبیر وغیرہم ایک جماعت اعیان مہاجرین و انصار میں ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جس میں حمد و ثناء کے بعد فضائل و منافع سنت نکاح بیان فرما کر اس پر رغبت دلائی گئی تھی اور حضرت بی بی کا عقد نکاح حضرت شیر خدا سے چار سو مثقال چاندی پر (جو مروج حال سکہ سے ایک سو ساٹھ روپے ہوتے ہیں۔ کما فی العطاء النبویہ) باندھا۔ بعد ایجاب و قبول ایک طبق

چھوہارے حاضرین میں لٹا دیے۔ بعد تزویج حضور اقدس گھر میں تشریف لے گئے اور حضرت بی بی سے پانی طلب فرمایا۔ حضرت بی بی ایک کٹڑی کے پیالے میں بھر کر پانی لائیں۔ حضور اقدس نے اسے لے کر اس میں آبِ دہن مبارک ڈالا اور حضرت بی بی کو اپنے سامنے بلا کر اسے ان کے سینہ مبارک کے درمیان اور سر مبارک پر چھڑکا اور فرمایا: اے اللہ! میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطانِ رجیم سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ پھر حضرت بی بی سے فرمایا کہ ہماری طرف پیٹھ کرو اور ان کی پیٹھ پر شانوں کے درمیان وہ پانی بہایا اور پھر وہی دعا فرمائی کہ اے اللہ میں شیطانِ رجیم سے اسے اور اس کی ذریت کو تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ پانی لاؤ۔ حضرت مولیٰ علی فرماتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ اب مجھ سے طلب فرماتے ہیں۔ چنانچہ میں ایک کاسہ بھر کر پانی خدمت میں حاضر لایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح اس میں بھی لعابِ دہن مبارک ڈال کر میرے سر پر اور منہ کے آگے ڈالا اور وہی دعا فرمائی اور بوقت نکاح بھی حضور اقدس نے دونوں حضرات کے لیے حصولِ خیر و برکت اور نیک و پاکیزہ اولاد بکثرت پیدا ہونے اور حصولِ غفوَ عافیت دارین کی دعا فرمائی۔ اسی دعا کا یہ اثر ہے کہ ان دونوں سے اولادِ پاکیزہ بکثرت ظاہر ہوئیں۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بی بی کو حضرت مولیٰ سے بیاہ دیا تو وہ رونے لگیں۔ حضور اقدس نے سبب پوچھا تو عرض کیا، حضور نے مجھے ایسے شخص سے بیاہ دیا جس کے پاس نہ کچھ مال ہے نہ کوئی چیز۔ ارشاد ہوا: کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ خدا نے روئے زمین میں سے دو مردوں کو بزرگی دی، جن میں سے ایک تمہارے باپ ہیں اور دوسرے تمہارے شوہر۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا، کیا تم راضی نہیں ہو کہ میں نے تم کو ایسے شخص سے بیاہا جو بروئے اسلام پہلے مسلمان ہیں اور بروئے علم سب میں زیادہ دانا۔ تم میری امت کی عورتوں میں بہترین ہو، جیسا کہ حضرت مریم علیٰ ابنہم علیہا السلام اپنی قوم کی عورتوں میں بہترین عورت تھیں۔

(مدارج و توارخ و اصباہ وغیرہ)

نکاح کے بعد اب تک کی زندگی میکے میں اپنے والدین کریمین کے زیر سایہ ان کے آغوشِ رحمت و محبت میں گزری تھی۔ دنیا کے کام کاج کا کچھ ایسا بار نہ پڑا تھا اور اگرچہ نکاح سے تھوڑے عرصے پہلے والدہ ماجدہ حضرت ام المؤمنین خدیجہ وصال فرما چکی تھیں، مگر

پھر بھی ان پر اب کریم کا سایہ رحمت کرم گستر تھا جو ان کو اپنے جگر کا ٹکڑا فرماتے اور سب سے زیادہ ان کو چاہتے تھے۔ علاوہ بریں اگرچہ اپنی حقیقی ماں کا ظاہری سایہ اٹھ چکا تھا مگر اب کریم کی اور دوسری پیمیاں ان کو اپنی آنکھ کا تارا سمجھنے والی، گھر کے کام کاج کا بار اٹھانے والیاں موجود تھیں۔ ان پر اب بھی کچھ ایسا بار نہ تھا، مگر اب نکاح کے بعد خاوند کے گھر آتی ہیں، خاوند بھی وہ جن کے پاس نکاح کے وقت مہر میں دینے تک کے لیے کوئی مال و زر موجود نہ تھا اور زرہ بیچ کر مہر دیا تھا۔ اب سسرال میں آ کر زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ خاوند اگرچہ دل سے نہایت درجہ محبت رکھتے اور ہاتھ پاؤں سے بھی کام کاج کی محنت و مشقت میں شرکت رکھتے ہیں، مگر پھر بھی اب پہلے سے زائد کام کا بار پڑتا ہے اور حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں میاں بی بی میں کام کی تقسیم اس طرح فرمادیتے ہیں کہ باہر کے کام جیسے اونٹ کو پانی پلانا اور بازار سے سودا سلف خرید لانا، یہ تو حضرت شیر خدایاں کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد انجام دیں اور گھر کے کام جیسے روٹی پکانا، گھر میں جھاڑو دینا اور چکی میں دلنا حضرت بی بی کے حصے میں ہو۔

ایک بار یہ بیمار پڑیں اور حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، اے میری پیاری بیٹی، کیا تو اس پر راضی نہیں کہ بے شک تو تمام عالم کی عورتوں کی سردار ہے۔ انھوں نے عرض کیا: اے میرے باپ پھر حضرت مریم بنت عمران کا مرتبہ نہیں ہے۔ فرمایا وہ اپنے عالم کی عورتوں کی سردار ہیں اور تو اپنے عالم کی عورتوں کی سردار ہے۔ بے شک قسم خدا کی میں نے تیرا بیاہ اس سے کیا ہے جو سید ہے دنیا و آخرت میں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک دن حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا دست مبارک نائبِ یدِ قدرت حضرت بی بی کے سینہ پُر سکینہ پُر رکھ دیا اور دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کو بھوک سے آزاد فرما۔ حضرت بی بی رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: اس دن کے بعد سے میرے دل نے اپنی زندگی بھر کبھی بھوک سے تکلیف نہیں پائی۔

اولادِ امجاد:

حضرت شیر خدا نے حضرت خاتونِ جنت سے نکاح کے بعد ان کی زندگی بھر اور کسی سے نکاح نہیں فرمایا۔ (استیعاب) اور حضرت بی بی سے ان کے تین صاحب زادے

حضرت سیدنا امام حسن، اور حضرت سیدنا امام حسین اور حضرت محسن (بضم میم) فتحہ حائے مہملہ وسین مہملہ مشددہ مکسورہ کما فی الشجرۃ الطیبۃ وغیرہ) اور تین صاحب زادیاں حضرت رقیہ و زینب و ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ ان میں سے حضرت رقیہ و حضرت محسن نے بچپن ہی میں انتقال فرمایا۔ (شجرۃ طیبہ وغیرہ) باقی سب اولاد جوان اور صاحب اولاد ہوئیں چنانچہ سید مومن بن حسن نجفی شافعی مصری جو تیرہویں صدی کے علما میں سے ہیں اپنی کتاب نور الابصار میں جو انھوں نے ۱۲۹۰ھ میں تمام کی، لکھتے ہیں کہ حضرت زینب بنت حضرت سیدۃ النساء کی بہت نسل موجود ہے اور حضرت ام کلثوم کے بھی۔ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک صاحب زادے زید نامی ہو کر کم سنی میں انتقال کر گئے اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نسل تو ظاہر ہی ہے۔

وفات شریف:

عمر مبارک ۲۸ اور بروایت ۲۹ اور بروایت ۳۰ برس کی ہوئی (شجرۃ طیبہ وغیرہ) اور حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات شریف سے چھ ماہ بعد شب سہ شنبہ سوم رمضان المبارک ۱۱ ہجری میں وصال فرمایا۔ (اصابہ و مدارج وغیرہا) اور حضرت امیر المومنین مولیٰ علی اور حضرت اسماء بنت عمیس نے آپ کی وصیت کے مطابق غسل دیا اور دونوں صاحب زادے حضرات حسنین بھی پانی لانے اور ڈالنے میں شریک ہوئے اور حضرت مولا علی و بروایت حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت اسمانے آپ کی حسب وصیت آپ کے لیے کھجور کی لکڑیوں سے گہوارہ (جنازے کی چارپائی) بنایا اور رات ہی میں مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں اس قبہ میں جو حضرت عباس کے قبہ سے مشہور ہوا اور جس میں ائمہ اہل بیت مدفون ہیں دفن فرمایا، قبر میں حضرت مولیٰ علی و حضرت عباس اور ان کے صاحب زادے فضل نے اتارا۔ (اصابہ و مدارج و شجرہ و استیعاب وغیرہا)

بعد دفن اگلے دن حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق و دیگر حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضرت مولیٰ علی سے شکایت کی کہ آپ نے ہمیں کیوں اطلاع نہ فرمائی تاکہ ہم بھی حضرت بی بی کی نماز جنازہ پڑھنے سے مشرف ہوتے۔ حضرت

مولیٰ علی نے فرمایا کہ خود حضرت بی بی نے وصیت فرمادی تھی کہ مجھے رات میں دفن کر دینا تاکہ نا محرم مردوں کی آنکھ میرے جنازے پر بھی نہ پڑے۔ اس وجہ سے میں نے آپ کو اطلاع نہ کی۔ (مدارج)

فقیر (اولاد رسول محمد میاں) کہتا ہے کہ یہاں سے مسلمان مستورات کو عموماً اور سیدانیوں کو خصوصاً پردے کی نہایت احتیاط رکھنے کا موثر سبق ملتا ہے۔

شیخ محقق مدارج میں فرماتے ہیں کہ مسعودی کی مروج الذہب میں ہے کہ جس جگہ حضرات امام حسن و ائمہ زین العابدین و محمد باقر و جعفر صادق سلام اللہ علیہم اجمعین کے مزارات شریفہ ہیں وہاں ایک پتھر ۳۰۲ھ میں برآمد ہوا جس پر یہ عبارت لکھی تھی۔ ”ہذا قبر فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدۃ النساء العالمین و قبر الحسن بن علی و علی بن الحسین بن علی (یعنی الامام زین العابدین) و جعفر بن محمد علی نبینا و علیہم التحیۃ و السلام اور قصہ دفن امام المسلمین حسن بن علی میں وارد ہوا ہے کہ اگر لوگ مجھے میرے جد کریم حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کے پہلو میں نہ دفن ہونے دیں تو مجھے جنت البقیع میں میری والدہ ماجدہ بی بی فاطمہ کے سامنے دفن کر دینا، حضرت شیخ اس قصے اور اس پتھر کے واقعہ کے بعد فرماتے ہیں کہ حضرت بی بی کا مزار بقول مختار اسی جگہ ہے۔ اور شیخ محبت الدین طبری نے ذخائر العقبیٰ میں لکھا ہے کہ ان سے ایک مرد برگزیدہ نے جو ان کے دینی دوست تھے نقل فرمایا کہ حضرت شیخ ابو العاص مری شاگرد حضرت امام ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما جو دربارہ کشف ایک آیت کبریٰ تھے، جب بقیع شریف کی زیارت فرماتے تو حضرت عباس کے قبہ کے سامنے کھڑے ہو کر حضرت فاطمہ زہرا پر سلام عرض کرتے۔

حضرت بی بی کا مزار مبارک انھیں یہیں کشف الہی سے معلوم ہوا تھا، راوی کہتے ہیں میں مدت مدید اس اعتقاد کی بنا پر جو مجھے حضرت ابو العاص کی خدمت میں تھا یہی اعتقاد رکھتا رہا یہاں تک کہ حضرت ابن عبدالبر نے حضرت سیدنا امام حسن کی وفات اور ان کے دفن میں جو روایت ذکر کی ہے وہ روایت میری نظر سے گزری اور اس سے مجھے اپنے شیخ کے کشف کی صحت پر یقین بڑھا اور اس حدیث کی صحت مجھے اپنے شیخ کے کشف سے ثابت ہوئی، اور اس کشف کی سچائی اس حدیث سے فقیر کہتا ہے غفرلہ اللہ تعالیٰ یہ بھی ہماری شامت اعمال کا ایک ظہور ہے کہ نجد کے وہابیہ ملاعنہ نے مدینہ منورہ پر اپنے ظالمانہ قبضہ و تسلط کے

دوران میں شوال ۱۳۴۲ھ میں متبرک قبرستان جنت البقیع جس میں بے شمار اکابر معظمان اسلام اولیا وائمہ و تابعین و صحابہ کرام و اہل بیت نبوت و امہات المؤمنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آرام فرما تھے، اور اس میں خاتون جنت کا بھی مزار مبارک، زیارت گاہ اکابر اولیاء، مرجع انام تھا۔ ایک سرے سے تباہ و برباد کر کے شقیوں نے اس میں ہل چلا دیے، اور خاص قبہ اہل بیت و مزار حضرت زہرا کو بھی کھود کر اور توڑ پھوڑ کر زمین کے برابر کر دیا۔ قاتلہم اللہ تعالیٰ و عذبہم علی عداۃ حبیبہ المصطفیٰ علیہ و علی آلہ و اصحابہ الصلوٰۃ والسلام اشد العذاب فی الدنیا و الآخرة و اخر جہم من المقامات المقدسہ و الامکنۃ الطاہرۃ۔ آمین ثم آمین۔

سید الشہداء امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آں جناب تیسرے امام ہیں، ابو الائمۃ سبط اصغر حضور سید البشر کا لقب مبارک سید و شہید اور کنیت شریف ابو عبد اللہ ہے۔ (شجرہ و اکمال و اصابہ وغیرہ)
حضور کے القاب اور بھی ہیں اور سب میں اعلیٰ سید اور سبط جو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عطا فرمائے۔ (نور) بیعت طریقت و خلافت، حضرت کو اپنے والد ماجد امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے تھی۔ (النور والہبہا وغیرہ)

ولادت مبارک :

اپنے برادر اکبر حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت شریف کے پچاس راتوں کے بعد حمل میں آئے اور شعبان ۴ھ کی پانچویں تاریخ منگل کے دن مدینہ منورہ میں ولادت باسعادت ہوئی۔ (شواہد، نور، شجرہ، استیعاب وغیرہ)
حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے کان میں اذان دی اور ان کے منہ میں لعاب دہن مبارک ڈالا اور عادی اور ساتویں دن حسین نام رکھا، اور ایک مہینہ ہا زنج کر کے عقیقہ کیا، اور حضرت بتول نے فرمایا ان کے سر کے بال منڈوا کر اس کے برابر چاندی صدقہ دو۔ (نور الابصار وغیرہ)

حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں جب حضرت امام حسن پیدا ہوئے، حضور

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا میرے بیٹے کو دکھاؤ تم نے اس کا کیا نام رکھا؟ میں نے عرض کیا حرب، فرمایا بلکہ وہ حسن ہے پھر جب امام حسین پیدا ہوئے، پھر فرمایا مجھے میرے بیٹے کو دکھاؤ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا حرب فرمایا بلکہ اس کا نام حسین ہے۔ اسی طرح جب تیسرے صاحب زادے ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا مجھے میرے بیٹے کو دکھاؤ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا حرب، فرمایا بلکہ وہ حسن ہے۔ دوسری روایت میں اس قدر کے بعد یہ زائد ہے کہ پھر فرمایا میں نے ان کے نام حضرت ہارون علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادوں شہر و شیر بمشر کے نام پر رکھے ہیں۔ (استیعاب)

اور ہمارے جد امجد حضرت سید شاہ حمزہ فص الکلمات میں فرماتے ہیں: جب حضرت امام حسین پیدا ہوئے حضرت جبرئیل امین نے حضرت سیدنا ہارون نبی اللہ کے دوسرے صاحب زادے کے نام پر حضرت کا نام شبیر رکھا، زبان عرب میں شبیر کے معنی حسین ہیں، لہذا حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نام مقرر فرمایا، اور عمران بن سلیمان سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا حسن و حسین دونوں اہل جنت کے ناموں سے ہیں۔ اہل عرب نے زمانہ جاہلیت میں کسی کا یہ نام نہیں رکھا۔ اور مفضل کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں ناموں حسن و حسین کو چھپائے رکھا، یہاں تک کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ان دونوں صاحبزادوں کے یہ نام رکھے۔ (تاریخ و صواعق)

فضائل مبارکہ:

ذات اقدس حضرت امام کی مجمع البرکات و مخزن شرائف کمالات تھی، محاسن صوری و معنوی و فضائل ظاہری و باطنی کی جامع۔ مولیٰ علی فرماتے ہیں، امام حسن حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینے سے لے کر سر تک سب سے زائد اشبہ تھے، اور حضرت امام حسین سینے سے پاؤں تک سب سے زائد اشبہ تھے۔ (استیعاب)

چہرہ مبارک ایسا چمکتا تھا کہ لوگ اس کی روشنی میں راہ چلتے تھے۔ (شواہد و سنوآت) متعدد و اجلہ صحابہ مثل امیر المؤمنین عمر و امیر المؤمنین مولیٰ علی و حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم راوی ہیں کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”حسن و

حسین جو ان اہل جنت کے سردار ہیں۔“ نیز ارشاد فرمایا: ”حسن کے لیے میری بیبت اور سیادت ہے حسین کے لیے میری جرأت و بخشش۔“ نیز ارشاد فرمایا: ”حسن و حسین دنیا سے میرے دو پھول ہیں۔“ نیز ارشاد فرمایا: ”حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں، اللہ دوست رکھے اسے جو دوست رکھے حسین کو، حسن و حسین سبط ہیں اسباط میں سے۔“ نیز ارشاد فرمایا: ”میرے اہل بیت میں محبوب تر مجھے حسن و حسین ہیں۔“ نیز ارشاد فرمایا: ”جس نے حسن و حسین کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے ان سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھی۔“

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں میں نے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امام حسین کا لعاب چوستے دیکھا، جیسے آدمی کھجور کو چوستا ہے۔ ایک بار دونوں صاحب زادے حضرات حسنین اپنے اب کریم علیٰ نبینا ثم علیہما الصلوٰۃ والتسلیم کے سامنے کشتی کھیل رہے تھے، حضور اقدس نے امام حسن سے فرمایا حسین کو پکڑو، حضرت سیدہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور بڑے کوفہ فرماتے ہیں کہ چھوٹے کو پکڑے۔ حضور نے ارشاد فرمایا یہ ہیں جبرئیل جو حسین سے کہہ رہے ہیں کہ حسن کو پکڑو۔ ایک بار حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت بی بی عائشہ کے کاشانہ مبارک سے جاتے ہوئے حضرت بتول زہرا کے دولت خانہ مبارک پر سے گزرے کہ امام حسین کے رونے کی آواز سنی تو حضرت بی بی فاطمہ سے ارشاد فرمایا کیا تم نہیں جانتیں کہ اُن کا رونا مجھے اذیت دیتا ہے؟ (شواہد، نور، وصوائف، و اسعاف وغیرہ)

سیرت شریفہ:

سیرت مبارکہ حضرت امام عالی مقام کی اپنے جد کریم حضور اقدس علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سیرت کریم کی پر تو اور مظہر تھی، علم و عمل زہد و تقویٰ، جو دو سنا، شجاعت و فتوت، اخلاق و مروت، صبر و شکر، حلم و حیا وغیرہ صفات مرضیہ و کمالات پسندیدہ میں بوجہ کمال طاق اور مہمان نوازی و غربا پروری و اعانت مظلوم و ایصال رحم و انعام فقر و مساکین میں شہرہ آفاق بہت بڑے فاضل دین دار کثرت سے نماز روزہ، حج ادا کرنے والے تھے۔ پچیس حج پیادہ پا ادا فرمائے۔ حالاں کہ حضور کی عمدہ عمدہ سواریاں لے جائی جارہی تھیں، یعنی کوئی اسبابی مجبوری نہ تھی۔

(استیعاب و طبقات)

ایک شخص امام حسین کی خدمت میں اپنی کسی حاجت میں مدد چاہنے کے لیے حاضر ہوا، حضرت خلوت میں اعتکاف میں تھے عذر کر دیا پھر وہ امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے اس کی حاجت پوری فرمادی اور فرمایا خالص اللہ کسی کی حاجت پوری کر دینا مجھے مہینہ بھر کے اعتکاف سے زائد دوست ہے۔ (اسعاف)

ایک بار ایک سفر میں ایک بڑھیا نے حضرت کو اپنی بکری کا کچھ دودھ پلایا، اور پھر اس کا گوشت کھلایا تھا کچھ عرصہ بعد جب وہ بڑھیا قحط سالی سے پریشاں حال مدینہ منورہ میں حاضر خدمت ہوئی تو حضرت نے اسے ہزار بکریاں اور ہزار دینار عطا فرمائے۔

(نور الابصار)

اور معرکہ کربلا یعنی واقعہ شہادت حضرت امام میں جس صبر و ضبط جس استقامت و رضا بالقضا جس اعتماد علی اللہ تعالیٰ، جس اتباع شریعت غرا جس اقامت امر بالمعروف و نہی عن المنکر جس مادی طاقتوں اور دنیاوی قوتوں سے بے خوفی اور قوی مقتدر جل جلالہ کی عون و قوت پر توکل اور ظالموں کے ہر طرح کے سخت ترین مظالم برداشت کرنے کے باوجود بھی نہایت استقلال سے کامل اعلان کے ساتھ اظہار حق اور فاسق فاجر کے اتباع و تعظیم و اعانت سے کامل بے زاری، و اجتناب وغیرہ فضائل حمیدہ و صفات پسندیدہ کا روشن ثبوت اور اپنے جد کریم علیہ ثم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی امت کو زریں سبق اور ان کی دین و دنیا دونوں کو سنوارنے اور آراستہ کردینے والی درخشاں عملی تعلیم، حضرت امام عالی مقام نے دی وہ اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ جس کی شرح و بسط کے لیے دفتر بھی ناکافی ہیں۔

احادیث کی روایت:

حضرت امام عالی مقام خور و سال تقریباً سات برس کے تھے جو حضور سید الانام علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے وصال فرمایا۔ پھر بھی آپ کو چند ارشادات حضور اقدس بلا واسطہ سننے ہوئے یاد تھے، اور آپ نے روایت بھی فرمائے۔ اصحاب سنن وغیرہ محدثین نے اپنی کتابوں میں آپ کی کچھ حدیثیں تخریج کی ہیں اور آپ اپنے والدین کریمین مولیٰ علی و حضرت سیدۃ النساء بی بی فاطمہ اور اپنے خال ہند بن ابی ہالہ اور امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واسطے سے بھی حضور اقدس سے روایت کرتے ہیں اور آپ سے

احادیث کے راوی، آپ کے اخی معظم حضرت سیدنا امام حسن و حضرت ابو ہریرہ اور آپ کے صاحب زادے امام زین العابدین اور آپ کی صاحب زادیاں حضرت فاطمہ و سیکینہ اور آپ کے پوتے امام محمد باقر و شعیب و عمرہ و شیبان الدولی و کرزاتی و غیرہم ہیں۔ (اصابہ و اکمال) امام ابن حجر المکی قدس سرہ المملکی صواعق محرقہ میں آپ کے پوتے حضرت سیدنا امام علی موسیٰ رضا کے واسطے سے آپ سے ایک حدیث روایت کر کے جس کی سند یہ ہے:

”قال الامام علی رضا حدثنی ابی موسیٰ الکاظم عن ابیہ جعفر الصادق عن ابیہ محمد الباقر عن ابیہ زین العابدین عن ابیہ الحسین عن ابیہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم قال حدثنی حبیبی و قرۃ عینی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال حدثنی جبریل قال سمعت رب العزۃ تبارک و تعالیٰ یقول۔“

فرماتے ہیں کہ امام احمد نے فرمایا اگر میں اس سند کو مجنوں پر پڑھ کر دم کروں تو اس کا جنون جاتا رہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ رب العزت تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

”لا اله الا اللہ حصنی فمن قالها دخل حصنی ومن دخل حصنی امن

من عذابی۔“

لا اله الا اللہ میرا قلعہ ہے، جس نے یہ کہا وہ میرے قلعے میں داخل ہو گیا، اور جو میرے قلعے میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے امن میں ہو گیا۔

اور کہا گیا کہ وہ حدیث یہ تھی:

”الايمان معرفة بالقلب و اقرار باللسان و عمل بالاركان۔“

ایمان اتم و اکمل دل سے تصدیق و معرفت اور زبان سے اس کا اقرار اور

ارکان دین پر عمل کرنا ہے۔

امام ابن حجر فرماتے ہیں شاید یہ دو واقعے ہوں یعنی امام علی رضا نے یہ دونوں حدیثیں روایت فرمائی ہوں۔ حضرت امام نے اپنے خلف ارشد آدم آل عبا حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی التماس سے ایک کتاب مرآۃ العارفین نام کی تالیف فرمائی جس میں عالم صغیر یعنی حضرت انسان اور عالم کبیر کی باہم مطابقت دکھائی ہے۔ ہمارے جدا مجد حضرت اسد العارفین سیدنا شاہ حمزہ عینی قدس سرہ نے فص الکلمات میں اس

کا ذکر فرمایا اور بطور نمونہ اس کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے۔ جو ہم برائے تبرک خود اصل عربی زبان میں یہاں نقل کرتے ہیں۔ حضرت امام فرماتے ہیں:

”کل ما فی القلم مجمل فہو فی روحہ مجمل و کل ما فی اللوح مفصل فہو فی قلبہ مفصل و کل ما فی العرش مفصل فہو فی جسمہ مفصل و کل ما فی الكرسي مفصل فہو فی نفسه مفصل فمن عرف نفسه فقد عرف ربه و عرف جميع الاشياء ففكرک يا ولد ی فیک یکفیک فلیس شی خارجاً عنک اما تسمع کیف یقول الحق سبحانه، اقرأ کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسبی فمن قرأ هذا الكتاب فقد علم ما هو کان وما هو یكون فان لم یقرأ تمامه فافقرؤا ما تیسر منه الا ترى فکیف یقول تعالیٰ سربهم ایتنا فی الافاق و فی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق و کیف قال و فی انفسکم افلا تبصرون۔“

بعض کلمات شریفہ:

ایک بار حضرت سے اور امام حسن سے کسی بارے میں کچھ گفتگو آ کر درمیان میں کچھ رکاوٹ واقع ہو گئی، عرض کیا گیا کہ امام حسن آپ کے بڑے بھائی ہیں۔ آپ تشریف لے جا کر انھیں منالیں، فرمایا میں نے سنا اپنے جد کریم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہ جن دو شخصوں میں کچھ شکر رنجی ہو جائے۔ پس ایک ان میں کا دوسرے کو منالے تو جو اس میں سبقت کرے گا وہی جنت میں آگے جائے گا، اور میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ اپنے بڑے بھائی پر دخول جنت میں سبقت کروں۔ حضرت کا یہ فرمانا امام حسن کو پہنچا اور انھوں نے تشریف لا کر حضرت کو راضی کر لیا۔ ایک بار حضرت نے خطبہ فرمایا اس میں ارشاد فرمایا: اے لوگو! رغبت کرو برگزیدہ صفات کے حصول میں اور دوڑ و غلیتوں میں اور اس نیکی میں اجر کی امید نہ رکھو جس میں تم نے جلدی نہ کی۔ یعنی نیکی کرنے میں جلدی کرو ویر نہ لگاؤ اور داد و دہش سے تعریف و مدح کماؤ اور ناجائز باطل باتوں سے نام آوری نہ چاہو اور جان لو نیکی حمد کمائی ہے، اور آخرت میں اجر دلاتی ہے۔ پس اگر تم نیکی کو کسی آدمی کی صورت میں دیکھ سکتے (یعنی اگر نیکی آدمی کی صورت بنے) تو پیشک تم اسے اس طرح دیکھو گے کہ وہ بہت حسین و جمیل ہے۔ جسے دیکھ کر لوگ خوش ہوتے ہیں اور اگر تم برائی کو آدمی کی صورت میں

دیکھو تو بے شک تم اسے مکروہ صورت اس ہیئت میں دیکھو گے کہ دل اس سے نفرت کریں اور آنکھیں اس سے بند ہو جائیں۔

اے لوگو! جس نے داد و دہش کی وہ سردار ہوا اور جس نے بخل اور کنجوسی کی وہ ذلیل و خوار ہوا اور بے شک بڑا سخی وہ ہے جو اسے دیتا ہے، جو اس سے کچھ امید نہیں رکھتا اور بڑا درگزر کرنے والا وہ ہے جو باوجود (بدلہ لینے اور سزا دینے پر) قدرت کے معاف کرتا ہے، اور بڑا صلہ رحم کرنے والا وہ ہے جو اس سے جوڑتا ہے جس نے اسے توڑ دیا اور جو اپنے بھائی سے کوئی نیک سلوک خالص اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے، اللہ اسے اس کی حاجت کے وقت کفایت کرتا ہے۔ اور اس سے زائد بلائیں، اس سے دور فرماتا ہے، اور جو اپنے بھائی سے کوئی دنیا کی مصیبت دور کرتا ہے اللہ اس سے آخرت کی مصیبت دور فرماتا ہے، اور جو اپنے بھائی سے نیک سلوک کرتا ہے اللہ اسے نیک بدلہ دیتا ہے، اور بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، اور فرماتے ہیں تمہاری طرف لوگوں کی حاجتیں اللہ کی تم پر نعمتیں ہیں۔ پس تم ان نعمتوں سے غمگین اور گراں بار نہ ہو کہ وہ تم پر عتاب ہو جائیں اور فرماتے بردباری، زینت اور وفاداری مروت اور صلہ نعمت اور بہت مال ہونا بے برکتی۔ (یعنی بہت مال جمع رکھنا اور اسے راہ حق میں خرچ نہ کرنا اور اس کے حقوق ادا نہ کرنا بے برکتی ہے۔) اور جلدی کرنا بے وقوفی ہے اور بے وقوفی ضعف و کمزوری اور حد سے گزر جانا، ہلاک اور کمینوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شر اور فاسقوں بدکاروں کی نجاست تہمت میں ڈالنے والی ہے، اور جو اپنے بھائی کو کسی نیکی کے پہنچانے میں جلدی کرے گا کل جب وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوگا تو اسے پائے گا۔

حضرت کے ایک صاحب زادے نے وصال فرمایا، حضرت پر اس سے کچھ اندوہ گینی نہ دیکھی گئی جس پر اعتراض کیا گیا تو فرمایا ہم اہل بیت، اللہ سے مانگتے ہیں پس وہ ہمیں عطا فرماتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ہماری محبوب چیز میں اس کا ارادہ فرماتا ہے جو ہم پر گراں ہو تو ہم قضاے الہی پر راضی رہتے ہیں۔ ایک دن آپ نے رکن کعبہ سے چمٹ کر یہ دعا فرمائی: اے اللہ تو مجھے نعمت دی تو مجھے تو نے شکر گزار نہ پایا اور تو نے مجھ پر بلائیں ڈالیں تو تو نے مجھے صبر کرنے والا نہیں پایا، پھر بھی باوجود ناشکری کے تو نے مجھ سے اپنی نعمت نہ چھینی اور باوجود بے صبری کے تو نے مجھ پر بلاؤں کی شدت ہمیشہ نہ رکھی۔ اے اللہ! تو کریم ہے

اور کریم نہیں کرتا مگر کرم ہی۔ حضور مدینہ باسکینہ میں تشریف فرما رہے پھر اپنے والد ماجد امیر المومنین مولیٰ علی کے ساتھ کوفہ گئے اور ان کے ساتھ مشاہد میں شریک رہے اور کوفہ ہی میں ان کی شہادت تک رہے۔ پھر اپنے بھائی حسن کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ انھوں نے خلافت سے جدائی فرمائی اس کے بعد حضرت مدینہ شریف واپس آگئے اور امیر معاویہ کی وفات تک وہیں قیام فرما رہے۔ یہاں تک کہ یزید مردود نے تخت نشین ہو کر آپ سے اپنی بیعت چاہی اور آپ نے نہ فرمائی، اور حرم الہی مکہ مکرمہ کے دارالامن تشریف لے گئے اور ظالموں نے وہاں بھی نہ رہنے دیا، اور آخر معرکہ کربلا پیش آیا۔ (اسعاف الراغبین، نور الابصار)

اولادِ امجاد:

صاحب ارشاد کہتے ہیں کہ حضرت کی چھ اولادیں تھیں: حضرت علی بن الحسین الاصغر الامام زین العابدین جن کا مفصل تذکرہ آگے آتا ہے اور حضرت علی اکبر جن کی والدہ ماجدہ لیلیٰ بنت مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفی تھیں جو معرکہ کربلا میں شہید ہو گئے، اور جعفر جن کی والدہ قضاہ تھیں یہ اپنے والد ماجد کی حیات شریف میں انتقال کر گئے تھے نسل ان کی نہیں ہے اور حضرت عبداللہ (جو عوام میں علی اصغر مشہور ہیں) یہ صغیر اسن معرکہ کربلا میں شہید ہو گئے اور حضرت سکینہ ان کی سگی بہن تھیں ان دونوں کی والدہ رباب بنت امر القیس بن عدی کلیبیہ تھیں اور حضرت فاطمہ (صغریٰ) جن کی والدہ ماجدہ ام اسحاق بنت حضرت سیدنا طلحہ احد العشرۃ المبشرہ تھیں۔ (نور الابصار)

اسی کی تائید حافظ عبدالعزیز جناب دی و شیخ مفید عالمان انساب کی تصدیحات سے ہوتی ہے۔ (شجرہ طیبہ)

اور بعض نسبائین حضرت کی اولاد ذکر چھ بتاتے ہیں اور اناث میں تیسری صاحب زادی بنام حضرت زینب اور صاحب زادوں میں ایک بنام محمد جو بقول البعض معرکہ کربلا میں شہید اور بقول بعض اپنے والد ماجد کے سامنے انتقال فرما گئے تھے، اور دوسرے صاحب زادے علی اصغر یا اوسط نام مگر امام زین العابدین و عبداللہ کے علاوہ اور زائد کرتے ہیں اور یہ کہ یہی وہ صاحب زادے ہیں جو عالم طفلی میں کسی ظالم کا تیر لگ کر معرکہ کربلا میں شہید

ہو گئے۔ اور حضرت عبد اللہ امام کے ساتھ ظالموں سے جہاد فرما کر شہید ہوئے۔
(شجرہ، واسعاف ونور وغیرہ)

اور بعض کے نزدیک ایک صاحب زادہ عمر نام اور تھے۔ (نور) حضرت فاطمہ صغریٰ کا عقد اول حضرت حسن ثنیٰ ابن امام حسن سے اور ان کے بعد حضرت عثمان کے پوتے عبد اللہ بن عمرو سے ہوا اور دونوں سے صاحب اولاد ہوئیں، اور حضرت سلیمان کا نکاح حضرت مصعب بن سیدنا زبیر اور یکے بعد دیگرے اور کئی شخصوں سے ہوا جیسا کہ تاریخ ابن خلکان میں ہے۔

شہادت مبارک:

حضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں تشریف فرما تھے، ایک فرشتہ پہلے کبھی حاضر نہ ہوا تھا، اللہ تبارک و تعالیٰ سے حاضری کی اجازت لے کر آستان بوس ہوا۔ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ام المؤمنین سے ارشاد فرمایا: دروازے کی نگہبانی رکھو کوئی آنے نہ پائے، اتنے میں سیدنا امام حسین دروازہ کھول کر حاضر خدمت ہوئے اور کوہِ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گود میں جا بیٹھے، حضور پیار فرمانے لگے، فرشتے نے عرض کی حضور انھیں چاہتے ہیں فرمایا ہاں عرض کی وہ وقت قریب آتا ہے کہ حضور کی امت انھیں شہید کرے گی اور حضور چاہیں تو وہ مکان حضور کو دکھاؤں؟ جہاں پہ یہ شہید کیے جائیں گے۔ پھر سرخ مٹی اور ایک روایت میں ہے ریت، ایک میں ہے کنکریاں، حاضر کیں حضور نے سونگھ کر فرمایا رُبُّ کَرْبٍ وَ بَلَاءٍ بے چینی اور بلا کی بو آتی ہے۔

پھر ام المؤمنین کو وہ مٹی عطا ہوئی اور ارشاد فرمایا جب یہ خون ہو جائے تو جاننا کہ حسین شہید ہوا، انھوں نے وہ مٹی ایک شیشی میں رکھ چھوڑی۔ ام المؤمنین کہا کرتیں جس دن یہ مٹی خون ہو جائے گی کیسی سختی کا دن ہوگا؟ چنانچہ ایک روایت میں ان سے مروی ہے کہ حضرت امام کی شہادت کے دن وہ مٹی خون ہو گئی۔ دوسری میں ہے کہ ان کنکریوں سے خون جاری ہو گیا۔ امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ صفین کو جاتے ہوئے زمین کر بلا پر گزرے، نام پوچھا لوگوں نے کہا کر بلا، یہاں تک روئے کہ زمین آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر فرمایا میں خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوا، حضور

کو روتا ہوا پایا۔ سبب پوچھا فرمایا ابھی جبرئیل کہہ گئے ہیں کہ میرا بیٹا حسین فرات کے کنارے کر بلا میں قتل کیا جائے گا، پھر جبرئیل نے وہاں کی مٹی مجھے سونگھائی مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور آنکھیں بہہ نکلیں۔

ایک روایت میں ہے مولیٰ علی اس مقام سے گزرے جہاں اب امام مظلوم کی قبر مبارک ہے۔ فرمایا یہاں ان کی سواریاں بٹھائی جائیں گی، یہاں ان کے کجاوے رکھے جائیں گے اور یہاں ان کے خون گریں گے۔ آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ نوجوان اس میدان میں قتل ہوں گے جن پر زمین و آسمان روئیں گے۔ آخر وہ عظیم سختی و مصیبت کا دن زمین و آسمان کو رلا دینے والا دن یزید پلید کے عہد سلطنت سراپا ظلم و بدعت خباثت و شرارت میں آ ہی گیا، اور یزید پلید کے صوبہ ابن زیاد بدنہاد نے سپہ سالار ناجار ابن سعد کے مڈی دل لشکر اترنے کر بلا کے میدان میں نہایت ظلم و شقاوت سنگ دلی و بے حیائی کے ساتھ تین دن کے بھوکے پیاسے فاطمہ کے لال علی کی آنکھوں کے تارے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے چپیتے پیارے پر چاروں طرف سے نرغہ کر کے ان ہزاروں روباہ منشاء بلکہ اس سے بدتر بزدلوں، نامرد ظالموں شقیوں نے شیر خدا کے اکیلے شیر دلیر پر تیروں کی بارش اور نیزہ و تلوار کی اندھا دھند پورش کر کے اس امام عالی مقام کو شہید کر ڈالا۔ اللہ اکبر ظالموں کے چاروں طرف کے حملہ دفع کرتے کرتے تھک گئے ہیں زخموں سے چور ہیں۔ ۳۳ زخم نیزے کے ۳۴ گھاؤ تلواروں کے لگے ہیں۔ تیر کا شمار نہیں اٹھنا چاہتے ہیں اور گر پڑتے ہیں۔ اسی حالت میں سنان بن انس نخعی شقی ناری جہنمی نے نیزہ مارا کہ وہ عرش کا تارہ زمین پر ٹوٹ کر گرا، سنان مردود نے خولی بن یزید سے کہا سر کاٹ لے اس کا ہاتھ کا پنا سنان ولد الشیطان بولا تیرا ہاتھ بیکار ہوا اور خود گھوڑے سے اتر کر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جگر پارے تین دن کے پیاسے کو ذبح کیا اور سر مبارک جدا کر لیا۔ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت عاشوراء محرم الحرام یوم جمعہ ۶ھ بوقت نصف النہار ہوئی۔

(مرآۃ واصحابہ، استیعاب وآئینہ صوائف واسعاف وطبقات وغیرہ)
عمر شریف وقت وفات و شہادت میں متعدد اقوال منقول ہیں مگر چھپن برس اور چھ مہینے کی اس وقت عمر شریف ہونا جو صواعق محرقہ میں مذکور ہے سن چار ہجری میں ولادت با سعادت ہونے کے اقوال صحیح سے مطابق ہے۔ حضرت ام سلمہ ام المؤمنین فرماتی ہیں میں

نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں روتے دیکھا اس حال میں کہ آپ کا سر مبارک اور ریش مبارک خاک آلودہ ہے میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا ابھی حسین قتل کیے گئے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں میں نے ایک دن دوپہر کے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا بال بکھرے ہوئے گرد آلودہ، دست مبارک میں ایک شیشہ جس میں خون بھرا ہوا، میں نے عرض کیا یہ کیا ہے؟ فرمایا حسین اور ان کے اصحاب کا خون ہے جسے میں آج صبح سے اٹھا رہا ہوں، لوگوں نے اس دن کا خیال رکھا، پھر معلوم ہوا یہ حضرت امام اسی دن شہید ہوئے تھے۔ (صوائق واصابہ وغیرہ) ترمذی و بخاری وغیرہما حضرت ابن عمر سے راوی ان سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ مجھ کا خون پاک ہے یا نہیں اور دوسری روایت میں ہے یہ دریافت کیا کہ جس شخص نے حج کا احرام باندھا ہے وہ اگر مکھی مار ڈالے تو اس پر کیا بدلہ لازم آئے گا؟ حضرت ابن عمر نے سائل سے دریافت فرمایا تو کہاں کے لوگوں میں سے ہے؟ اس نے کہا عراق والوں میں سے۔ حضرت نے فرمایا: دیکھو تو یہ مجھ سے مجھ کے خون کی نسبت اور دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا کہ مکھی سے حقیر چیز کے قتل کے بارے میں تو فتویٰ پوچھنے آیا ہے۔ حالاں کہ یہ لوگ حد سے گزر گئے اور اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیٹے کو ان کی اس جلالت شان کے باوجود شہید کر ڈالا (یعنی اتنے بڑے جرم کے ارتکاب کے وقت فتویٰ نہ لیا) حالاں کہ میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ حسین میرے دو گلاب کے پھول ہیں دنیا سے۔ (اسعاف)

حضرت امام اور ان کے ساتھیوں نے ایک فاسق فاجر پرزید پلیدی کی بیعت و اطاعت نہ اختیار فرما کر انتہائی سختیاں اور تکالیف اور نظر ظاہر میں مال و اولاد و جان و ناموس سب کی وہ ہولناک ترین تباہیاں و بربادیاں برداشت کر کے ہمارے سامنے جس صبر و استقلال جو ان مردی اور حق کے مقابل مادی و دنیاوی طاقتوں سے بے خوفی اور تعمیل احکام الہی پر جس ثبات و استقامت کا عملی بے نظیر نمونہ پیش فرمایا۔ آج اس کو ہم اپنا دلیل راہ بنائیں، اور حضرت امام کی بنائی ہوئی اسی شاہراہ پر چلیں تو دارین کی فلاح و صلاح تک ہماری رسائی بعونہ تعالیٰ یقینی ہے۔ بعد شہادت حضرت امام، بعض خبیثاں نے تن مبارک پر گھوڑے دوڑا کر لاش مبارک کو روندنا کہ سینہ و پشت نازنین کی تمام ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں، لباس مبارک اتار لیا،

خیمہ مبارک اور اہل بیت کرام کا تمام سامان و اسباب لوٹ لیا۔ پھر سر مبارک امام مظلوم و شہدائے مرحوم ابن زیاد کے پاس اور وہاں سے یزید پلیدی مایہ فساد کے پاس بھیجے گئے اور لاش بے سرنوار دیدہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام و دیگر شہدائے کرام وہیں میدان کربلا میں پڑی رہنے دیں۔ دوسرے دن قریہ عامریہ کے لوگوں نے اسی میدان میں حضرت امام اور سب شہدائے عالی مقام کو دفن کیا۔ (نور و آئینہ)

سر مبارک کے دفن میں بعض کہتے ہیں بقیع شریف قبۃ اہل بیت میں جسے نجدی خبث ابن سعود نے حال میں کھود ڈالا دفن ہے اور نور الابصار و اسعاف الراغبین میں بہت سے اصحاب کشف و شہود اولیائے کرام و علمائے عظام سے نقل کیا ہے کہ قاہرہ مصر کے مشہد حسینی میں دفن ہے۔ حضور کے شاعر یحییٰ بن حکم وغیرہ ایک جماعت اور دروازہ مبارک کے نگہبان اسعد بجمری تھے اور نقش انگشتی مبارک لکل اجل کتاب تھا۔ (نور الابصار)

امام زین العابدین علی بن حسین:

حضرت چوتھے امام ہیں، ”علی“ (۱) اسم شریف اور ابو الحسین و ابو الحسن و ابو محمد و ابو بکر و ابو القاسم و ابو عبد اللہ (علی تعدد الاقوال) کنیت مبارک اور سجاد زین العابدین، ذکی و امین و سید العابدین و ذوالنفقات القاب مبارک۔ (نور و سنوآت و تہذیب و شجرہ) مشہور کنیت ابو الحسن اور مشہور تر لقب زین العابدین ہے۔ (اسعاف) حلیہ مبارک گندمی رنگ لاغر بدن چھوٹا قد تھے۔ شاعر حضرت کے فرزدق وغیرہ اور نگہبان در ابو حیلہ اور نقش خاتم مبارک و ما توفیقی الا باللہ تھا۔ (نور) بیعت و طریقت و خلافت حضرت کو اپنے والد ماجد حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تھی۔ (النور البہاء وغیرہ)

ولادت شریف:

اپنے جد امجد امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے وقت ۴۰ھ میں دو برس کے تھے اور اپنے والد ماجد حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے وقت ۶۱ھ میں تینیس ۲۳ برس کے۔ (تہذیب و صواعق و اتحاف) سن ولادت میں اگرچہ اقوال متعدد ہیں مگر ان دونوں واقعوں کے لحاظ سے ۳۸ھ

میں ولادت شریف ہونے کا قول زیادہ قرین صحت معلوم ہوتا ہے۔ لہذا ہمارے جد امجد حضرت سید شاہ حمزہ نے فص الکلمات میں نیز اصحاب نور و اسعاف نے اپنی کتابوں میں اسی پر اقتصار کیا ہے۔ ولادت شریف مدینہ منورہ میں ہوئی۔ ماہ یوم ولادت میں بھی اقوال متعدد ہیں، مگر علامہ آزاد بلگرامی نے شجرہ طیبہ اور صاحبان نور و اسعاف نے اپنی کتابوں میں پنجم شعبان روز پنجشنبہ ہی پر اقتصار کیا ہے۔ حضرت کی والدہ ماجدہ ام ولد تھیں یزدجرد (آخری بادشاہ فارس) پسر شہر یار بن شیر و یہ بن پرویز بن ہرمز بن کسری نو شیر و ان کی بیٹی شہر بانو (۱) نام اور شاہ زنان لقب۔ (مرآۃ و شجرۃ و اسعاف و سننات وغیرہ)

ابو القاسم زنجشیری نے کتاب ربیع الابراہیم میں نقل کیا ہے۔ نیز سیرت حلبیہ میں ہے کہ جب فاروق اعظم کے عہد خلافت میں ایران کے قیدی مدینہ منورہ میں لائے گئے تو ان میں یزدجرد کی تین لڑکیاں بھی تھیں۔ حضرت عمر نے منادی کو حکم دیا کہ ان کی بولی بولے اور نقاب ان کے چہرے سے دور کر دی جائے تاکہ مسلمان موافق پسند ایک دوسرے سے بڑھ کر قیمت لگائیں۔ مگر انھوں نے اپنے چہرے نہ کھولنے دیے اور اس کے سینہ میں ٹھوکا مارا۔ حضرت عمر نے ناراض ہو کر درہ اٹھانا چاہا اور یہ رونے لگیں۔ یہ دیکھ کر مولیٰ علی نے فرمایا: اے امیر المومنین رکیے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ: کسی قوم کا عزت والا ذلیل ہو جائے اور مال دار فقیر ہو جائے تو اس پر رحم کرو۔

حضرت عمر کا غضب ٹھنڈا پڑا اور حضرت مولیٰ علی نے فرمایا کہ بادشاہوں کی اولاد کے ساتھ عام بازاری لوگوں کی لڑکیوں کا سا معاملہ نہ کرنا چاہیے۔ حضرت عمر نے فرمایا: پھر آخر انھیں کس طرح بیچنا چاہیے؟ (تاکہ مال غنیمت تقسیم ہو) مولیٰ علی نے فرمایا ان کی قیمت لگوائیے اور جب قیمت مقرر ہو جائے تو جو انھیں لینا چاہے وہ لے لے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیمت لگوائی اور خود حضرت مولیٰ علی نے ان تینوں کو لے لیا، پھر ان میں سے ایک کو تو خود حضرت عمر کے صاحب زادے حضرت عبداللہ کو دے دیا جن سے ان کے صاحب زادے حضرت سالم پیدا ہوئے، اور ایک کو اپنے صاحب زادے حضرت سیدنا امام حسین کو دیا جن سے حضرت کے صاحب زادے حضرت زین العابدین تولد ہوئے، اور ایک کو حضرت محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا جن سے ان کے صاحب زادے حضرت قاسم پیدا ہوئے۔ پس یہ تینوں حضرات آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں، اور تینوں کی مائیں بادشاہ فارس

کی بیٹیاں۔ مبرد کی کتاب ”کامل“ میں ایک حکایت طویل کے بعد ہے کہ اس سے پہلے اہل مدینہ منورہ لونڈیوں کو بی بی بنانا مکروہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ یہ تینوں حضرات لونڈیوں سے پیدا ہوئے اور اپنے زمانے والوں پر تمام اہل مدینہ میں علم دین و فقہ و ورع و تقویٰ میں فائق اور امام مسلم ہو گئے تو لوگوں کو لونڈیوں میں رغبت پیدا ہو گئی۔ (مرآۃ و شجرۃ و اسعاف) فضائل مبارکہ:

حضرت وارث برکات نبوت، حامل فضائل امامت، زین عباد، شیع اوتاد، اکرم واعبد اہل زمانہ اکابر سادات کرام واجلہ ثقات واعلام تابعین عظام سے تھے۔ (اکمال وغیرہ) حضرت امام سفیان بن عیینہ نے امام زہری سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں، میں نے کسی قریشی کو امام علی بن حسین سے افضل نہیں دیکھا۔ نیز فرماتے ہیں: میں نے ان سے بڑھ کر فقیہ کسی کو نہ دیکھا۔ امام مالک نے فرمایا: اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں (ان کے زمانے میں) ان کا مثل نہ تھا۔ حضرت سعید ابن المسیب نے فرمایا: میں نے ان سے زیادہ پرہیز گار، خدا سے ڈرنے والا کسی کو نہ دیکھا۔ ایسا ہی ایک جماعت سلف سے مروی ہے اور بعض سلف نے جن میں سے ایک حضرت سعید ابن المسیب ہیں، فرمایا: ہم نے ان سے بڑھ کر فضل والا نہ دیکھا۔ حضرت امام یحییٰ بن سعید محدث نے فرمایا: میں نے یہ حدیث امام علی بن حسین سے سنی اور وہ بہترین قریشی ہیں جنہیں میں نے پایا۔ (تہذیب التہذیب و مرآۃ الجنان وغیرہ)

سیرت شریفہ:

حضرت بہت بڑے عابد متقی، خاشع وخائف من اللہ الواحد القہار تھے، یہاں تک کہ جب وضو کرنے بیٹھتے خوف خدا سے چہرہ مبارک کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔ اور وضو اور نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو بدن کا پٹنے لگتا۔ لوگوں نے سبب پوچھا، فرمایا، تم نہیں جانتے کہ کس (ملک جبار) کی حضور میں کھڑا ہوتا ہوں۔ اور جب آندھی چلتی تو حضور خوف خدا سے غش کھا کر گر پڑتے۔ (مرآۃ الجنان و صواعق)

اور حضرت سعید ابن المسیب اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ حضرت وصال مبارک تک ہر رات اور ہر دن میں ایک ہزار رکعت نمازیں نفل پڑھا کرتے اور اپنی اس عبادت گزاری کی کثرت و حسن ہی کے سبب سے حضرت کا لقب

زین العابدین مقرر ہو گیا۔ (صواعق و تہذیب التہذیب و مراۃ و اسعاف وغیرہ)
 اور شواہد النبوة اور شجرہ طیبہ میں ہے کہ زین العابدین سے ملقب ہونے کی وجہ یہ
 ہے کہ ایک رات حضرت نماز تہجد پڑھ رہے تھے کہ شیطان لعین ایک اژدہاے مہیب و
 خوف ناک کی صورت میں سامنے آیا تا کہ ڈرا کر نماز سے باز رکھے، اور آکر حضرت کی
 انگشت پائے مبارک کو پکڑ لیا مگر حضرت نے اب بھی التفات نہ فرمایا، یہاں تک کہ اس
 خبیث نے حضرت کو اذیت بھی پہنچائی مگر حضرت نے نماز قطع نہ فرمائی۔ اس کے بعد
 خدائے تعالیٰ نے حضرت پر یہ ظاہر فرمایا کہ یہ مردود شیطان ہے۔ اب حضرت نے اسے
 سخت و درشت کہہ کر طمانچہ مار کر فرمایا کہ اے ملعون ذلیل و خوار ہو کر دور ہو، جب وہ دور
 ہو گیا تو حضرت نے چاہا کہ کھڑے ہو کر اب اپنا بقیہ و رد تمام فرمائیں۔ اس وقت ایک غیبی
 آواز جس کا کہنے والا دکھائی نہ دیتا تھا تین باری سی کہ ”انت زین العابدین“ آپ زین
 العابدین ہیں اور امام ابن المدینی حضرت جابر سے راوی انھوں نے فرمایا: میں نبی صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا اور امام حسین حضور کی گود میں بیٹھے اور حضور ان کو کھلا
 رہے تھے۔ پس حضور نے فرمایا اے جابر! ان کے ایک بیٹا پیدا ہوگا جس کا نام ”علی“ ہوگا
 جب قیامت کا دن ہوگا تو منادی اسے (اس لقب سے) پکارے گا کہ سید العابدین
 کھڑے ہوں تو ان کا وہ بیٹا کھڑا ہوگا۔ پھر اس کے بعد ایک بچہ پیدا ہوگا جس کا نام محمد
 (امام باقر) ہوگا۔ اے جابر! اگر تم اسے پانا تو اسے میرا سلام کہنا۔ (صواعق)
 اور استقامت و صبر و توکل علی اللہ تعالیٰ کا یہ مرتبہ تھا کہ ایک مرتبہ حضرت کے دولت خانہ
 مبارک میں آگ لگ گئی اور حضرت اسی مکان میں نماز کے سجدے میں تھے۔ لوگوں نے چلانا
 شروع کیا، اے ابن رسول اللہ آگ لگ گئی، مگر حضرت نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا، آگ بجھ
 جانے کے بعد لوگوں نے پوچھا کہ حضرت کو کس وجہ سے اس آگ کی طرف توجہ نہ ہوئی۔ فرمایا: مجھے
 آخرت کی اس ہولناک آگ نے اس طرف توجہ کرنے سے باز رکھا۔ (مراۃ و اسعاف وغیرہ)
 حضرت سفیان بن عیینہ سے روایت ہے کہ ایک بار امام زین العابدین نے حج
 کا احرام باندھا جب آپ کی سواری آپ کو لے کر کھڑی ہوئی تو آپ کا رنگ زرد پڑ گیا
 اور جھرجھری آکر جاڑا چڑھ آیا یہاں تک کہ اس کی وجہ سے آپ لبیک نہ کہہ سکے۔ عرض
 کیا گیا کہ حضور لبیک کیوں نہیں فرماتے۔ فرمایا ڈرتا ہوں کہ میں تو لبیک کہوں اور مجھے

جواب دیا جائے کہ لا لبیک (لبیک قبول نہیں)۔ عرض کیا گیا کہ: لبیک کہنا تو ضروری
 ہے، اس پر آپ نے لبیک فرمائی، اور کہتے ہی غش کھا کر سواری سے گر پڑے۔ یہی
 حالت برابر ہوئی رہی، یہاں تک کہ اسی طرح آپ نے حج پورا فرمایا۔ اور امام مالک
 فرماتے ہیں کہ آپ نے حج کے لیے احرام باندھا، پس جب لبیک کہا تو غش کھا کر ناقہ
 مبارک سے گر پڑے اور کم زور ہو گئے۔ (تہذیب)

حضرت، صدقہ پوشیدہ دیا کرتے اور فرماتے تھے: ”صَدَقَةُ السِّرِّ تُطْفِئُ غَضَبَ
 الرَّبِّ.“ ابن عائشہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ منورہ کہتے، امام علی ابن حسین کے وصال کے بعد
 ہی ہم نے مخفی صدقہ کھویا۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں کچھ لوگ خوش و خرم (بلا
 ذریعہ معاش ظاہری) عیش و آرام سے زندگی گزارا کرتے تھے اس سے واقف نہ تھے کہ ان
 کی بسراوقات کہاں سے ہوتی ہے۔ جب امام زین العابدین نے وفات پائی تو وہ جو انھیں
 رات میں (رزق و مال) پہنچاتا تھا، جاتا رہا۔ اور اب پتہ چلا کہ حضرت انھیں رات میں خفیہ
 خرچ پہنچاتے تھے۔ (تہذیب و نور)

اور جو دوست و سخاوت کا یہ مرتبہ تھا کہ امام محمد باقر فرماتے ہیں، میرے والد ماجد امام علی
 ابن حسین نے اپنے مال کو اللہ عز و جل کے لیے دوبار بانٹا اور فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ مومن
 گنہگار بہت توبہ کرنے والے کو دوست رکھتا ہے۔ اور امام علی بن موسیٰ رضا اپنے آبا کے کرام
 کی سند سے فرماتے ہیں کہ امام زین العابدین نے فرمایا میں اللہ عز و جل سے اس بات میں
 حیا کرتا ہوں کہ میں اپنے کسی (مسلمان) بھائی کے لیے جنت طلب کروں اور خود اسے مال
 دنیا دینے میں بخل کروں۔ (تہذیب)

رات میں اپنی پشت مبارک پر لا کر روٹیوں کی زر جی لے جاتے اور فقر پر تصدق
 فرماتے اور کسی پر ظاہر نہ کرتے یہاں تک کہ بعد وصال جب لوگوں نے نہلایا تو پشت
 مبارک پر بوجھ اٹھانے سے جو بڑا سیاہ ڈھٹا پڑ گیا تھا وہ نظر پڑا اور اس وقت پتہ چلا کہ
 حضرت رات کو اٹے کا بورا اٹھا کر لے جاتے اور فقرائے مدینہ پر تصدق فرماتے، نیز بعد
 وصال دریافت ہوا کہ حضور سو گھرانوں کو کھانا پہنچاتے تھے۔ مناوی کہتے ہیں کہ مرض
 موت میں حضرت کے پاس محمد بن اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم آئے اور رونے لگے۔
 حضور نے سبب پوچھا تو کہا مجھ پر پندرہ ہزار دینار قرض ہیں۔ فرمایا: بس یہ بات ہے۔ اچھا

انھیں ہم ادا کر دیں گے اور ادا فرمادیے۔ (نور و اسعاف)

ایک بار آپ حج کے لیے چلے۔ آپ کی بہن حضرت سیکینہ نے ایک ہزار درہم آپ کو بھجوائے، لوگوں نے وہ موضع حرہ (قریب مدینہ منورہ) میں آپ کی خدمت میں حاضر کیے۔ آپ جب سواری سے نیچے اتارے تو وہ سب اسی وقت مساکین کو تصدق کر دیے۔ (نور)

ایک بار ہشام بن عبد الملک اپنے باپ یا بھائی ولید کی زندگی میں حج کے لیے حاضر ہوا مگر بوجہ کثرت ہجوم حجاج اسے حجر اسود تک کوشش کے باوجود پہنچنا میسر ہوا تو اس کے لیے زم زم شریف کی جانب ایک منبر بچھا دیا گیا جس پر بیٹھ کر وہ لوگوں کے ہجوم کم ہونے کا انتظار کرنے لگا اور اس کے گرد اگر ایک گروہ عمائد ملک شام کا تھا کہ اسی درمیان میں امام زین العابدین تشریف لائے۔ جب حجر اسود کے قریب پہنچے تو لوگ حضور کے ادب و احترام کی وجہ سے ادھر ادھر ہٹ گئے اور حضور نے حجر اسود کو بوسہ دے لیا۔ اہل شام نے ہشام سے کہا، یہ کون ہیں، جن سے لوگ اس قدر ڈرتے اور ان کا یہ ادب و احترام کرتے ہیں۔ ہشام اس ڈر کے مارے کہ کہیں یہ شامی حضرت کے گرویدہ نہ ہو جائیں (دانشہ نادان بن کر) بولا میں انھیں نہیں پہچانتا۔ اتفاق سے وہاں اس وقت فرزدق شاعر بھی حاضر تھا۔ اس نے کہا مجھ سے سنو یہ کون ہیں۔ اور پھر اس نے ایک قصیدہ غرا حضرت کی مدح و منقبت میں پڑھا، جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

هذا الذي يعرف البطحاء وطأته	والبيت يعرفه والحل والحرم
هذا ابن خير عباد الله كلهم	هذا التقى النقى الطاهر العلم
اذا راته قريبش قال قائلها	الى مكارم هذا ينتهى الكرم
ينمى الى ذروة العزالي قصرت	عن نيلها عرب الاسلام والعجم
هذا ابن فاطمة ان كنت جاهله	بجد انبياء الله قد ختموا
فليس قولك من هذا بضائره	العرب تعرف من انكرت والعجم
من معشر حبهم دين و بغضهم	كفرو قريهم منجى و معتصم
لا يستطيع جواد بعد غايتهم	ولا يدانيهم قوم و ان كرموا

یہ سن کر ہشام نے غصہ کے مارے فرزدق بے چارے کو عسفان میں قید کر دیا۔ اور حضرت امام نے اسے بارہ ہزار درہم دینے کا حکم فرمایا اور یہ عذر کرا بھیجا کہ اس وقت یہی

تھے اگر اس سے زائد ہوتے تو ابلت ہم تجھے اور زائد عطا فرماتے۔ اس نے عرض کیا، میں نے جو کچھ حضور کی مدح میں عرض کیا، خالص اجر آخرت اور خوش نودی اللہ عزوجل کے لیے عرض کیا تھا نہ کہ اس مال و زر کے لیے۔ حضرت نے فرمایا: ہم اہل بیت جس کسی کو جو کچھ بخش دیتے ہیں وہ اس سے واپس نہیں لیا کرتے، تو فرزدق نے وہ عطیہ قبول کر لیا، پھر قید خانہ سے ہشام کی ہجو کہہ کر اسے بھیجی تو اس نے اسے جس سے نکال لیا۔ (صوائق و مرآۃ وغیرہ)

اور عفو اور درگزر کا یہ عالم تھا کہ اس بارے میں آپ سے مثال دی جاتی تھی۔ عجیب و غریب وقائع اس بارے میں آپ سے منقول ہیں۔ ایک دن آپ مسجد سے نکلے۔ ایک شخص ملا اور آپ کی شان میں بہت سخت گستاخی کی۔ آپ کے خدام اور غلاموں نے ادب دینا چاہا، آپ نے انھیں روک کر اس شخص سے فرمایا، کس چیز نے تجھ سے ہمارا حق چھپا لیا، کیا تجھے کوئی حاجت ہے تو ہم تیری مدد فرمائیں۔ اب وہ شرمندہ ہوا۔ آپ نے اسے اپنی چادر مبارک اوڑھا دی اور پانچ ہزار درہم اور دلوائے۔ وہ بولا میں گواہی دیتا ہوں، بے شک حضور اولادِ مصطفیٰ سے ہیں (علیہ علیٰ اولادہ الصلاۃ والسلام)۔

ایک شخص نے آپ کو برا بھلا کہا۔ آپ نے فرمایا: اے شخص: میرے اور جہنم کے درمیان ایک عقبہ ہے۔ اگر میں اس سے بخیريت گزر گیا تو مجھے تیرے اس برا بھلا کہنے کی پروا نہیں، اور اگر میں اس سے نہ گزر سکا تو میں اس سے زائد کا مستحق ہوں جو تو نے کہا۔ کیا تجھے کوئی حاجت ہے؟ یہ کرم دیکھ کر وہ شخص اپنی گستاخی پر شرمندہ ہوا۔ (نور و اسعاف)

اور جب کسی شخص کی نسبت آپ کو یہ خبر پہنچتی کہ اس نے آپ کو برا کہا تو آپ اس کے گھر تشریف لے جاتے اور اس سے بہ مہربانی و لطف ارشاد فرماتے، اگر جو تم نے ہمیں کہا، وہ حق ہے تو اللہ ہمیں بخشے اور اگر وہ باطل ہے تو اللہ تمہیں بخشے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ (طب)

ایک شخص نے حضور کی شان مبارک میں بہت زبان درازی کی اور برا کہا، مگر حضور اس سے دانستہ برا گئے۔ اس پر اس نے (یہ سمجھ کر کہ شاید حضور نے سنا نہیں) یوں جتایا کہ یہ میں آپ ہی کو کہہ رہا ہوں۔ حضور نے جواب دیا: اور میں بھی تجھی سے درگزر کر رہا ہوں۔ اور اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ کیا: ”خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ“۔

ایک بار کسی نے آپ پر کچھ افترا باندھا، آپ نے فرمایا: اگر میں ایسا ہوں جیسا تو مجھے بتاتا ہے تو میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اگر میں ایسا نہیں ہوں جیسا تو مجھے کہتا ہے تو خدا تجھے بخشے۔ وہ شخص یہ عفو و کرم دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور حضرت کا سر مبارک چوم کر عرض کیا: میں آپ پر فدا ہوں، آپ ہرگز ویسے نہیں جیسا میں نے افترا باندھا، حضور مجھے بخش دیں۔ حضور نے فرمایا: اللہ تجھے بخشے۔ وہ شخص بولا: ”اللہ اعلم حیث یجعل رسلہ۔“ (یعنی یہ عفو و کرم خاندانِ نبوت کی ہی شان ہے)۔ (مرآۃ)

خوفِ خدا قلبِ مبارک پر اس قدر غالب تھا کہ اکثر اوقات رویا کرتے اور واقعہ بالئلہ کر بلا کے بعد سے تو مدتِ العمر کبھی کسی نے آپ کو ہنستہ نہ دیکھا۔ (نظم اللالی) جویریہ بن اسماء کہتے ہیں: امام علی بن حسین نے اپنی حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کی قربت کی وجہ سے (یعنی اس کا نام لے کر) کبھی ایک درہم بھی نہ کھایا۔ (تہذیب) اپنی طہارت، وضو وغیرہ میں کسی کی اعانت پسند نہ فرماتے۔ عادتِ کریمہ یہ تھی کہ اس کے لیے پانی خود ہی کھینچتے اور آرام فرمانے سے پہلے اسے ڈھانک کر رکھ دیتے۔ پھر جب رات میں (نماز تہجد وغیرہ کے لیے) اٹھتے پہلے مسواک فرماتے پھر وضو کر کے نماز پڑھتے اور ان کے جو وظیفے اور وردہ گئے ہوتے انھیں ادا فرماتے۔ تہجد کی نماز سفر اور حضر میں کبھی ترک نہ فرماتے۔ ایک بار وضو کے لیے پانی وظیفہ کے وقت میں ہی آپ کے قریب رکھ دیا گیا۔ آپ نے ہاتھ برتن پر رکھا پھر سر مبارک اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے اور چاند تاروں میں اس خالقِ بے مثال کی صنعت و قدرت میں غور کرنے لگے اور ایسے مستغرق ہوئے کہ ساری رات گزر گئی۔ موذن نے صبح اذان دے دی اور حضرت کا ہاتھ ویسے ہی برتن پر رکھا رہا اور رات گزر جانا معلوم نہ ہوا۔ (اسعاف و مرآۃ وغیرہ)

اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ بہت ہی برواحسان، ادب و احترام مد نظر رکھتے۔ ایک بار آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ کیا بات ہے باوجودے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ بہت ہی برواحسان فرماتے ہیں، مگر آپ کو ان کے ساتھ ایک رکابی میں کھاتے نہیں دیکھتے۔ فرمایا اس لیے کہ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ کہیں میرا ہاتھ اس پر پہلے نہ جا پڑے جس پر ان کی آنکھ پہلے پڑی ہو۔ (مرآۃ)

اور تواضع و انکسار اس قدر تھا کہ ایک بار ایک قوم نے حاضر خدمت ہو کر حضرت کی

صفت و ثنا کی۔ فرمایا: ”ما اکذبکم و اجرکم علی اللہ نحن من صالحی قومنا فحسبنا ان نکون من صالحی قومنا۔“ (تہذیب) کس قدر غلط اور بے باک ہو تم اللہ عزوجل پر (یہ کہنے میں) کہ ہم اپنی قوم کے نیکوں میں سے ہیں، پس ہم کو تو یہی کافی ہے کہ ہم اپنی قوم کے صالحین میں ہو جائیں۔

بعض کرامات:

ایک بار حضرت اپنے اصحاب کے ساتھ جنگل میں تشریف فرما تھے۔ ناگاہ ایک ہرنی وہاں آئی اور حضرت کے برابر کھڑی ہو کر اپنے ہاتھ پاؤں زمین پر مارنے اور چلانے لگی۔ حاضرین نے عرض کیا، اے ابنِ رسول، یہ ہرنی کیا کہتی ہے؟ فرمایا: یہ کہتی ہے فلاں قریشی کل میرے بچے کو پکڑ لے گیا اور اس دن سے میں نے اسے دودھ نہیں پلایا ہے۔ بعض حاضرین کے دل میں اس بات کی طرف سے کچھ انکار آیا۔ حضرت نے ایک شخص کو بھیج کر اس قریشی کو بلوایا اور اس سے فرمایا کہ یہ ہرنی تیری شکایت کرتی ہے۔ کل تو اس کے بچے کو پکڑ لے گیا اور اس وقت سے اب تک اسے دودھ نہیں پلایا۔ اب یہ ہم سے درخواست کرتی ہے کہ تو اس کا بچہ اسے دے کہ یہ اسے دودھ پلا دے۔ پھر دودھ پلا کر بچہ تجھے واپس کر دے گی۔ قریشی بچہ لے آیا اور اس کو اس نے دودھ دیا۔ پھر حضرت نے اس سے فرمایا کہ یہ بچہ وہ حضرت کو دے دے، پھر حضرت نے وہ بچہ اس کی ماں کو دے دیا۔ ہرنی اپنے بچے کو لے کر آواز دیتی ہوئی چلی گئی۔ حاضرین نے پوچھا: اے ابنِ رسول! اب یہ کیا کہتی ہے؟ فرمایا: تمہارے لیے دعاؤں خیر دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے نیک دے۔ (سنن و شواہد)

اور ابنِ حمدان امام زہری سے راوی ہیں کہ عبد الملک ابن مروان حضرت کو مدینہ منورہ سے قید کر کے ہتھکڑیاں ہاتھوں میں اور طوق گردن مبارک میں اور بھاری بھاری بیڑیاں ڈال کر لے گیا اور نگہ بان مقرر کر دیے۔ حضرت زہری رخصت ہونے کے لیے حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت امام ایک خیمہ میں قید تھے۔ وہ حضرت کی یہ حالت دیکھ کر رونے لگے اور عرض کیا کہ کاش میں آپ کی جگہ ہوتا اور حضرت آزاد ہوتے۔ حضرت نے فرمایا: کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ یہ قید ہمیں تکلیف دیتی ہے۔ اگر ہم چاہیں تو یہ نہ رہے۔ اگر تمہیں یا تمہارے دوسرے ایسے دوسروں کو کوئی غم پہنچے تو چاہیے کہ عذابِ الہی کو یاد کرو تا کہ

وہ غم آسان ہو جائے (ہم نے بھی یہ قید اس لیے رہنے دی ہے کہ) یہ ہمیں عذابِ الہی کی یاد دلاتی ہے۔ پھر اپنے دونوں پاؤں اور دونوں ہاتھ بیڑیوں تھکڑیوں سے نکال لیے اور اپنی قدرت دکھا کر پھر ویسے ہی کر لیے۔ پھر فرمایا: ہم اس حال پر (یعنی بصورت گرفتاری) ان کے ساتھ دو منزل سے زائد نہ رہیں گے۔ پس دو دن نہیں گزرے تھے کہ نگہبان نگہبانی کرتے ہی رہے اور حضرت وہاں سے تشریف لے گئے۔ زہری کہتے ہیں کہ میں عبد الملک کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے اس بارے میں پوچھا۔ میں جو جانتا تھا وہ اسے بتا دیا تو اس نے کہا، جس وقت نگہبانوں نے حضرت کو گم کر دیا اسی وقت حضرت میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ”ما انا و انت“ یعنی تجھے مجھ سے کیا مطلب ہے۔ میں نے عرض کیا، آپ میرے پاس تشریف رکھیے۔ فرمایا: میں اسے پسند نہیں کرتا اور تشریف لے گئے۔ پس قسم اللہ کی، میرا دل ان کے ڈر سے بھر گیا اور اسی وجہ سے عبد الملک نے حجاج کو لکھ بھیجا کہ بنی عبد المطلب کے خونوں سے بچے اور اسے اس حکم کے چھپانے کا حکم دیا، مگر حضرت کو یہ کشف سے ظاہر ہو گیا۔ پس حضرت نے اسے تحریر فرمایا کہ تو نے حجاج کو فلاں دن پوشیدہ طور پر ہم بنی عبد المطلب کے حق میں یہ بات لکھ کر بھیجی ہے۔ اللہ تجھے اس کا بدلہ اچھا دے اور یہ والا نامہ اسے بھیج دیا۔ اسے پہنچا تو اس نے اس کی تاریخ اپنے حجاج کو اس حکم لکھنے کی تاریخ سے مطابق پائی اور حضور کے غلام کے اس والا نامہ کو لے کر روانہ ہونے کی تاریخ اپنے قاصد کی حجاج کے پاس روانگی کی تاریخ سے مطابق پائی تو اس نے جانا کہ یہ حضرت کو کشف سے معلوم ہو گیا تھا تو وہ اس سے خوش ہوا اور حضرت کے غلام کے ہم راہ اس کی سواری کے بوجھ بھر درہم اور عمدہ کپڑے نذر کیے اور عرض کرایا کہ مجھے بھی اپنی نیک دعاؤں میں فراموش نہ فرمائیں۔

(صواعق و شواہد و اسعاف)

ایک بار ناقہ مبارک نے چلنے میں سستی کی۔ حضرت نے اپنا عصا اور کوڑا اسے دکھا کر فرمایا کہ خوب تیز چل ورنہ اس سے ماروں گا۔ وہ تیز چلنے لگی اور اس دن سے کبھی چلنے میں سستی نہ کرتی۔ نیز شب وصال اپنے صاحب زادہ امام محمد باقر سے فرمایا، ہمارے لیے وضو کو پانی لے آؤ۔ وہ حاضر لائے، فرمایا دوسرا لاؤ۔ اس میں جانور مر گیا ہے۔ رات اندھیری تھی، اس نے چراغ جلا کر دیکھا تو واقعی اس میں چوہا مر گیا تھا۔ وہ اور پانی لائے۔ حضرت نے وضو فرمایا، پھر فرمایا۔ اس رات ہمارا وعدہ وصال آپہنچا ہے اور وصیت

فرمائی (اور وصال فرمایا)۔ نیز حضرت کی ایک اوٹنی تھی، جب مکہ معظمہ کو اس پر تشریف لے جاتے، کوڑا اس کے پالان کے سامنے لٹکا دیتے۔ مارنے کی کچھ حاجت نہ ہوتی، یہاں تک کہ پھر مدینہ منورہ کو آجاتی۔ جب حضرت نے وصال فرمایا۔ اس اوٹنی نے حضرت کے مزار کے سرہانے اپنا سینہ زمین پر رکھ کر رونا شروع کیا۔ امام محمد باقر نے آکر فرمایا بھی کہ اٹھ کھڑی ہو۔ مگر وہ ویسے ہی روتی رہی، یہاں تک کہ تیسرے دن مر گئی۔

ایک ثقہ راوی کہتے ہیں کہ میں حاضر خدمت تھا، ناگہاں چڑیوں کے ایک گروہ نے حضرت کے سر مبارک کے گرد گھومنا اور بولنا شروع کر دیا۔ حضرت نے فرمایا: جانتے ہو یہ چڑیاں کیا کہتی ہیں؟ میں نے کہا، نہیں۔ فرمایا: اپنے رب کی پاکی بیان کرتی ہیں اور اپنی آج کی خوراک مانگتی ہیں۔

ایک روز جنگلی ہرن حضرت کے حکم سے حاضر ہو کر حضرت کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا اور ایک عورت اور مرد کا ہاتھ طواف کرنے میں حجر اسود سے چیٹ گیا تھا کہ کسی طرح الگ نہ ہوتا تھا۔ لوگ اسے کاٹ ڈالنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ حضرت نے اپنے دست مبارک ان پر ملے، فوراً ان کے ہاتھ چھوٹ گئے۔

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کے سوتیلے بھائی محمد بن الحنفیہ حضرت کے پاس آئے اور فرمایا، میں تمہارا چچا ہوں، اور تم سے بڑا ہوں اور امامت کے زیادہ لائق۔ جناب اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلاح مبارک مجھے دو۔ امام زین العابدین نے فرمایا۔ اے چچا، خدا سے ڈریے اور جو آپ کا حق نہیں ہے اس کا دعویٰ نہ فرمائیے۔ حضرت محمد ابن الحنفیہ نے دوبارہ طلب میں مبالغہ فرمایا تو حضرت نے فرمایا کہ اے چچا، آئیے، حاکم کے پاس چلیں جو ہمارے اور آپ کے درمیان میں فیصلہ کر دے۔ انھوں نے کہا وہ حاکم کون ہے؟ حضرت نے فرمایا حجر اسود۔ آخر دونوں حضرات حجر اسود کے سامنے آئے۔ حضرت نے فرمایا: اے چچا! آپ اپنا دعویٰ پیش کیجیے۔ انھوں نے پیش کیا مگر حجر نے کچھ جواب نہ دیا۔ بعد ازاں حضرت نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء عظام کے ساتھ یاد کر کے دعا کی کہ وہ حجر اسود کو گویائی دے اور اس کے بعد حجر اسود سے متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے حجر! بحق خداے اکبر جس نے اپنے بندوں کے عہد تجھ میں امانت رکھے ہیں، ہمیں خبر دے کہ امامت و وصایت حضرت امام

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد کس کا حق ہے۔ حجر اسود یہ سن کر لرز ا اور قریب تھا کہ اپنی جگہ سے گر پڑے اور بزبان عربی فصیح بولا کہ اے محمد (بن الحنفیہ) یقین مانو کہ امامت و وصایت حضرت امام حسین کے بعد حق حضرت علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ (شواہد و شجرہ)

آپ کے صاحب زادے حضرت سیدنا زید شہید نے ظالم حاکموں پر خروج فرمانے میں مشورہ و اجازت چاہی۔ حضرت نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا: میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم قتل کر کے سولی نہ چڑھائے جاؤ۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اولاد (حضرت سیدۃ النساء) فاطمہ میں سفیانی سے پہلے کوئی چڑھائی نہ کرے گا، مگر یہ کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ قتل کیا جائے۔ پس جو حضرت نے فرمایا تھا وہی ہوا۔ یعنی حضرت زید سولی چڑھائے گئے۔ (نور و اسعاف)

بعض ارشاداتِ عالیہ:

حضرت طاؤس فرماتے ہیں۔ میں ایک رات مسجد الحرام شریف کے مقام حجر میں داخل ہوا۔ یکا یک امام زین العابدین آئے اور کھڑے ہو کر جس قدر اللہ نے چاہا، نماز پڑھی پھر ایک طویل سجدہ فرمایا۔ میں نے کہا، یہ اہل بیت نبوت سے ایک بزرگ ہیں، سننا چاہیے سجدے میں کیا دعا کر رہے ہیں۔ پس میں نے سنا کہ حضرت یہ دعا فرما رہے تھے: ”عبدک بفنائک مسکینک بفنائک سائلک بفنائک فقیرک بفنائک۔“ اے اللہ تیرا بندہ تیرے آستانہ کرم پر ہے، تیرا مسکین تیری چوکھٹ پر ہے، تیرا منگتا تیرے دروازہ پر ہے، تیرا فقیر تیرے در فضل و رحمت پر ہے۔

طاؤس فرماتے ہیں۔ قسم اللہ کی میں نے کسی مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو ان الفاظ کے ساتھ نہیں پکارا، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مجھ سے کھول دیا۔

حضرت امام کا ارشاد ہے۔ جو اس پر قانع ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمت میں کر دیا وہ سب لوگوں سے زیادہ غنی ہے۔

اور فرماتے، آزاد مردوں کی عبادت صرف اللہ عز و جل کی اداے شکر کے لیے ہوتی ہے نہ کسی خوف و رغبت کی نظر سے۔

اور فرماتے، مجھے تعجب ہے اس متکبر سخت فاجر (کی سمجھ) پر (کہ کس برتے پر وہ

غور کرتا ہے حالانکہ اس کی حقیقت تو یہ ہے کہ) کل وہ نطفہ تھا اور انگلی کل مردار جیفہ ہونے والا ہے۔

اور فرماتے مجھے سخت تعجب ہے اس سے جو اللہ (کی الوہیت و وجود و وحدانیت و قدرت) میں شک کرتا ہے، حالانکہ وہ اس کی مخلوق کو آنکھ سے دیکھتا ہے۔

اور مجھے (اس کی سمجھ پر) تعجب ہے جو دوسری زندگی کا انکار کرتا ہے، حالانکہ پہلی زندگی کو اس نے آنکھ سے دیکھ لیا اور مجھے تعجب ہے اس سے جو فانی گھر کے لیے تو سامان کرتا ہے اور دار البقا کو چھوڑ دیتا ہے۔

جب کوئی شخص آپ کی شان گھٹاتا، گستاخی کرتا تو آپ اسے یہ دعا دیتے۔ اے اللہ اگر یہ سچا ہے تو مجھے بخش دے اور اگر یہ جھوٹا ہے (اور اس نے مجھے ناحق ستایا ہے) تو اسے بخش دے۔

اور فرماتے: ”وما شئى احب الى الله من الجواب خوارو ذلیل کو جب وہ کسی کرم والے جلیل المرتبہ کو برا کہے اس سے زیادہ پسند کوئی بات نہیں کہ وہ کرم والا اسے پلٹ کر جواب دے۔“

اور فرماتے مجھے تعجب ہے جو کھانے سے تو اس کی مضرت کی وجہ سے بچتا ہے اور گناہ سے اس کی کراہت کی وجہ سے نہیں بچتا۔

اور فرماتے ہیں، چار چیزیں ہیں جن کی بلندی بھی پستی ہے۔

☆ ایک لڑکی، اگرچہ مریم صفت ہو (یعنی بہ نسبت اپنے مقابل مردوں کے اس کی بلندی پستی ہے)

☆ دوسرے قرض، اگرچہ ایک ہی درہم ہو۔

☆ تیسرے اپنے وطن سے دوری اگرچہ ایک ہی رات۔

☆ چوتھے سوال اگرچہ یہی کہ راستہ کدھر ہے۔

ایک بار حضور بیمار ہوئے ایک گروہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کی عیادت کے لیے آیا اور انھوں نے فرمایا، اے ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر ہم قربان آپ کیسے رہے۔ فرمایا: الحمد للہ بعافیت۔ آپ سب کیسے رہے؟ انھوں نے فرمایا: قسم اللہ کی ہم سب آپ کے چاہنے والے اور آپ سے محبت کرنے والے رہے۔ حضرت نے فرمایا جس نے ہم سے اللہ کے واسطے محبت رکھی، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن جب کہ اللہ تعالیٰ کے

سایہ رحمت کے سوا دوسرا سایہ نہ ہوگا۔ اس ہمیشہ رہنے والے سایہ میں امن دے گا اور جو ہم سے محبت رکھے گا اور اس کا بدلہ جسے چاہے گا، اللہ تعالیٰ اسے ہماری طرف سے جنت کا بدلہ دے گا اور جو ہم سے کسی دنیاوی غرض کے لیے محبت رکھے گا، اللہ تعالیٰ اسے اس جگہ سے رزق پہنچائے گا، جہاں سے اسے گمان نہ ہو۔ (اسعاف و نور و طبقات)

ایک بار چند عراقی حاضر خدمت ہوئے اور حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی شان میں کچھ کلام کیا۔ جب وہ کہہ چکے تو حضرت نے فرمایا: تم مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم کون ہو، آیا تم ان مہاجرین اولین میں ہو جو اپنے گھروں اور مالوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے فضل و رضوان کی طلب میں نکلے اور اللہ و رسول کی مدد کرتے ہیں اور وہی سچے ہیں۔ انھوں نے کہا، نہیں۔ فرمایا: پھر کیا تم ان میں ہو جنھوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنالیا، دوست رکھتے ہیں انھیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کو جو دیے گئے، اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ انھیں شدید محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ہیں۔ انھوں نے کہا نہیں۔ فرمایا: ان دونوں گروہوں سے تو خود تم نے اقرار کیا کہ تم نہیں ہو اور یہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان میں سے بھی نہیں ہو جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا۔ وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ۔ یہ فرما کر فرمایا: میرے پاس سے دور ہو جاؤ۔ (نور)

ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں: میں حضرت کے دروازہ مبارک پر حاضر ہوا اور بہ پاس ادب پکارا نہیں اس انتظار میں کہ حضرت خود برآمد ہوں۔ وہیں بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ حضرت تشریف لائے۔ میں نے سلام و دعا عرض کی۔ حضرت نے بھی جواب دیا اور مجھے ایک دیوار تک لے جا کر فرمایا کہ میں اس سے ٹیک لگاؤں غم گین و فکر مند بیٹھا ہوا تھا کہ یکا یک ایک صاحب اچھے کپڑے پہنے خوشبو ان سے مہکتی ہوئی تشریف لائے اور میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ میں آپ کو دنیا پر غم گین و ملول دیکھتا ہوں۔ پس یہ دنیا تو ایک خوانِ یغما ہے، ہر نیک و بد

اس سے کھاتا ہے۔ میں نے کہا، میں دنیا پر غم گین نہیں، وہ تو جیسا آپ نے فرمایا ویسی ہی ہے۔ انھوں نے فرمایا، تو اگر آپ آخرت پر غم گین ہیں تو وعدہ ہے سچا اور حکم فرمائے گا وہاں بادشاہ قاہر۔ حضرت نے فرمایا میں اس لیے بھی غم گین نہیں اور آخرت ویسی ہی ہے جیسا آپ نے فرمایا۔ انھوں نے فرمایا، پھر کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا، میں اُس فتنہ (جانچ) سے ڈرتا ہوں جو حضرت ابن زبیر کے لیے واقع ہوا۔ وہ ہنس کر فرمانے لگے۔ اے علی! کیا آپ نے دیکھا کہ کوئی اللہ سے ڈرے اور اللہ اسے نجات نہ دے؟ میں نے کہا، نہیں۔ تو فرمایا: تو کیا آپ نے دیکھا کہ کوئی اللہ سے مانگے اور وہ اسے نہ عطا فرمائے۔ میں نے کہا، نہیں تو۔ اب جو سامنے دیکھتا ہوں تو کوئی نہیں۔ اس سے میں متعجب ہی تھا کہ میں نے ایک آوازِ غیب سنی جس کا قائل دکھائی نہ دیتا تھا کہ کہنے والا کہتا ہے کہ اے علی بن حسین یہ خضر تھے جنھوں نے آپ سے یہ راز کہا۔ (نور و شواہد)

نافع بن جابر بن مطعم نے حضرت سے عرض کیا: آپ کم مرتبہ لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا، میں اس کے ساتھ بیٹھتا ہوں جس کے ساتھ مجالست میں اپنے دین میں نفع اٹھاؤں۔

عبدالعزیز بن ابی حازم اپنے والد سے راوی ہیں۔ وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام کو یہ فرماتے سنا اور آپ سے یہ دریافت کیا گیا تھا کہ حضراتِ شیخین کریمین ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی منزلت بارگاہ رسالت میں کیسی تھی؟ تو امام نے اپنے ہاتھ سے قبر شریف کی طرف اشارہ فرما کر فرمایا کہ جیسی اب ان کی حضور اقدس کی خدمت میں منزلت ہے۔ (تہذیب)

یعنی جیسے اب ان کے مزارات، مزار اقدس سے ملحق اور متصل ہیں اسی طرح وہ حیاتِ ظاہری میں بھی بارگاہ رسالت پناہ میں محبوب و مقرب تھے۔

حضرت فرمایا کرتے: بعض لوگ اللہ عز و جل کی عبادت (اس کے عذاب سے) ڈر کر کرتے ہیں۔ یہ تو عبادتِ غلام کی ہے (کہ وہ بھی اپنے آقا کی فرماں برداری اس کے قہر و غضب کے خوف سے کرتا ہے) اور بعض لوگ اللہ کی عبادت (اس کی بخشش و عطا میں) رغبت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ یہ عبادتِ سوداگروں کی ہے (کہ وہ بھی وہی سودا کرتے ہیں جو انھیں سود مند زیادہ ہو) اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کے ادائے شکر میں

کرتے ہیں (یہ جان کر کہ عذاب و ثواب تو اس کی مشیت پر ہے، جو چاہے ہمیں دے مگر ہم پر اس کا حق ہے کہ اس کی عبادت بہر حال کریں) یہ عبادت آزاد مردوں کی ہے جو خالصاً لوہہ تعالیٰ ہر کام کرتے ہیں۔

حضرت کشف حقائق و نطق دقایق میں مشہور تھے، آپ سے پوچھا گیا کہ دنیا و آخرت میں سعید ترین کون ہے؟ فرمایا: وہ کہ جس وقت راضی ہو تو باطل پر راضی نہ ہو اور جس وقت اسے غصہ آئے تو وہ غصہ اسے حق سے باہر نہ لے جائے۔ اور یہ صفت پرلے درجے کی استقامت والے لوگوں کی ہے۔ اس لیے کہ باطل پر راضی ہونا یہ بھی باطل اور غصے میں حق سے ہاتھ کھینچ لینا یہ بھی باطل، اور مومن باطل پسند نہیں ہوتا۔

اور فرماتے ہیں: میں اپنے خلاصہ علم کو پوشیدہ رکھتا ہوں تاکہ جاہل لوگ ان حق باتوں کی وجہ سے (بوجہ اپنی جہالت کے ان کے اصل معنی مراد نہ سمجھ کر) مجھ سے برگشتہ نہ ہوں۔ یہ خاصان خدا کا علم ہے۔ اگر میں اسے ظاہر فرماؤں تو لوگ (اپنی نادانی اور حقیقی معنی مراد تک نا رسائی کی وجہ سے) مجھے بت پرست کہنے لگیں۔ اور مسلمان میرے قتل کو حلال جانیں اور جو بدی مجھے پہنچا سکیں اسے صواب سمجھیں۔

وصیت مبارکہ:

حضرت نے اپنے صاحب زادے امام محمد باقر کو وصیت فرمائی کہ پانچ شخصوں کے پاس نہ بیٹھنا نہ ان سے بات چیت کرنا۔

(۱) فاسق۔ پس بے شک وہ تم کو ایک نوالہ اور اس سے بھی کم میں بیچ ڈالے گا۔ انھوں نے عرض کیا: وہ کم کیا ہے؟ فرمایا: جس کی طمع کرتا ہے اور اسے پاتا نہیں (یعنی محض مہووم فائدہ کے لیے بھی بیچ ڈالے گا)

(۲) بجیل کو مصاحب نہ بنانا پس وہ تم سے اسے جدا کر دے گا جس کی طرف تم زیادہ حاجت مند ہو۔

(۳) جھوٹے کو مصاحب نہ بنانا، اس کی مثال سراب (دھوکے کے تالاب) کی طرح ہے۔ نزدیک کو تم سے دور کر دے اور دور کو نزدیک بتائے گا۔

(۴) بیوقوف کو مصاحب نہ بنانا، پس وہ اپنے نزدیک تمہیں نفع پہنچانا چاہے گا اور (در

حقیقت) پہنچا دے گا ضرر۔

(۵) صلہ رحم قطع کرنے والے کو مصاحب نہ بنانا۔ پس وہ بے شک کتاب اللہ میں تین جگہ ملعون ہے۔ سورہ محمد کی آیات: ”فہل عسیتم ان تولیتم (الی) اعمی ابصارہم۔“ میں اور سورہ رعد کی آیت: ”والذین ینقضون عہد اللہ (الی) سوء الدار۔“ میں اور سورہ احزاب کی آیت: ”ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ (الی) عذاباً مہیناً۔“ میں۔

احادیث کی روایت:

احادیث کی روایت میں بھی آپ کا بڑا مرتبہ ہے، اجلہ محدثین و اکابر ائمہ جرح و تعدیل کے بعض اقوال آپ کی جلالت شان و توثیق مکان میں اوپر گزرے۔ نیز امام ابن سعد نے طبقات میں فرمایا: حضرت طبقہ ثانیہ میں ہیں تابعین اہل مدینہ منورہ سے ثقہ مامون (محفوظ) کثیر الحدیث عالی و رفیع پرہیزگار، امام عجمی نے فرمایا مدنی ہیں۔ تابعی ثقہ حاکم محدث جلیل اپنی سند کے ساتھ راوی امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے فرمایا کل سندوں میں صحیح تر سند الزہری عن علی بن الحسین عن ابیہ عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے۔ (تہذیب التہذیب)

امام اجل زہری نے آپ سے ایک حدیث روایت کی، اس سند میں آپ کا ذکر اس طرح فرمایا: ”حدثنی علی بن الحسین و کان افضل اہل بیتہ و احسنہم طاعۃ و احبہم۔“ اے مروان و عبد الملک۔ (تاریخ صفین)

یہ حدیث مجھ سے امام علی بن حسین نے روایت کی جو اپنے اہل بیت میں سب سے زائد فضل والے اور سب سے اچھی طاعت و عبادت والے اور سب سے زائد مروان و عبد الملک کے نزدیک پسندیدہ و محبوب (یعنی باوجود یہ کہ ملوک بنی امیہ خصوصاً مروان کا اہل بیت نبوت سے جو معاندانہ برتاؤ اور ان سے دشمنی کا حال تھا معلوم ہے مگر حضرت کو مروان و عبد الملک بھی اہل بیت نبوت میں سب سے زائد محبوب رکھتے تھے۔)

حضرت حدیث کی روایت اپنے والد ماجد سیدنا امام حسین و عم اکرم سیدنا امام حسن اور حضرات ابن عباس و مسور بن مخرمہ و ابو ہریرہ اور بی بی عائشہ اور بی بی صفیہ بنت حبیب اور بی بی ام سلمہ اور ان کی صاحب زادی زینب بنت ابی سلمہ اور ابو رافع مولیٰ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم اور ان کے بیٹے عبداللہ بن ابی رافع اور مروان بن الحکم و عمرو بن عثمان و ذکوان ابی عمرو مولیٰ ام المؤمنین عائشہ و سعید بن المسیب و سعید بن مرجانہ و بنت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عن الصحابة و من تبعہم یا حسان الی یوم الدین سے کرتے ہیں۔ اور امیر المؤمنین مولیٰ علی سے مرسلہ روایت کرتے ہیں، اور حضرت سے روایت حضرت کے صاحبزادگان محمد و زید و عبداللہ و عمرو و ابوسلمہ بن عبد الرحمن و طاؤس بن کيسان (کہ یہ دونوں حضرت کے معاصرین سے ہیں) اور امام زہری و ابوالزناد و عاصم بن عمر بن قتادہ و عاصم بن عبداللہ و قعقاع بن حکیم و زید بن اسلم و حکم بن عتیبہ و حبیب بن ابی ثابت و ابوالاسود محمد بن عبد الرحمن بن نوفل و مسلم بطین و یحییٰ بن سعید الانصاری و ہشام بن عروہ و علی بن زید بن جدعان و غیرہم کرتے ہیں۔

اولاد امجاد:

نور الابصار میں فضول مہمہ نیز صواعق محرقہ میں سے ہے کہ حضرت کے گیارہ بیٹے اور چار صاحبزادیاں تھیں اور بغیۃ الطالب میں حضرت کی اولاد صرف دس صاحبزادے ہی بتائی ہے۔ اور صاحب فضول مہمہ نے جو نام صاحبزادوں کے گنائے ہیں وہ بھی دس ہیں، ممکن ہے کہ گیارہ ہوں نام ان کے ذکر کرنے سے رہ گیا ہو، بہر حال انھوں نے نام یہ بتائے ہیں۔ امام ابو جعفر محمد باقر (ان کی والدہ ماجدہ ام عبداللہ حضرت سیدنا امام حسن کی صاحبزادی تھیں) حضرت زید شہید و عمر (یہ دونوں ایک ام ولد کے لطن سے تھے۔) عبداللہ و حسن و حسین (یہ تینوں ایک ام ولد کے لطن سے تھے۔) حسین اصغر و عبد الرحمن و سلیمان (ان کی ماں بھی ایک ام ولد تھیں۔) علی جو سب سے چھوٹے بیٹے تھے حضرت کے اور خدیجہ یہ دونوں بھائی بہن ایک ام ولد سے تھے۔ فاطمہ و علیہ و ام کلثوم یہ تینوں بہنیں ایک ام ولد کے پیٹ سے تھیں۔

اور تحفۃ الطالب اور شجرۃ طیبہ میں ہے کہ امام زین العابدین کے ابنائے معقبین (جن سے نسل مبارک چلی) چھ تھے امام محمد باقر و عبداللہ باہر و عمر اشرف و زید شہید و حسین اصغر و علی اصغر اور چار صاحبزادیاں تھیں۔

وفات شریف:

سال وصال میں متعدد اقوال ہیں اور آپ کے پوتے حضرت امام جعفر صادق اپنے والد ماجد امام محمد باقر سے یہ روایت کرتے ہیں کہ وقت وصال حضرت کی عمر شریف اٹھاون برس کی تھی۔ یعنی اٹھاون سال آپ نے دیکھے تھے، اور چوں کہ ۶۱ھ میں وقت شہادت امام حسین آپ ۲۳ برس کے تھے۔ لہذا ان کا مقتضایہ ہے کہ وصال شریف ۹۲ھ یا ۹۵ھ میں ہوا۔

اور حضرت امام جعفر صادق کے صاحبزادے حضرت علی سے مروی ہے کہ آپ کا وصال ۹۲ھ میں ہوا۔ (تاریخ صغیر)

اور اسی پردہ دل الاسلام و اسعاف و نور الابصار و مراۃ الجنان و اتحاف میں اقتصار کیا اور بلحاظ ۳۸ھ سال ولادت ہونے کے اسی کی مویہ ہے۔ صواعق و غیرہ کا یہ قول کہ آپ کی عمر ستاون سال کی تھی جب آپ نے انتقال فرمایا جس میں سے دو برس اپنے دادا مولیٰ علی پھر دس برس اپنے چچا امام حسن پھر گیارہ برس اپنے والد ماجد امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ آپ نے گزارے تھے اور تاریخ و ماہ وصال ۱۲ محرم الحرام ہے۔ (نور و اتحاف)

اور بقول بعض ۱۸/۱۱ اور بقول بعض ۲۲ محرم الحرام اور یوم وصال شنبہ یا دوشنبہ، مدینہ منورہ میں وصال فرمایا اور قبرستان بقیع میں قبہ امام حسن میں مدفون ہوئے، کہتے ہیں کہ حضرت کو ولید بن عبد الملک نے زہر دیا تھا۔ اسی سے شہادت پائی۔

(شجرہ، فص اتحاف، صواعق و غیرہ)

حضرت سید الشہداء امام حسین کی اولاد ذکور میں نسل صرف حضرت امام زین العابدین سے ہی چلی۔ جملہ سادات حسینی آپ ہی کی اولاد ہیں۔ (نور و شجرہ و غیرہ)

سید الشہداء حضرت زید شہید

امام زین العابدین کے صاحبزادے اور حضرت امام محمد باقر کے سوتیلے بھائی ہیں، اسم مبارک زید اور کنیت شریف ابوالحسین اور کہا گیا ہے کہ ابوالحسن تھی اور آنجناب کو زید

الازید وحلیف القرآن اور اسطوانۃ المسجد (قرآن مجید کا ہم عہد اور مسجد کا ستون) کہا جاتا تھا، حضرت کے بکثرت قرآن مجید اور نماز پڑھنے کے سبب سے۔ (تہ نور اس تح وغیرہ)

ولادت شریف:

علامہ عماد الدین اور یس حسینی حمیری اپنی کتاب ”کنز الاخبار فی معرفہ سیر الاخیار“ میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین سے روایت کیا گیا ہے کہ ایک روز حضرت نے اپنے اصحاب سے فرمایا میں نے اس رات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بہشت میں لے گئے اور مجھے ایک حور سے بیاہ دیا، میں نے اس سے قربت کی پھر وہ حور حاملہ ہوئی، پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے علی اس فرزند کا نام زید رکھنا، جب (اس طرح خواب میں) حضرت امام کو اس فرزند کی بشارت دی گئی تو (بعد بیداری) حضرت نے مصحف سے فال دیکھی۔ پس پہلی بار نگاہ حضرت کی اس آیہ کریمہ پر پڑی: ”فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ اجْرًا عَظِيمًا“ دوبارہ بند کر کے کھولنے پر پہلے ورق پر آیہ کریمہ نکلی: ”إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِآلٍ لَهُمُ الْجَنَّةُ“۔ پس حضرت نے قسم کھا کر فرمایا کہ یہ فرزند زید ہے (کہ جس کے لیے فضل و زیادت اجر نکلتی ہے)۔ ۷۵ھ میں پیدا ہوئے حلیہ مبارک سفید رنگ، بڑی آنکھیں، جڑی ہوئی بھوئیں، لمبا قد، گھنی داڑھی، چوڑا سینہ، درمیانی اونچی ناک، سر اور داڑھی کے بال سیاہ مگر رخسار مبارک پر کچھ سفید بال آگئے تھے۔

اس میں جو سن ولادت مذکور ہے اس سے مصعب زبیری کا یہ قول کہ وقت شہادت حضرت زید شہید بیالیس سال کے تھے نہ مخالف ہے، اس لیے کہ حضرت کے سال شہادت میں سب میں کم جو قول، اس وقت ہمارے سامنے ہے وہ صفر ۱۲۰ھ ہے۔ (تہذیب)

اس کے لحاظ سے حضرت کا سال پیدائش کم از کم ۷۸ھ ٹھہرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت کی والدہ ماجدہ ام ولد تھیں ”جیدا“ نام علامہ سیوطی کتاب ”الدراری فی انباء السرا“ میں حصری سے نقل کرتے ہیں کہ ہشام بن عبد الملک مروانی نے حضرت زید شہید سے کہا مجھے خبر پہنچی ہے کہ آپ ارادہ خلافت رکھتے ہیں۔ حالاں کہ آپ اس منصب

کے اس وجہ سے لائق نہیں کہ آپ کی ماں لونڈی تھیں۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ حضرت سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ ابن حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ سر یہ بی بی کے پیٹ سے تھے، اور حضرت اسحاق پیغمبر آزاد بی بی کے پیٹ سے، باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا اسماعیل کی نسل پاک سے خیر البشر سید الانبیاء علیہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ظاہر فرمایا اور حضرت سیدنا اسحاق کی صلب سے بندر اور سور ظاہر کیے۔ اس لیے کہ بعض بنی اسرائیل حضرت کی اولاد میں سے بندر اور سور کی شکل میں مسخ کر دیے گئے تھے۔ (شجرہ)

اور صواعق محرقہ میں یہ حکایت یوں مذکور ہے کہ جب ہشام نے حضرت پر ولد الجاریہ ہونے سے بہ زعم خویش عیب لگایا تو حضرت نے فرمایا اے امیر المؤمنین تیرا مجھے میری ماں سے عار لگانا درست نہیں، اگر تو چاہے تو میں اس کا جواب دوں ورنہ خاموش رہوں، اس نے کہا نہیں جواب دو تمہیں کیا اور تمہارا جواب ہی کیا تو حضرت نے فرمایا اللہ کے نزدیک کوئی (بادشاہ) اس نبی سے عظیم المرتبہ نہیں جسے اس نے رسول بنا کر بھیجا۔ پس اگر کسی کو محض اس کی ماں کا ام الولد ہونا مرتبہ نبوت و رسالت سے قاصر رہنا ہوتا تو اللہ عزوجل حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کو مبعوث نہ فرماتا۔ حالاں کہ ان کی والدہ ماجدہ کی نسبت حضرت سیدنا اسحاق پیغمبر کی والدہ ماجدہ کے ساتھ ایسی ہی تھی جیسے میری ماں کی تیری ماں سے مگر اس نے ان کو اس سے نہیں روکا کہ اللہ عزوجل انہیں نبی بنا کر بھیجے اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے، اور تمام عرب کے اور خیر الانبیاء اور خاتم المرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے باپ تھے اور نبوت خلافت سے بڑھ کر ہے، اور کسی مرد پر اس کی ماں سے کیا عار آسکتا ہے۔ حالاں کہ وہ ابن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابن علی بن ابی طالب ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرما کر حضرت وہاں سے غضب ناک تشریف لے گئے، اور اسعاف الراغبین وغیرہ میں ہے کہ جب ہشام سے اس لا جواب تقریر کا کوئی جواب نہ بن پڑا تو اس نے (جھنجھلا کر) کہا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ، اس پر حضرت بھی یہ جواب (ترکی بترکی) دیکھ کر اٹھ آئے کہ اب تو مجھے نہیں دیکھے گا، مگر جہاں کہ تجھے ناگوار ہو۔

فضائل شریفہ و سیرت کریمہ:

فصول مہمہ میں ہے حضرت زید بن علی بہت بڑے بزرگ دیندار بڑے جواں مرد

بہادر بڑے عبادت گزار تھے، اور اپنے معاصرین، بنی ہاشم میں سب سے اچھے عبادت گزار اور سب سے بڑے سردار تھے، بنی امیہ کے بادشاہ اپنے عراقی حکام کو لکھتے رہتے کہ وہ اہل کوفہ کو حضرت کی خدمت میں حاضری دینے سے باز رہیں، اس لیے کہ ان کی زبان تلوار سے بھی زیادہ کاٹنے والی اور نیزے سے زیادہ تیز اور جادو اور کہانت اور گرہوں میں پھونکنے والیوں سے زائد (دل میں ان کی گفتگو) اثر کرنے والی ہے۔ امام جعفر صادق سے کہا گیا کہ رافضی آپ کے چچا حضرت زید سے تبرا کرتے ہیں، امام نے فرمایا اللہ بیزار ہے، اس سے جو میرے چچا زید سے تبرا کرتا ہے۔ قسم خدا کی وہ ہم سب سے زائد کلام اللہ کے قاری اور دین الہی میں فقیہ اور ہم سب سے زائد صلہ رحم کرنے والے تھے۔ قسم اللہ کی انھوں نے ہم میں دنیا و دین کسی میں اپنا مثل نہیں چھوڑا، ابواسحاق سمیعی کہتے ہیں میں نے انھیں دیکھا۔ پس میں نے ان کے اہل بیت میں کسی کو ان کا مثل اور ان سے زائد علم و فضل والا اور ان سے زائد فصیح زبان اور ان سے زائد زہد اور بیان والا نہیں پایا۔ شعی نے فرمایا واللہ ماؤں نے زید سے زائد فضل والا اور ان سے بڑھ کر فقیہ اور ان سے بڑا بہادر اور ان سے بڑھ کر زائد نہیں جنا۔

امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا میں نے حضرت زید کو دیکھا جیسا ان کے اہل بیت کو دیکھا پس میں نے ان کے زمانے میں ان سے زائد فقیہ اور ان سے بڑھ زائد علم والا اور ان سے زائد حاضر جواب اور ان سے زائد روشن بات کہنے والا نہ دیکھا۔ البتہ وہ اپنے پاس والے کو چپ کر دیتے تھے۔

حضرت امام مجتہد تھے (اس) اور ایسے فصیح کہ سیبویہ جو ایک مشہور امام عربیت و ادب ہے آپ کے اشعار سے سند لیتا تھا۔

اپنے جد امجد امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے فصاحت و بلاغت و زیادہ علم میں مشابہت رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک بار آپ نے اپنے ان اکبر و ارشد امام محمد باقر سے ایک خاص کتاب کی نسبت جو حضرت کے والد ماجد امام زین العابدین کی تھی دریافت فرمایا اور اسے مانگا۔ امام محمد باقر نے فرمایا: ہاں ہے، مگر پھر اسے حضرت کو بھیجنا بھول گئے۔ ایک عرصہ دراز کے بعد حضرت امام محمد باقر سے پھر ملے اور فرمایا: بھائی صاحب، میں نے اپنے والد ماجد کی کتاب طلب کی تھی وہ آپ نے عطا نہ فرمائی۔ حضرت امام نے فرمایا، قسم خدا کی صرف بھول

جانے کی وجہ سے اسے نہ بھیج پایا۔ حضرت نے فرمایا: اب مجھے اس کی حاجت بھی نہیں رہی۔ امام نے فرمایا: تم اپنے والد ماجد کی کتاب سے بے نیاز ہو گئے۔ حضرت نے فرمایا: ہاں کتاب اللہ نے مجھے اس کتاب سے بے نیاز کر دیا۔ امام نے فرمایا میں تمہیں اس کے متعلق امتحان لوں گا۔ حضرت نے فرمایا: بہت اچھا۔ چنانچہ امام نے وہ کتاب حضرت کو بھیجی اور اس کے پیچھے خود بھی تشریف لائے اور حضرت سے اس کا حرف حرف پوچھنا شروع کیا (یعنی جو کچھ علم اس میں تھا سب سے سوال فرمایا) اور حضرت نے جواب دینا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ساری کتاب کے سوال و جواب سے فارغ ہو گئے۔ پھر حضرت زید نے فرمایا: بھائی صاحب خدا کی قسم میں نے اس کتاب سے ایک حرف کو بھی نہیں دیکھا تھا۔ اور حضرت کی عادت تھی کہ جب کوئی آپ سے مناظرہ یا بحث کرتا، آپ اس کی بات کا جواب دینے میں جلدی نہ فرماتے۔ یہاں تک کہ اسے جو کچھ کہنا ہوتا سب کہہ چکتا۔ اب حضرت اس کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کی ایک ایک بات کا جواب دیتے۔ یہاں تک کہ اس پر اپنی حجت تمام فرما دیتے۔ ایک بار حضرت اپنے بڑے بھائی امام محمد باقر کی خدمت میں تشریف لائے اور امام نے حضرت سے سوالات کرنے شروع فرمائے اور حضرت نے ان کا جواب دینا اور ساتھ ہی یہ بھی بتانا شروع کیا کہ اس چیز سے آپ مجھ پر حجت لا سکتے ہیں اور اس کے جواب میں میرے لیے اس سے حجت قائم ہے۔ حضرت تو یہ جواب دیتے رہے اور امام محمد باقر کا روئے مبارک خوشی سے چمکتا جا رہا تھا۔ آخر حضرت امام نے اپنے اصحاب سے فرمایا: قسم خدا کی یہ سید بنی ہاشم ہے اگر یہ شخصیں بلائے تو اس کی فرماں برداری کرنا اور اگر تم سے مدد چاہے تو مدد دینا اور فرمایا کہ بے شک میرے والد ماجد امام علی زین العابدین نے حضرت زید کو بلا کر فرمایا کہ قرآن مجید پڑھو۔ پس انھوں نے کلام مجید پڑھنا اور حضرت امام زین العابدین نے اس کے مشکلات علوم کو ان سے سوال کرنا اور انھوں نے ان کا جواب دینا شروع کیا۔ پھر امام زین العابدین نے انھیں دعا دی اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا۔

اور حضرت عبداللہ ابن امام محمد بن حنفیہ سے مروی ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام (ان کے زمانہ میں) تشریف لاتے تو بے شک تمہیں یہ خبر دیتے کہ زید بن علی (اپنے زمانے میں) روئے زمین پر بہترین شخص تھے۔ (شجرہ از کنز الاخبار) امام فرمایا کرتے: اے اللہ! میری پشت زید سے قوی کر۔ (ح)

بعض کلمات شریفہ:

ایک مرتبہ آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ”و ان تتولوا يستبدل قوماً غیر کم ثم لا یکنوا امثالکم۔“ پھر فرمایا: بے شک اللہ عزوجل کی طرف سے وعید اور تہدید ہے۔ پھر یہ دعا کی: ”اللہم لا تجعلنا ممن تولیٰ عنک فاستبدلت بہ بدلاً۔“ اے اللہ تو ہمیں اس سے نہ کرنا جو تجھ سے پھر گیا پھر تو نے اس سے کوئی بدل لیا۔ (نور) اور جب حضرت نے اپنے وقت کے بادشاہ پر خروج فرمایا تو ایک گروہ کثیر نے حضرت سے کہا کہ آپ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تبرا کیجیے تو ہم آپ کی بیعت اور مدد کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: بلکہ میں ان سے تبرا کرتا ہوں جو ان دونوں شیخین کریمین سے تبرا کرتے ہیں۔ وہ لوگ بولے ”اذن نرفضک“ تو ہم آپ سے پھرے جاتے ہیں۔ اسی وقت سے ان لوگوں کا نام رافضی ہوا۔ اور کچھ لوگوں نے عرض کیا: ہم حضرات شیخین کو دوست رکھتے اور ان کے دشمن سے بے زار ہیں۔ ان کی حضرت نے پذیرائی فرمائی اور انھوں نے حضرت کا ساتھ دیا۔ ان کا نام زیدی ہوا۔ (مراۃ نور)

اور سدی کہتے ہیں: حضرت زید بن علی نے فرمایا رافضی مجھ سے اور میرے باپ سے دنیا و آخرت میں برسرِ جنگ ہیں (تہ) حضرت فرماتے ہیں۔

لا تطمعوا ان تھینونا و نکرمکم و ان نکف الاذی عنکم و توذونا یعنی (اے ظالمو!) تم ہم سے اس کی طمع نہ رکھو کہ تم (ایسے ہی) ہماری اہانت کیے جاؤ گے اور ہم تمہارا اکرام کرتے رہیں گے، اور تم ہمیں ستائے جاؤ گے اور ہم تم سے اذیت دور کرتے رہیں گے۔ نیز فرماتے ہیں۔

و من فضل الاقوام یوماً براءہ فان علیاً فضلتہ المناقب
و قول رسول اللہ و الحق قولہ و ان رغمت منہ الانوف الکواذب
بانک منی یا علی مثالنا کھارون من موسیٰ اخ لہ و صاحب
دعاہ بیدر فاستجاب لامرہ فبادر فی ذات الا لہ بضارب
(نور خط مولف نور الابصار)

یعنی لوگ اقوام کو آج کل اپنی رائے سے فضیلت دیتے ہیں۔ پس بے شک مولیٰ علی

کو ان کے فضائل نے برتر کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد نے اور انھیں کا ارشاد حق ہے اگرچہ اس سے جھوٹوں کی نائیکیں خاک میں رگڑ جائیں (پس بے شک حضور نے فرمایا کہ) اے علی تم مجھ سے ہو اور تمہاری مثال ہمارے ساتھ ایسی ہے جیسے حضرت موسیٰ کے حضرت ہارون علیہما الصلاۃ والسلام بھائی اور وزیر تھے۔ حضور نے موسیٰ کو بدر کے دن (جہاد حق کے لیے) بلایا اور انھوں نے حضور کا فرمان مانا (اور کافروں سے) اللہ عزوجل کی ذات کریم کے لیے لڑنے لگے۔

حضرت کا نقش مہر شریف یہ تھا ”اصبر تو جحر اصدق تنجح“ (نور) صبر کر اجر پائے گا، سچ بول نجات پائے گا۔

احادیث کی روایت:

آپ تابعی مدنی ہیں۔ امام ابن حبان نے آپ کو ثقات میں بتایا اور کہا کہ آپ نے ایک جماعت کو صحابہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم میں سے دیکھا۔ آپ اپنے والد ماجد امام زین العابدین اور اپنے برادرِ معظم امام ابو جعفر محمد باقر اور حضرت ابان بن حضرت سیدنا عثمان و عروہ بن سیدنا زبیر و عبید اللہ بن ابی رافع سے حدیث روایت کرتے ہیں اور آپ سے امام محمد بن شہاب زہری اور آپ کے دونوں صاحب زادے حسین و عیسیٰ اور بھیجے امام جعفر صادق اور امام اعمش و شعبہ و سعید بن خثیم و اسماعیل سدی و زبید الیائی و زکریا ابن ابی زائدہ و عبد الرحمن بن الحارث بن عیاش بن ابی ربیعہ و ابو خالد عمرو بن خالد الواسطی و ابن ابی الزناد و غیرہم راوی ہیں۔ اور اصحابِ سنن اربعہ ابو داؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے آپ کی احادیث روایت کی ہیں۔ (نور)

اولادِ امجاد:

حضرت کے چار صاحب زادے تھے۔ ایک حضرت سید یحییٰ کہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت عبداللہ بن امام محمد بن حنفیہ کی صاحب زادی زلطن نامی تھیں۔ یہ صاحب زادے بعد شہادت حضرت زید نوح علیہ السلام میں کہیں جا رہے تھے۔ نصر سیار نے ایک گروہ بھیج کر انھیں ارغوان نامی ایک گاؤں میں جمعہ کے دن عصر کے وقت ۱۲۵ھ میں اٹھارہ برس کی عمر میں شہید کر ڈالا اور بعد شہادت ان کا سرو لید بن عبدالملک مروانی کے پاس بھیجا گیا۔ اس خدا

ناترس نے مدینہ منورہ بھجوایا تا کہ ربط حضرت کی والدہ کی گود میں ڈالا جائے، ان کی نسل نہ رہی۔ دوسرے صاحب زادے حضرت سید حسین ذوالدمعہ وذوالعزۃ۔ تیسرے حضرت سید محمد کہ ان دونوں کی والدہ کا حال معلوم نہیں۔ چوتھے حضرت سید عیسیٰ موتم الاشبال وجد سادات واسطی مورث فقیر جن کا مفصل تذکرہ آتا ہے اور سادات بارہا و بلگرام اور ہندوستان کے اور بہت سی جگہوں کے سادات کا نیز سادات رسول دار کا کہ وہ بھی واسطی الاصل حضرت زید شہید سے ہی نسب ملتا ہے۔

شہادت:

جب بنی امیہ کے ظالم بادشاہوں اور ان کے مقرر کردہ حاکموں کا خلق خدا پر ظلم و ستم اور فسق و فجور اور اہل بیت نبوت کو ستانا اور ایذا دینا حد سے گزر گیا تو آخر مجبور ہو کر حضرت نے ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں کوفے میں خروج فرمایا۔ اور جب جہاد کے جھنڈے کا پھریرا آپ کے سر پر اڑا تو فرمایا: الحمد للہ الذی اکمل لی دینی۔ اللہ کے لیے حمد ہے جس نے میرے لیے حکم دین کی تعمیل فرمادی۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شرم کرتا تھا کہ کل حضور کے حوض پر حاضر ہوں اور حال اس کے میں نے حضور کی امت کو معروف کا حکم اور منکر سے نہی نہ کی ہو۔ (تح) خروج فرمایا اور آخر اسی سلسلے میں کوفیوں کی مشہور روایتی غداری اور بے وفائی حضرت کی شہادت کا سبب ہو گئی۔ چنانچہ جویریہ بن اسما سے روایت ہے کہ حضرت زید شہید یوسف بن عمر ثقفی (حاکم عراقین من جانب ہشام) کے پاس شہر حیرہ میں تشریف لائے اور اس کی اجازت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے، وہاں کچھ کوئی پہنچے، اور عرض کیا، آپ لوٹ جائیے۔ ہم کوفہ آپ کے لیے فتح کر دیں گے۔ اور بہت سے کوفیوں نے حضرت سے بیعت بھی کر لی۔ اس بنا پر حضرت نے چڑھائی کا ارادہ فرمالیا اور اپنے بعض اصحاب کو امام محمد بن حنفیہ کی خدمت میں، جو اس وقت بیمار تھے (مدد لینے کے لیے) بھیجا۔ انھوں نے خود شرکت سے تو معذوری ظاہر کی مگر حضرت کی اعانت میں کوشش فرمائی اور تیس ہزار درم اور بہ روایت دینار حضرت کو بھیجے۔ یہاں تک کہ ۱۲ھ میں حضرت نے کوفہ میں خروج فرمایا اور اہل کوفہ اگرچہ پندرہ ہزار آدمی پہلے بیعت کر چکے تھے اور ان کے علاوہ اور لوگ دوسرے بلاد مثل واسط و بصرہ و مدائن و

خراسان و موصل درے و جزیرہ کے بھی تھے، مگر جب جان دینے کا وقت آیا تو نامردوں، غداروں نے یہ شرط پیش کی کہ ہم اس شرط پر آپ کا ساتھ دیں گے کہ آپ شیخین کریمین ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر معاذ اللہ تمرا کیجیے۔ حضرت نے فرمایا: ہرگز نہیں بلکہ ہم تو ان دونوں کو دوست رکھیں گے۔ بے وفا بولے: "اذن نرفضک" تو ہم آپ سے پھرے جاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ دور ہو، تم رافضی ہو۔ اسی دن سے ان کا اور ان کے گروہ کا نام رافضی ٹھہرا۔ صرف وہ چند لوگ حضرت کے ساتھ رہ گئے جنھوں نے کہا، ہم حضرات شیخین کو دوست رکھتے ہیں اور ان کے دشمنوں سے بیزار ہیں۔ یہ زیدی کہلائے۔ آخر پندرہ ہزار میں سے سب کے سب چھپ رہے اور بیعت سے پھر گئے۔ صرف ایک گروہ قلیل کہ تین سو آدمیوں سے زیادہ نہ تھا اور غالباً وہ کوفیوں کے علاوہ دوسرے بلاد کے لوگ ہوں گے۔ وہ مقابلے کے وقت بھی حضرت کے ساتھ رہا اور یوسف بن عمر ثقفی ہشام بن عبدالملک مروانی کے حکم سے بارہ ہزار لشکر سے حضرت سے برسرِ معرکہ ہوا اور تین دن تک کوفے میں دونوں طرف سے سخت لڑائی رہی۔ آخر ۶۷ھ آدمی حضرت کے رفقا سے شہید ہوئے اور ان کے سر کاٹ کر یوسف کے سامنے لائے گئے۔ مگر حضرت شہید اسی طرح مردانہ و دلیرانہ جئے ہوئے لڑتے رہے اور بہت سے زخم کھانچے تھے۔ ناگاہ راشد نامی یوسف کے کسی غلام ناکام کا تیر حضرت کی دونوں بھوؤں کے درمیان پیشانی کے بائیں جانب لگا اور دماغ میں گھس گیا کہ اس سے چہرہ مبارک گلگولہ شہادت سے نکلیں ہو گیا۔ اس درمیان میں رات ہو گئی تھی۔ لوگوں نے حضرت کو اٹھا کر ایک مکان میں چھپا دیا اور کہیں سے ایک جراح کو مرہم پٹی کے لیے بلا کر لائے۔ جیسے ہی اس نے دماغ سے تیر نکالا، ادھر روح مبارک سیار گلشنِ جنان ہو گئی۔

(تہذیب و شجرہ و مراۃ و اسعاف و نور وغیرہ)

یہ واقعہ شہادت بقول واقدی ۱۲۱ھ میں ہوا۔ (شجرہ)

دول الاسلام اور مراۃ الجنان میں اسی پر اقتصار کیا ہے اور یہی نور الابصار میں تاریخ ابن عساکر سے منقول ہے اور بقول زبیر ابن بکار ولیث ۱۲۲ھ میں۔ (شجرہ و تاریخ صغیر) اور یہی نور الابصار میں خط مقرر زبیری سے اور تہذیب التہذیب میں جویریہ بن اسما وغیرہ سے منقول ہے۔ اور ابن سعد کہتے ہیں کہ حضرت صفر ۱۲۰ھ یا ۱۲۲ھ میں شہید ہوئے۔ (تہذیب) اور خط مقرر زبیری میں ہے کہ صفر ۱۲۲ھ کی دوسری رات میں حضرت شہید ہوئے۔ (نور)

اور بعض کا قول ہے کہ آپ کی شہادت نصف ماہ صفر میں ہوئی۔ صاحب کنز الاخبار کہتے ہیں کہ حضرت نے ان لوگوں سے جنہوں نے آپ سے بیعت کی تھی چڑھائی کے لیے نکلنے کا وعدہ غرہ صفر کا کیا تھا مگر جب حضرت کے ارادہ خروج کی خبر پھیل گئی تو یوسف بن عمر نے ایک جاسوس حضرت کی تلاش کے لیے مقرر کیا۔ اس نے خبر دی کہ آپ فلاں فلاں دو شخصوں کے یہاں ہیں۔ یوسف نے وہاں دوڑ بھیجی اور ان دونوں کو گرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔ اس وجہ سے حضرت زید شہید نے خروج میں تاریخ مقرر شدہ کا انتظار نہ کیا اور شب میں وصال فرمایا۔ عمر شریف اس وقت ۴۲ سال اور بقول ابن خرداد ۴۸ سال تھی۔ (شیخ تاج) اور شب چہار شنبہ ۲۳ محرم کو ہی باہر آگئے اور تین روز قتل سخت رہا اور جمعہ کے دن تیر کا زخم حضرت کو لگا۔

بعض وقائع مابعد و خوارق عادات:

جب روح مبارک سیار گلشن جہاں ہو چکی تو لوگ حضرت کے دفن کے بارے میں مختلف ہوئے۔ بعض کی رائے ہوئی کہ لاش کو پانی (دریا وغیرہ) میں ڈال دیا جائے، بعض نے کہا بلکہ سر مبارک کو جدا کر کے لاش کو لاش ہائے مقتولین میں ملا دیں کہ کوئی پہچانے نہیں، مگر اس پر حضرت کے صاحب زادے یحییٰ نے فرمایا کہ قسم اللہ کی! میرے باپ کے گوشت کو کتے نہیں کھائیں گے۔ (یعنی ایسا فعل نہ کرو جو کتے دسترس پائیں) اور بعض نے کہا جس گڑھے سے لوگ گیلی مٹی لیتے ہیں اس میں دفن کر کے اوپر سے پانی بہا دیں۔ آخر اسی پر رائے قرار پائی اور حضرت کو وہیں دفن کر کے اوپر سے پانی بہا دیا۔ یوسف ثقفی نے منادی کرا دی کہ جو شخص حضرت کی قبر کا پتہ دے گا اس کو اس قدر زر نقد اس کے بدلے دیا جائے گا۔ ایک غلام سندھی کہ دفن کرنے والوں کے ساتھ تھا یا اس نے انہیں دفن کرتے کسی طرح دیکھ لیا تھا۔ اس نے جب حضرت کے ساتھی متفرق ہو گئے تو یوسف ثقفی کو وہ جگہ دکھا دی۔ اس مردود نے لاش مبارک کو قبر سے نکال کر سر مبارک کو تو کاٹ کر ہشام نافر جام کے پاس بھیجا۔ اس نے اس کے لانے والے کو دس ہزار درم دیے اور سر مبارک دمشق کے دروازے پر بلند کرایا۔ اور ناصر کبیر طبرستانی کہتے ہیں کہ پھر وہاں سے سر مبارک مدینہ منورہ لے جایا گیا اور مزار مطہر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب اس نبی زادہ مظلوم کا سر ایک رات دن نیزے پر نصب رہا مگر ظالموں کا دل اب بھی آل رسول پر ظلم و ستم سے سیر نہ ہوا اور

یوسف ثقفی نے جسد مطہر کو ننگا کر کے گنا سہ کوفہ میں سولی پر چڑھایا اور اس پر پہرا بٹھایا کہ کوئی اتار نہ لے جائے اور چار برس بروایت پانچ برس بدن مطہر حضرت سولی پر چڑھا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے فرزند کی ستر پوشی کا یہ سامان غیبی فرمادیا کہ رات ہی رات مکڑیوں نے حضرت کے ستر عورت پر جالاتن کر اسے لوگوں کی نظر سے پوشیدہ کر دیا اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ کا شکم مبارک ڈھلک آیا یہاں تک کہ اس سے ستر پوشیدہ ہو گیا اور ہو سکتا ہے کہ دونوں باتیں واقع ہوئی ہوں۔

ظالموں نے حضرت کو سولی چڑھاتے وقت روئے مبارک قبلہ کی طرف سے پھیر دیا تھا، مگر حکم الہی وہ لکڑی جس پر ظالموں نے حضرت کو سولی چڑھایا تھا قبلہ رخ پھر گئی اور حضرت کا منہ قبلہ کی طرف ہو گیا۔ اسی دوران ہشام تو اپنے مقرر کو پہنچا اور ولید کا زمانہ آیا اور نبی زادوں کی طرف سے بغض و کینہ کی جو آگ ان کے دلوں میں سلگ رہی تھی وہ اب بھی ویسے ہی پلٹیں مار رہی تھی۔ لہذا یوسف ثقفی نے ولید پلید ابن یزید کے حکم سے جسم مطہر کو سولی سے اتار کر اسے اور اس لکڑی دونوں کو جلا کر خاکستر کر کے اسے فرات کے کنارے ہوا میں اڑا دیا۔ (اسعاف و نور و شجرہ)

ابن ابی الدنیا اپنی مسند کے ساتھ حضرت جریر بن حازم سے راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زید کی سولی سے پشت مبارک لگائے اور حضرت زید کو اس سولی پر چڑھے اور حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام کو یہ فرماتے دیکھا کہ اے لوگو! میرے فرزند سے یہ سلوک کرتے ہو۔ (تہ شیخ)

اور جب حضرت کو سولی دیے جانے کی خبر ملک شام میں پہنچی تو حکم بن عباس کلبی مردود نے یہ بیت نظم کی۔

صلبنا لکم زید اعلیٰ جذع نخلة

ولم نرمهد یا علی الجذع یصلب

ہم نے تمہارے زید کو کھجور کی لکڑی پر سولی چڑھا دیا اور ہم نے کسی ہدایت پائے ہوئے کو نہ دیکھا کہ وہ یوں لکڑی پر سولی چڑھایا جائے۔

یہ بیت جب امام جعفر صادق نے سنی تو فرمایا: اے اللہ! اگر یہ تیرا بندہ جھوٹا ہو تو اس پر اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو مسلط فرما۔ انھیں دنوں میں کلبی مردود کو نے کو چلا۔ راستے

میں ایک شیر نے اسے پھاڑ ڈالا۔ یہ خبر جب جناب امام کو پہنچی، فرمایا: سب تعریف اس خدا کے لیے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا فرمادیا۔ (صواعق و شج)

اور حضرت عبداللہ بن حسین بن علی (امام زین العابدین) بن حسین بن علی (ابن ابی طالب) کہتے ہیں۔ میں نے اپنے والد ماجد کو یہ دعا کرتے سنا کہ اے اللہ بے شک ہشام حضرت زید کو سولی چڑھانے سے راضی ہوا تو اس سے اس کا ملک سلب کر لے اور بے شک یوسف بن عمر نے حضرت زید (کے جسم مبارک کو) جلایا۔ اے اللہ تو اس پر اسے مسلط فرما جو اس پر رحم نہ کرے اور اے اللہ! اگر تو چاہے تو ہشام کو اس کی زندگی میں ورنہ مرنے کے بعد جلا۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں، پس قسم اللہ کی میں نے دیکھا ہشام کو عہد بنی عباس میں جلایا گیا جب ان کا دمشق پر قبضہ ہوا اور میں نے دیکھا کہ یوسف بن عمر کے اعضا کٹے ہوئے دمشق کے دروازوں پر پڑے ہوئے تھے۔ پس کہا میں نے، کہاں ہوا میرے باپ بے شک آپ کی دعا لیلۃ القدر سے موافق ہو گئی۔ اور حضرت زید کی شہادت کے بعد بنی امیہ کی سلطنت آل عباس کے حملوں اور تسلط سے پارہ پارہ ہو کر فنا ہو گئی۔ (نور)

اور جب سفاح اول خلفائے بنی عباس کو سلطنت ملی تو ان کے حکم سے عبدالحمید طائی نے ہشام کی قبر جو رصافے میں تھی، کھود کر ہشام کی لاش نکالی اور اس پر چوں کہ عزیر اس لیے لپیٹ دیا گیا تھا کہ سڑ نہ جائے، لہذا وہ ویسی ہی رکھی نکلی، پھر اسے سولی چڑھایا اور کوڑے مارے گئے، جس سے گوشت پر نچے پر نچے ہو گیا، پھر اسے آگ میں جلا ڈالا گیا۔ یہ خبر جب سفاح کو پہنچی تو انھوں نے سجدہ کیا اور کہا الحمد للہ میں نے امام حسین بن مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بدلے دو سو بنی امیہ مارے اور ہشام کو حضرت زید بن علی کے بدلے سولی پر چڑھایا اور مروان (آخری بادشاہ بنی امیہ) کو اپنے بھائی ابراہیم کے عوض قتل کیا۔ (صواعق و شجرہ و نور) فاعتبروا یا اولی الابصار ۛ

دیدي کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

مدفن شریف:

اوپر گزر چکا کہ سر مبارک کو ظالموں نے کاٹ کر جسم شریف جلا کر خاک کر ڈالا اور

خاک کو بھی اڑا دیا تھا، رہ گیا سر مبارک سو وہ ہشام کے پاس دمشق اور وہاں سے مدینہ منورہ میں تشہیر ہوتا ہوا مصر پہنچا۔ خط مقرر یزی میں ہے کہ وہ مشہد جو جامع طولون اور (پرانے) شہر مصر کے درمیان ہے اور جس کو عوام مشہد زین العابدین کہتے ہیں وہ درحقیقت حضرت زید شہید ابن امام علی بن زین العابدین بن امام حسین کے سر مبارک کا مشہد ہے اور پہلے وہ مسجد محرس خسی کے نام سے معروف تھا۔ قضای کہتے ہیں کہ مسجد محرس خسی حضرت زید شہید بن علی ابن حسین ابن علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سر مبارک کے مشہد کے متصل بنائی گئی تھی جب کہ اس سر مبارک کو ہشام نے مصر میں تشہیر کرانے بھیجا اور مسجد جامع میں ممبر پر اسے نصب کرایا، مصری اسے وہاں سے چھپا کر نکال لائے اور یہاں اسے دفن کیا اور ابن عبد الظاہر اور شریف ابن مسجد نے ذکر کیا ہے کہ افضل ابن امیر الجیوش کو جب اس سر کی یہ حکایت معلوم ہوئی تو انھوں نے اس مسجد کے برآمد کرنے کا حکم دیا جو مٹی کے ٹیلوں میں دب گئی تھی، اور اس کے آثار میں صرف ایک محراب باقی رہ گئی تھی۔

پس وہاں یہ سر مبارک پایا گیا، محمد بن صیرفی کہتے ہیں کہ مجھ سے شریف فخر الدین ابو الفتح خطیب نے جو اس سر کے برآمد ہونے کے وقت موجود تھے بیان کیا کہ سب سر مبارک نکالا گیا تو میں نے بھی اسے دیکھا اور وہ ہامہ وافرہ تھا اور پیشانی میں ایک درم کے برابر کا نشان تھا، پس افضل نے اسے خوشبو لگائی اور عطر لگایا اور اپنے گھر لے جا کر محفوظ رکھا، یہاں تک کہ جب وہ مشہد تعمیر کر لیا تو اس میں دفن کر دیا، اور اس سر کا (مصر میں) پہنچنا بھی اتوار کے دن ۱۲۲ھ میں اور پھر اس کا پایا جانا بھی اتوار کے دن ۱۹ ربیع الاول شریف ۵۲۵ھ میں ہوا، خط مقرر یزی اور طبقات مناوی میں ہے کہ یہ مشہد اب بھی مصر کے ٹیلوں کے درمیان پرانے مصر کے قلعے کے پاس موجود ہے لوگ اس سے تبرک لیتے ہیں اور اس کی زیارت کو قصد کر کے جاتے ہیں، خصوصاً عاشورہ کے دن، بعض زائرین سے منقول ہے کہ دعا وہاں قبول ہوتی ہے، اور انوار اس پر دکھائی دیتے ہیں۔ (نور و اسعاف)

حضرت سید عیسیٰ مؤتم الاشبال ﷺ

حضرت سید زید شہید کے فرزند دل بند ہیں۔ کنیت شریف ابو یحییٰ اور لقب مبارک مؤتم الاشبال ہے۔ جس کے معنی ہیں شیروں کے بچوں کا یتیم کر دینے والا۔ چوں کہ حضرت

اکثر شیر کا شکار کرتے تھے اس لیے اس لقب سے ملقب ہوئے۔ (تح، شج، نظ)
فقیر راقم الحروف کے حضرت والد ماجد قبلہ و کعبہ دامت برکاتہم العالیہ بزرگوں سے سنا ہوا نقل فرماتے تھے کہ چوں کہ حضرت بادشاہان و حاکمان ظالم کے مظالم سے حفاظت جان و اولاد و ناموس کی خاطر واسطہ وغیرہ کے جنگلوں میں اکثر رہتے اور وہاں شیر بہت لگتے تھے۔ اس لیے حضرت ان کے شر سے بچنے کے لیے انھیں مکوں، گھونسوں سے مار ڈالتے۔ اس لیے یہ لقب ہو گیا تھا۔

حضرت سید جنید محمد بلگرامی صاحب جنید یہ لکھتے ہیں کہ حضرت کا اسم مبارک اول ”عسارہ“ تھا۔ جب ظالموں کے ظلم سے بچ نکل کر آپ بصرہ میں اپنی خالہ کے یہاں آ کر چھپے، اس وقت آپ نے اپنا نام عیسیٰ بن زید شہید ظاہر کیا اور یہ فرمایا کہ میں ولایت میں تھا۔ اس وجہ سے لوگ حضرت کو عیسیٰ کہنے لگے۔ جب آپ نے عروہ ابن مسعود کی صاحب زادی سے عقد نکاح فرمایا اس وقت ظاہر ہوا کہ آپ عسارہ ابن زید شہید ہیں۔ صاحب فصل الخطاب لکھتے ہیں کہ بعد شہادت حضرت زید شہید دس شخص قید میں آئے جن میں چھ مرد تھے اور چار عورتیں اور ان چھ مردوں میں تین بچے تھے۔ علی و عسارہ و محمد باقر اور تین عورتیں دختران رشید تھیں۔ جوانوں کو تو سولی چڑھا دیا گیا اور چوں کہ ظہر کی اذان ہو گئی تھی اس لیے لوگ نماز میں مشغول ہو گئے اور یہ قرار پایا کہ ان بقیہ چھ کو کل صبح سولی چڑھائیں گے۔ پاسبانوں نے ان مظلوموں کو رات میں آزاد کر دیا اور وہ بھاگ کر جسے جہاں امن نظر آیا چھپ رہے۔ (نظ)

ولادت شریف:

شجرہ طیبہ میں ہے کہ آپ حضرت زید شہید کی شہادت کے وقت جو ۱۲۱ھ میں واقع ہوئی، ایک برس کے تھے، فقیر کو اگرچہ اس میں تامل ہے جس کی تحقیق ضمن بیان وفات حضرت میں آگے آتی ہے۔ یا اگر صحیح ہو تو حضرت کی ولادت اوائل ۱۲۰ھ کی ٹھہرتی ہے۔ اس لیے کہ حضرت زید شہید ماہ صفر میں شہید ہوئے تھے۔ حضرت کی والدہ ماجدہ حضرت عبداللہ محض ابن حضرت حسن ثنی ابن حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صاحب زادی تھیں۔ حضرت جد سادات واسطی ہیں۔ (نظ)

فضائل شریفہ و سوانح عمری:

آپ حدیث کی روایت اپنے والد ماجد حضرت زید شہید سے فرماتے تھے۔ (تہ) اور نہایت بہادر اور امام، عالم و شاعر اور حضرت ابراہیم قتیل بن عبد اللہ محض کے وصی اور ان کے نشان کے اٹھانے والے تھے۔ (تح، شج، نظ)

یہ حضرت ابراہیم بزرگ سیرت اور علوم کثیرہ میں کبار علما میں سے تھے اور مروی ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ کوئی نے ان سے بیعت خلافت کر لی تھی۔ اور ان کے اور ان کے بھائی حضرت محمد کے ساتھ لوگوں کو چڑھائی کرنے کا فتویٰ دیا تھا۔ (اسعاف و نور)

ان کی شہادت کے بعد جو ۱۲۵ھ میں واقع ہوئی حضرت سید عیسیٰ مختفی ہو گئے اور اگرچہ منصور و افقی عباسی نے انھیں بہت تلاش کیا اور اس میں بہت کوشش کی مگر حضرت اس کے ہاتھ نہ آئے۔ یہ اشعار آپ ہی کے ہیں، جن میں آپ نے ظالموں کے اہل بیت نبوت پر مسلسل ظلموں کی اللہ عز و جل و اور حقیقی کی بارگاہ بے کس پناہ میں فریاد کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

الی اللہ اشکوا ما تلاقی و اننا
نقتل ظلما جہرۃ و نخاف
ولیعدا قوامہم بحبہم لنا
و یشقی لہم الامر و فیہ خلاف

شیخ نقیب تاج الدین کہتے ہیں کہ اپنے زمانہ اختفا میں حضرت نے کوفہ میں بعض سقوں کے یہاں مزدوری کر لی تھی اور اس کے اونٹ پر پانی لاتے اور سقائی کرتے، وہیں حضرت نے ایک بی بی سے نکاح فرمایا اور ان سے ایک صاحب زادی بھی پیدا ہوئیں۔ جب وہ جوانی کو پہنچیں تو اس سقا اور اس کی بی بی نے حضرت کے آثار صلاح و تقویٰ دیکھ کر ان صاحب زادی کو اپنے لڑکے کے لیے چاہا اور اپنا یہ ارادہ حضرت کی بی بی سے ظاہر کیا۔ وہ بی بی چوں کہ حضرت کی عالی خاندانی سے بے خبر تھیں، اس سے بہت خوش ہوئیں اور نہایت خوش خوش کہ اس لڑکی کی ایسی جگہ نسبت ٹھہر گئی جہاں بظاہر ممکن معلوم نہ ہوتی تھی، حضرت سے بھی یہ عرض کیا۔ حضرت یہ سن کر سخت متحیر ہو کر بڑی فکر میں پڑ گئے اور اس لڑکی کے لیے دعا کی کہ تھوڑے ہی عرصے میں وہ انتقال کر گئی۔ حضرت ان کے انتقال کے بعد بہت

روئے۔ یہ دیکھ کر حضرت کے بعض دوستوں نے جو محرم راز تھے، عرض کیا کہ ہم تو آپ کو بہت بڑا بہادر جانتے تھے۔ یہ کیا بات ہے کہ ایک لڑکی کے مرجانے سے آپ اس طرح روتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: میں اس کے مرنے پر نہیں روتا ہوں کہ وہ بے چاری مرتے مرگئی مگر یہ نہ جان پائی کہ میں پارہ جگر رسول ہوں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (تحشج)

اولاد امجاد:

حضرت مہتمم الاشبال کے چار صاحب زادوں سے نسل چلی۔ سید احمد مختفی کہ عالم و زاہد اور فقیہ تھے۔ انھوں نے علم فقہ میں ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی تھی۔ ان کی والدہ ماجدہ فضل بن عبد الرحمن بن عباس بن حارث کی صاحب زادی عاتکہ ہاشمیہ تھیں۔ یہ صاحب زادہ ہارون رشید عباسی کے زمانہ میں قید کر لیے گئے تھے اور رہائی پانے کے بعد بصرہ میں بحالتِ اختفا بسر کرتے تھے۔ ۲۴۰ھ میں رہ گراے عالم آخرت ہوئے۔ دوسرے سید زید کہ ملک شام میں تھے۔ تیسرے سید محمد اور چوتھے سید حسین غصارہ۔ (تحشج، نظ)

وفات شریف:

اوپر گزر چکا کہ اگرچہ منصور عباسی آپ کو بہت ڈھونڈتا رہا، مگر آپ اس کے ہاتھ نہ پڑے۔ یہاں تک کہ ۱۶۶ھ میں آپ نے کوفہ میں وصال فرمایا اور حسن بن صالح نے آپ کے جنازے پر نماز پڑھی اور پوشیدہ دفن کر دیا۔ (تحشج، نظ)

شجرہ طیبہ میں ہے کہ: بقول صحیح حضرت کی عمر چھیالیس سال تھی، اس لیے کہ وقت شہادت اپنے والد ماجد حضرت زید شہید کے ۱۲۱ھ میں ہوئی، حضرت ایک سال کے تھے۔ مگر امام ابن حجر ہندیہ التہذیب میں فرماتے ہیں کہ حضرت اپنے والد ماجد زید شہید سے راوی حدیث ہیں اور ظاہر ہے کہ سال بھر کا بچہ کیا حدیث روایت کرے گا۔ اس لیے فقیر کو اس میں تامل ہے اور بایں لحاظ فقیر کے نزدیک حضرت کی عمر کے بارے میں وہ دوسرا قول جو علامہ آزاد نے شجرہ طیبہ میں بعد کو لکھا ہے کہ ”بقول بعض حضرت کی عمر اپنی وفات کے وقت ساٹھ برس تھی۔“ اس پہلی کی بنسبت صحیح معلوم ہوتا ہے اور اس بنا پر حضرت کا سال ولادت بھی اواخر ۱۰۶ھ یا اوائل ۱۰۷ھ تقریباً قرار پاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت سید محمد قدس سرہ

حضرت مہتمم الاشبال کے صاحب زادہ اور فقیر کے اجداد کرام میں ہیں۔ ان کے اعقاب (اولاد) بہت تھے، جگہ جگہ پھیلے ہوئے سادات بارہا و بلگرام کے انساب انھیں سے ملتے ہیں۔ ان کے فرزند ارجمند حضرت سید علی اور حضرت سید علی کے فرزند دل بند حضرت سید حسین ہمارے اجداد عظام میں سے ہیں۔ (زج، نظ)

حضرت علی عراقی

حضرت سید حسین کے صاحب زادے اور ہمارے جد امجد ہیں۔ جب ظالم بادشاہوں اور حاکموں کے مظالم نے اولاد حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کو حریم مطہرین مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں جو تمام سادات کرام کے وطن قدیم اصلی و آبائی تھے نہ رہنے دیا اور وہاں سے ہجرت فرما جانے پر مجبور کر دیا تو سادات کرام اطراف و اکناف عالم میں متفرق و منتشر ہو گئے اور ایک گروہ ان میں سے شہر واسط میں آ رہا۔ انھیں میں سے ایک حضرت سید علی عراقی جد حضرت سید ابوالفرح واسطی تھے جنھوں نے عرب سے آ کر واسط میں قیام فرمایا۔ اور ایک جماعت گردیز کو چلی گئی، اور دوسری دوسری جگہوں میں۔ یہ شہر واسط عراق کے مشہور شہروں میں سے کوفہ و بصرہ کے درمیان لب دریاے دجلہ واقع تھا۔ اس لیے اس کا نام واسط رکھا گیا تھا اور اسے ”واسط القصب“ بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی ملک کا واسط، اس لیے کہ ملک یہاں بہت اچھی پیدا ہوتی تھی اور واسطی قلم آج تک مشہور ہے۔ اسی لحاظ سے ہمارے جد امجد حضرت میر عبد الواحد بلگرامی فرماتے ہیں۔

دانی کہ خوش نویسی ما از براے چپست مانیم واسطی و قلم نیز واسطی است
واسط کو حجاج بن یوسف ثقفی نے سن ساٹھ ہجری میں آباد کیا تھا۔ مگر کہتے ہیں کہ وہ اصل واسط (ہنا کردہ حجاج) تو دریا میں غرق ہو گیا۔ اس کی جگہ اسی ساحل پر دوسرا شہر آباد ہوا۔ عراق عرب اقلیم ثالث میں ہے جو مرخ سے متعلق ہے۔ (فص و شجرہ و تبرہ)

عمدة المطالب فی نسب آل ابی طالب میں ہے: ”واما محمد بن عیسیٰ مہتمم الاشبال فلہ عقب کثیر..... و جمہور عقبہ یرجع الی

علی العراقی بن الحسین بن علی بن محمد المذکور والعراق و اقام بها فعرف عند اهل الحجاز العراقی و اعقب من خمسة رجال بين مقل و مكثرو البقية الان من ولده فی رجلین۔“

یعنی محمد بن عیسیٰ موتم الاشبال کی اولاد بہت ہے اور شہروں میں پھیلی ہوئی اور ان کی سب اولاد کی نسبت سید علی عراقی بن سید حسین بن سید علی بن سید محمد مذکور الصدق کی طرف راجع ہے۔ سید علی عراقی نے عراق میں آکر وہیں سکونت اختیار فرمائی اس لیے آپ اہل حجاز میں بہ نسبت عراقی معروف ہوئے۔ ان کے پانچ صاحب زادوں سے نسل رہی جن میں سے بعض کثیر الاولاد تھے اور بعض کم اولاد والے اور اب ان کی بقیہ اولاد دو شخصوں سے ہے اور ان دو شخصوں کو ”مختصر عمدة المطالب“ میں یوں بیان کیا ہے:

”و هما ابو الحسن احمد و علی و هو اکثر عاقبا و ابو محمد الحسن اما ابو محمد الحسن بن العراقی فاعقب من رجلین و هما علی و ابو الطیب عبد الوہاب یقال له ہبہ لعلی اولاد بالاہواز فی اخوة له ولعبد الوہاب ولد قتل۔ انتھی“

یعنی وہ دونوں ایک تو ابو الحسن احمد علی تھے کہ ان سے نسل بہت ہے اور دوسرے ابو محمد حسن ہیں کہ جنہوں نے دولڑکوں سے نسل چھوڑی۔ ایک ان میں کے علی اور دوسرے ابو طیب عبد الوہاب کہ ان کو ”ہبہ“ بھی کہا جاتا تھا اور علی کی نسل اہواز میں چند بھائیوں سے تھی اور عبد الوہاب کے ایک لڑکے تھے جو قتل ہو گئے۔ (شج)

ہمارے اجداد نے جو اپنا شجرہ نسب تحریر فرمایا ہے اس میں اپنے سلسلہ نسب میں حضرت سید علی عراقی کے صاحب زادہ سید حسن اور ان کے صاحب زادہ سید علی کو نہیں گنایا ہے بلکہ سید علی عراقی کے صاحب زادہ سید زید دوم کو بجائے سید حسن کے ذکر فرمایا ہے۔ جیسا کہ ہم بالتحصیل اوپر لکھ چکے ہیں۔

۱۳۰۰ھ میں جب حضرت والد ماجد قبلہ و کعبہ سید شاہ محمد اسماعیل حسن صاحب دامت برکاتہم العالیہ اثناے سفر مبارک حج و زیارت حرمین مطہرین میں قریظینہ کے لیے جزیرہ کامراں میں اترے تو ایک مسجد میں نماز کے لیے گئے۔ بعد نماز متصل مسجد دریاے شور (سمندر) سے تھوڑے فاصلے پر ایک مزار دیکھا جس پر ایک لکڑی کا تابوت رکھا تھا اور جس

کے پاس عقیق البحر کے درخت جن کے دانوں کی تسبیح بناتے ہیں، کثرت سے تھے۔ حضرت نے وہاں حاضر ہو کر فاتحہ پڑھا اور وہاں کے بدوؤں سے جو پانی بھر رہے تھے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ حضرت سید علی عراقی کا مزار مبارک ہے۔ چوں کہ حضرت سید علی عراقی اہل حجاز میں ملقب عراقی مشہور تھے۔ اس لیے حضرت نے جانا کہ یہ ہمارے دادا کا مزار مبارک ہے۔ فرماتے ہیں: اپنے دادا کا یہ فیض عام ہم نے جاری دیکھا کہ آب شیریں کے متعدد چشمے جن سے اہل کامراں میٹھا پانی پیتے ہیں، وہ حضرت ہی کے مزار مبارک کے پائیں سے جاری ہیں۔ حضرت کے صاحب زادہ والا ختم حضرت سید زید دوم ہمارے جد مکرم ہیں۔ (کاشف و نظم) اور ان کے پارہ دل نور نظر، مہر سپہر سیادت ماہ آسمان جلالت حضرت سید عمر اور ان کے خلف رشید آرائش گلستان حضرت زید شہید حضرت سید زید سوم اور ان کے فرزند سعید سید السادات مجموعہ کمالات شرف یافتہ آیہ کریمہ ”وَسَلِّمْ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَ یَوْمَ یَمُوتُ وَ یَوْمَ یُبعَثُ حَیًّا۔“ حضرت سید یحییٰ اور ان کے نور العین صاحب صدر زیب وزین حضرت سید حسین جو ہر تیغ شجاعت شہسوار میدان جلاوت جن کی نسبت کہتے ہیں کہ واسط میں سکونت رکھتے تھے اور ان کے فرزند مسعود حضرت سید داؤد جن کی تلوار برق بار دشمنوں کے زہرے پگھلاتی اور جن کا دست زبردست، فولاد بدنوں کے بدن نرم کر دیتا۔ یہ سب حضرات با برکات فقیر کے اجداد کرام ہیں۔ (شجرہ وغیرہ)

حضرت سید ابوالفرح واسطی قدس سرہ

فرزند رشید و سلالہ نسل حضرت سید داؤد قدس سرہ جد اعلیٰ سادات زید یہ بلگرام و بارہا وغیرہ عالم عامل و عارف کامل مجمع حسنات و منبع فیوض و کمالات تھے۔ واسط میں تشریف رکھتے تھے اور اس شہر اور قرب و جوار کے تمام لوگ حضرت کا بغایت ادب و احترام اور فرماں برداری و اکرام بجالاتے تھے۔ (شج، نظم)

سوانح و سیرت مبارکہ:

ایک دن فرماں رواے واسط سے کوئی امر خلاف شرع واقع ہوا۔ حضرت سید السادات نے اپنے مریدوں اور معتقدوں کے ساتھ تشریف لے جا کر اس سے منع فرمایا۔ بادشاہ وقت بلوہ

کے اندیشے سے باز رہا۔ اس پر اس کے مصاحبوں نے یہ پٹی پڑھائی کہ اگر ان کی یہی حکمرانی قائم رہی تو تیری سلطانی تو سب خاک میں مل جائے گی۔ بادشاہ نے ان کے کہنے سننے میں آکر آیہ کریمہ: ”اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم“ لکھ کر حضرت کو بھیجی اور یہ دریافت کیا کہ آیا یہ آیت نسخ ہے یا منسوخ۔ جناب عرفان مآب نے جواب دلایا کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ اس پر بادشاہ نے کہلوا کیا کہ اس آیت سے وجوب اطاعت اولی الامر ثابت ہے اور چوں کہ میں اولی الامر ہوں لہذا میں حکم دیتا ہوں کہ حضرت میرے ملک سے چلے جائیں، یہاں نہ رہیں۔ حضرت مع اپنے چاروں صاحب زادوں، سید ابوالفراس و سید ابوالفضائل و سید داؤد و سید معز الدین اور ان کی بیبیوں اور لڑکیوں اور ان کے خاندنوں اور اپنے تمام اقربا اور مریدین و معتقدین کے ایک بڑے مجمع کے ساتھ واسطہ سے نکل کر منزل بمنزل بہ آسائش تمام سفر کرتے ہوئے سلطان محمود غزنوی کے عہد سلطنت میں غزنیں پہنچے۔ غزنیوں کے لوگ حضرت کے فضائل و کمال کا امتحان اور برکات و کرامات کا مشاہدہ کرنے کے بعد حضرت سے نہایت نیاز مندانہ و معتقدانہ پیش آئے اور کچھ مدت حضرت نے وہاں تشریف رکھی اور پھر وہاں سے مع اپنے بال بچوں اور ہم راہیوں کے بہ ارادہ ہندوستان روانہ ہوئے۔ جب سرہند کے قریب پہنچے تو حاکم سرہند حضرت کے قدم میں منبت لڑوم کی خبر سن کر بہ اعزاز و اکرام تمام پیشوائی کر کے حضرت کو لے گیا اور بہ کمال عقیدت بتواضع و مدارات تمام پیش آیا اور چار بڑے بڑے موضع کہ سرحد ہندوستان پر واقع تھے حضرت کے چاروں صاحب زادوں کے نام سے معاف کیے۔ چنانچہ کنڈلی، سید معز الدین عف بندہ (بہاے موحده و نون و دال مہملہ و ہاے بستہ) کے نام اور جاجیز، سید ابوالفراس اور چہاترود، سید ابوالفضائل اور تھن پور، سید داؤد کے نام معاف کیے۔ اور ایک مدت حضرت یہاں رہے۔

حضرت جدی سید شاہ آل رسول صاحب اپنی بیاض میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ یہ مواضع (تھن پور وغیرہ) پٹیا لہ کے علاقے میں تھے۔

اولاد امجاد:

حضرت کے چاروں صاحب زادوں کے نام اوپر مذکور ہو چکے، سید مبارک محدث بلگرامی علیہ الرحمہ اپنے نسب نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت کی مراجعت واسطہ کے بعد

حضرت کے تین صاحب زادے ہند میں ہی رہ گئے۔ ان میں سید ابوالفراس نے کہ جد سادات بلگرام ہیں جاجیز میں اور سید ابوالفضائل نے چہاترود میں اور سید داؤد نے تھن پور میں سکونت اختیار کر لی۔

نظم اللہی میں سید معز الدین کو جو اپنے والد ماجد کے ساتھ غزنیوں میں لوٹ گئے، بڑا بیٹا اور سید ابوالفراس کو دوسرا (منجھلا) اور سید فضیل (ابوالفضائل) کو تیسرا (سنجھلا) اور سید داؤد کو چوتھا (چھوٹا) بیٹا بتایا ہے اور یہ کہ سادات بارہا ان چاروں صاحب زادوں کی اولاد کو چار کھانپ یعنی چہار قاش کہتے ہیں اور ہم بلگرامی جو سید ابوالفراس کی اولاد سے ہیں جاجیزی اور سید فضیل کی اولاد چہاترود کی اور سید داؤد کی اولاد تھن پور کی کہلاتی ہے۔ سید معز الدین جو اپنی اولاد کنڈل میں چھوڑ گئے تھے اور ان تینوں صاحب زادوں کی اولاد اپنے اپنے مواضع میں رہی اور ہندوستان میں اور جگہ جگہ پھیل گئی۔ چنانچہ سادات بارہا کے ساٹھ گاؤں، جن میں بارہ بڑے بڑے قصبے ہیں اور بلگرام اور اونام اور بعض محلات قنوج و سندیلہ وغیرہ وغیرہ و دیار و امصار ہند میں یہ سادات پائے جاتے ہیں اور جو سادات صحیح النسب باہر سے یہاں ملک ہند میں آئے انھوں نے یہاں کی عورتوں سے نکاح کر لیے اور ان سے صاحب اولاد ہوئے، لہذا ان کی اولاد میں زنان ہند کا میل ہے۔ برخلاف حضرت سید ابوالفرح واسطی کے جو اپنی مستورات کے اور کنبہ والوں کے ساتھ یہاں آئے اور جب حضرت کی اولاد یہیں بڑھی تو بھی ان کے بیاہ گت اپنے بنی اعمام میں ہی ہوئی اور ہندی عورتوں کی مشارکت ان کے شرفا اور نجبا میں نہ ہونے پائی اور جن میں ہوئی وہ سریت وال کے نام سے مشہور ہوئے۔

الغرض سادات واسطی کو ہمیشہ اپنی نجیب الطرفینی کا بہت لحاظ و پاس رہا مگر افسوس کہ اب زمانہ دگرگوں ہے اور لوگ پرانی و مفید و غیر مضر پابندیوں سے بھی روز بروز اپنے کو آپ آزاد کرتے جا رہے ہیں۔

وصال شریف:

ایک عرصہ کے بعد جب کہ واسطہ کا حاکم اپنے فعل سے پشیمان ہوا تو اس نے پھر حضرت کی طلب میں عریضہ لکھا اور غفو و کرم موروثی اور وطن کی محبت فطری کے سبب حضرت مع

ایک صاحب زادہ سید معز الدین کے واسطے تشریف لے گئے اور وہیں بہ آسائش تمام بقیہ عمر شریف گزاری اور وہیں رحلت پائی اور وہیں مزار مبارک ہے۔ (نظ، شیخ، فص)

حضرت سید ابوالفرح اس قدس سرہ

حضرت سید ابوالفرح واسطی کے فرزند ارجمند شجاعت ودلاوری اور جلاوت ومرداگی میں اسم باسمی تھے۔ ابوالفراس بکسرفا وتحفیف راے مہملہ بعدہ الف وسین مہملہ بروزن کتاب شیر کی کنیت ہے۔ کذافی القاموس۔

نیز ابوالفراس کنیت ربیعہ بن کعب صحابی اور فرزدق شاعر کی بھی تھی۔ کذافی المنخب۔ (شجرہ، نظم وتبرہ)

نسب نامہ منظوم حضرت میر عبدالواحد قدس سرہ میں اس کے بجائے ابوالفراس تشدید راے مہملہ وشین منقوطہ مذکور ہے۔ غالباً حضرت نے جو زبان عوام پر مذکور تھا وہ نظم فرما دیا۔ ورنہ زبان عرب میں یہ کنیت اسی طرح آئی ہے جیسے اوپر مذکور ہوئی۔ (تبرہ) اولاد امجاد:- حضرت کے دو صاحب زادے تھے ایک سید محمد کہ لا ولد انتقال کر گئے، دوسرے سید ابوالفرح کہ بلقب سید ابوالفرح ثانی ملقب تھے۔ یہ ہمارے جد کرم تھے۔ عمدہ اہل زماں وقودہ امثال و اقران انوار بزرگی و آثار نجابت ان کی پیشانی نورانی سے چمکتے تھے۔ (شیخ، فص، نظ)

حضرت سید حسین قدس سرہ

حضرت سید ابوالفرح ثانی کے خلف ارشد ہمارے جد امجد فضل و فضائل حسنی و حسن شمائل حسینی میں اپنے آباے کرام کے خلف صالح اور ارشاد وحدیث شریف اما حسن فلہ ہیبتی و سوددی و اما حسین فلہ جرأتی و جودی کے مظہر تھے۔ (شیخ، نظ)

بعض سوانح شریفہ:

کہتے ہیں کہ اول جس نے ہمارے اجداد میں سے بلگرام کا قصد کیا وہ حضرت سید حسین بن سید ابوالفرح ثانی ہی تھے۔ جب آپ درویشانہ سیر و سیاحت فرماتے ہوئے نواح بلگرام میں پہنچے تو اپنا خیمہ موضع پیوٹی میں ایک ٹیلے پر نصب فرمایا۔ موضع مذکور میں ایک

مسلمان بھی رہتا تھا جو کسی وقت میں کافروں کی قید میں پڑ کر یہاں آ گیا تھا۔ اس نے کسی طرح خود کو حضرت کی خدمت میں پہنچایا۔ اور ایک گائے جو اس نے نذر حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کر رکھی تھی ان آل رسول کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے اسے ذبح فرما کر خود اپنے ہم راہیوں سمیت تناول فرمایا۔ یہ خبر جو بلگرام کے سردار کو پہنچی تو وہ راجہ ساڈی کے پاس فریادی دوڑا گیا کہ مسلمان آگئے اور انھوں نے گائے ذبح کر کے ہمارا دھرم ناس کر دیا۔ راجہ ساڈی بھی یہ سن کر بھڑکا اور راجہ قنوج مسمی ٹورل مل ٹور کو ساتھ ملا کر حضرت سے معرکہ آرا ہوا اور فریقین میں لڑائی ہوئی۔ مگر چوں کہ حضرت کے ساتھ آدمی کم تھے لہذا حضرت نے اس وقت تسخیر و فتح بلگرام کو دوسرے مناسب وقت پر اٹھا رکھنا مناسب جانا۔ (شیخ)

حضرت سید علی آپ کے خلف رشید اور ہمارے جد امجد تھے، بمصادق اسم خود شجاعت وسخاوت میں اپنے جد امجد حضرت امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی یاد تازہ رکھتے اور ہمیشہ ہمت والا جدال و قتال کفار میں صرف فرماتے۔

آپ کے چار صاحب زادے تھے۔ سید محمد کہ بلگرام میں رہے اور سید جعفر بدلی میں اور سید احمد دھرسو میں اور سید معز الدین جاجیز میں توطن پذیر تھے۔ کہتے ہیں کہ سید معز الدین کسی بادشاہ کے پیامبر ہو گئے تھے، اس لیے ان کی اولاد کو رسول دار کہا جانے لگا۔ (شیخ، فص، نظ)



سبط اصغر، ریحانہ رسول، جگر گوشہ بتول، حضرت امام حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر حضرت سید حسین واسطی تک کا تذکرہ حضرت تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں مارہروی قدس سرہ کی کتاب اصح التواریخ (۱۳۴۷ھ) مطبوعہ محمدن یونین پریس، لاٹوش روڈ، لکھنؤ سے ماخوذ ہے۔ چوں کہ ان بزرگوں کے تذکرے متداول کتب میں نہ ملے اس لیے اس کو غنیمت سمجھا گیا، اور اگر کچھ تذکرے بڑھائے جاتے تو صفحات بھی بہت بڑھ جاتے، اس لیے مزید سعی بھی نہ کی گئی، کہ مقصود معلومات کو فراہم کرنا تھا، وہ حاصل ہے۔ آخری بزرگ سید علی ہیں جن کی اولاد میں حضرت سید محمد صاحب الدعوة الصغریٰ فاتح بلگرام ہیں جن کا وصال ۱۲ شعبان ۶۲۵ھ میں ہوا اور مزار شریف قصبہ بلگرام میں ہے۔ آپ

نے ۳۱ سال بلگرام میں گزارے۔ اسی واسطی خاندان کے ایک فرد میر عبد الواحد بلگرامی مصنف ”سبع سنابل“ کے فرزند میر عبد الجلیل (متوفی ۱۰۵۷ھ) نے سب سے پہلے سکونت اختیار کی، آپ کے فرزند تھے حضرت سید شاہ اولیس حسن (م: ۱۰۹۷ھ) اور آپ کے فرزند حضرت صاحب البرکات سید شاہ برکت اللہ مارہروی (م: ۱۰۹۷ھ) ہیں جن سے برکاتی سلسلہ قائم ہوا اور خانقاہ برکاتیہ کا آغاز ہوا جو آج تک رشد و ہدایت کا مرکز ہے۔

فاتح بلگرام حضرت سید محمد صغریٰ قدس سرہ تک تذکرہ لکھنا مقصود تھا۔ حسب حکم اس پر عمل ہوا۔ اب آگے تفصیلی حالات کے لیے قارئین اسی نمبر کے دوسرے مقالے کا مطالعہ کریں۔



منظوم نسب نامہ

علامہ سید عبد الجلیل نامہ واسطی بگرامی قدس سرہ
اُردو ترجمہ و تعارف : ساحل شہسرامی (علیگ)

حضرت علامہ میر عبد الجلیل نامی بلگرامی قدس سرہ خاندان میر محمد صاحب الدۃ الصغریٰ میں نادردہ روزگار تھے۔ علامہ آزاد نے بالکل بجا فرمایا ہے کہ زمانے کی نگاہوں نے اس جامعیت کے صاحب کمال بہت کم ہی دیکھے ہوں گے۔ آپ کے نام نامی سے تمام علمی دنیا واقف ہے۔ آپ کی تصانیف عرب اور مصر کے نصاب درس میں رہی ہیں۔ عربی، فارسی، ترکی اور سنسکرت کے باکمال عالم تھے۔ ۱۳ شوال ۱۰۷۱ھ کو ولادت مبارکہ ہوئی اور ۱۱۳۸ھ میں اس جہان فانی کو الودع کہا۔ بہت ہی باوقار اور مقبول زندگی گزاری۔ گجرات، سندھ، سیوستان، بھکڑ، دکن اور دہلی میں مناصب عالیہ پر فائز رہے۔ فکر عالی، مرغزار کی مانند دلکش اور مشک بار تھی۔ علامہ غلام علی آزاد اپنے نانا علامہ نامی کے بے حد مداح نظر آتے ہیں مآثر الکرام میں بڑا والہانہ تذکرہ فرمایا ہے اور آپ کے شان میں عربی اور فارسی کے قصائد بھی لکھے ہیں۔

حضرت علامہ نامی تفسیر، حدیث، فقہ و ادب، تاریخ، لغت اشعار و امثال اور موسیقی میں خصوصی مملکت رکھتے تھے۔ حافظہ غضب کا پایا تھا۔ قاموس اللغات از بر تھی سعد اللہ بلگرامی، میر طفیل محمد بلگرامی، شیخ غلام نقشبند لکھنوی، میر سید مبارک محدث بلگرامی آپ کے اساتذہ میں تھے۔ عربی فارسی، سنسکرت تینوں زبان میں شاعری کرتے۔ اولاً طرازی پھر واسطی تخلص فرمایا۔ فارسی میں آپ نامی تخلص اختیار فرماتے۔ اسے ہی شہرت ملی۔

علامہ دکن میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ وہاں سے پھر گجرات کی وقائع نگاری کا منصب عطا ہوا۔ علامہ نامی دکن سے پہلے بلگرام تشریف لائے اور پھر ربیع الاول ۱۱۱۴ھ

میں گجرات پہنچے۔ یہاں وقائع نگاری اور محال مائی پوری کی جاگیر داری دونوں مناصب کی ذمہ داریاں آپ نے خوبی سے نبھائیں۔ پھر سرکار بھکڑ وسیپتاں کی بخشی گیری اور وقائع نگاری کا منصب مرزا یار علی بیگ نے ۱۱۱۷ھ میں عطا کیا۔ ۱۱۳۰ھ میں دہلی تشریف لے گئے اور اورنگ زیب سے محمد شاہ کے زمانے تک آپ بہت ہی وقار و تمکنت اور عزت و احترام کے ساتھ افادہ فنون اور منصبی فرائض کی ادائیگی میں مصروف رہے۔ ۶۶ سال کی عمر میں دہلی میں ہی ۱۱۳۸ھ میں انتقال فرمایا۔ تدفین بلگرام میں ہوئی۔

آپ فضیلت علم کے ساتھ کمال روحانیت بھی رکھتے تھے۔ آپ کو مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے براہ راست بیعت کا شرف حاصل تھا۔ عالم بیداری میں حضور غوث پاک کے صاحب سجادہ سید سلیمان حموی قدس سرہما سے اولیسی بیعت رکھتے تھے۔ معمولات مشائخ کے پابند تھے۔ حضرت علامہ آزاد فرماتے ہیں:

ادائے فرائض و سنن کے بعد سب سے بڑا شغل مطالعہ کتب تھا۔ جمعہ کے دن فجر کی نماز کے بعد دوپہر سے پہلے تک دلائل الخیرات ختم فرماتے، درمیان میں گفتگو نہ کرتے۔ پھر دوپہر کے قریب غسل جمعہ کر کے مسجد تشریف لے جاتے۔ رمضان المبارک میں روزانہ بیت الخلا نہ جاتے۔ سفر و حضر میں تراویح کی نماز ترک نہ ہوئی (ماثر الکرام، اردو، ص: ۳۸۱)

اسی قرب الہی، قبولیت بارگاہ رسالت پناہی کا فیضان تھا کہ وصال کے بعد ۱۴ دن تک جسم اطہر مکمل طور سے سلامت رہا۔ علامہ آزاد بلگرامی رقم طراز ہیں:

آپ کی ایک کرامت یہ ہے کہ جسم مبارک آفتاب کی حرارت اور اس طویل مدت کے باوجود چودہ دن کی مدت میں تابوت کے اندر شاہجہاں آباد (دہلی) سے وطن پہنچا۔ بالکل صحیح سلامت نکلا۔ کسی عضو میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوئی۔ جسم اقدس کو تابوت سے نکال کر چادر پر رکھا گیا۔ اس انداز سے جیسے تازہ میت کو لیتے ہیں۔ چارپائی قبر تک لائی گئی پھر جسم کو زیر کمر چادر ڈال کر لحد میں اتارا گیا، استاذ تحقیقین میر طفیل محمد بلگرامی نے قبر میں اتر کر سپرد خاک کیا (ماثر الکرام اردو، ص: ۳۸۲)

حضرت علامہ میر عبد الجلیل نامی بلگرامی قدس سرہ کی تازہ کار شاعرانہ فکر ملاحظہ کرنی ہو تو آپ کا یہ فارسی منظوم نسب نامہ ملاحظہ کیجئے۔

حضرت علامہ آزاد بلگرامی کے نانا اور استاذ حضرت علامہ سید عبد الجلیل نامی بلگرامی بہت ہی دلکش پیرائے میں حضرت فاتح بلگرام کے نسب نامے کو نظم کیا ہے۔ الفاظ استعمال فرمائے ہیں، گلتا ہے گنگینے جڑ دیئے ہیں۔ اسلوب کی روانی کوثر و سلسبیل کے مزے دیتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس آبدار فارسی کو پیش کر دیا جائے جو ہے تو طویل لیکن اس کی دلکشی اور غنائیت اسے فکروں پر بوجھ نہیں بننے دیتی۔ علامہ نامی فرماتے ہیں:

- ۱- مانیم نخل سبز ریاض پیمبری احسان ماست بر ہمہ از سایہ گستری
- ۲- نخلے کہ اصل ثابت او ختم انبیا است فرعش گذشتہ است ازیں چرخ چنبیری
- ۳- آں ختم انبیا کہ بتول ست دخترش آرائش منصہ پاکیزہ گوہری
- ۴- آں دختر نبی کہ بود زوج اعلیٰ دریائے فیض، ساقی صہبائے کوثری
- ۵- فرزند اوست خاس آل عبا حسین ایش شش جہت زطلعت اویافت زیوری
- ۶- سجاد آں کہ آدم آل حسین بود ایزد نصیب دشمن او کرد ابتیری
- ۷- زید شہید مصحف اسرار اہل بیت پیدا است از مناقب او شان حیدری
- ۸- عیسیٰ کہ شد بہ موتم اشبال مشہر کردے شکار شیر زروئے دلاوری
- ۹- سید محمد آں کہ جہاں راز خلق او پیچیدہ دردماغ نسیم معطری
- ۱۰- سید علی کہ بر در عالم پناہ او کیواں ستادہ است بعنوان قنبری
- ۱۱- سید حسین شمسہ ایوان مکرمت روح الا میں کند بہ رواقش کبوتری
- ۱۲- سید علی عراقی کہ از فیض مقدمش خاک عراق یافتہ از عرش برتری
- ۱۳- سید حسن کہ اختر اوج سیادت است کسب سعادت از نظرش کرد مشتری
- ۱۴- سید علی کہ دشمن شوریدہ بخت را سازد کباب آتش خورشید محشری
- ۱۵- شادابی بہار گلستان خلق زید می کرد در تحفظ دلہا صنوبری
- ۱۶- سید عمر کہ سرور عالی مقام بود در بزم او ہمیشہ فلک گرم مجری
- ۱۷- زید سوم کہ خسرو اقلیم فقر بود کردے زروئے آئینہ دل سکندری
- ۱۸- یحییٰ کہ در ریاض صفات کمال او یک شہر چشم حیرتیاں کرد عبہری
- ۱۹- سید حسین منتخب دودہ شرف باشد چراغ انجمن افروز مہتری
- ۲۰- داؤد آنکہ دشمن فولاد جسم را چوں موم نرم ساخت زدست بہادری

۲۱- والا گہر ابو الفرح واسطی کہ شست
۲۲- سید ابو الفراس کہ ہنگام کارزار
۲۳- ثانی ابو الفرح کہ بہ آئین جد خویش
۲۴- سید حسین صاحب شمشیر خونچکاں
۲۵- سید علی کہ صارم خارا شکاف او
۲۶- جد کلاں محمد صغریٰ کہ تنگ او
۲۷- مفتوح گشت در زمن شاه انتش
۲۸- در سال شش صد و چہل و پنج فوت کرد
۲۹- شعبان روز چار دہم ضحہ شین
۳۰- باشد بہ بلگرام مزار مبارکش
۳۱- سید عمر فروغ جبین محمدی
۳۲- سید حسین از نظر التفات او
۳۳- سید نصیر آنکہ بمصد نام خود
۳۴- سید حسین کان سخا معدن صفا
۳۵- سالار از فروغ ضمیر منیر
۳۶- لطف اللہ آں کہ قطب سپہر ولایت است
۳۷- دادن کہ نام اوست خدا داد از پدر
۳۸- جد قبیلہ حضرت محمودیں پناہ
۳۹- عالی جناب سید نوح آنکہ عرف او
۴۰- سید حسین خلق مجسم کہ ذات او
۴۱- محمود در فضائل کسبی و موہبی
۴۲- عبد اللطیف آنکہ زابنائے روزگار
۴۳- احمد کہ صاحب قلم و سیف قاطع است
۴۴- عبد اللہ آں برادر عبد اللطیف کو
۴۵- عبد الجلیل از پس احمد منم کہ ہست

از آب ذوالفقار بسے نقش کافری
آمد ز دست او ہمہ کار غفغری
روز نبرد شیر نیتان صفدری
با قلب دشمنان گاہش کرد خجری
چوں ذوالفقار دم زدہ از فتح خیبری
بر بلگرام یافتہ فتح و مظفری
تاریخ آں ز لفظ ”خداداد“ بشری
آسود بر بساط معلّٰی عبقری
کرد از جہاں بہ ملک مقدس مسافری
بر مرقدش کنند ملائک مجاوری
او راست بر سپہر شرف شان اختری
میناز مردی کندو سنگ گوہری
بازمرہ ستم زدگاں کردیاوری
از گوہرش جمال شرف یافت زیوری
در یوزہ شعاع کند مہر خاوری
مردان راہ را بخدا کرد رہری
صاحب کر امتست تعریف مادری
کردند جن وانس بہ کمش مسخری
باشد پیارہ سرگلستان سروری
خورشید ساں مثال شدہ ذرہ پروری
ہمتائے او نہ زادہ زار حام غصری
ممتاز بودہ در عمل فیض گستری
بہرام و تیر بردارو کرد چاکری
احمد پسر گرفت ز لطف برادری
وصفہ زمن فصاحت سبحان و انوری

۴۶- آنجا کہ نغمہ نے کلکم شود بلند
۴۷- مقصود من تفنن طبع است ازخن
۴۸- دریائے موج خیز علوم کہ می کند
۴۹- ایزد مرابہ علم و عمل امتیاز داد
۵۰- باوصف ایں فضائل صوری و معنوی
۵۱- دریک ہزار و یک صد و یک کلک واسطی
(تأثر الکرام فارسی، ص ۲۶۹-۲۷۱ مطبع مفید عام آگرہ، ۱۹۱۰ء/ ۱۳۲۸ھ)

(ترجمہ)

- ۱- ہم گلستان محمدی کے سرسبز و شاداب درخت ہیں۔ ہمارا احسان سایہ کی مانند سب کو محیط ہے۔
- ۲- ایسے درخت جس کی مضبوط جڑ سیدنا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور جس کی مبارک شاخیں اس نیلگوں گول آسمان سے بھی پرے پھیلی ہوئی ہیں۔
- ۳- وہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم جن کی شاہزادی حضرت خاتون جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جن کا مبارک وجود نسلی طور پر بزم تقدس کی آبرو ہے۔
- ۴- ہمارے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مقدس شاہزادی کے شوہر مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو فیض کا دریا اور صہبائے کوثر کے ساتھی ہیں۔
- ۵- انہیں مولائے کائنات کے شاہزادے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو پنجتن پاک حضرات اہل بیت میں پانچویں ہیں اور جنہوں نے دریائے شہادت میں غوطہ لگایا ہے۔
- ۶- حضرت امام زین العابدین سجاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جینی سادات کے بابائے آدم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن کے دشمن کے حق میں تباہی مقدر کر رکھی ہے۔
- ۷- حضرت زید شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وجود حضرات اہل بیت کے خاندانی اسرار کا گنجینہ ہے۔ ان کے فضائل و مناقب سے شان حیدری ٹپکتی ہے۔
- ۸- حضرت سید عیسیٰ جو موم الاشبال کے لقب سے مشہور ہوئے، وہ اپنی فطری

- بہادری کی وجہ سے شیر کا شکار کرتے تھے۔
- ۹- حضرت سید محمد جن کے پاکیزہ اخلاق کی خوشبو سے ایک جہان کا دماغ معطر تھا۔
- ۱۰- حضرت سید علی جن کے عالم پناہ آستانے پر ستارہ زحل دست بستہ غلام ماندہ حاضر رہتا ہے۔
- ۱۱- حضرت سید حسین جو ایوان عظمت و کرامت کے سرمایہ افتخار رکھیں جس کے بالائی حصہ پر حضرت جبریل روح الامین پیغام رسانی کے فرائض انجام دیتے ہیں۔
- ۱۲- حضرت سید علی عراقی جن کے قدم مہمنت لزوم کے فیضان سے سرزمین عراق کو عرش پر فضیلت حاصل ہوئی۔
- ۱۳- حضرت سید حسن جو بام سیادت کا روشن ستارہ ہیں، جن کی نگاہ کرم سے مشتری ستارے نے سعادتیں حاصل کی ہیں۔
- ۱۴- حضرت سید علی جو بد نصیب دشمن کو محشر جیسے تپتے ہوئے سورج کی آتش حسد میں جلا کر کباب بنا دیتے ہیں۔
- ۱۵- گلستان انسانیت کے موسم بہار کی شادابی کا نام حضرت سید زید دوم زید ہے، جو دلوں کی حفاظت میں صنوبری کا کردار ادا کرتے ہیں۔
- ۱۶- حضرت سید عمر عالی مرتبت سردار تھے جن کی بزم میں فلک اپنی انگلیٹھی ہمیشہ گرم رکھتا تھا یعنی فتوحات کا دور قائم تھا۔
- ۱۷- حضرت سید زید سوم مملکت فقر کے تاجدار تھے جنہوں نے اپنے شفاف دل کے ذریعہ دلوں پر حکومت کی۔
- ۱۸- حضرت سید یحییٰ جن کی باکمال صفات کے باغ میں پورا شہر محو حیرت کھڑا ہے، مارے حیرت کے ان کی آنکھیں زرد زکسی ہو چکی ہیں۔
- ۱۹- حضرت سید حسین خاندان شرف کا انتخاب تھے۔ آپ کا وجود سب سے زیادہ روشن اور ممتاز چراغ تھا جو انجمن میں اجالا کر دیا کرتا تھا۔
- ۲۰- حضرت داؤد نولادی جسم رکھنے والے دشمن کو بھی اپنے بہادر ہاتھوں سے موم کی طرح نرم کر دیا کرتے تھے۔
- ۲۱- عظیم المرتبت حضرت سید ابوالفرح واسطی نے اپنی شمشیر آبدار سیف ذوالفقار کے

- ذریعہ ایک جہاں سے کفر و شرک کے نقوش مٹا دیئے۔
- ۲۲- حضرت سید ابوالفراس میدان کارزار میں شیرانہ حملہ کیا کرتے تھے۔
- ۲۳- حضرت سید ابوالفرح ثانی اپنے جد کریم کی روایت کے مطابق میدان میں صغیر وصف شکن شیر کی طرح ثابت قدم رہتے۔
- ۲۴- حضرت سید حسین جن کی تلوار ہمیشہ دشمنوں کے خون سے تر رہا کرتی تھی۔ ان کی نگاہ بھی دشمنوں کے دل میں خنجر کی طرح چھتی تھی۔
- ۲۵- حضرت سید علی جن کی خارشاگاف تلوار سیف ذوالفقار کی مانند تیز اور کاٹ دار حملہ کیا کرتی تھی۔
- ۲۶- ہمارے جد علی سید محمد صغریٰ جنہوں نے بزور شمشیر بلگرام فتح کیا۔
- ۲۷- یہ سرزمین سلطان شمس الدین اتمش کے زمانے میں فتح ہوئی، اس کی تاریخ فتح، لفظ ”خداداد“ (۶۲۴) سے برآمد ہوتی ہے۔
- ۲۸- حضرت سید محمد صغریٰ قدس سرہ نے ۶۲۵ھ میں وفات پائی اور جنت کے اعلیٰ تخت پر آرام فرما ہوئے۔
- ۲۹- جب آپ نے مملکت قدس (آخرت) کا سفر اختیار فرمایا تو پیر کا دن تھا، دوپہر کا وقت تھا اور شعبان المعظم کی چودہ تاریخ تھی۔
- ۳۰- آپ کا مزار مبارک بلگرام شریف میں ہے۔ فرشتے آپ کے مقدس مرقد کی مجاوری کیا کرتے ہیں۔
- ۳۱- حضرت سید محمد عمر محمدی پیشانی کی تابش ہیں جنہیں فلک شرف و کمال پرستاروں کی سی شان نصیب ہوئی ہے۔
- ۳۲- حضرت سید حسین جن کی نگاہ کرم مینا کو زمرہ اور پتھر کو گوہر کی آب و تاب عطا کر دیتی ہے۔
- ۳۳- حضرت سید نصیر جو اپنے مبارک نام کی معنویت کے اعتبار سے مظلومین کی مدد کرتے آئے۔
- ۳۴- حضرت سید حسین سخاوت کی کان اور صدق و صفا کا سرچشمہ ہیں۔ آپ کی کان کے نکلے ہوئے موتیوں کے زیور سے تو شرف و کمال کو خوبصورتی

- نصیب ہوتی ہے۔
- ۳۵- حضرت سید سالار جن کے روشن ضمیر کی آب و تاب سے آفتاب روشنی کی خیرات مانگتا ہے۔
- ۳۶- حضرت سید لطف اللہ آسمان و لاہوت کا ستارہ قطب ہیں جنہوں نے راہ سلوک کے جوانمردوں کی بارگاہ الہی کی جانب رہنمائی فرمائی ہے۔
- ۳۷- حضرت سید دادن جن کا خاندانی نام سید خداداد ہے (عرف میں انہیں سید دادن کہتے ہیں) وہ مادر زاد صاحب کرامت بزرگ ہیں۔
- ۳۸- حضرت سید محمود جو سادات قبیلہ بھٹنا کے جد اعلیٰ ہیں، ان کی ذات دین کی پناہ گاہ ہے۔ جن و انس دونوں آپ کے حکم کے باندھے ہوئے ہیں۔
- ۳۹- عالی جناب حضرت سید نوح جن کی عرفیت سید پیارہ ہے۔ وہ گلستان سروری کے سروخرا ماں ہیں۔
- ۴۰- سراپا اخلاق حضرت سید حسین، جن کی ذات گرامی ذرہ پروری میں آفتاب جیسی شہرت رکھتی ہے۔
- ۴۱- حضرت سید محمود، خداداد اور خود سے حاصل کئے ہوئے فضائل و کمالات میں ایسے بے مثل ہیں کہ آج تک کسی ماں نے ویسی اولاد نہیں پیدا کی۔
- ۴۲- حضرت سید عبداللطیف اپنی فیض مآبی میں سارے ہمسروں سے ممتاز تھے۔
- ۴۳- حضرت سید احمد صاحب قلم بھی تھے اور صاحب سیف بھی۔ بہرام اور تیر دونوں ان کے در کی چاکری کرتے ہیں۔
- ۴۴- حضرت سید عبداللطیف کے بھائی حضرت سید عبداللہ ہیں جنہوں نے حضرت سید احمد کو ازراہ محبت و کرم اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔
- ۴۵- میں حضرت سید احمد کا صاحبزادہ سید عبدالجلیل ہوں۔ عرب کے سبحان بن وائل اور ایران کے انوری شاعر کی فصاحت میرے اوصاف کا ایک حصہ ہے۔
- ۴۶- جب میرے چوٹی قلم سے علم فن کا نغمہ بلند ہوتا ہے تو مثنوی اور سحر تری جیسے ماسیہ ناز عربی شاعر بھی میری محفل نغمہ طراز میں سر خمیدہ حاضر ہوتے ہیں۔

- ۴۷- مشق سخن سے بس تفنن طبع مقصود ہوتا ہے، ورنہ شاعری میرے مزاج اور رتبہ سے میل نہیں کھاتی۔
- ۴۸- میرے علوم کا دریار ہمہ دم ایسا موجزن رہتا ہے کہ زخشری مجھے کائنات علم و فن کا ”جوہر اول“ کہہ کر پکارتا ہے۔
- ۴۹- اللہ تعالیٰ نے مجھے علم و عمل کے ممتاز مراتب عطا کئے ہیں اور دنیاوی مال و دولت دے کر بھی میری شان بلند فرمائی۔ فالحمد للہ۔
- ۵۰- ان تمام خداداد ظاہری اور باطنی فضائل و کمالات حاصل ہونے کے باوجود اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھتا ہوں۔
- ۵۱- ۱۰۰۱ھ میں عبدالجلیل واسطی کے قلم نے شاعری کے سمندر کی یہ موتیاں بکھیری ہیں۔

منظوم شجرہ قادریہ برکاتیہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ

یا الہی رحم فرما مصطفیٰ کے واسطے
مشکلیں حل کر شہ مشکل کشا کے واسطے
سید سجاد کے صدقے میں ساجد رکھ مجھے
صدق صادق کا تصدق صادق الاسلام کر
بہر معروف و سری معروف دے بے خود سری
بہر شبلی شیر حق دنیا کے کتوں سے بچا
بوالفرح کا صدقہ کر غم کو فرح دے حسن وسعد
قادری کر قادری رکھ قادریوں میں اٹھا
احسن اللہ لہ رزقا سے دے رزق حسن
نصرانی صالح کا صدقہ صالح و منصور رکھ
طور عرفان و علو و حمد و حسنی و بہا
بہر ابراہیم مجھ پر نار غم گلزار کر
خانہ دل کو ضیا دے روئے ایمان کو جمال
دے محمد کے لئے روزی کر احمد کے لئے

یا رسول اللہ کرم کیجئے خدا کے واسطے
کربلائیں رد شہید کربلا کے واسطے
علم حق دے باقر علم ہدیٰ کے واسطے
بے غضب راضی ہو کاظم اور رضا کے واسطے
جند حق میں گن جنید با صفا کے واسطے
ایک کا رکھ عبد واحد بے ریا کے واسطے
بو الحسن اور بو سعید سعدزا کے واسطے
قدر عبد القادر قدرت نما کے واسطے
بندہ رزاق تاج الاصفیا کے واسطے
دے حیات دیں محی جانفزا کے واسطے
دے علی موسیٰ حسن احمد بہا کے واسطے
بھیک دے داتا بھکاری بادشاہ کے واسطے
شہ ضیا مولیٰ جمال الاولیا کے واسطے
خوان فضل اللہ سے حصہ گدا کے واسطے

دین و دنیا کے مجھے برکات دے برکات سے
حب اہل بیت دے آل محمد کے لئے
دل کو اچھا تن کو ستھرا جان کو پر نور کر
دل کو اچھا تن کو ستھرا جان کو پر نور کر
دو جہاں میں خادم آل رسول اللہ رکھ
نور ایمان نور عرفان نور قبر و حشر دے
مجھ کو اولاد رسول پاک کا رکھنا غلام
نام نامی جن کا ہے حضرت غلام محی دیں
قول و فعل و حال سب میں مجھ کو تو سچا ہی رکھ
میری قسمت کی برائی نیکی سے کر دے بدل
حب اولاد رسول پاک دے دل میں رچا
یا خدا بہر جناب مصطفیٰ حیدر حسن
صدقہ ان اعیان کا دے چھ عین عز علم و عمل

عشق حق دے عشقی عشق انتہا کے واسطے
کر شہید عشق حمزہ پیشوا کے واسطے
اچھے پیارے شمس دیں بدر العلوی کے واسطے
ستھرے پیارے نور حق شمس الضحیٰ کے واسطے
حضرت آل رسول مقتدا کے واسطے
بو الحسین احمد نوری لقا کے واسطے
شاہ اولاد رسول با ضیا کے واسطے
بخش دے مجھ کو تو ان کے اتقا کے واسطے
شہ محمد صادق مرد خدا کے واسطے
حضرت بو القاسم خیر و ہدیٰ کے واسطے
شاہ اولاد رسول رہنما کے واسطے
حسن و صفوت کر عطا ان کے گدا کے واسطے
عفو و عرفان عافیت اس بے نوا کے واسطے

گہوارۃ اکابر مارہرہ : بلگرام شریف

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

آج کی نشست میں ہم بلگرام کے بزرگوں پر بات کرتے ہیں۔ کوئی اور بستی نہیں ، بلگرام ہے یہ۔ یہاں کی زمین سونے اگلتی ہے ، آسمان لالہ و گل کھلاتا ہے۔ یہاں کی فضائیں اور بہاریں مشام جاں کو معطر کرتی ہیں۔ جی یہ بلگرام ہے۔ جس کی خاک کے پردے سے ایک سے ایک نامور علماء صوفیاء مشائخ، شعراء عمائد اور امراء اٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے اکناف عالم کے آفاق پر چھا گئے۔ جی یہ بلگرام ہے جس کے بارے میں میر سید عبدالجلیل مارہروی متوفی ۱۷۲۵ء لکھتے ہیں:

سبحان اللہ چہ بلگرامے کوثر مئے آفتاب جامے
خاکش گل نوبہار عشق است آبش مئے بے خمار عشق است
از عشق سرشت ایزد پاک از روز ازل خمیر این خاک
ہر گل کہ دمیدہ است زیں خاک خونی جگریت پیرہن چاک
اور یہی میر سید عبدالجلیل مارہروی کے فرزند رشید میر سید محمد شاعر مدح بلگرام میں یوں رقم طراز ہیں:

سیر باید کرد یاران نوبہار بلگرام
ہر نفس عطر گلستان یمن بومی کند
اہل معنی کسب انوار سعادت می کنند
یاد ہندوستان کجا از خاطر طوطی رود
برزمرد ناز دارد سبزہ زار بلگرام
خوش دماغان از نسیم مشکبار بلگرام
از سواد اعظم دولت مدار بلگرام
می کند شاعر بجا وصف دیار بلگرام



بلگرام شریف

گہوارۃ اکابر مارہرہ مطہرہ

جی یہ بلگرام ہے، امام احمد رضا قدس سرہ متوفی ۱۹۲۱ء بلگرام شریف کی زمین پاک کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

اللہ عز و شان واحترام بلگرام
روز عرس آوارگان دشت غربت کیلئے
آسمان عینک لگا کر مہرومہ کی دیکھ لے
تھا بما استحسبت بلدہ کا پاخ باکرام
یادگار اب تک ہیں اس گل کی بہار فیض کے
لائی ہے اس آفتاب دیں کی تحویل جلیل
عبد واحد کے سبب جنت ہے نام بلگرام
من وسلوی ہیں مگر خمیز و ادام بلگرام
جلوہ انوار حق ہے صبح و شام بلگرام
مرکز دین میں ٹھہرا یہ نام بلگرام
خندہ ہائے گل رخاں و لالہ فام بلگرام
ساغر مارہرہ میں صہبائے جام بلگرام

تعارف:

بلگرام شریف ایک قصبہ ہے، جو ہردوئی ضلع میں ہے، ہردوئی ضلع یوپی میں واقع ہے، جس کی شہرت چہار دانگ عالم میں دینی، روحانی، علمی، ادبی، تاریخی، جغرافیائی اعتبار سے ہے۔ ساتویں صدی سے قبل بھلے یہ خطہ نور اسلام سے خالی رہا ہو لیکن اس کے بعد بلگرام کی سرزمین روحانی تزکیہ و تصفیہ کا مرکز اور شعر و ادب اور علم و مذہب کا گہوارہ بن گئی۔ دعوت دین حق اور اقامت دین مبین کا بلگرام ایسا سرچشمہ ہے جہاں سالکان طریقت اور شائقان علم کشاں کشاں آتے رہے ہیں اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق اپنی اپنی پیاس بجھاتے رہے ہیں۔ ساتویں صدی سے لے کر اب تک علم و عرفان کے حوالے سے بلگرام شریف کو علمی و روحانی، راجدھانی ہونے کا شرف حاصل ہے۔

محل وقوع:

اتر پردیش گورنمنٹ گزیٹئر کے مطابق بلگرام شریف ضلع ہردوئی کی ایک تحصیل کا صدر مقام ہے جس کے نیچے دریائے گنگا بہتا ہے۔ ضلع ہردوئی سے تقریباً جنوب مغرب میں واقع ہے، اس کا عرض البلد شمالی ۲۷.۱۱ درجہ ہے اور طول البلد شرقی ۸۰.۲ درجہ ہے۔

بلگرام کی وجہ تسمیہ: حضرت احسن العلماء کے عالی مرتبت شہزادہ گرامی حضرت سید محمد اشرف قادری بلگرام کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے تاج العلماء کے حوالے سے اپنی کتاب یاد احسن میں لکھتے ہیں:

بلگرام ہندوستان کی صوبہ اودھ کا مشہور و معروف مردم خیز قصبہ ہے۔ آج کل ضلع ہردوئی کے توابع میں ہے۔ اس کا طول البلد ۱۱۶ درجے، اور ۱۵ دقیقہ، اور عرض البلد ۲۶ درجے ۵۵ دقیقہ ہے۔ سمت قبلہ ۵۵ دقیقہ مغرب سے شمال کی جانب مسافت بلگرام اور مکہ مکرمہ کے درمیان ۳۵ درجے ۵۳ دقیقہ اور فرسخوں کے اعتبار سے فاصلہ بلگرام اور بلد الحرام کے درمیان سات سو اسی فرسخ ہے۔ اس کا نام پہلے وہاں کے راجہ کے نام پر سری نگر تھا، حضرت شاہ حمزہ صاحب ”فص الکلمات“ میں لکھتے ہیں کہ اس وقت تک بھی یہ نام عوام اور ہندوؤں کی زبان پر جاری تھا۔ حضرت جدی صاحب البرکات قدس سرہ نے بھی اپنے ہندی دوہے میں فرمایا:

ہم با سے سری نگر کے، آئے بسے سب چھوڑ مارہرہ سے نگرموں جہاں ساہ نہیں چور
ہم پورب کے پوریا جات نہ بوجھے کوئے جات پات سو بوجھے جو دھر پورب کا ہوئے
ہمارے حضرت جد علی سید محمد صغریٰ نے فتح بلگرام کو مرکز دائرہ اسلام بنا کر اس کا نام سری نگر سے بدل کر بلگرام رکھ دیا (فص ماثر) اور پھر یہی مشہور ہو گیا، یہاں تک کہ اب کوئی سری نگر نہیں کہتا۔

فقیر (تاج العلماء سید اولاد رسول محمد میاں قادری) کہتا ہے شاید اس نام سے موسوم اس لئے کیا گیا ہے کہ بعد کے لوگوں کو یہ نام شوکت و قوت اسلام کی یاد دلاتا رہے۔ یہ بتاتا رہے کہ وہ مقام جو ”بیل“ ایسے دیو لین کا ”گرام“ شہر و جائے قیام تھا آج بفضلہ تعالیٰ و بحولہ و قوتہ جل جلالہ نزہت کدہ شعائر اسلام ہے۔ اس لئے کہ یہ نام مرکب ہے دو لفظوں سے ایک بیل، دوسرا گرام بمعنی مقام و شہر آبادی۔ اور بیل ایک دیولعون کا نام تھا جسے اس زمانے کے جوگی اور ساحر جو بلاگم میں بہت رہتے تھے، کو ہستان کشمیر سے پوجا پاٹ اور جادو کے ذریعہ سے تسخیر کر کے اپنی مدد اور اعانت کے لئے یہاں لائے اور اسے یہاں رکھا تھا۔ یہ شیطان لعین ایسا زبردست تھا کہ دور دور تک اپنے مخالف کو نہ رہنے دیتا اور سوائے اپنی پوجا کے کسی کی پوجا نہ ہونے دیتا۔ اگر کوئی اسے نہ پوجتا تو اسے آزار و اذیت پہنچاتا۔

حضرت سید محمد صغریٰ اور فتح بلگرام:

حضرت خواجہ عماد الدین بلگرامی قدس سرہ نے حضرت سید محمد صغریٰ کے بلگرام فتح

کرنے سے چند سال پہلے اپنے قوت باطنی اور زور روحانی سے باحول و قوت الہی اس دیو لعین کو خاک کر ڈالا۔ جب یہ خبر راجہ بلگرام کو پہنچی، اس نے چاہا کہ حضرت خواجہ پرفوج کشی کرے۔ اس کے مشیروں نے سمجھایا کہ ہم نے اپنی پوتھیوں میں دیکھا ہے کہ ایک زمانہ میں اس سرزمین پر مسلمان چھا جائیں گے اور جوان سے مقابلہ کرے گا، وہ بجز ذلت و ناکامی اور کچھ نتیجہ نہ پائے گا لہذا ان درویش سے تعارض نہ کرنا چاہئے جو ایسے زبردست ہیں کہ جس بیل دیو ملعون کے بل بوتے پر ہم کو دتے تھے اسے انہوں نے ایک دم میں نابود کر ڈالا، کہ تیری کیا طاقت ہے جو ان سے مقابلہ کر سکے گا۔ آخر راجہ نے فوج کشی سے باز آ کر ایک جوگی کو جو سحر سحر میں طاق تھا، حضرت کے مقابلے میں بھیجا۔ حضرت کے سامنے اس نے کچھ سحر کے شعبدے دکھائے، جنہیں حضرت نے بحول و قوت الہی دفع کر دیا آخر وہ جوگی مشرف باسلام ہو کر راجہ کے پاس واپس گیا اور اپنے سحر کی بے اثری اور حضرت کے زور باطن اور دین اسلام کی بزرگی و قوت بیان کر کے راجہ کو دعوت اسلام دی۔ اس سے راجہ غصہ ہو کر بولا تو پرانا رفیق ہے ورنہ میں تجھے مروا ڈالتا۔ اس نے کہا تیری کیا طاقت ہے جو مجھے مروا ڈالے۔ میں نے ایسے برگزیدہ حق کا ہاتھ پکڑا ہے کہ تیرے ایسے ہزاروں اس کے سامنے خس برابر ہے۔ اور وہاں سے آ کر حضرت خواجہ صاحب سے اس راجہ مغرور کے تعصب کفر کا حال بیان کر کے اس کے قلع قمع کے لئے عرض کیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا اس بیل دیو لعین کو مار ڈالا تو فقیر کے ہاتھ سے مقدر تھا جو واقع ہوا اور اس کا فر راجہ کا استحصال بھی کچھ دشوار نہیں مگر تقدیر الہی میں یوں جاری ہو چکا ہے کہ ولایت سے ایک سید مسلمانان اہل عرب کی فوج کے ساتھ آ کر راہ حق میں جہاد کرے گا اور ان کافروں کو ان کے مقر اصلی جہنم میں پہنچائے گا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد حضرت سید محمد صغریٰ نے آ کر بلگرام فتح فرمایا اور اسے اسلام آباد کر دیا۔ یہی وہ بلگرام شریف ہے جہاں سے بڑے بڑے اکابر اولیاء علماء و فضلاء اٹھے اور آفاق عالم میں علم و فضل کے بادل بن کر چھا گئے۔

یہ واقعہ سلطان شمس الدین اتش کے عہد میں واقع ہوا۔ حضرت سید محمد صغریٰ مشہور بزرگ حضرت ابو الفتح واسطی کی نسل سے تھے۔ اس عسکری فتح نے بلگرام کو ہمیشہ کے لئے زیدی واسطی سادات کی علمی و روحانی فتوحات کا مرکز بنا دیا۔ سید محمد صغریٰ کے دور میں علم و فن کا جو سورج وہاں سے طلوع ہوا تھا، دور اکبری آتے آتے وہ سورج نصف النہار تک

پہنچ گیا جو انگریزوں کے عہد تک برقرار رہا۔

آب و ہوا: ذہن سازی اور افراد سازی میں آب و ہوا کا بڑا دخل ہے۔ بلگرام جو صوبہ اودھ میں واقع ہے وہاں کی فضا انتہائی خوشگوار اور صحت افزا ہے۔ بلگرام کے آس پاس کئی ندیاں بھی بہتی ہیں، ان ندیوں کے علاوہ دریائے گنگا اور بہت سی جھیلیں یہاں کی خوشگواہی میں اضافہ کرتی ہیں۔

ڈاکٹر علامہ ساحل شہسرامی (علیگ) نے اپنی زیر طبع کتاب ”دائرہ قادریہ۔ بلگرام شریف“ میں بلگرام کی مردم خیزی کا بہت اچھے انداز میں تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: حضرت فاتح بلگرام سید محمد صغریٰ قدس سرہ فرشتہ شیوخ اور ترکمانوں کی دہلوی فوج کے ساتھ سری نگر (بلگرام) تشریف لائے ۶۱۴ھ یہاں کے سرکش ہندو راجہ کوزیر کیا اور پھر اپنے معاونین کے ساتھ یہیں طرح اقامت ڈالی، چنانچہ آج بھی فرشتہ شیوخ اور ترکمانی فوجیوں کی نسلیں بلگرام شریف میں موجود ہیں۔

فاتح بلگرام حضرت سید محمد صغریٰ قدس سرہ کے دم قدم سے یہ ویرانہ کمفر، گلشن اسلام میں تبدیل ہو گیا اور پھر تو دین و سنیت، زہد و تقویٰ اور علم و فضل کی وہ باد بہاری چلی کہ یہ خطر رشک ہندوستان بن گیا یہاں پر علم و فضل اور زہد و اتقا کے ایسے آفتاب و ماہتاب طلوع ہوئے کہ ایک عالم میں اجالا کر ڈالا۔ علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی رقم طراز ہیں۔

صوبہ بہار اودھ میں محروسہ بلگرام زمانہ قدیم سے فضلاء کرام اور علمائے عظام کی جائے نشوونما رہا ہے اور بے شمار دانشور اس شہر سے اٹھے، افادہ و استفادہ کی انجمن بہترین انداز سے سجائی (مآثر الکرام، ص ۳۳۳)۔ تاریخ بلگرام میں سادات بلگرام کی عظمت کا اعتراف عالمگیر اور نگ زیب کے ان لفظوں میں درج ہے: سادات بلگرام ذوی الاحترام چوب مسجد و ورق مصحف ناطق، نہ قابل سوختن، نہ لائق فروختن (تاریخ بلگرام، ص ۷) معزز سادات بلگرام چوب مسجد اور مصحف قرآنی کے ورق کی طرح محترم ہیں کہ نہ چوب مسجد اور مصحف کے ورق کو ضائع کیا جاسکتا ہے، نہ فروخت کیا جاسکتا ہے۔ انہیں بہر طور سینے سے لگا کر رکھنا ہے۔

ذرا ایک نگاہ اٹھائیے اور دیکھئے کہ کیسے کیسے لعل و جواہر اس معدن فضل و کرامت سے نمودار ہوئے۔ یہ حضرت سید محمود اکبر ہیں جو علم الاسماء زور علم تکسیر سے امام اور مرتبہ

ابدالیت پر فائز ہیں۔ یہ حضرت عبدالواحد بلگرامی ہیں جو دسویں صدی کے مجدد ہیں اور جن کی سبع سنابل شریف بارگاہ رسالت میں قبولیت کی سند رکھتی ہے، جن کے صاحب زادگان میں حضرت عبدالجلیل چشتی بلگرامی ثم مارہروی ہیں جن کے جذب و عشق اور باطنی تصرفات کے سامنے اجتہاد سرختم ہیں، جن کے دوسرے صاحبزادے حضرت میر سید طیب کے بارے میں سید العارفین شاہ لدھا کے والد ماجد سید کرم اللہ فرمایا کرتے۔ اگر کوئی شخص روئے زمین پر فرشتہ دیکھنا چاہے تو وہ میرے سید طیب کا مشاہدہ کر لے اور صاحب مرآۃ المبتدئین جو میر سید طیب کے ہم عصر ہیں، لکھتے ہیں، قطبیت، ابدالیت، غوثیت، اوداویت اور جو فضائل بھی کہے جاسکتے ہیں، سب ان (میر طیب) کی ذات میں موجود ہیں۔ یہ سید العارفین میر لطف اللہ شاہ لدھا ہیں جن کے بارے میں مرشد گرامی پر سید احمد ترمذی کالپوری کے صاحبزادے میر شاہ فضل اللہ کالپوری نے فرمایا: سید احمد کے میخانے کی شراب خالص تو شاہ لدھا نے پی لی اور دوسروں نے تلچھٹ چکھی ہے۔ یہ سید نور اللہ برادر اصغر شاہ لدھا ہیں جو خدا دوست اور دنیا دشمن تھے آپ کی پوری پوری رات سجدے میں گزر جاتی، ایک مرتبہ وضو کرتے وقت جھکے پھر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ تین دن تک رکوع کی حالت میں رہ گئے۔ یہ سلطان العاشقین حضرت صاحب البرکات سید شاہ برکت اللہ ہیں جو علامہ آزاد کے لفظوں ایسے شاہباز ہیں جن کا آشیانہ سدرۃ المنتہی ہے، ایسے بے مثل شہسوار ہیں جن کا میدان بلند آسمان ہے۔ جن کی علمی اور روحانی عظمتوں کا سارا زمانہ معترف ہے اور جن کے سوز عشق نے فارسی شاعری اور ہندی دوہوں میں وہ پیغام اسلام عام فرمایا۔ آپ ہی کے صاحبزادے سید شاہ آل محمد ہیں جن کے بے مثل مجاہد کی وسعت کے سامنے صحرا کی وسعتیں سمٹ گئی تھیں، یہ سید محبت اللہ بلگرامی ہیں جن کی جلوۂ سرمدی میں فنایت اس درجہ بھی کہ خود فرماتے: جس وقت میں کلمہ لا الہ اللہ کا ورد کرتا ہوں، اس وقت کوئی بھی چیز میری نگاہ سے سامنے نہیں رہتی اور جب الا اللہ کہتا ہوں ساری اشیاء موجود ہو جاتی ہیں۔ یہ برہان العارفین شاہ رحمت اللہ ہیں جو حسن ازل کے ایسے شیفتہ تھے کہ مظاہر قدرت کی رنگینیاں آپ کو جلوۂ محبوب کی یاد لاتی ہیں۔ مرتبہ ابدالیت پر فائز تھے۔ بلاؤں اور ایذا رسائیوں پر حد درجہ صابر بلکہ مسرور، گویا فیض ایوبی سے خاص حصہ پایا تھا۔ یہ بانی دائرہ قادریہ صاحب العرفان سید محمد قادری ہیں جن کے علمی اور روحانی عظمتوں کے سامنے بڑے بڑوں کی پیشانیاں خم ہیں، جن کے

تصرفات کا ایک مسلسل کارواں ہے جن کا مشاہدہ ایک زمانہ کرتا ہے۔ آپ ہی کے پوتے ہیں شہرہ آفاق محدث، ادیب اور محقق حضرت علامہ سید مرتضیٰ حسن زبیدی ہیں جن کی علمی جلالت کو عالم عرب سلام کرتا ہے۔ یہ سید تاج الدین حجرہ نشین ہیں جن کے فقر و جذب الہی نے دنیا سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا۔ یہ حضرت میر سید اسماعیل بلگرامی مولوی جنہیں خود مولائے کائنات نے عالم خواب میں تشریف لاکر شرف بیعت سے سرفراز فرمایا۔ یہ میر سید مبارک محدث ہیں، جنہیں خدمت علم حدیث کے اعزاز میں قطب الحدیث کے لقب سے یاد کیا گیا۔ یہ حضرت میر طفیل محمد اترولی ثم بلگرامی ہیں جن کے علمی فیضان سے سارے زیدی سادات بلگرام فیض یاب ہوئے۔ علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی خود آپ کے شاگرد اور بے حد مداح نظر آتے ہیں۔ یہ قاضی الہ داد بلگرامی ہیں جن کو علامہ آزاد نے اپنے زمانہ کا امام ابو یوسف بتایا ہے۔ یہ علامہ عبدالجلیل نامی بلگرامی ہیں جن کے بارے میں علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے تاثرات یہ ہیں۔ زمانے کی نگاہوں نے اس جامعیت کے صاحب کمال بہت کم ہی دیکھے ہوں گے۔ بلگرام کا نام وجود فائض الوجود کی برکتوں سے شہرہ آفاق ہو گیا..... سید علی معصوم مدنی مصنف ”سلافتہ العصر“ فرماتے تھے۔ میں نے اپنی عمر میں میر عبدالجلیل جیسا جامع العلوم نہیں دیکھا۔ یہ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی ہیں جو عربی اور فارسی ادب کے دانائے راز ہیں۔ عربی زبان میں سترہ ہزار سے زائد اشعار کہے اور وہ بھی ایسے کہ جن کی نظیر معاصر عرب دنیا بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسلامی ہندوستانی کی ایک ہزار رسالہ تاریخ کھنگال ڈالنے، آپ کا ہم پلہ عربی داں دو چار ہی مل سکے گا۔

(دائرہ قادریہ بلگرام شریف - ڈاکٹر علامہ ساحل شہسرامی)

یہی بلگرام ہے جہاں سے صاحب سبع سنابل حضرت میر عبدالواحد شاہدی بلگرامی کے صاحبزادے سید الوالدین حضرت میر عبدالجلیل چشتی بلگرامی (م ۱۰۵۷ھ) جو گیارہویں صدی ہجری کے شروع میں مارہرہ شریف آئے۔ آپ ہی کے نبیرہ ہیں سلطان العاشقین صاحب البرکات سید شاہ برکت اللہ قادری عشقی مارہروی (م ۱۱۲۲ھ) جن کی نسل پاک سے گلشن برکات سدا بہار ہے۔ وقت کی تنگی اور مآخذ کی کمیابی کے سبب یہاں صرف چار اکابرین بلگرام کا تذکرہ پیش کرتا ہوں۔

۱- سندہ محققین حضرت میر عبدالواحد قادری چشتی بلگرامی (م ۱۰۷۱ھ) جو حضور

صاحب البرکات کے پردادا ہیں۔

۲- سید العارفین حضرت میر سید لطف اللہ قادری شاہ لدھا بکرامی (م ۱۱۴۳ھ) جو حضور البرکات کے مرشد تربیت ہیں۔

۳- حسان الہند حضرت علامہ میر سید غلام علی آزاد بکرامی (م ۱۲۰۰ھ) جو حضرت صاحب البرکات کے عزیز اور نیاز مند ہیں۔ آپ کے تاریخی قطعات حضور صاحب البرکات کے گنبد شریف میں موجود ہیں۔

۴- فخر ہندوستان خاتم المحدثین واللفوہین حضرت علامہ سید محمد تقی زبیدی بکرامی (م ۱۲۰۵ھ) جو پورے خاندان برکات اور سادات بکرام و مارہرہ کے لئے مائتہ افتخار ہیں۔

سند محققین میر عبد الواحد بکرامی قدس سرہ

آپ کا تعلق سادات بکرام سے ہے والد ماجد کا نام میر ابراہیم تھا دادا کا نام سید قطب الدین اور پردادا کا نام سید ماہر تھا، آپ کی پیدائش کے سن میں اختلاف ہے بعض جگہ ۹۱۲ھ اور بعض مورخوں نے ۹۱۵ھ لکھا ہے۔

مقام پیدائش قصبہ سائڈی ہے آپ کا خانوادہ کبھی سائڈی تو کبھی باڑی میں رہا، کچھ ایام آپ قنوج میں بھی رہے۔

تعلیم:

ظاہری تعلیم وہیں ہوئی ہوگی جہاں آپ کی ولادت ہوئی، آپ کی سیرت و سوانح سے پتہ چلتا ہے کہ علوم متدوالہ میں آپ نے کمال حاصل کر لیا تھا اور اپنے ہم عصر اصحاب علم و فضل میں نہایت ممتاز تھے۔ میر عبد الواحد بکرامی تھے تو شیخ صفی سائی پوری کے مرید مگر خصوصی فیض انہوں نے شیخ حسین ساکن سکندرہ سے پایا، شیخ صفی کے الطاف و عنایات کے علاوہ شیخ حسین سے بطور خاص تربیت پائی۔ قصہ یوں ہے کہ اوائل جوانی میں مخدوم شیخ صفی الدین سائی پوری کی خدمت میں رہے اور بیعت سے مشرف ہوئے شیخ کی خصوصی توجہ آپ پر رہتی تھی، یہ آپ کی عمر کا ۱۸ رواں سال تھا کہ شیخ صفی اس دنیا سے رحلت فرما گئے اس کے

بعد میر عبد الواحد بکرامی شیخ حسین سکندرہ کی خدمت سے منسلک ہو گئے جو شیخ صفی کے خلیفہ و مجاز تھے۔ شیخ حسین نے آپ کی جو تربیت کی وہ اپنی مثال آپ ہے، میر عبد الواحد بکرامی اپنی مشہور کتاب ”سبع سنابل“ میں تحریر فرماتے ہیں:

میں حضرت مخدوم شیخ صفی کا مرید اور مخدوم شیخ حسین کا خلیفہ ہوں حضرت مخدوم شیخ حسین کو میرے والد گرامی کے ساتھ انتہائی محبت والفت تھی۔ دونوں دو جسم ایک جان کی طرح تھے اور میرے والد محترم بھی شیخ صفی کے خلیفہ تھے۔ اسی وجہ سے میں نے مخدوم شیخ محمد حسین کی صحبت اختیار کی اور مخدوم شیخ حسین ہم پر فراوانی کے ساتھ اپنی عنایات و نوازشات کی بارش کرتے اور فرماتے:

یہ میرے دوست کا لڑکا ہے اور مجھے جامع خلافت سے بھی آراستہ کر لیا اگرچہ میں اس کا اہل نہیں تھا لیکن پھر بھی خدائے تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہوں کہ ایسے عظیم بزرگوں سے بیعت کا رشتہ رکھتا ہوں، شیخ عبد الواحد بکرامی فضائل و کمالات، مجاہدات و عبادات کے جامع ہیں، روشن اخلاق اور پسندیدہ اوصاف سے متصف تھے آپ کا مشرب عالی ہے، اس سے پہلے چند سالوں تک ہندی میں نقش باندھتے یعنی شاعری کرتے تھے اور پڑھتے پڑھتے وجد میں آجاتے۔ ان دنوں خود کو تمام تعلقات سے علیحدہ کر لیا تھا اور نزہۃ الارواح کی محققانہ شرح لکھی۔ ایسے ہی اصلاح صوفیہ میں بھی کئی رسالے لکھے، انہیں میں سے ”سبع سنابل“ بھی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی کئی اور بہترین تصانیف ہیں۔

حضرت میر عبد الواحد بکرامی تحصیل علوم میں نہایت بلند ہمت تھے، بعض مشکل مسائل ایسے سامنے آئے جس کے حل کے لئے انہوں نے دنیا کی سیر کا منصوبہ بنایا مگر وہ مرشد برحق شیخ صفی کی خاص توجہ سے حل ہو گئے مورخ بے نظیر میر غلام علی آزاد بکرامی لکھتے ہیں:

قطب ملک ولایت، مرکز دار ہدایت بود، صاحب آیات ظاہرہ کرامات باہرہ“ مشہور تذکرہ نویس حکیم عبدالحی (متوفی ۱۳۳۱ھ) میر عبد الواحد بکرامی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: احد العلماء المبرزین فی المعارف الالہیہ..... کان صاحب

الفضائل العلیۃ والکرامات الحلیۃ والاذواق الصحیحۃ والمواجید الصادقۃ“

میر سید محمد اپنی کتاب بصرة الناظرین میں رقم طراز ہیں:

درویش کامل، صاحب حال و فضیلت برکمال داشتند“

مولانا رحمن علی مؤلف تذکرہ علماء ہند لکھتے ہیں:

شیخ عبدالواحد بلگرامی شاہدی تخلص صاحب فضل و کمال و ریاضت و عبادات بود، اخلاق مرضیہ و صفات رضیہ داشت“

خانوادہ برکاتیہ بلگرام کے خاندانی مؤرخ تاج العلماء سید شاہ محمد میاں مارہروی یوں رقم طراز ہیں:

”علم صوری و معنوی میں فائق انام، مظہر اسرار الہی، منبع انوار منہائی، عالم، عامل، فاضل، کامل، صاحب آیات ظاہرہ، و کمالات باہر، خداوند مجاہدہ صغریٰ، و مشاہدہ معنوی، مدارج عرفان محبت و مرتبت، عشق و مودت، میں کامل المعیار اطوار مشیخت و بزرگی میں صاحب اعتبار علوم ظاہر و باطن میں یگانہ روزگار“

ملا عبد القادر مؤرخ نے میر عبدالواحد بلگرامی کو شیخ لکھا ہے نہ کہ میر، اس کی وجہ میر عبدالواحد کی عظمت و بزرگی ہے ان کا بلند پایہ ہے جیسا کہ لوگ سید عبدالقادر جیلانی کو شیخ عبدالقادر جیلانی کہتے ہیں۔ اسی طرح عبدالواحد بلگرامی کے والد بزرگوار کو ان کے شیخ طریقت صفی علیہ الرحمہ سے دولت خلافت حاصل تھی۔ اسی میر عبدالواحد بلگرامی کو شیخ حسین نے تمام سلاسل طریقت کی خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا تھا۔

میر عبدالواحد بلگرامی شریعت حقہ کے سخت پابند تھے اس بارے میں کسی کی بھی رو رعایت قطعاً روا نہیں رکھتے تھے باوجود اس کے ان کے مزاج میں جو تواضع و انکساری بغایت درجہ تھی وہ کہیں اور نظر نہیں آتی، خلافت و اجازت کا تمغہ انہیں ملا تو ضرور مگر انہوں نے پیری مریدی کو پیشہ بنانے سے ہمیشہ گریز کیا، البتہ مرشد گرامی کی تاکید شدید کے بعد سلسلہ طریقت کا اجرا فرمایا ان کے شیخ طریقت شیخ حسین نے اجرائے سلسلہ کے تعلق سے ان الفاظ میں تاکید فرمائی تھی:

”اے نیک بخت مرشدان عظام کا طالبان صادق کو اپنے سلسلہ بیعت میں داخل کرنے کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ ان کی نجات اپنے ذمے کر لیں بلکہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے دینی احباب بہت سے بنالیں تاکہ اس گروہ کثیر میں سے جو اللہ کے مقبول بندے نجات پانے والے ہوں ان کے طفیل ہم بھی نجات پا جائیں بس اس کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے“

ان تاکید کی الفاظ کے بعد میر عبدالواحد بلگرامی نے بیعت کا سلسلہ شروع کیا اور بندگان خدا کی اصلاح و تربیت فرمائی، تصوف و سلوک میں لوگوں کی رہنمائی فرمائی، شیخ بدرالدین سرہندی اپنی کتاب ”سفرات الاتقیاء“ میں تحریر فرماتے ہیں:

سید عبدالواحد بن ابراہیم عارف ربانی و محرم حریم سبحانی بود، صاحب کرامات و خوارق عادات، جامع علوم ظاہری و باطنی و اصل ایشان از سادات حسینی واسطی بلگرامی است، مذہب حنفی چشتی داشت و در حقائق و معارف مصنفات کثیرہ در سلک کشیدہ و در عہد خود بغایت معتقد فیہ طوائف انام بود و نواب مرتضیٰ خاں و نواب صدر جہاں خاں پہانی مریدوے بود“

میر عبدالواحد بلگرامی کی دو شادیاں ہوئیں اور چار بلند مرتبت شاہزادے اور دو صاحبزادیاں پیدا ہوئی، پہلی حرم سے میر عبد الجلیل مارہروی اور ایک لڑکی تھی، دوسری بیوی سے تین لڑکے اور ایک لڑکی تولد ہوئی۔ بقیہ تین لڑکوں کے اسماء یہ ہیں میر سید فیروز قدس سرہ، میر سید تکی قدس سرہ، میر سید طیب قدس سرہ۔ میر سید عبد الجلیل کی پیدائش ۲۰ رجب ۹۷۲ھ میں ہوئی اور وصال ۸ صفر ۱۰۵۷ھ میں ہوا، میر سید فیروز علیہ الرحمہ کا وصال ۵ محرم ۱۰۶۶ھ کو ہوا، میر سید تکی کی پیدائش ۹۸۵ھ میں ہوئی، میر سید طیب صاحب کی ولادت ۱۰ رجب الآخر ۹۸۶ھ میں ہوئی۔

میر عبدالواحد بلگرامی کے یہ چاروں صاحبزادے اپنے اپنے وقت کے افاضل تھے، جن کا تذکرہ سردست ممکن نہیں ہے۔ میر عبدالواحد بلگرامی نے جو عمر پائی وہ سو سال سے متجاوز ہے، وہ سکندر لودھی کے عہد میں پیدا ہوئے اور جہانگیر کے دور میں ان کا انتقال ہوا، اس طرح انہوں نے تقریباً نو دس بادشاہوں کا زمانہ پایا۔

- ۱- سکندر لودھی ۸۹۴ھ..... ۹۲۳ھ
- ۲- ابراہیم لودھی ۹۲۳ھ..... ۹۳۲ھ
- ۳- بابر ۹۳۳ھ..... ۹۳۷ھ
- ۴- ہمایوں ۹۳۷ھ..... ۹۶۳ھ
- ۵- اکبر ۹۶۳ھ..... ۱۰۱۴ھ
- ۶- جہانگیر ۱۰۱۴ھ..... ۱۰۳۷ھ

میر عبدالواحد بلگرامی کا شہرہ جب اکناف عالم میں ہوا تو اکبر بادشاہ بھی متاثر

ہوئے بنانہ رہ سکا، اور اپنے معتمد خاص کو بھیج کر بصد آرزو ملاقات کی درخواست کی جو پوری ہوئی، جب آپ دربار سلطانی میں پہنچے تو بادشاہ وقت نے نہایت شاہی اعزاز و اکرام سے استقبال کیا اور بلگرام کو پانچ سو بیگھہ زمین بطور نذر پیش کی۔ باوجود اس کے میر عبد الواحد بلگرامی باہمہ و بے ہمہ زندگی گزارتے ان کی تمام زندگی دعوت و اصلاح، رشد و ہدایت، تعلیم و تذکیر، تربیت باطن اور تصنیف و تالیف سے معنون تھی۔ ان کی سیرت کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ ان کی زندگی میں سیاسی سرگرمیوں کا سراغ نہیں ملتا مگر بادشاہ سے ملاقات کا جو ذکر ملتا ہے اس کا ذکر میر غلام علی آزاد نے بھی کیا ہے اور خاندانی تذکرہ نویس تاج العلماء محمد میاں مارہروی نے بھی ذرا تفصیل سے لکھا ہے، واقعہ یوں ہے کہ ایک روز اکبر بادشاہ کے سامنے قوال حضرت میر عبد الواحد بلگرامی کی یہ رباعی پڑھ رہے تھے۔

من مستم تو مستی مارا کہ بروخانہ من با تو نمی گفتم کہ خورد سہ پیانہ

صد بار ترا گفتم کز عشق بلا خیزد ہاں! اے دل دیوانہ ہشیار رشدی یا نہ

بادشاہ نے جب یہ رباعی سنی تو عالم وجد و رقت میں رونے لگے اور حاضر دربار سے پوچھا کہ اس رباعی کا مصنف کون ہے؟ تو نواب صدر جہاں پہانی نے جو حضرت میر عبد الواحد بلگرامی کے مرید خاص تھے نے عرض کیا کہ میرے پیر میر عبد الواحد بلگرامی اس کے مصنف ہیں۔ حضرت کی شہرت تو پہلے ہی سے تھی جب نواب صدر جہاں کی زبانی حضرت کے فضائل و کمالات معلوم ہوئے تو بادشاہ اکبر کو حضرت کی زیارت کا کمال درجہ شوق پیدا ہو گیا اور آرزو مند ہوا۔ نواب مذکورہ کی معرفت اپنے ایک معتمد سلطنت کو مع چند خدام کے تشریف لانے کی درخواست کی، آخر حضرت نے بھی بادشاہ کا اصرار تمام اور شوق مالا کلام دیکھ کر ملاقات کا قصد فرمایا، بروقت ملاقات بادشاہ نے بے حد تعظیم اور کمال احترام و تکریم سے استقبال کیا اور نہایت ادب سے اپنے نزدیک اپنے تخت پر حضرت کا اجلاس کرایا اور حضرت کے فیوض سے بہرہ اندوز ہوا۔ حضرت میر عبد الواحد بلگرامی کا وصال ۳ رمضان ۱۰۱۷ھ میں ہوا، اور اپنے وطن بلگرام میں مدفون ہوئے جہاں آپ کا مزار پر انوار فیض گاہ خلّاق ہے۔ مفتی محمد میاں قنوجی جو آپ کے مرید و دست گرفتہ تھے نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کہا ہے۔

سحر غنودم و دیدم کہ می سرود فلک گزیدہ نیل روا ماتمینہ بر قائم
ز سالکان رہ ارشاد کس بسربرد کہ شد بہ تہ فنا ہادی طریقت گم
موحدے کہ بسر وجود واحد بود بغار کشف چو صدیق بابی دوم
شکست باصرہ مردی اجل کو بود بفیض خانہ چشم وجود را مردم
ازیں ترا نہ برم آمد و بگفت خرد کہ اے لب تو موالید فیض راشدہ ام
ز سال فوت و شب وصل و روز عرس گو کہ می برم بر کرو بیاں چرخ نہم
برفت واحد صوری و معنوی گفتم ہزار و ہفتہ شب جمعہ ماہ صوم سوم

۱۰۱۷ھ

باقیات الصالحات:

اولاد ذکور و اناث کا ذکر بطور اجمال گذر چکا ہے، اب یہاں ان کے علمی آثار و باقیات کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے، تصوف آپ کا خاص میدان تھا ”سبع سنابل“ کے سوا جو دوسری بڑی مشہور کتاب ہے وہ ہے فن نحوی معروف کتاب کافی کی شرح۔ تصانیف یہ ہیں:

- ۱- شعری دیوان
- ۲- ساقی نامہ
- ۳- شرح گلشن راز
- ۴- شرح مصطلحات دیوان حافظ
- ۵- شرح الکافی فی التصوف (تالیف ۹۷۰ھ)
- ۶- حقائق بندی (تالیف ۹۷۲ھ)
- ۷- شرح نزہۃ الارواح (تالیف ۹۸۵ھ)
- ۸- شرح غوثیہ (تالیف ۹۸۷ھ)
- ۹- مکاتیب ثلاثہ
- ۱۰- حل شبہات
- ۱۱- مناظرہ انبہ و خرپزہ
- ۱۲- شرح معمرہ قصہ چہار برادر

۱۳- تفسیر مفیض الحجت

۱۴- مجموعہ اوراد

۱۵- سیح سناہل شریف (تالیف ۹۷۹ھ)

ساتی نامہ، شرح گلشن راز اور شرح مصطلحات دیوان حافظ کا تذکرہ محض کتابوں میں ملتا ہے، نئیوں کا مخطوطہ یا مطبوعہ ہونے کا پتہ کہیں اور نہیں ملتا، حتیٰ کہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ میں بھی یہ موجود نہیں۔ مابقہ کا تعارف یہ ہے:

۱- **شرح الکافیہ فی التصوف:** درس نظامی کی مشہور و متداول کتاب کافیہ ہے، جو عربی زبان میں نحو کی کتاب ہے، کافیہ کے مصنف جمال الدین ابو عمر عثمان ہیں جو ابن حاجب کے لقب سے معروف ہیں، مصنف کا زمانہ چھٹی ساتویں ہجری ہے۔ ۶۳۶ھ میں ان کا وصال ہے۔ یہ کتاب اپنے زمانہ تصنیف سے آج تک مدارس عربیہ میں داخل نصاب ہے۔ کافیہ کی درجنوں شرحیں لکھی گئی ہیں۔ سب سے مشہور ترین شرح ملا جامی کی شرح جامی ہے یہ بھی دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہے۔

میر عبد الواحد بلگرامی کا کمال یہ ہے کہ نحو کی کتاب اور اس کے مسائل کی تشریح خالص صوفیانہ رنگ میں کی ہے جس سے ان کے ظاہری و باطنی علوم میں جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اور یہ پہلا موقع ہے کہ کافیہ کی شرح ایسی لکھی گئی ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی نے اس شرح کو مجلہ جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے شمارہ اول ۱۹۶۳ء میں شائع کیا ہے، اور شرح پر تصحیح بھی ہے اور تقدیم لکھی ہے اور مصنف علام کی خدمت عالیہ و علیہ میں زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے، نقل عبارت طور بحث کا باعث ہے۔ کافیہ کی ایسی انوکھی منفرد شرح کیوں کر معرض وجود میں آئی تو قصہ یوں ہے۔ ان کے دو یاران باصفا تھے، ایک تھے زین الدین اور دوسرے تھے جمال الدین دونوں بہاء الدین کے بیٹے تھے جن کی فرمائش پر یہ نادر روزگار شرح ۹۷۰ھ میں قلم بند ہوئی۔

چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

گفت عبد الواحد ابراہیم بن قطب ایں کلام بندہ سادہ زسادات مقام بلگرام

آں دو یارانم جمال وزین دین ابن بہا داشتہ اخلاص با ایں منتہی بے منتہا
کوششے کردند چندانی کہ آمد واجہم گفتن شرح کلام شیخ ابن حاجم
من کہ معذورم مکن بر زشتی تو لم نگاہ خوبی لطف جمال و مین دارم عذر خواہ
کردش تاحد مرفوعات در نقصان تمام مرد معنی چون بلغوی یک گد داء و مر کرام
من تو انستم نبشتن سر بسر شرح کتاب بہر تسکین دو مخلص ایں قدر گفتم شتاب
پیش از ایں آں ہر دورا بر من تقاضائے نبود بے تقاضائے کساں گفتن سخن رائے نبود
از ہمہ دعویٰ مرا آزادہ و افتادہ ہیں سال تاریخ بخواہی نہصد و ہفتاد ہیں
خیط علم نحو رادر تصوف سفتہ ام پس بقدر فہم ازدے شک و شبہ رفتہ ام
ہر کہ ایں اعجب بہ من خواند و خوش آیدش یک دعا و فاتحہ خواندن پس از من بیدش
علامہ آزاد بلگرامی مآثر الکرام میں لکھا ہے کہ میر عبد الواحد بلگرامی کی پیروی میں دو اور اہل کمال نے اس نوع کی کوشش کی ہے اور کافیہ کی شرح معارف و حقائق کے بیان میں لکھی ہے اول تو میر ابو الوفا جو پوری ہیں جن کی شرح عربی زبان میں ہے۔ اور دوسرے بزرگ ملاحی الدین موہن بہاری ہیں جنہوں نے فارسی میں کافیہ کی صوفیانہ شرح لکھی ہے۔ میر ابو البقاء تو میر بلگرامی کے معاصر تھے البتہ ملا موہن بہاری ان سے متاخر ہیں۔ علامہ آزاد بلگرامی کی روایت کے مطابق یہ شرحیں ان کی نظر سے گزری ہیں۔

۲- **حقائق ہندی:** میر عبد الواحد بلگرامی کی یہ کتاب فارسی زبان میں ہے جو جمادی الاولیٰ ۹۷۴ھ میں تمام ہوئی۔ یہ کتاب بھی ان کی اعلیٰ ذہانت و طباعی کی عمدہ مثال ہے، ہندی نظموں اور گیتوں میں جو الفاظ معروف و مروج ہیں جن کا معنی بظاہر کچھ اور ہے لیکن حضرت مصنف نے ان الفاظ سے وہ معنی و اشارات بیان کئے ہیں جن سے وہ اہل باطن مراد لیتے ہیں اسکی شرح وضاحت انتہائی لطافت سے بیان کی گئی ہے۔ قطب شاہ حمزہ مارہروی (متوفی ۱۱۹۸ھ) کی رائے گرامی اس کتاب کے بارے میں یہ ہے ارشاد فرماتے ہیں:

از جملہ تصانیف آں حضرت (میر عبد الواحد بلگرامی) حقائق ہندی از کہ الفاظ ہندی متداول سردوراد معنی تصوف ارقام ساختہ و عجیب تاویلات بکار بردہ بر معنی تصوف فرود آورده

مانگ، ٹیکا، تلک، اور سکھی یہ سب ہندی زبان کے الفاظ ہیں جن کا معنی ہندی

زبان و ادب میں معین ہے، مگر حضرت میر عبد الواحد بلگرامی کی تفسیر پسند طبیعت کو داد دیجئے کہ انہوں نے ان الفاظ کی وہ عارفانہ تشریح فرمائی کہ نہ صرف ہندی ادب بلکہ ہندی، اردو اور فارسی ادب کے خطباء و شعراء بھی محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ یہاں ایک مثال درج ہے کہ ”اگر در کلمات ہندی ذکر مانگ واقع شود، اشارہ افتد بر صراط مستقیم و سیاہی جو نہا از اطراف ظلمات، ضلالت و بدعت است، قولہ تعالیٰ وان هذا صراط مستقیماً تابعوہ ولا تتبعوا السبیل فتفرق بکم عن سبیلہ۔ اگر کلمات ہندی ذکر ٹیکہ و تکل اشارہ افتد بر نور صلاح کہ دروے پیدا آید۔ فی سیمام فی وجوہ من اثر السجود۔ نشان عاشقان از درد پیدا است۔ و اگر در کلمات ہندی ذکر سکھی واقع شود۔ اشارہ افتد بر یاران دینی کہ میان یک دیگر للہ فی اللہ دوستی دارند و گاہ اشارہ افتد بر یاران کہ متفق باشند، در یک مشرب و یک خانوادہ، و گاہ اشارہ افتد بر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و متابعان او کہ خلعت نیابت پوشیدہ اند کہ ہادی راہ خدا و طریق ہدیٰ ہستند“ یہاں تین چار الفاظ کی شرح بطور نمونہ بتائی گئی ہے ورنہ پوری کتاب حقائق ہندی اسی طرح نادر نمونوں سے پر ہے۔

اس کا خطی نسخہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ میں محفوظ ہے۔

۳۔ شرح نزہۃ الارواح: یہ نادر و نایاب منظوم کتاب فارسی زبان میں ہے، اس کے مصنف سید حسین بن محمد غزنوی (متوفی ۷۱۷ھ) کی طبع آزمائی کا نمونہ ہے۔ حضرت میر عبد الواحد بلگرامی نے تصوف و سلوک کے انداز میں ۹۸۵ھ میں اس کی تشریح کی ہے جو قابل مطالعہ ہے۔ اس کتاب کے بارے میں محمد غوثی مانڈوی یہ لکھتے ہیں:

”بر نزہۃ الارواح شرح لائق متین بر نگاشتہ فراواں توجیہ و تاویل بکار بردہ جمیع مقاصد عبارات را متوجہ سمت حقیقت گردانیدہ است“

سید کمال واسطی سنبھلی نے یہ لکھا ہے:

”شرح کہ بزہۃ الارواح نوشتہ بالطافت و عذوبت شاہد کمال و بیست“

ملا عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں:

”شرح بر نزہۃ الارواح نوشتہ محققانہ“

نزہۃ الارواح میں منازل سلوک اور مقامات تصوف کے حقائق و معارف جس اختصار و ایجاز سے بیان کیا گیا ہے اور رموز و اشارات اور تشبیہات و استعارات کو راہ دی گئی ہے۔

حضرت میر عبد الواحد بلگرامی نے اپنے تبحر علمی سے ان رموز و اشارات کی وضاحت حقائق و معارف کی شرح میں جو داد تحقیق دی ہے وہ واقعی قابل داد ہے۔ ایران کے مشہور دانشور محمد حسین تسبیجی نے لکھا ہے:

”نزہۃ الارواح ایک مدت تک شارح (میر بلگرامی) کے مطالعے میں رہی ہے اس کے بعد انہوں نے اس کی شرح لکھی ہے۔ فارسی نثر میں فارسی اشعار، قرآنی آیات، احادیث نبوی اور کلمات مشائخ بھی شامل ہیں اس کی تقسیم (ابواب و فصول) نزہۃ الارواح کے متن کی اساس پر کی گئی ہے..... شارح پہلے متن لکھتے ہیں اور اس کی شرح میں کہیں کہیں اپنے اشعار بھی لکھتے جاتے ہیں۔ کتاب تو دستیاب نہیں مگر اس کے تین نسخوں کا علم اہل علم کو ہے۔

۱۔ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ ضلع ایٹہ یوپی میں ایک نسخہ محفوظ ہے۔ یہ نسخہ ۱۷۱۷ھ محرم الحرام ۱۱۴۰ھ مطابق نہم سال جلوس محمد شاہی کا مکتوبہ ہے۔

۲۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد کے کتب خانہ گنج بخش میں دوسرا نسخہ موجود ہونے کا سراغ ملتا ہے۔ اس میں ایک سو انسٹھ اوراق ہیں، خط شکستہ ہیں، کاتب کا نام اور تاریخ کتابت درج نہیں ہے۔ البتہ سرورق پر درج ذیل عبارت مرقوم ہے:

”ایں کتاب شرح نزہۃ الارواح را روز دوشنبہ در وقت نماز دیگر نوشتند، ہم خدا تعالیٰ بخوبی انصرام رساند، ہشتم ماہ محرم الحرام و روز شنبہ کہ ہشت روز متواتر در کابل شدہ بود ۱۲۵۷ھ ق“

۳۔ اس کتاب کا تیسرا نسخہ پروفیسر محمد ایوب قادری کے خاندانی ذخیرہ میں تھا۔ پروفیسر قادری کے والد ماجد مولانا مشیت اللہ قادری متوفی ۱۹۵۹ء نے یہ نسخہ سید شاہ مہدی میاں مارہروی قدس سرہ کو نذر کیا تھا جس کے بارے مولانا مشیت اللہ قادری نے اپنی ایک یادداشت مرقومہ ۹/ مارچ ۱۹۲۷ء یہ تحریر کیا تھا:

”آج حضرت شاہ مہدی میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم سجادہ نشین درگاہ عالیہ مارہرہ شریف بمعیت برادر مکرم حضرت مولانا حکیم عبد الماجد شاہ قادری بدایونی صاحب غریب خانہ پر تشریف فرما ہوئے۔ کتب خانہ کو ملاحظہ فرمایا اور اظہار مسرت کیا۔ اس عاصی پر معاصی نے حضرت شاہ مہدی میاں صاحب قبلہ کی خدمت میں شرح نزہۃ الارواح مؤلفہ حضور سید عبد الواحد بلگرامی قدس سرہ العزیز مکتوبہ نہم صفر المظفر ۱۲۳۵ھ بمقام بریلی

بدست نور الدین کا تب نذر گزاری حضرت میاں صاحب قبلہ نے شرف قبولیت بخشا۔

اب اس کے بعد معلوم نہیں یہ نسخہ کہاں سے کہاں پہونچا اور کہاں رہا یہ داستان خاموش ہے۔ (مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے احسن مارہروی کلکشن میں بھی اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔ ۱۲ اساحل)

۴۔ شرح غوثیہ: یہ ایک عربی متن غوثیہ کی فارسی منظوم شرح ہے جو ۹/ ذی قعدہ ۹۸۷ھ کا مکتوبہ ہے سید شاہ حمزہ مارہروی نے میر عبد الواحد بلگرامی کی تحریرات کے قلمی مجموعہ کے ایک ورق پر یہ یادداشت تحریر کی تھی کہ انہوں نے سید محمود بلگرامی کی دستخط سے شرح غوثیہ منظوم کا نسخہ فارسی میں دیکھا تھا یہ۔ سید محمود بلگرامی میر عبد الواحد بلگرامی کے داماد بھی تھے اور مرید بھی۔ اس بیان کی تائید میر سیدی کی اس یادداشت سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے اپنے رسالہ میزان الاعمال میں لکھی ہے۔ میر سیدی کی میر عبد الواحد بلگرامی کے فرزند رشید تھے۔

۵۔ مکاتیب ثلاثہ: میر عبد الواحد بلگرامی کی تصانیف میں ایک کتاب مکاتیب ثلاثہ بھی ہے۔ یہ مجموعہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ میں محفوظ ہے۔ پہلا مکتوب مفتی الہ داد دانشمند لکھنؤ متونی ۹۹۱ھ کے نام رقم ہوا ہے۔ اس مکتوب میں مسئلہ سماع پر بحث کی گئی ہے۔ میر عبد الواحد بلگرامی کا دوسرا مکتوب شیخ عبد العزیز مفتی وقاضی قنوج کے نام لکھا گیا ہے۔ جس میں تصوف کے بعض مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ اس مجموعے کا تیسرا مکتوب نواب صدر جہاں خان پہانوی کے نام ہے جو اکبر بادشاہ کے عہد حکومت میں مشہور عالم، مفتی صدر الصدور شاہی منصب پر فائز تھے وہ ایک مرتبہ بصیغہ سفارت توارن بھی گئے تھے۔ میر صدر جہاں خان میر عبد الواحد بلگرامی کے جانثار مرید و عقیدت مند تھے۔ مارہرہ کے خاندانی مؤرخ مولانا محمد میاں قادری نے یہ مکاتیب اصح التواتر میں نقل کئے ہیں۔

۶۔ رسالہ حل شبہات: میر عبد الواحد بلگرامی جب سلوک و عرفان کی منزلیں طے کر رہے تھے اس کے ابتدائی دور میں ان کو شریعت و طریقت کے بعض مشکل مسائل میں دقت درپیش ہوئی جن کو حل کرنے کے لئے انہوں نے دنیا کے نامور علماء و مشائخ سے رجوع کیا مگر مسئلہ جوں کا توں رہا بالآخر انہوں نے دنیا جہاں کی سیر کر کے ان مسائل کو حل کرنا چاہا۔ مگر ایک باطنی اشارے پر وہ حضرت شیخ صفی سائی پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام

شکوہ و شبہات کے شافی جوابات پا کر مطمئن ہو گئے انہیں شبہات و جوابات پر مشتمل یہ رسالہ تحریر کیا گیا۔

۷۔ مناظرہ انبہ و خمرہ: یہ ایک مختصر فارسی نظم ہے جو بصورت مثنوی لکھی گئی ہے۔ جس میں آم اور خربوزہ اپنی اپنی بڑائی بیان کرتا ہے لڑ جھگڑ کر بالآخر میر عبد الواحد بلگرامی کو فیصلہ بناتا ہے۔ اس نظم میں بھی انہوں نے اپنا صوفیانہ جوہر دکھایا ہے اور تصوف و سلوک کے نکات کو واضح کئے ہیں۔ (ناچیز ساحل شہرامی نے اس نظم کا اردو ترجمہ اور تشریح کرنے کی سعادت حاصل کی ہے جو مضمون کی صورت میں ماہنامہ اشرفیہ میں شائع ہوا۔ ۱۲ اساحل)

۸۔ شرح معجمہ قصہ چار برادر: کوئی ایک بزرگ تھے جنہوں نے تصوف بیان کرتے کرتے چار بھائیوں کا ایک معجمہ تحریر کر دیا۔ میر عبد الواحد بلگرامی نے اس معجمہ کا حل فارسی زبان میں اس طرح پیش کر دیا کہ سلوک و تصوف کے مدارج کا مکمل نقشہ سامنے آ جاتا ہے اور احساس ہوتا ہے کہ سالک کو کن کن راہوں سے گزرنا پڑتا ہے اور کن کن حالات سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے اور کس طرح سے وہ نتیجہ میں فائز المرام ہوتا ہے۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ خانقاہ برکاتیہ میں محفوظ ہے۔

۹۔ تفسیر مفیض المحبت: حضرت شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی کی کتاب آئین احمدی میں تفسیر مفیض المحبت کا ایک اقتباس درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ان کے سامنے ضرور رہی ہوگی۔ اس کتاب کا پورا نام تفسیر مفیض المحبت و مورت المعرفت ہے اور یہ کتاب تفسیر حسینی سے ماخوذ و مستنبط ہے۔

۱۰۔ مجموعہ اوراد: میر عبد الواحد بلگرامی کا ایک مجموعہ اوراد قلمی صورت میں ہے خانقاہ برکاتیہ مارہرہ میں موجود ہے۔ حضرت تاج العلماء مولانا محمد میاں قادری اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"جس میں حضرت نے کچھ اوراد و وظائف، بعض اعمال و تحویذات اور بعض اکابر صوفیاء مثل امام احمد غزالی و شیخ المشائخ نجم الدین کبری قدس سرہم کے سلوک و تصوف میں بعض مستقل رسائل و فوائد اور خود اپنے نظم فرمائے ہوئے شجرہ ہائے طریقت و نسب و دیگر فوائد جمع فرمائے ہیں نیز حضرت جدا کرم سیدنا شاہ حمزہ قدس سرہ نے بھی اپنے مرتب فرمودہ مجموعہ اعمال میں حضرت میر قدس سرہ کے بعض اعمال و نقوش و ادعیہ و اوراد جمع کئے ہیں"

۱۱- سید سناہل شریف: میر عبد الواحد بلگرامی کی نگارشات میں یہ سب سے اہم شاہکار و یادگار تصنیف ہے اور اطراف عالم میں مشہور و مقبول ہے۔ اس کتاب کے بارے میں مؤرخ ہندوستان حسان الہند میر غلام علی آزاد بلگرامی کا اثر الکریم میں تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت میر عبد الواحد بلگرامی قدس سرہ کی مشہور ترین تصنیف کتاب سید سناہل شریف ہے جو سلوک و عقائد کے بیان میں ہے۔ ایک بار رمضان المبارک ۱۱۳۵ھ میں مؤلف اور اراق (غلام علی بلگرامی) نے دار الخلافہ شاہجہاں آباد میں حضرت شاہ کلیم اللہ چشتی قدس سرہ کی زیارت کی حضرت میر عبد الواحد بلگرامی قدس سرہ کا ذکر آیا۔ شیخ نے حضرت میر کے مناقب و فضائل دیر تک بیان کئے اور فرمایا: ایک شب میں نے مدینہ منورہ میں بستر خواب پر عالم واقعہ میں دیکھا کہ میں اور سید صبغت اللہ بروچی (بھروچی) ایک ساتھ دربار اقدس رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور دیکھا کہ وہاں صحابہ کرام اور اولیائے عظام کی بھی ایک بڑی جماعت موجود ہے اور ان میں ایک صاحب ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے تبسم اور شیریں لبی کے ساتھ باتیں فرما رہے ہیں اور ان کے حال پر نہایت توجہ و التفات فرماتے ہیں۔ جب مجلس مبارک تمام ہو چکی تو میں نے صبغت اللہ سے پوچھا کہ یہ کون صاحب تھے کہ حضور اقدس ان سے اس قدر التفات فرماتے ہیں انہوں نے جواب دیا: میر عبد الواحد بلگرامی اور ان کے زیادہ احترام کا سبب یہ تھا کہ ان کی تصنیف سید سناہل جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبول ہوئی۔"

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ کے چشم و چراغ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ سید سناہل اور اس کے مصنف کا تعارف یوں کراتے ہیں:

"یہ نفیس و عمدہ کتاب ہے اس کے مصنف نبیرہ سید امام زید شہید رضی اللہ عنہ سید میر عبد الواحد بن سید ابراہیم بن سید قطب الدین بلگرامی ہیں۔ یہ دسویں صدی کے اکابر علماء اور سادات اولیاء میں سے ہیں۔ ان کی سوانح زندگی سید غلام علی کی آثار الکریم، شیخ عبدالقادر کی منتخب التواریخ اور شیخ علاء الدولہ قزوینی کی نفائس المآثر میں ہے۔ ان کی متعدد تصانیف جلیلہ ہیں" (حاشیہ انباء الحی ان کلامہ المصنوع تبیاناً لكل شیء ۱۳۲۶ھ ص ۸۲)

اس کتاب کا پہلا سنبہ عقائد و مذاہب کے بیان میں ہے۔ دوسرا سنبہ پیری مریدی اور اس کی حقیقت کے بیان میں ہے اس میں مرید اور پیر کے اوصاف کا بیان کرتے

ہوئے تاکید فرمائی ہے کہ پیر اور مرشد کو ہر حال میں سنت و شریعت کا پابند ہونا چاہیے کیوں کہ شریعت و طریقت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تیسرا سنبہ ترک دنیا قناعت، صبر، توکل کی فضیلت کے بیان میں ہے۔ میر عبد الواحد بلگرامی نے ہر ایک امر کو آیات، احادیث اور علمائے ظاہر و باطن کے ارشادات سے مزین فرمایا ہے۔ انداز محققانہ اور صوفیانہ ہے پیرائے بیان نہایت دل نشیں ہے۔ دنیا اور دولت دنیا کی مذمت فرمائی ہے۔ چوتھا سنبہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں اور اس کے حسن خلق کے بیان میں ہے۔ پانچواں سنبہ خوف ورجا کے بیان میں ہے۔ اس میں میر عبد الواحد بلگرامی نے خدائے تعالیٰ کے قہر و غضب سے بچنے اور خوف و خشیت اور اس کی رحمت و کرم سے امیدوار ہونے کی ضرورت و اہمیت بیان فرمائی ہے۔ چھٹا سنبہ حقائق وحدت اور ظہور آثار معرفت و محبت کے بیان میں ہے۔ ساتواں سنبہ جو آخری سنبہ ہے مختلف فوائد کے بیان میں ہے اس میں میر عبد الواحد بلگرامی نے سلسلہ چشتیہ کے اکابر شیوخ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے لے کر خواجہ قطب الدین کا کی تک سترہ شیوخ کا اجمالاً ذکر کیا ہے۔

اس کتاب کی تصنیف کے وقت درج ذیل مراجع و مصادر مصنف علام کے سامنے تھے جن سے کتاب کی افادیت و اہمیت اور حضرت مصنف علام کی وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ مراجع یہ ہیں:

قرآن کریم مجموعہ ہائے احادیث عوارف المعارف، قصائد خاقانی، مجمع سلوک (شیخ سعد) خزانہ جلالی (مخدوم جہانیاں جہاں گشت) رسالہ مکیہ (قطب الدین دمشقی) ہدایۃ السعداء، شرح رسالہ مکیہ (شیخ سعد بدھن) سلک السلوک (ضیاء الدین نخشی) احیاء العلوم (غزالی) شرح آداب المریدین، تفسیر حسین واعظ کاشفی، شاہنامہ فردوسی، منطق الطیر (عطارد) لب لباب، مثنوی مولانا روم، کشف الاسرار، بحر الحقائق، فوائد السالکین، معالم التنزیل، اعجاز البیان (شیخ صدر الدین قنوجی) معدن الحقائق شرح کنز الدقائق۔

سید سناہل شریف کی پہلی اشاعت غالباً ۱۲۹۹ھ میں مطبع نظامی کانپور سے ہوئی۔ حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی کے فرزند و سجادہ نشین شاہ احمد میاں کی تحریک اور مولوی عبدالرحمن خان شاہ کر مالک مطبع کے حسن انتظام سے یہ ایڈیشن نکلا تھا۔ جب سے آج تک متعدد ایڈیشن ہندو پاک سے نکل چکا ہے۔ اس شہرہ آفاق کتاب کا ایک خطی نسخہ

سبحان اللہ کلکیشن (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) میں موجود ہے جو سترہ سجدہ شریف کا مکتوبہ ہے۔ شعبان ۱۳۴۷ھ میں تاج العلماء محمد میاں قادری کو سنابل شریف کا ایک خطی نسخہ بمبئی سے دستیاب ہوا تھا جس پر کتابت کی تاریخ ۲۰/ ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ — روز یکشنبہ تحریر ہے۔ پروفیسر محمد قادری کے بقول سنابل کا ایک خطی نسخہ مولانا صوفی عبدالحمید اشرفی ساکن قصبہ اوجھیاں ضلع بدایوں متوفی ۱۹۴۵ء کے ذخیرہ علمیہ میں ہے۔ اور بعید نہیں کہ قدیم کتب خانوں کی فہرستیں دیکھی جائیں تو عین ممکن ہے کہ سب سے سنابل کے اور خطی نسخے کا پتہ چل سکے۔ فارسی زبان میں لکھی گئی اس کتاب کا اردو ترجمہ نامور عالم دین مفتی محمد خلیل خان قادری برکاتی نے کیا ہے جو حامد اینڈ کمپنی لاہور نے شائع کیا ہے۔

میر عبدالواحد بلگرامی جہاں ایک بہترین نثر نگار تھے، وہیں وہ شعر و شاعری کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ مبدائے فیاض نے یہ ملکہ انہیں نہایت فیاضی سے عطا کیا تھا۔ جب وہ شعر و سخن کی طرف توجہ مبذول فرماتے تو خوب لکھتے تھے۔ شاہد تخلص تھا، حافظ سراجی سے متاثر تھے اور معنوی تلذذ رکھتے تھے۔ چنانچہ رسالہ شہادت میں لکھتے ہیں۔

”اِس کس در فن غزل تلمیذ خواجہ شیرازی است قدس سرہ، و خواجہ نیز بہ شاگردی خود مراقبول کردہ و گویا بایں ضعیف ایمائے نمودہ۔“

ہر کہ در طور غزل نکتہ حافظ آموخت یار شیریں سخن نادرہ گفتار من است ملا عبدالقادر بدایونی نے یہ لکھا: میر طبع نظم بلند دارد، یہی بات میر علاء الدولہ قزوینی صاحب نفائس الماثر نے بھی لکھی ہے۔ ”میر سلیقہ شعر خوب دارد“ میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں ”احیائاً نابا بر موزونی طبع، گوہر قافیہ می سنجید و طلائے خوش عیار سخن برمی کشید“ تاج العلماء مولانا محمد میاں قادری ماہر روی نے میر عبدالواحد بلگرامی کا کلام جو مختلف رسائل اور بیاضوں میں بکھرے ہوئے تھے تلاش کر کے بعض اشعار اپنی کتاب اصح التواریخ میں جمع کر دیا ہے یہاں ایک غزل کے چند شعر ملاحظہ کیجئے۔

دل و جاں تاکہ بہمہر رخ تو باختہ ام تو سن ہمت خویش ازدو جہاں تاختہ ام
جلوہ قد ترا سدرہ وطوبیٰ تجل است تا منم از تو بفر دوس نہر داختہ ام
واعظا پند مفر ما من سودا زدہ را خانمان خرد از طرح بر انداختہ ام
از سر وقت من دل شدہ بگذر ز نہار زانکہ من چارہ مخلص ز جنوں ساختہ ام

دمبدم تاختہ بر شاہدی افواج غمت تاکہ در عالم عشقت علم افراختہ ام
میر عبدالواحد بلگرامی کا دیوان خانقاہ برکاتیہ مارہرہ کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ لیکن سوئے اتفاق کہ وہ دیوان وہاں سے تلف ہو گیا۔ مورخ خاندان برکاتیہ تاج العلماء محمد میاں ماہروی رقم فرماتے ہیں:

ہمارے حضرت (میر عبدالواحد بلگرامی) کا یہ دیوان اس وقت ہمارے پاس نہیں ایک مجموعہ میں جس میں حضور صاحب البرکات (شاہ برکت اللہ ماہروی) کا دیوان بھاشاہ مسمیٰ بہ پیم پرکاش بھی شامل تھا جلد بندھا ہوا تھا۔ یہ مجموعہ حضرت والد صاحب قبلہ (شاہ اسماعیل حسن ماہروی) نے سیتار پور میں ایک عرصہ دراز گزارا، موضع پینتی پور ضلع سیتاپور کے رہنے والے ہندی داں کو اس لئے دیا کہ وہ پیم پرکاش کو ہندی ناگری خط میں لکھ دیں اور پھر وہ مجموعہ انہیں کے پاس رہ گیا۔ ہمیں اب تک واپس نہیں ملا اور اس طرح حضرت (میر بلگرامی) کا یہ دیوان بھی ہمارے پاس سے جاتا رہا۔ (حضرت کا ایک مختصر مجموعہ کلام مولانا آزاد لاہوری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے احسن ماہروی کلکشن میں خطی صورت میں موجود جس کے صفحات چالیس ہیں۔ ۱۲ ساحل)

میر عبدالواحد بلگرامی ہندی میں بھی شاعری کیا کرتے تھے۔ چنانچہ کاشف الاستار اور اصح التواریخ میں بطور نمونہ کچھ کلام ان کا نقل ہوا ہے۔ مگر رسم الخط چونکہ فارسی ہے جس کی وجہ سے بڑی حد تک تحریر میں خلل واقع ہو گیا ہے۔

حضرت سید العارفین میر سید لطف اللہ

معروف بہ شاہ لدھا قدس سرہ

حضرت شاہ لدھا جن کا اصلی نام میر سید لطف اللہ ہے اور لقب سید العارفین۔ ان کے والد کا نام میر سید کرم اللہ تھا جو جامع مسجد محلہ میدان پورہ بلگرام کے بانی تھے۔ حضرت شاہ لدھا اپنی پیدائش اور ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد ہی عارفانہ راہ اختیار کرنے لگے تھے۔ فقیروں و درویشوں، سالکوں اور عارفوں کی صحبت میں رہ کر اپنے آپ کو کندن بنا لیا تھا۔ تعلیم و تدریس کے بعد بیعت و ارادت کے لئے اولاً آپ شاہ اعظم قدس سرہ کے

خدمت میں پہنچے۔ اوائل جوانی میں اپنے والد محترم کے ساتھ بنگال تشریف لے گئے جہاں انہوں نے شاہ اعظم کی صحبت میں رہ کر تربیت باطن، تزکیہ نفس اور ذکر و فکر میں لگ گئے اور بلند درجات اور اعلیٰ مراتب حاصل کئے۔ اس کے بعد ضروری کسب معاش کی خاطر نواب نجابت خان کی ملازمت اختیار کی اور چالیس بہادر مردوں کی فوج میں شامل ہو گئے۔ جن پر نواب کی خصوصی توجہ رہتی تھی۔

ابھی چند ہی دن گزرے تھے اور عمر کا بائیسواں سال تھا کہ یکا یک دنیاے دوں کی سرگرمیوں سے کنارہ کش ہو گئے۔ ہندوستان کے اکثر شہروں اور تاریخی مقامات کی سیر و سیاحت کی۔ پھر آپ دارالسرور برہان پور پہنچے جہاں حضرت شاہ برہان راز الہی قدس سرہ کی انہیں صحبت نصیب ہوئی۔ ایک عرصہ ان کی خدمت اور ان کی خانقاہ میں رہ کر ان سے بے حد فیض اٹھایا مگر چشم گردوں نے یہ ماحول بہت جلد تہ و بالا کر دیا، یعنی ان کے شیخ کا انتقال ہو گیا جس کا حضرت شاہ لدھا کوتا عمر افسوس رہا۔ اسی حالت میں انہیں خواب میں یہ دکھائی دیا کہ ان کے مرشد برحق برہان راز الہی ان کی طرف انتہائی دردمندی سے متوجہ ہیں اور اپنے مبارک ہاتھوں سے آپ کے کپڑوں میں عطر مل رہے ہیں۔ اس بشارت خیر سے حضرت شاہ لدھا کے بے چین دل کو قرار و سکون ملا۔

برہان پور میں آسودگی کے بعد پھر آپ نے وقت کے جلیل القدر قطب و ولی کامل حضرت میر سید عبدالجلیل قدس سرہ کی صحبت فیض میں حاضری دی اور بے شمار فیوض و برکات حاصل کئے۔ وہاں اس خواب کی تعبیر سامنے آئی اور حضرت شاہ لدھا نے این و آں سے بے نیاز ہو کر پرسکون زندگی گزارے۔ پھر میر سید عبدالجلیل کی بارگاہ سے اٹھے اور کالپی شریف چل دیئے، جہاں حضرت سید احمد بن میر سید محمد قدس اسرار ہما کے جمال باکمال کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ حضرت میر سید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جب آپ کے دل و دماغ کو محلی و مصفی پایا تو غایت کرم سے نگاہ التفات فرمائی اور بیعت کے وقت یہ ارشاد فرمایا: ”ماہر و یک ذاتیم“ ہم دونوں ایک ذات ہیں۔ اور زبان مبارک سے یہ شعر فرمایا۔

”ایجاز فیض پیر مغاں بزم وحدت است☆ در پردہ داردیدہ کثرت نمائی را
یعنی مرشد کے فیض سے یہاں محفل وحدت بھی ہوئی ہے، کثرت دیکھنے والی نگاہ پردہ ہی میں رہنے دو۔

آپ کا مقام اتنا بلند تھا کہ شاہ فضل اللہ خلف الصدق میر سید احمد قدس اللہ اسرار ہما نے فرمایا کہ حضرت سید نے اپنی وفات کے وقت اپنے صاحبزادوں کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ تمہارے باپ دادا کے خلفاء تو بہت ہیں مگر فقیری میں عام درویشی چاہتے ہو تو کسی کی بھی صحبت میں حاصل ہو سکتی ہے اور اگر خاص درویشی کی خواہش ہو تو میر سید لطف اللہ کی صحبت کو غنیمت سمجھنا نیز شاہ فضل اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ سید احمد کے میخانہ کی شراب خالص تو شاہ لدھا نے پی لی اور دوسروں نے تلچھٹ چکھی ہے۔

کالپی شریف میں ریاضت و مجاہدہ کے بعد حضرت شاہ لدھا نے خرقہ خلافت پہنا اور پانچ سلسلوں کی اجازتوں کا تمغہ اور کافی نوازشات سے مالا مال ہو کر بلگرام واپسی کی اجازت چاہی جو انہیں مل گئی۔ بلگرام تشریف لانے کے بعد قریب ستر سال آپ گوشہ نشین رہے اور انوار معنوی کے فیض سے پورے شہر کو چراغاں کر دیا۔

طالبین کی تربیت:

سالکین و طالبین کی تربیت کا جو آپ کا طریقہ تھا وہ کسی کرشمے سے کم نہیں تھا کبھی تو آپ ساکان راہ کو ریاضت و مجاہدہ کراتے مگر کٹھن راہوں سے بچاتے ہوئے جو ناتواں انسان کو مزید ناتواں کر دے۔ اور جب آپ ان کو چلہ میں بٹھاتے تو نہایت لطیف اور نرم غذائیں دیتے اور یہ ارشاد فرماتے کہ قوام انسانی کا سبب غذا ہی ہے۔ اگر انسان توانا و تندرست ہوگا تو اس سے جہاد نفس بھی بہتر طریقے سے ہو سکے گا اور اگر کمزور و ناتواں ہوگا تو جہاد نفس کا باران سے نہ اٹھ سکے گا۔

آپ کی گفتگو نہایت لطیف اور پاکیزہ ہوتی۔ انتہائی خوبی و رنگینی اور تمکنت سے کلام فرماتے جب حقائق و معارف کا موضوع چھڑ جاتا تو کامل ذوق و شوق کا زور بیاں قابل دید و شنید ہوتا۔ سننے والوں پر ایک کیف طاری ہوتا اور سننے والے حضرت سید العارفین کی صحبت سے خاص فیض پاتے۔ ایک دفعہ سلطان ابوسعید بن شاہ فضل اللہ بن میر سید احمد نے حضرت سید العارفین شاہ لدھا سے پوچھا کہ نماز تہجد پڑھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ کتنے برس ہو گئے کہ پوری رات پلک نہیں جھپکی اور دل کی دیوانگی کی وجہ سے نماز تہجد میسر نہیں آئی۔ البتہ فرض نماز بے اختیار باہوش ادا کرتے تھے۔ آپ کے بعض صوفیانہ اقوال زیریں

یہ ہیں: (۱) دید محمد مشکل تراز دید خداست، یعنی رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار اللہ تعالیٰ کے دیدار سے زیادہ مشکل ہے۔ (۲) لیلیٰ راجمئل ضرورت است، یعنی لیلیٰ کے لئے کجاوہ ضروری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت کی باتیں مجاز کے پردے میں کہی جائیں (۳) اسلام عبارت است از نفی وجود خویش و اثبات وجود حق است، یعنی اسلام اپنے وجود کی نفی اور اللہ کے وجود کے اثبات کا نام ہے۔ (۴) محمد نام تشبیہ است واللہ نام تنزیہ، یعنی محمد تشبیہی نام ہے اور اللہ تنزیہی نام ہے۔ (۵) شریعت منہائے مردان است، یعنی شریعت انسانیت کی تکمیل کا آخری ذریعہ ہے۔ (۶) شریعت رنگ است و حقیقت بو، یعنی شریعت رنگ ہے اور حقیقت خوشبو ہے۔

ایک دفعہ آپ کی مجلس میں ایک شیخ بیٹھے تھے جنہوں نے آپ کے ایک قول پر جو آپ سے منسوب تھا تکتہ چینی کرنے لگے، وہ مجھ سے مخاطب تھے مگر میں نے اس کے جواب کی طرف قطعاً توجہ نہ کی۔ اسی دن اس شیخ کی تحریرات سے ایک قول پر بحث چھڑ گئی اور ایک دوسرے شخص نے خوب اچھی طرح اس کا رد کیا۔ اس سے وہ شیخ بہت متاثر ہوئے اور اس تحریک و تشویش کے سامنے شیخ کے حکم سے فقیر کے ہاتھ پر چاک کر ڈالا۔

وصال:

حضرت سید العارفین شاہ لدھا کا وصال بروز اتوار ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۱۴۳ھ میں ہوا۔ مورخ ہندوستان علامہ غلام علی آزاد نے قرآن کی دو آیتوں سے مادۂ تاریخ نکالا ہے۔ (۱) مقبر یون فی جنت نعیم، (۲) ولہم رزقہم فیہا بکرۃ وعشیا۔ آپ کا مزار پر انوار جو فیض گاہ خلّاق ہے۔ حضرت میر نواز شہ علیہ الرحمہ کے سکونتی حویلی کے جوار میں ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

حسان الہند مولانا غلام علی آزاد بلگرامی قدس سرہ

علامہ آزاد نے اپنا حسب و نسب جو بیان کیا ہے مآثر الکرام میں یہ ہے ”سبا حسینی، اصلا واسطی، مولد او منشا بلگرامی، مذہب اخفی، طریق تہذیبی، یہ وہ تعارف ہے جو علامہ آزاد نے مآثر الکرام کے علاوہ سبحة المرجان، خزانہ عامرہ اور اپنی دیگر کتابوں میں کرایا ہے۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ کو بلگرام شریف میں ہوئی۔ علم و عرفان کی جو فضا سادات بلگرام کے یہاں تھی وہ ان کی پرورش و پرداخت میں موثر رول ادا کرتی رہی۔

تعلیم:

ان کی داد یہاں اور نہال دونوں خاندانوں میں علم و ادب اور روحانیت و مشیخت کے آثار پھوٹ رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں سیراب ہونے کے لیے کہیں اور جانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ تمام مروجہ تعلیم بلگرام میں ہوئی۔ اور ان کے اسلاف نے ان کی تعلیم و تربیت میں اہم کردار ادا کیا، علامہ آزاد کے اندر احسان شناسی کا جو ہر موجود تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی پر نور تحریروں میں اپنے مریدوں اور محسنوں کا دل کھول کر ذکر کیا ہے۔ بقول ان کے ”زیادہ تر کتابیں انہوں نے سید محمد طفیل اترو لوی متوفی ۱۱۵۱ھ سے پڑھیں۔ ان کے نانا جان میر سید عبدالجلیل بلگرامی جو اپنے دور کے محدث، لغوی، سیرت نگار اور بلند پایہ روحانی پیشوا تھے ان سے حدیث لغت سیرت اور دیگر فنون میں کسب فیض کیا اور اپنے ماموں سید محمد شاعر بلگرامی متوفی ۱۱۸۵ھ سے ادب، عروض اور قوافی کا علم حاصل کیا۔ جب علامہ آزاد بلگرامی حرمین شریفین کی پر بہار چھاؤں میں حاضر ہوئے تو شیخ حیات محمد سندھی مدنی (متوفی ۱۱۶۳ھ) سے صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں استفادہ کیا اور ان کی جانب سے اجازات و مرویات کا تمغہ پایا۔ شیخ عبدالوہاب طنطاوی شافعی مصری (متوفی ۱۱۵۷ھ) جو حسن اتفاق سے بیت اللہ الحرام میں موجود تھے ان سے بھی آپ نے علم حدیث میں اکتساب فیض کیا۔

بیعت و اجازت:

تصوف و سلوک، روحانیت و طریقت اور علم و فن کا جو ماحول علامہ آزاد کو ملا اس کی بدولت اپنے شعور کے آغاز سے ہی آزاد بلگرامی تزکیہ نفس، مجاہدہ باطن، طہارت قلب و نظر اور ذکر و فکر کی طرف مائل تھے۔ چنانچہ اپنی خاندانی روایت کے مطابق ۱۱۳۷ھ میں میر سید لطف اللہ قادری چشتی شاہ لدھا بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کے دست اقدس پر سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہو گئے۔ درون دل چونکہ پاک پایا تھا، شیخ طریقت کی توجہ نے مزید اسے روشن کر دیا۔ لہذا جلد ہی مرشد گرامی نے اجازت و خلافت کی دولت سے سرفراز کر دیا۔

سفر و سیاحت:

علامہ آزاد کے بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ انہوں نے بلگرام میں اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد مزید حصول علم کے لیے دہلی کا بھی سفر کیا تھا۔ لیکن وہاں انہوں نے کس سے پڑھ اور کیا پڑھا اس سلسلے میں تفصیل دستیاب نہیں۔ البتہ جب انہوں نے تحصیل علم سے فاتحہ فراغ پڑھا تو ان کے ماموں سید محمد جو سندھ میں ایک سرکاری منصب پر فائز تھے ان کے بلانے پر علامہ آزاد نے سندھ کا سفر اختیار کیا۔ علامہ آزاد جب سندھ تشریف لے گئے تو ان کے ماموں نے انہیں اپنا نائب مقرر کیا اور وہ خود بلگرام واپس آ گئے۔ بلگرام میں ان کا قیام چار سالوں تک طویل رہا، اس وقفہ میں علامہ آزاد کو جو ذمہ داریاں سونپی گئی تھیں ان کو انہوں نے بخیر و خوبی نبھایا۔ پھر وہ سندھ سے جب واپس آنے لگے تو انہیں دہلی میں خبر ملی کہ ان کا خاندان الہ آباد میں ہے، لہذا انہوں نے بلگرام کے بجائے دہلی سے الہ آباد کا سفر کیا اور وہ وہاں کچھ دنوں مقیم رہے۔

حج و زیارت:

علامہ آزاد بلگرامی وہ بخت بیدار شخصیت ہیں جن کو ان کے بچپن ہی میں خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیدار کا شرف مل چکا تھا جبھی سے علامہ آزاد کے پہلوئے دل میں یہ آرزو چل رہی تھی کہ حرم الہی اور حرم نبوی میں حاضر ہوں۔ اس کے لئے ان کا دل انتہائی اضطراب و التہاب کا شکار تھا۔ روح کی تڑپ اور دل کی سوزش بڑھتی رہی تا آنکہ انہیں صبر و شکیب کا یا ر نہ رہا۔ بالآخر رحمت رب اور نگاہ محبوب ہوئی گئی اور ۱۱۵۰ھ میں علامہ آزاد بغیر کچھ سامان سفر کے دیار حبیب کی طرف نکل پڑے۔ زاد راہ تو تھی نہیں نہ کوئی رفیق راہ اور ہم سفر تھا نہ ہی انہوں نے کسی کو اطلاع دی بالکل دیوانگی کے عالم میں سوئے حرم کی راہ نکل پڑے۔ لیکن ان کا یہ جوش، جوش بے ہوش نہیں جوش باہوش تھا اور ہوش باجوش تھا، اس کا مظاہرہ یوں ہوا کہ انہوں نے سفر کے جو معروف راستے تھے انہیں چھوڑ دیا، صحرا اور بیابانوں کا راستہ اختیار کیا۔ اس میں منطق یہ تھی کہ راہ محبت میں کوئی رکاوٹ نہ بن سکے اور سفر شوق میں کوئی حائل نہ ہونے پائے اور ہوا وہی جو وہ چاہتے تھے۔ جب ان کے خاندان والوں کو معلوم ہوا کہ علامہ آزاد نے بے سروسامانی کے عالم میں سفر شروع کر دیا ہے تو ان

کے بھائی میر سید غلام حسین ان کی تلاش میں نکلے، لیکن وہ ان راستوں پر چل رہے تھے جو حج کے معروف راستے تھے۔ کئی منزلوں تک ان کی تلاش جاری رہی، لیکن ان کو نہ ملنا تھا نہ ملے۔ بالآخر سید غلام حسین درمیان راہ سے واپس آ گئے۔

علامہ آزاد نے جو یہ سفر موج ظفر بے خودی و بے تابی کے عالم میں اختیار کیا تھا، اللہ اور اس کے رسول نے ان کی لاج رکھ لی۔ علامہ آزاد بلگرامی نے جو روداد سفر لکھی ہے یا سفر کی حکایات و حالات بیان کئے ہیں گو وہ عربی و فارسی میں ہے اور نظم میں بھی ہے اور نثر میں بھی ہے لیکن ان کا جو رقت انگیز اسلوب اور دل آویز طرز بیان ہے وہ خاصے کی چیز ہے۔ اس کے علاوہ سجتہ المرجان وغیرہ میں جو ان کی خود نوشت سوانح حیات ہے، اس میں بھی سفر حرمین اور ذکر محبوب کا حصہ غالب ہے۔ فارسی میں ان کی ایک مثنوی ہے جس کا نام انہوں نے طلسم اعظم رکھا ہے۔ وہ بھی بطور خاص اسی سفر حرمین کے احوال پر مشتمل ہے۔ عربی و فارسی میں جو انہوں نے متعدد قصائد لکھے ہیں ان میں بھی انہوں نے اپنے اس جذب و شوق کا اظہار کیا ہے۔

مالوہ میں ورود:

مشقت و آبلہ پائی کے بعد آپ مالوہ پہونچے جہاں نواب آصف جاہ ایک مہم کے سلسلے میں خیمہ زن تھے۔ ان کے ہم راہ ان کا لشکر و سپاہ بھی تھا۔ علامہ آزاد اب اپنے اہل خانہ سے اتنا دور پہونچ چکے تھے کہ سفر کو پوشیدہ رکھنا کوئی مشکل مسئلہ نہیں تھا۔ نواب کی ہم رکابی نے ان کو سفر کی سہولت پہونچائی۔ علامہ آزاد کو غنی طبیعت کے مالک تھے مگر نواب کی شان میں ایک رباعی کہی، نواب نے زاد سفر اور سواری کا انتظام کر دیا، محرم ۱۱۵۱ھ کو جدہ پہونچ گئے۔ یہ حسن اتفاق کہنے کے حضرت سید محمد فاخر زائر الہ آبادی (متوفی ۱۱۶۳ھ) پہلے سے وہاں موجود تھے۔ جن سے آزاد کی ملاقات ہوئی، دونوں ہم عصر بھی اور ہم مشرب بھی اور غائبانہ متعارف بھی۔ علامہ آزاد نے عمرہ کیا اور کعبۃ اللہ سے مدینۃ رسول اللہ کی طرف چل پڑے۔ بارگاہ رسول میں اپنی بے تاب تمنائوں اور بے چین آرزوؤں کا اظہار بارگاہ رسول میں یوں کرتے ہیں۔

قد جئت بابك خاشعاً متضرعاً

مالی وراك كاشف الضر

احسن الی ضیف بیابك واقف

شان الكرام ضیافة الغرباء

علامہ آزاد جو بچپن ہی سے اپنے جد کریم کی چوکھٹ چومنے کے لئے مستانہ وار بے چین تھے آج وہاں ان کی مراد پوری ہو رہی تھی۔ دل تھا جو عشق رسول میں ڈوبا جا رہا تھا، آنکھیں تھیں جو دیار محبوب میں ساون برسا رہیں تھیں۔ علامہ آزاد کا جی وہاں لگ گیا۔ اور ان کا قیام وہاں قریب آٹھ ماہ تک طویل رہا۔ یہیں علامہ آزاد نے شیخ محمد حیات سندھی ثم مدنی سے درس حدیث لیا تھا اور تمام مقامات مقدسہ کی زیارت کی۔ مدینہ منورہ میں اتنے طویل قیام کے بعد بھی آسودگی میسر نہ آئی اور جب حج کا موسم آیا تو طلب اجازت کے لیے روضہ رسول پر حاضر ہو کر یوں عرض کنائں ہوئے۔

علیک سلام اللہ یا اشرف الوری لقد سال دمعی فی فراقک فانیاً
وما نا کنت کالذی جاء منہلاً فذاق ولكن عاد ظمآن باکیا

علامہ آزاد شوال المکرم میں مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے اور دیار الہی میں بھی کئی ماہ مقیم رہے، اس اثنا میں علامہ آزاد نے تمام تاریخی مقامات کی زیارت کی اور اطراف عالم سے علما و مشائخ کی جو جماعت وہاں پہنچی ہوئی تھی، ان سے ملاقاتیں کیں، ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ خصوصاً شیخ طنطاوی کے علم و فضل سے حصہ خاص پایا۔ دوران کلام ایک دفعہ علامہ آزاد نے شیخ طنطاوی کو اپنا تخلص ”آزاد“ بتایا۔ چونکہ یہ اردو کا لفظ تھا اس لیے اس کا معنی بھی واضح کیا۔ تو شیخ طنطاوی نے برجستہ فرمایا: یا سیدی انت من عتقاء اللہ یعنی جناب آپ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ میں سے ہیں۔ شیخ طنطاوی کے زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے اس جملے کو علامہ آزاد نے اپنے لیے بشارت سمجھا اور اپنے اس تخلص پر تاحیات نازاں رہے۔

۳ جمادی الاولیٰ کو علامہ آزاد جدہ سے ہند کے لیے روانہ ہوئے، راستے میں مخا کی بندرگاہ آئی جہاں ان کا جہاز لنگر انداز ہوا۔ یہیں سلسلہ شاذلیہ کے بانی حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار فاضل الانوار ہے۔ شیخ شاذلی کی وفات ۶۵۶ھ میں ہوئی ہے۔ علامہ آزاد نے موقع غنیمت جانا اور وہاں حاضر ہو کر فاتحہ پڑھا۔ ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۱۵۲ھ کو علامہ آزاد کا جہاز سورت بندرگاہ پہنچا۔ یوں ان کا یہ سفر شوق اختتام کو پہنچا۔ اس سفر کا تاریخی مادہ انہوں نے ”سفر بنیر“ سے نکالا ہے۔

دکن میں قیام:

شہر سورت سے علامہ آزاد بلگرامی اورنگ آباد مہاراشٹر پہنچے اور بابا شاہ مسافر متوفی ۱۱۲۶ھ کی خانقاہ میں طرح اقامت ڈالی۔ ۱۱۵۹ھ میں ان کی ملاقات نظام آصف جاہ کے صاحبزادے نواب ناصر جنگ سے ہوئی، اور دونوں میں گہرے دوستانہ مراسم پیدا ہو گئے۔ فقر اور شاہی کے درمیان یہ ربط اور تعلق بڑا پایہ دار اور دیر پارہا، یہ اس لئے ہوا کہ آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ طبیعت کے نہایت بے نیاز اور مستغنی تھے۔ علامہ آزاد نے ان کی معیت میں دکن کے کئی شہروں کا سفر بھی کیا۔ ۱۱۶۵ھ سے ۱۱۶۸ھ تک آزاد بلگرامی کا قیام حیدر آباد میں رہا پھر وہ اورنگ آباد واپس آئے، عمر کا بقیہ حصہ وہیں گزارا، ان کی تصانیف کا اکثر حصہ، اسی عہد کی یادگار ہے۔ تصنیف و تالیف کے علاوہ خدمت خلق، اصلاح ملت، درس و تدریس، عبادت و ریاضت میں بھی وہ ہمہ تن مصروف رہے۔ ۱۱۹۵ھ میں آزاد بلگرامی دنیوی معاملات سے بالکل کنارہ کش ہو گئے اور اپنے سفر آخرت کی تیاری شروع کر دی۔ خلد آباد میں انہوں نے نظام الدین محبوب الہی کے خلیفہ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد پر انوار کے قریب اپنی آخری آرام گاہ کے لئے ایک قطعہ زمین خریدا اور اس کا نام عاقبت خانہ رکھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک تقریب بھی منعقد کی، جس میں علماء مشائخ اور دوست احباب کو دعوت دی گئی۔ برسر تقریب فرداً فرداً تمام حاضرین سے انہوں نے معافی مانگی۔ ان کے اس طرز عمل سے حضار محفل سو گوار ہو گئے، جب کہ وہ خود ہر طرح ہشاش و بشاش تھے۔ اس تقریب کے بعد آزاد بلگرامی قریب پانچ سال بقید حیات رہے اور ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۰۰ھ / ۱۵ ستمبر ۱۸۸۵ء کو اس داری فانی سے دار بقاء کی طرف رحلت کر گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ ان کے لوح مزار پر جو تحریر مرقوم ہے وہ یہ ہے:

ہو الٰہی القیوم: حسان الہند غلام علی آزاد حسینی واسطی بلگرامی ”آہ غلام علی آزاد“

وفات: ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۰۰ھ۔

اخلاق کریمانہ:

علامہ آزاد نے چونکہ فقر و درویشی اور روحانیت و معرفت کی ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں، اس لئے وہ ان امانتوں کے امین بھی تھے اور علم بردار بھی۔ وہ مشرب چشتی ہی

نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کے عادات و اطوار اور اخلاق و کردار میں بھی چشتی رنگ نمایاں تھا۔ علامہ آزاد صوفیائے کرام کی صفت استغنا کے مظہر اتم تھے۔ دنیا کا کوئی بھی حسن یا دولتوں کی جلوہ سامانی ان کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکی ان کا یہ استغناء اضطرابی نہیں تھا، بلکہ اختیاری تھا، انہیں دنیا حاصل کرنے کے بے شمار مواقع حاصل تھے لیکن وہ ہمیشہ دنیا سے کنارہ کش رہے۔ نوابوں کی صحبت و ہم رکابی ضرور رہی مگر انہوں نے دنیا طلبی کے لئے کبھی ان مراسم و تعلقات کو استعمال نہیں کیا۔ آپ نے سب سے المر جان میں فرمایا ہے کہ:

”بہتوں نے مجھ سے اصرار کیا کہ میں کوئی شاہی منصب اختیار کروں اور دنیا کے لبریز جاموں کو نوش کروں لیکن میں نے اپنے دامن کو دنیوی گردوغبار سے کبھی آلودہ ہونے نہ دیا، اور کبھی جادۂ استقامت کو چھوڑ کر اس دنیا کے پرفریب جال میں نہیں پھنسا، اپنے احباب سے میں نے ہمیشہ یہی کہا ہے کہ اس دنیا کی مثال دریائے طالت کی طرح ہے جس کا ایک چلو تو حلال ہے لیکن اس سے زیادہ حرام ہے۔“

علامہ آزاد کی ساری زندگی خدمت خلق، عبادت و ریاضت، تصنیف و تالیف، شعر و شاعری اور سیر و سیاحت سے عبارت رہی۔ ارباب اقتدار اور اصحاب اختیار سے رابطہ تو رکھا مگر اپنی ذات غرض ان سے کبھی پوری نہ کی بلکہ ان روابط کا فائدہ خلق خدا کی نمکساری اور چارہ جوئی میں استعمال کرتے رہے۔ ان کا یہ طرز عمل جو سلف صالحین کا نمونہ ہے دور حاضر کے علماء و فقراء کے لئے ایک زریں مثال ہے۔

تلامذہ:

علامہ آزاد نے بھلے ہی پوری زندگی تعلیم و تدریس میں گزاری اور ایک خلق کثیر نے علم و فضل میں ان سے استفادہ کیا مگر ان کے شاگردوں کا احاطہ عدم مواد کی وجہ سے ناممکن ہے ان کے اہم چند شاگردوں کے نام یہ ہیں۔ میر عبدالقادر مہربان اور نگ آبادی، کچھی نارائن شفیق صاحب گل رعنا، عبدالوہاب افتخار دولت آبادی، مصنف تذکرۂ بے نظیر اور ضیاء الدین پروانہ ہیں۔

تصنیفات:

علامہ آزاد کا سارا کمال قلمی میدان میں ہی کھلتا ہے۔ عربی و فارسی میں ایک معتد

بہ نثری اور شعری تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ اردو کے بعض اعمال بھی ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں، لیکن تیقن سے یہ نہیں کہا جاسکتا البتہ یہ ہرگز اذقیاس بعید نہیں کہ انہوں نے اردو ہندی میں کچھ لکھایا کہا ہو، کیونکہ یہ ان کے خاندان کی روایت اور طبیعت دونوں سے ہم آہنگ ہے۔ آزاد کی فارسی نثری تصانیف یہ ہیں: (۱) آثار الکرام یہ کتاب ان کی سب سے زیادہ مشہور و معروف ہے، جس میں ڈیڑھ سو سے زائد علماء و مشائخ بلگرام کا تذکرہ ہے، چند بلگرامی بزرگوں کا بھی اس میں ذکر آگیا ہے۔ زمانہ سے یہ کتاب فارسی میں تھی، ابھی حال ہی میں مفتی یونس مونس اویسی نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے جو بریلی شریف سے چھپا ہے۔ دوسری ان کی مشہور کتاب سب سے المر جان فی آثار ہندوستان ہے، جو عربی زبان میں ہے اور یہ چار فصلوں پر مشتمل ہے۔ علامہ آزاد نے اس موضوع پر پہلے ایک مستقل رسالہ لکھا تھا، بعد میں اس میں کچھ اضافہ کیا اور اس کتاب میں ضم کر دیا۔ اس کی دوسری فصل ہندوستان کے چند علماء کے تذکرہ میں ہے، تیسری فصل کلام کے محاسن کے موضوع پر ہے اور چوتھی فصل عشاق و معشوقات اور ان کے انواع و اقسام پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب اپنی نوعیت کی بالکل واحد اور منفرد کتاب ہے جو سب سے پہلے ۱۳۰۳ھ، ۱۸۸۵ء میں ممبئی سے چھپی، اس کی دوسری اشاعت ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ یونیورسٹی سے ۱۹۷۶ء میں داکٹر فضل الرحمن سیوانی کی تحقیق کے ساتھ طبع ہوئی۔ (۳) ضوء الدرری شرح صحیح البخاری، یہ شرح بخاری شریف کی کتاب الزکوٰۃ تک ہے جسے امام قسطلانی کی ارشاد الساری سے مقتبس و مختص کیا ہے اور بہت سے علمی نکات و فوائد کا اضافہ کیا ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ندوہ کی لائبریری مجموعہ نور الحسن زیر نمبر ۳۶۲ موجود ہے۔ (۴) تسلیہ نوادنی قصائد آزاد، یہ بعض قصائد اور مراثی کا مجموعہ ہے اور یہ جن رجال و شخصیات کے لئے لکھے گئے ہیں ان کے سوانحی خاکے بھی اس کتاب میں شائع کئے گئے ہیں۔ اس کا ایک قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی کی آزاد لائبریری کے شعبہ مخطوطات جواہر میوزیم میں ہے، اور دوسرا نسخہ مکتبہ عارف بک مدینہ منورہ میں موجود ہے۔

(۵) شفاء العلیل، اس کتاب میں مشہور عربی شاعر متنبی متوفی ۳۶۲ھ کی شاعری

پر علامہ آزاد نے تنقید بھی کی ہے اور اصلاح بھی۔ بیک وقت انہوں نے اس کتاب میں ناقد اور مصلح دونوں کا کردار ادا کیا ہے۔ اس لحاظ سے متنبی پر اپنی نوعیت کی یہ منفرد کتاب ہے۔ علامہ آزاد نے اس تنقید و اصلاح کے معاملہ میں واحدی کی شرح پر زیادہ اعتماد کیا ہے۔

پرفیسر نثار احمد فاروقی صاحب نے اس کا ایک معتد بہ حصہ اپنی عالمانہ تحقیق کے ساتھ مرکزی حکومت کی عربی رسالے سقاۃ الہند میں شائع کیا ہے۔ جس کا ایک قلمی نسخہ آصفیہ حیدر آباد (سالار جنگ میوزیم) زیر رقم ۱۱۱۳ موجود ہے۔ (۶) کشکول، یہ بھی آصفیہ لائبریری حیدر آباد سالار جنگ میوزیم زیر رقم ۲۴۲ موجود ہے۔

ہندوستانی اور عربی بعض محققین مثلاً اسماعیل پاشا بغدادی، کمالہ، ڈاکٹر جمیل احمد نے ان کی کچھ اور عربی نثری تصنیفات کے نام گنائے ہیں جیسے الامتہ المترشحہ القریمہ، نصاب القصیدہ فی التغزل اور تعلیق علی مرآۃ الجمال لنفسہ۔

اول الذکر کتاب کے علاوہ یہ ساری کتابیں عربی زبان میں ہیں۔ فارسی زبان کی دوسری تصانیف یہ ہیں۔ (۷) خزانہ عامرہ، جس میں تقریباً ایک سو پینتیس شعراء فارسی کا تذکرہ ہے۔ (۸) سرو آزاد، فارسی اور ہندی شعراء کرام کا تذکرہ (۹) روضۃ الاولیاء خلد آباد میں مدفون دس اولیاء کرام کا تذکرہ۔ یہ تینوں فارسی زبان میں ہیں جو چھپ چکی ہیں۔ اور (۱۰) سند السعادات فی حسن خاتمۃ السادات، رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ (اس کا ایک نسخہ احسن کلکش مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں بھی ہے۔ ۱۲ ساحل) (۱۱) غزالان الہند، یہ سجتہ المرحان کے دو آخری بابوں کا فارسی ترجمہ ہے۔ (۱۲) ید بیضہ، اس میں بعض فارسی شعراء کی سوانح عمریہ ہیں۔ (۱۳) شجرۃ طیبہ، یہ سادات و شیوخ بلگرام کے شجرات و انساب پر مشتمل ہے۔ (۱۴) انیس تحقیقین، یہ علامہ آزاد کے شیخ اور دوسرے تین صوفیا کی سیرت پر مبنی ہے۔ (۱۵) اور تذکرہ صوبہ داران اودھ وغیرہ مخطوطات ہیں۔ فارسی شاعری میں (۱۶) دیوان آزاد، (۱۷) بیاض آزاد، (۱۸) قصائد آزاد، تتمہ امواج خیال وغیرہ ہیں۔ عربی شاعری آزاد کا اصلی میدان ہے، اس میں تو انہوں نے دیوانوں کے دیوان مرتب کر دیئے ہیں جن میں سے چار مطبوعہ ہیں۔ پہلا اور دوسرا مطبع کثر العلوم حیدر آباد سے شائع ہوا ہے اور دوسرا حیدر آباد ہی کے ایک مطبع لوح محفوظ سے شائع ہوا ہے، چوتھا دیوان فارسی کے طرز پر مردف اور پانچواں مستزاد ہے چھٹا دیوان ۱۱۹۳ھ میں کہے جانے والے قصائد پر مشتمل ہے اور ساتویں دیوان میں ۱۱۹۳ھ تا ۱۱۹۴ھ کے قصائد و اشعار ہیں۔ ان ساتوں دواوین کو بذات خود علامہ آزاد نے ایک جلد میں مجلد کیا تھا، جس کا نام السبعۃ السیارة رکھا تھا، جس کے قلمی نسخے ندوہ کے لائبریری کے شعبہ مخطوطات میں زیر نمبر ۱۴۴۴

موجود ہے۔ آٹھویں دیوان کا قلمی نسخہ آزاد لائبریری علی گڑھ یونیورسٹی کے سجان اللہ کلکش میں موجود ہے۔ نواں دیوان مطبوعہ ہے، اور شاعر گرامی کی تجویز کردہ نام تحفۃ الثقلین سے ۱۲۹۴ میں مطبع نور الانوار آرہ بہار سے شائع ہوا ہے۔ دسواں دیوان بھی علی گڑھ میں ہے ان دواوین کے علاوہ علامہ آزاد نے مرآۃ الجمال بھی لکھی ہے جس میں ایک سو پانچ اشعار کا ایک نونیہ قصیدہ ہے۔ اس قصیدے کی خوبی یہ ہے کہ اس میں محبوب کے سر سے پاؤں تک کا وصف بیان کیا گیا ہے۔ اس قصیدے کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری بانگی پور پٹنہ زیر نمبر ۲۶۲۱ موجود ہے۔ (ایک نسخہ علی گڑھ میں بھی ہے۔ ۱۲ ساحل)

ان کی ایک طویل عربی نظم مظہر البرکات کے نام سے بھی دستیاب ہے جو تین ہزار پچاس اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ نظم مثنوی کے وزن پر ہے شیریں بیانی شیریں مقالی سادگی، نازک خیالی، ندرت، باکپن، کا یہ ایک خوبصورت نمونہ ہے، اس مثنوی میں سات دفتر ہیں، ہر دفتر کا آغاز حمد الہی سے ہوتا ہے۔ اس کا موضوع صوفیانہ، حکایات و روایات، اور اخلاقی کہانیاں ہیں۔ یہ مثنوی مطبع عزیز یہ حیدر آباد سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر شلقانی کے مطابق ان کے تمام عربی اشعار کی تعداد تقریباً ۷۰۰۰ ہے۔

حسان الہند:

اہل ایران کو خاقانی پر فخر تھا۔ خاقانی کی وفات ۵۹۵ھ تا ۱۱۹۸ء کو ہوئی۔ ان کی نعتیہ شاعری کے سبب اہل ایران نے ان کو حسان الجم کا لقب دیا تھا۔ اور ہندوستانیوں کو علامہ آزاد پر بجا طور پر ناز ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل ہند نے علامہ آزاد کو حسان الہند کا لقب دیا۔ بغور نگاہ انصاف سے دیکھا جائے تو خاقانی کے مقابلے میں علامہ آزاد اس لقب کے زیادہ حقدار ہیں۔ علامہ آزاد وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے فارسی و عربی شاعری میں دیوانوں پر دیوان اور دفتروں پر دفتر اتنے تیار کر دیئے۔ ان کی فنکاری فطری شاعری عبقری شخصیت نازک خیالی عشق کا جوش و خروش بلیغ استعارات، خوبصورت تشبیہات کے استعمال پر قدرت، علوم بلاغت، اور فنون بیان میں ان کی مہارت یہ وہ اوصاف ہیں جس میں ہندوستان کا کوئی عربی شاعر ہی نہیں بلکہ کسی بھی زبان کا کوئی بھی شاعر ان کا ہم پلہ و ہم رتبہ نظر نہیں آتا۔ علامہ آزاد ہی وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے اپنی شاعری میں قومی گیت کے ترانے گائے ہیں اور ہندوستان کی عظمتوں کو بلند کیا ہے۔ اس میں بھی ان کی انفرادی شان

نظر آتی ہے۔

علامہ آزاد نے منتہی پر جو تنقید کی ہے، اس تنقید پر تنقید کی ابتدا ہندوستان میں شبلی نعمانی نے کی ہے۔ شبلی نعمانی کی تنقید کا تنقیدی جائزہ ڈاکٹر سید علیم اشرف نے لیا ہے، اسے ہم یہاں من و عن نقل کرتے ہیں، ملاحظہ کیجئے۔

تنقید آزاد:

کسی بھی شاعر کی طرح آزاد کی شاعری بھی تنقید سے بالاتر نہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ ان کا کلام ہر عیب سے پاک اور ان کا ہر شعر معیار ہے۔ اور ایسا ہونا بھی نہیں چاہئے کیونکہ وہ ایک پرگو اور کثیر الکلام شاعر ہیں، اور ان کی شاعری عربی کے اصحاب منتخبات و حولیات کی شاعری بھی نہیں ہے۔ لیکن بایں ہمہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے ہندوستانی ناقدین (ان سلما وجود ہم جدلاً) نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے، اور ان کی ایسی تصویر پیش کی ہے گویا کہ یہاں کچھ بھی قابل اعتبار نہیں ہے اور ان کا کوئی شعر عیب بلکہ عیوب سے خالی نہیں ہے۔

آزاد پر اس غیر متوازن تنقید کا آغاز میری معلومات کے مطابق شبلی نعمانی صاحب سے ہوا، اور بعد میں آنے والے بغیر کسی غور و فکر کے شبلی کے اقوال ہی کو دہراتے رہے ہیں۔ لطف تو یہ ہے کہ شبلی کی تنقید کی بازگشت ان حضرات کی تحریروں میں بھی سنائی پڑتی ہے جو شاید آزاد کے اشعار کو اچھی طرح سمجھ بھی نہ سکتے ہوں۔ شبلی وغیرہ کی آزاد پر تنقید کا خلاصہ یہ ہے: کہ ان کی شاعری پر عجیمیت غالب ہے، وہ عربی اسالیب بیان کا التزام نہیں کرتے ہیں، اور ان کی شاعری ضائع و بدائع کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ اور بقول شبلی آزاد اپنی شاعری کی ان صفات پر بڑے نازاں تھے ”لیکن نکتہ سنج جانتے ہیں کہ یہ ہنر نہیں بلکہ عیب ہے“ اور ان کا کلام ”اگرچہ کثرت سے ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے چہرہ کمال کا داغ ہے“ اور ان کی شاعری میں عجیمی اثرات اس قدر ہیں کہ ”اس کو عربی کہنا مشکل ہے“

بلاشبہ شبلی بہت بڑے ادیب و ناقد تھے، اور عربی زبان و ادب میں بڑی مہارت رکھتے تھے لیکن بایں ہمہ ان کی آراء و افکار سے اختلاف کیا جاسکتا ہے بلکہ وہ خود اس خوش رسی کی بناء ڈالنے والوں میں سے ایک ہیں۔ آزاد پر ان کی اور دوسروں کی یہ تنقید دو جہتوں سے قابل تنقید ہے: پہلی یہ کہ ان کے ناقدین کی تعیم مبالغہ آمیز ہے اور ان کا اطلاق مطلقاً

خلاف واقعہ ہے۔

آزاد ایک عجمی شاعر تھے اور ان کی شاعری میں عجیمیت کا اثر بالکل فطری بات ہے، لیکن ان کے ایسے اشعار کی تعداد بہت مختصر ہے جن میں انہوں نے کبھی بطور تفنن، کبھی عصری تقاضوں کے زیر اثر، اور کبھی عربی شاعری میں اضافے کی غرض سے عجمی اثرات کو قصداً عربی شاعری میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے، جیسا کہ اعمش اور ابونواس وغیرہ نے کیا ہے، ورنہ ان کے کلام کا غالب حصہ لفظاً و معناً اور قلباً و قالاً عرب شعراء کے طرز پر ہے۔ انہوں نے عربی تراکیب، تشبیہات اور استعارات کو استعمال کیا ہے، عربی کے اسالیب کو برتا ہے، عربی کی بحر، ہائٹوں، وزنوں اور صنفوں میں شاعری کی ہے، موضوعات میں بھی عموماً قدامت ہی کی تقلید کی ہے۔ اس کے بعد ان کی تمام شاعری کو عجیمیت کے زیر اثر کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔ آج کے عرب ادباء و ناقدین کو بھی اس بات کا اعتراف ہے ان کا بیشتر کلام ’عربی السلیقہ‘ ہے۔

آزاد پر دوسرا الزام خالص عربی اسالیب بیان کا التزام نہ کرنے کا ہے، اس سلسلے میں صرف یہی کہنا چاہوں گا کہ یہ وہ الزام ہے جس میں منتہی اور ابوالعلامہ معری بھی آزاد کے شریک ہیں، بقول ابن خلدون:

”ان نظم المتنبي والمعري ليس هو من الشعر في شيء“

لانهما لم يجربا على اساليب العرب من الامم“

ظاہر ہے کہ جس عیب سے منتہی اور معری جیسے بڑے شعراء خود کو نہیں بچا سکے۔ اس کی بنیاد پر آزاد جیسے متاخرین اور عجمی شعراء کو ہدف تنقید بنانا کیونکر معروضی تنقید ہو سکتی ہے۔ تیسرا الزام ان کی شاعری میں لفظی اور معنوی صنعتوں کی کثرت کا ہے، گزشتہ دونوں الزامات کی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے لیکن اسی درجے کی حقیقت یہ بھی ہے کہ ان کی جملہ شاعری کو اسیر صنعت گری قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اطلاق تعیم کے علاوہ اس تنقید کا دوسرا قابل گرفت پہلو یہ کہ اس میں شاعر کے عہد اور ماحول کی قطعی رعایت نہیں کی گئی ہے۔ آزاد کا عہد فکری تفنن کا عہد تھا، اور ان پر کی جانے والی تنقید میں عہد اور اس کے رجحانات کی رعایت ہونی چاہئے۔ لیکن شبلی کی مشکل تھی کہ ان کے سامنے عربی شاعری کا جو نمونہ تھا وہ صرف اصحاب محققات اور صدر اسلامی کی

شاعری تھی اور انہوں نے اسی معیار پر آزاد کو پرکھنے کی کوشش کی، اگر وہ آزاد کا موازنہ ان کے معاصر مملوک و عثمانی شعرا سے کرتے تو کبھی اس نتیجے پر نہیں پہنچتے۔ پھر ان کی طبیعت میں ”عظمت پسندی“ کا عنصر جس طرح غالب تھا کہ اگر وہ آزاد کے ہم عصر شعراء سے واقف بھی ہوتے تو بھی وہ عصور اولیٰ کے معیار سے کم پر راضی ہونے والے نہیں تھے۔

متاخرین نے بھی آزاد کی شاعری کے مثبت و معروضی مطالعے کی بجائے صرف شبلی کی تنقیدات پر ہی بھروسہ کیا۔ اور اگر شبلی نے انہیں اصحاب معلقات کے معیار پر تو لے کر کی کوشش کی تھی تو ان حضرات نے جدید شعراء جیسے بارودی، شوقی اور حافظ وغیرہ سے ان کا مقابلہ موازنہ کیا۔ اور معیار بھی اتنا ہی غیر مناسب تھا جتنا شبلی کا معیار۔ کسی شاعر اور اس کے فن کی حقیقی قدر و قیمت کا اندازہ تو اس کے معاصرین ہی سے اس کا موازنہ کر کے لگایا جاسکتا ہے۔ اور اگر ہم عصر مملوک و عثمانی شعراء سے آزاد کا موازنہ کریں تو پائیں گے کہ ان کی حالت بہتوں سے اچھی ہے، اور اگر چہ لفظی صنایع اور تکلف و آرد کا ان کی شاعری پر کہیں کہیں گہرا اثر ہے لیکن بایں ہمہ وہ عموماً قوی معنویت اور گہرائی اور گیرائی کی حامل ہے۔

آزاد کے ساتھ اس نا انصافی کا ایک سبب ان کا ایک ایسے عہد میں ہونا ہے جسے ”دانشوران مغرب“ نے اتفاق رائے سے عہد زوال و انحطاط قرار دے دیا ہے، حتیٰ کہ عربی ادب کی کتابوں میں بھی عہد جاہلی، اسلامی، اموی، عباسی اور عہد زوال کے نام ہی سے ادبی عصور کی تقسیم ملتی ہے۔ حالانکہ قاعدے کی رو سے پہلے چار عہدوں کی مانند آخری عہد کو عہد زوال کے بجائے عہد ترکی یا عہد مملوک و عثمانی ہونا چاہئے، اور یہی بات زیادہ قرین انصاف ہے۔ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ہم اپنے حزم و احتیاط اور استثنائے اق شناسی کے دعوؤں کے باوجود استثنائی و مغربی پروپگنڈے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور ایسا ہی کچھ یہاں بھی ہوا ہے۔ اور جب آزاد کا پورا عہد ہی عہد زوال ٹھہرا تو اس میں کسی صاحب کمال کی توقع اور کسی موازنہ کی حاجت ہی نہ رہی، اور بے چون و چرا شبلی کی رائے کو حرف آخر مان لیا گیا۔

اس میں شک نہیں کہ عربی ادب کے اس دور میں اپنے مابین دور کے مقابلے میں کسی قدر کمزوری در آئی تھی لیکن یہ ضعف و کمزوری اس کو دور زوال سے موسوم کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے ورنہ دور جاہلی یا زیادہ سے زیادہ جاہلی اور اسلامی دور کے علاوہ عربی ادب کے تمام ادوار کو اسی نام سے موسوم کیا جانا چاہئے۔

آخر اس تسمیہ کی وجہ کیا ہے؟ ڈاکٹر بکری شیخ امین اپنی کتاب ”مطالعات فی الشعر المملوک و العثماني“ میں اس کی بنیادی وجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

”ولسنا ندری لذلك سبباً، اللهم الا ان يكون هذا العصر هو الذي قاوم جحافل الغرب التي استحکمت حيناً من الدهر في هذه البلاد، ودفع الوثنيه التي جاءت على سيوف التتار ورماحهم، وملا المكتبة العربية التي خوت بمصيبة بغداد وسواها بالتراث العربي والاسلامي المشرقين، واعاد الى النفس العربية عزتها وثقتها“

(ہم اس تسمیہ) کی کوئی وجہ نہیں جانتے ہیں، سوائے اس کے کہ یہی وہ دور ہے جس نے مغرب کے ان عظیم لشکروں کا مقابلہ کیا جو ایک عرصے تک سرزمین عرب میں مضبوطی سے جمے ہوئے تھے، اور (عرب سے) اس وثنیت اور بت پرستی کو دور کیا جو تاتاریوں کے شمشیر و نیزوں کے سہارے داخل ہوئی تھی، اور یہی وہ دور ہے جس نے عربی کتب خانوں کو، جو کہ بغداد وغیرہ کے سانحوں میں خالی ہو گئے تھے، عربی و اسلامی کتابوں سے بھر دیا، اور عربوں کی ضمیر کے عزت و اعتماد کو بحال کیا)

اس نام کی شہرت و قبولیت میں عربی ادب کے دور جدید میں الحاد و دہریت کی کثرت اور ترکی دور سے سیاسی و فکری اختلافات کا بھی نمایاں کردار رہا ہے۔

یہ دور ابن خلدون، ابن عربی، ابن فارض، سیوطی، سرحسی، ابن منظور، فلسفندی اور نویری وغیرہ کا دور ہے، اور جس دور میں ایسے افاضل ہوں اسے دور زوال کہنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ شیخ ابن تیمیہ، ابن جوزی اور ابن قیم بھی اسی دور کے ہیں۔

مغرب کا دور ہا معیار کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ پورے دور ترکی کو دور زوال کہنے والوں کے نزدیک عظمت و عبقریت کا معیار کیا ہے اس کے لئے ڈاکٹر بکری کی مذکورہ کتاب سے صرف مندرجہ ذیل مثال کافی ہے:

مشہور اسپینی نژاد فرانسیسی مصور و نقاش پابلو پیکاسو (۱۸۸۱-۱۹۷۳ء) نے ازراہ مزاح ایک دن خچر کی دم کو رنگ میں ڈبو کر اسے کینوس کے سامنے کر دیا خچر کی دم ہلنے سے کینوس پر آڑی ترچھی لکیریں ابھرنے لگیں، رنگ بدلتے رہے، دم ہلتی رہی اور لکیریں بنتی رہیں تھوڑی دیر میں مختلف رنگوں اور لکیروں سے کینوس کی سطح بھر گئی۔ اب ”فنکاری“ کے اس

نمونے کے لئے ایک عنوان کی ضرورت تھی، پیکاسو نے کئی نام سوچے جیسے: شکست خوردہ سپاہی، فکر کی مکڑی، اشک مجبور اور تنگی کا نغمہ وغیرہ لیکن وہ خود ان ناموں سے راضی نہیں ہوا، اور اس کے لئے ایک بے معنی عنوان ”بچیوں کی کائی“ تجویز کیا۔

اگلے دن یہ تصویر نمائش کے لئے پیش کی گئی اور ناقدین فن اس کے مطالعے، تحلیل و تجزیہ اور اس سے معانی کے استخراج و استنباط میں لگ گئے، کسی نے اسے بیسویں صدی کا معجزہ قرار دیا تو کسی نے اسے عصر حاضر کا بے مثال نمونہ بتایا، بعض کو اس کی تعریف و توصیف کے لئے مناسب الفاظ نہیں ملے تو اس نے حیرت و سکوت کے ذریعہ اس نادرہ روزگار کو خراج تحسین پیش کیا۔ اخبار و رسائل نے ناقدین کے ان تبصروں کو شہ سرخیوں میں شائع کیا اردنیا کی ایک زبان سے دوسری زبان میں یہ تبصرے منتقل ہوئے، یہاں تک کہ کوئی بھی ”محب فن“ ایسا نہیں بچا جس نے ”بچیوں کی کائی“ کے بارے میں کچھ پڑھایا سنا نہ ہو، اور ایک عاشق فن نے اس تصویر کو ساڑھے تین لاکھ اسٹرلنگ پاؤنڈ میں خرید لیا۔ یہ مغربی ”عجبریت“ کا معیار ہے، دوسری طرف پورا عہد مملوکی و عثمانی عہد زوال ہے۔ یہ عہد، جیسا کہ عرض کیا گیا، ادبی ترقی اور لفظی صناعی کا دور تھا، اور اس وقت عرب و عجم یا مشرق و مغرب کوئی بھی ان سے مستثنیٰ نہیں تھا، مثلاً ایک مملوکی شاعر کہتا ہے:

لقلبی حبیب، ملیح، طریف بدیع، جمیل، رشیق، لطیف
اس شعر کے مفردات کے باہمی تبادل سے چالیس ہزار تین سو بیس شعر بنتے ہیں،
عثمانی دور کے ایک شاعر نے کسی شادی کا مادہ تاریخ اس طرح نکالا ہے کہ آخری شعر کے تمام
حروف مہمل اور تمام حروف معجم سے الگ الگ وہی تاریخ نکلتی ہے، علاوہ ازیں اسی شعر میں
اس تاریخ کا صراحتاً بھی ذکر موجود ہے۔

ایہا الکامل یا من اخبرت
عن علاہ فئۃ بعد فئۃ
خذتوار یخا ثلاثا جمعت
لک فی مفرد بیت منبعۃ
بصریح، و حروف اعجمت
و حروف اہملت مختبۃ

عم حول و سرور العرس و هو ثلاثون و الف و مئۃ

اس دور میں صنعت مہملہ اور مجملہ میں کتابیں تصنیف ہوئیں اور قصائد نظم کئے گئے، فیضی کی ضخیم بے نقط تفسیر قرآن ”سواطع الالہام“ بھی اسی عہد کا ایک نمونہ ہے اس کی

افادیت سے قطع نظر یہ زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت کا ایک شاہکار ہے، اس میں ایسی تحریریں اور نظمیں لکھی گئیں جنہیں افقی طور پر پڑھئے تو مدح ہے اور عمودی طور پر پڑھئے تو ہجو ہے، یا انہیں عکس و طرد پڑھئے پر الگ الگ معنی نکلتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان نمونوں کی تعریف مقصود نہیں ہے لیکن یہ انسانی عقل کی پیداوار اور غور و فکر کا نتیجہ ہیں۔ انہیں ادبی و معنوی اعتبار سے کم قیمت ضرور کہا جاسکتا ہے لیکن ان میں پیکاسو کے ”شاہکار“ جیسا کوئی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اسی دور نے ہمیں مقدمہ ابن خلدون، لسان العرب، صبح الاعشی اور نہایت الارب جیسی ادبی کتابیں بھی دی ہیں جن کے بغیر کوئی عربی کتب خانہ مکمل نہیں ہو سکتا ہے۔

آزاد کو بھی اسی دور کے تناظر میں دیکھنا چاہئے اور اسی کے معیار پر پرکھنا چاہئے یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہندوستانی ناقدین کے برخلاف عرب ادباء و ناقدین میں سے جس نے بھی آزاد کا مطالعہ کیا اس نے ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا۔

استاد شلقامی نے تو انہیں اپنے معاصرین میں سب سے بہتر و بلند تر قرار دیا ”اذا قارنا شعر آزاد بغیرہ من معاصریہ العصر الترقی۔ وجدنا انہ القمہ لایکاد شاعر من معاصریہ ان یسمو الیہ“ انہیں عظیم و پیشتر قرار دیتے ہوئے بارودی سے تشبیہ دی ہے۔ ”لقد کان شاعرنا آزاد فحلا رائدا من طراز البارودی“ اور آزاد کی گمنامی یا گمنامی کی بے حد واقعیت پر مبنی توجیہ کی ہے کہ وہ ایک ایسے ماحول میں ہوئے جو (علمی و فکری) طور پر ان کے استقبال کے لئے تیار نہیں تھا ”ولکن لم تسلط علیہ الاضواء حیث وجد فی بیئۃ غیر مستعدۃ لاستقبالہ“

خاتم المحدثین واللغویین حضرت علامہ مرتضیٰ حسین

زبیدی بلگرامی قدس سرہ

شہر تو شہر ہیں، بستیاں کیا کم ہیں، بستیاں زیادہ ہیں، شہر کم ہیں، کبھی شہر کھنڈر ہو جاتا ہے، بستیاں شہر بن جاتی ہیں، جس بستی کا ذکر ہو رہا ہے، کوئی اور بستی نہیں ہے یہ، بلگرام ہے یہ، جہاں کی خاک نے وہ رجال کا رپیدا کئے جن کے آگے مہر و ماہ شرمسار، نجوم و کواکب سہم گئے، ہاں! یہ بلگرام ہے۔

پیدائش:

سید الواصلین حضرت علامہ مرتضیٰ حسین کی پیدائش بگرام میں ہوئی، سن ہجری ۱۱۴۵ھ تھا، آپ کا تعلق سادات زیدی واسطی سے تھا، عہد حضانت گذرا تو تعلیم کا زمانہ آیا، ابتدائی تعلیم بگرام میں ہوئی، شیخ صبغۃ اللہ خیر آبادی (متوفی ۱۱۵۷ھ) جو وقت کے جید عالم و فاضل تھے۔ ان سے درس کے وقت آپ کی عمر بارہ برس کی تھی۔ علامہ احمد بن علی سندیلوی جو معقولات میں مشہور مانے جاتے تھے ان سے آپ نے معقولات کا درس لیا۔

اطراف ہند میں تعلیم:

سید الواصلین علامہ زبیدی نے اب بگرام چھوڑا، عمر کچی تھی مگر وہ الہ آباد پہنچے جو اس وقت علم و فضل میں شیریں چشمہ سمجھا جاتا تھا، وہاں آپ نے منتخب روزگار فاضل شیخ محمد فاخر بن محمد تکی علیہ الرحمہ سے علمی فیوض حاصل کئے۔ پھر ایک وقت وہ آیا کہ آپ نے الہ آباد کو خیر آباد کہا، اکبر آباد پہنچے جہاں ان کے استاذ شیخ محمد یاسین عباسی تھے۔ جن سے آپ نے کچھ کتابیں پڑھیں۔ دہلی جو اس وقت اپنی شہرت میں ثانی نہیں رکھتا تھا اس کشش نے علامہ زبیدی کو اکبر آباد سے دہلی پہنچا دیا۔ اس وقت آپ کی عمر پندرہ برس کی تھی۔ مسند وقت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) جو اپنے آپ میں بالکل طاق تھے۔ ان سے اور محدث کبیر علامہ نور الدین محمد القبولی (متوفی ۱۱۶۰ھ) سے علامہ زبیدی نے خوب خوب استفادہ کیا۔ دہلی سے دل بھر گیا، تو پھر آپ بہر صورت سورت تشریف لے گئے۔ جہاں آپ علامہ خیر الدین محمد زاہدی سورتی (متوفی ۱۲۰۶ھ) کی خدمت میں حاضر ہو کر کسب فیض کیا۔ علامہ خیر الدین محدث محمد حیات سندھی کے نامور شاگرد تھے۔ یہاں علامہ زبیدی نے کامل ایک سال رہ کر علوم و فنون کی تکمیل کی۔

دیار عرب روانگی:

بگرام ان کا وطن تھا، الہ آباد، اکبر آباد، دہلی، سورت سفر کیا، مگر ذوق ابھی تازہ تھا حصول علم کی دھن سوار تھی جو انہیں دیار عرب لے گئی، جب وہ عرب حاضر ہوئے تو یہ ان کی عمر کا سوہواں سال تھا۔ ۱۱۶۱ھ میں یمن پہنچے اور یمن کے شہر زبید میں قیام کیا جس کو اس زمانہ میں علم و فن کی مرکزیت حاصل تھی، شیخ احمد بن محمد مقبول الاحدل جو علم و فضل کا دائرہ

سمجھے جاتے تھے ان سے آپ نے کچھ کتابوں کا درس لیا۔ شیخ رضی الدین عبدالحق الزبیدی (متوفی ۱۱۸۱ھ) جو خاتم المحدثین کے لقب سے ملقب تھے۔ ان سے آپ نے علم حدیث میں کمال حاصل کیا اور شیخ محمد بن علاؤ الدین کی صحبت میں رہ کر علمی فیوض و برکات حاصل کئے۔ یمن جو علم و ایمان میں اپنی نظیر آپ ہے وہاں کی آب و ہوا آپ کے ذہن پر خاص اثر ڈالا۔

یہ شوق علم ہی تھا جو یمن سے انہیں اٹھا کر حجاز لے گیا۔ جہاں ان کی وہ تمنا پوری ہو گئی جو ہر مسلمان کی ہوتی ہے۔ علامہ زبیدی نے یہاں حج و زیارت کے فرائض ادا کئے وہیں انہیں حرم الہی کے سایہ میں رہنے والے علما و مشائخ سے استفادہ کا خوب خوب موقع ملا۔ وہ شائق علم اور اخاذ طبیعت کے تو تھے ہی، ان علما و مشائخ سے انہوں نے کیا کچھ حاصل نہیں کیا ہوگا؟ جس کی تفصیل فی الوقت پیش نظر نہیں۔ ۱۱۶۳ھ میں علامہ زبیدی طائف تشریف لے گئے۔ تو وہاں انہوں نے شیخ عبد اللہ الطائفی سے فقہ و اصول کی کتابیں پڑھیں۔ اور شیخ الطائفی کی لکھی ہوئی اکثر کتابوں کا درس خود مصنف علامہ الطائفی سے لیا۔ شیخ عبد اللہ بن ابراہیم بن حسن الجبلی الطائفی سے وہیں ان کی ملاقات ہوئی۔ ان کی خدمت میں رہ کر علامہ بگرامی نے شیخ موصوف کا تصنیف کردہ ایک رسالہ ان سے سبقاً سبقاً پڑھا۔

مکہ مکرمہ خدا اس کے شرف و مجد کو روز افزوں کرے، میں علامہ بگرامی نے مختصر السعد پڑھی، استاذ علامہ شیخ عبد الرحمن العیدروسی تھے، بل من مزید کی جو تلاش تھی وہ انہیں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ لے گئی، یہ ۱۱۶۴ھ کا زمانہ تھا۔ شیخ وقت فاضل اجل علامہ عمر بن احمد بن عقیل الاحسینی جن کے درس کی شہرت دور و دراز تک تھی، ان سے آپ نے کسب فیض کیا۔ شیخ ابو عبد اللہ احمد بن محمود اثرنی القاسمی (متوفی ۱۱۷۰ھ) جو لغت و ادب میں مشہور آفاق تھے۔ ان سے آپ نے شیخ مجد الدین فیروز آبادی کی معروف لغت القاموس المحیط کے چند اسباق پڑھے۔ عجب نہیں کہ اسی دوران انہیں اس کتاب کی شرح لکھنے کا خیال پیدا ہوا ہو۔ زیارت حریم اور وہاں کے شیوخ سے طلب علم اور فیض صحبت اٹھانے کے بعد غالباً ۱۱۶۵ھ میں پھر آپ نے یمن مراجعت کی۔

۱۱۶۷ھ میں علامہ بگرامی نے سفر مصر کا پروگرام بنایا۔ اس سفر کا سبب ان کے استاذ شیخ عبد الرحمن العیدروسی کی خواہش تھی یا اقرار تھا۔ جن سے انہوں نے مکہ مکرمہ میں شرف شاگردی حاصل کیا تھا۔ اور عقیدت و نیاز کا رشتہ استوار ہوا تھا۔ مصر پہنچ کر وہ نیچے

خاموش بیٹھتے ان کو تو تحصیل علم کی جستجو نے بے چین اور پابہ رکاب کر رکھا تھا۔ چنانچہ مصر کے مشہور اساتذہ سے اکتساب کرتے رہے۔ اسی طرح مصر کے دوسرے شہروں مثلاً میاط اسویط، الصعيد کا سفر کیا اور وہاں کے علماء کی مجالس میں بیٹھے اور علم و دانش کے دروس میں شامل ہوئے۔ وہیں سے وہ روم بھی گئے۔ قسطنطنیہ بھی تشریف لے گئے۔ غرض جہاں کہیں رہے، جہاں کہیں گئے، تحصیل علم میں سرگرداں رہے۔

تدریس:

اب وہ خود شیخ وقت کے منصب پر فائز ہو گئے۔ مصر ہی میں آپ نے مسند تدریس آراستہ کی اور ہنگامہ درس برپا کیا۔ طالبین و شائقین کے اصرار پر اب وہ درس و افادہ میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ تصنیف و تالیف کی طرف بھی طبیعت مائل ہو گئی۔ عبادت و ریاضت بھی ہوتی رہی۔ ذکر واذکار بھی ہوتے رہے۔ جس کی شہرت دور تک پھیلی۔ سیکڑوں شائقین علم کے علمی شوق کو پورا کیا اور ہزاروں تشنگان علم کی پیاس بجھائی۔ مصر، روم اور دیگر بلاد اسلامیہ کے علما و طلباء کی شدید خواہش و طلب پر انہیں اجازتیں بھی مرحمت فرمائیں۔ تحصیل علم و تفہیم علم میں ایک زمانہ بیت گیا۔ اس دور انہیں خود کا خیال بھی نہ رہا۔

ازدواجی زندگی:

علامہ بلگرامی تعلیم و تعلم، درس و تدریس، تالیف و تصنیف، سلوک و مجاہدہ میں اس قدر منہمک رہے کہ انہیں گھر بسانے کی فکر بھی نہیں آئی۔ جب وہ عمر کے اس مرحلے پر پہنچ گئے تو اب انہیں احساس ہوا کہ یہ فریضہ بھی انجام دے دیا جائے اور سکون و اطمینان سے زندگی بسر کی جائے۔ علم و فن جو انہوں نے وافر مقدار میں حاصل کیا تھا اس خزانہ کو تقسیم کیا جائے۔ تحریر و قلم کے نقوش چھوڑے جائیں۔ چنانچہ علامہ بلگرامی نے نکاح فرمایا۔ زوجہ کا نام ام الفضل زبیدہ تھا۔ یہ نیک خاتون شیخ ذوالفقار الدمیاطی کی بیٹی تھیں۔ ڈاکٹر شیل کی تحقیق کے مطابق یہ نکاح ۱۱۷۴ھ کے آس پاس ہوا ہوگا لیکن ایک مصری مورخ کے بقول یہ تاریخ نکاح ۱۱۸۲ھ تھی۔ پروفیسر مختار الدین نے اس کو قرین صواب کہا ہے۔

ام الفضل ایک نیک سیرت پاک باطن خاتون تھیں۔ محاسن و کمالات جوان کے اندر تھے وہ تو تھے ہی، سب سے بڑا حسن و کمال اس خاتون کا زیور علم سے آراستہ ہونا تھا۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب علامہ بلگرامی نے اپنے شیخ سے اجازت نامہ کی درخواست کی، تو یہ بھی استدعا کی کہ میرے ساتھ میری اہلیہ کو بھی اس دولت سے سرفراز کیا جائے۔ ۱۱۹۶ھ میں ام الفضل کا وصال ہو گیا۔ تو اس حادثہ نے علامہ بلگرامی کو صدموں سے چور کر دیا۔ اس کی شدت کا اندازہ کرنا ہو تو علامہ بلگرامی کے وہ اشعار و قطعات دیکھیں جو انہوں نے اپنی شریک حیات ام الفضل کی وفات پر قلمبند کئے ہیں۔

ام الفضل کی وفات نے علامہ بلگرامی کی زندگی میں بدمزگی پیدا کر دی۔ یہ وہ خلا تھا جسے پورا تو کیا جاسکتا تھا۔ مگر علامہ بلگرامی اولاً اس کے لئے تیار نہ تھے۔ بالآخر احباب کے شدید اصرار پر انہوں نے دوسرا نکاح کیا۔ لیکن نوشتہ تقدیر کو کون مٹا سکتا ہے۔ یہ دوسری بیوی بھی زیادہ دنوں تک ان کا ساتھ نہ دے سکیں۔ ۱۲۰۵ھ میں طاعون کی ایسی وبا پھیلی۔ جس نے پھر دوسری بیوی کو بھی علامہ بلگرامی کی رفاقت سے جدا کر دیا۔ جس سے ایک بار پھر علامہ بلگرامی کا معمول زندگی اٹھل پٹھل ہو کر رہ گیا۔ دس بارہ برس میں یہ دو حادثہ ایسے تھے جن سے علامہ بلگرامی بھی بے حد متاثر ہوئے۔

وفات:

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اسی سال اور اسی مرض طاعون میں علامہ بلگرامی کا بھی وصال ہو گیا۔ سینچر کا دن تھا اور شعبان کا مہینہ، ۱۲۰۵ھ تھا۔ علامہ بلگرامی کی وفات سے نہ صرف مصر کی سرزمین ان کے فیض و جود سے محروم ہو گئی۔ بلکہ عالم اسلام اس مینارہ نور اور ستارہ علم سے خالی ہو گیا۔ ان کی قبر انور پر خدا ہر پل رحمت و نور کی بارش برسائے۔ آمین۔ دونوں حرم سے اولاد نہیں ہوئی۔ مصر میں آپ کا مزار فیض گاہ عام ہے۔ علمی فتوحات جو آپ نے حاصل کی تھی۔ اس کے آثار و نقوش موجود ہیں۔ جن سے زمانہ جب سے اب تک مستفیض ہو رہا ہے۔

زبیدی کہلانے کی وجہ:

علامہ مرتضیٰ حسین بلگرامی تھے۔ ہندوستانی تھے۔ مگر چونکہ انہوں نے عمر کا خاصا حصہ یمن کے شہر زبیدی میں گزارا۔ مصر میں ایک طویل عرصہ رہے۔ لہذا لوگوں کو گمان ہوا وہ مصری تھے۔ زیادہ لوگوں کے اس خیال نے زور پکڑا کہ زبیدی تھے۔ یمن، مصر، حجاز میں ان

کے فیض یافتہ پھیلے ہوئے تھے۔ عرب میں طویل قیام نے ان کو ہندی نہیں عربی، بھنی، زبیدی، مصری بنا دیا تھا۔ کیونکہ وہاں انہوں نے بساط تدریس بچائی۔ کثرت سے تلامذہ موجود تھے۔ ڈھیر سارے اصحاب علم نے ان سے اجازتیں لی تھیں۔ ان ساری باتوں سے مورخین اور تذکرہ نویسوں کو شبہ ہوا کہ وہ شہر زبیدی ہی کے متوطن تھے۔ یہاں تک کہ ان کے شاگرد نے بھی ان کو ہندی نہیں لکھا۔ نہ اس بات کی تشریح کی کہ وہ بلگرامی ہیں یا ہندی ہیں۔ پروفیسر مختار الدین احمد نے ان کے شاگرد شیخ عبدالرحمن الجبرتی کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ۔ ”نشاء بہلادہ وار تکل الی طلب العلم“ پروفیسر مختار الدین لکھتے ہیں کہ، ”بہلادہ، سے مراد ہندوستان کے علاوہ اور کون سا ملک ہو سکتا ہے۔ پھر بھی الجبرتی نے اس کی صراحت ضروری نہیں سمجھی۔ جرجی زیدان نے بھی اس کی وضاحت نہیں کی۔ لکھا تو صرف اتنے پر قناعت کر لی۔“ ہوا بوالفیض الشہیر بمرقتی الحسین الزبیدی، نشاء بالین وار تکل فی طلب العلم ثم جاء مصر سنۃ کذا وکذا۔ یہاں بھی پروفیسر مختار الدین کا وہی ریمارک ہونا چاہئے۔

بات یہیں ختم نہیں ہوئی۔ تاج العروس، جو لغت میں علامہ بلگرامی کی مشہور کتاب ہے۔ یہ کتاب اپنے طرز کی واحد کتاب ہے۔ اس پر ایک حاشیہ امام احمد رضا نے بھی لکھا ہے۔ اس کا ایک ایڈیشن کویت سے شائع ہوا۔ جس پر مقدمہ الاستاذ عبدالستار فرج نے لکھا، جو عربی زبان و ادب کے مشہور محقق مانے جاتے تھے۔ انہوں نے تو حد ہی کر دی۔ علامہ مرقتی حسین کے ہندی ہونے سے سرے سے انکار کر دیا۔ ان کا یہ جملہ پڑھیں۔

”لأنجد نصاً واضحاً فی کلامہ یدل علی انه من الہند، شعبہ عربی علی گڑھ یونیورسٹی علی گڑھ کے پروفیسر عبدالعزیز میمنی نے جب یہ پڑھا تو بہت بدخط ہوئے۔ انہوں نے اپنے شاگرد سے اس کا رد لکھوایا۔ عبدالعزیز میمنی کے شاگرد ڈاکٹر محمد یوسف نے عربی میں تردیدی مضمون لکھا جس کا عنوان تھا۔ المرقتی کالمہند لائح کی معرفۃ، ڈاکٹر یوسف کا یہ مضمون دمشق کے مشہور جریڈہ ”مجلة الجمع اللغة العربیة“ جلد ۳۴/۹۳۰ میں شائع ہوا۔

نواب صدیق حسن بھوپالی نے اپنی کتاب ’ابجد الکلام‘ میں صاف طور پر یہ لکھا جو بالکل صحیح بات ہے۔ ابجد العلوم کی عبارت یہ ہے۔ وقد اقام رحمہ اللہ بزبیدی حتی قیل لہ الزبیدی واشتہر بذالک واخفی علی اکثر من الناس کونہ من الہند ومن بلجرمھا۔ نواب صدیق حسن تو ہندی ہی ہیں۔ بعض عرب علماء نے اس حقیقت کی نقاب کشائی کی ہے جس سے ناواقف عرب تذکرہ

نویسوں کا خیال یا اصرار غلط ثابت ہوتا ہے۔ الاستاذ عبدالحی کتانی جو مغرب اقصیٰ کے رہنے والے ہیں اور مشہور مصنف اور مشہور ماہر مخطوطات ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب ”فہرس الفہارس“ میں علامہ بلگرامی کے ذکر میں واضح لفظ میں یہ لکھا ہے، ”الواسطی العراقی اصلاً، الہندی مولداً، الزبیدی علماً وشہراً، المصری وفاتاً، الحنفی مذہباً، القادری اراداً، النقشبندی سکوناً، الاشعری عقیدۃ، ہذا یصف نفسه فی کثیر من اجازاتہ۔ التی وقفت علیہا بخطہ واصلہ من بلجرام قصبتہ علی خمسۃ فرائخ عن قنوج واشتغل علی محدث محمد فاخر بن تکی الالہ آبادی، الشاہ ولی اللہ دہلوی فسمع علیہ الحدیث واجازہ ثم ارتحل لطلب العلم فدخل زبیدی.....“ یہ رہا قصہ علامہ بلگرامی کے ہندی اور زبیدی ہونے کا۔

تصانیف و علمی آثار:

علامہ بلگرامی کے آبا و اجداد میں صاحب سیف بھی گزرے ہیں اور صاحب قلم بھی۔ علامہ بلگرامی خود صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد مختلف جگہ متعدد نظر آتی ہے۔ کہیں یہ تعداد ۱۰۷، تو کہیں ۱۶۰ ملتی ہے۔ یہ بھی بعید نہیں کہ ان کی تصانیف ۱۶۰ سے بھی متجاوز ہوں۔ حتیٰ تعداد کا علم کسی کو نہیں، کچھ تصانیف کا ذکر خود علامہ بلگرامی نے کیا ہے۔ جو ان کی کتاب تاج العروس، کے خاتمہ میں ملتا ہے۔ علامہ کتانی کی ”فہرس الفہارس“ میں بھی اس کا سراغ موجود ہے۔ الحركات الصلاحیۃ، جو ڈاکٹر شیل کی تصانیف ہے۔ اس میں بھی متعدد تصانیف کا ذکر ہوا ہے۔ الاستاذ عبدالستار فرج نے یہ تعداد ۱۰۷ بتائی ہے۔ مولانا ابو محفوظ الکریم المعصومی نے یہ تعداد ۱۶۰ تک پہنچائی ہے۔

علامہ بلگرامی کی تصانیف میں ضخیم ضخیم مجلدات بھی ہیں، مثلاً ”تاج العروس میں فی شرح القاموس اور اتحاف السادۃ المتقین، مختصر رسائل بھی ہیں، اسناد و اجازات بھی ہیں اور اوراد و اذکار کے مجموعے بھی ہیں۔ شعری دیوان بھی ہے، مطبوعات بھی ہیں اور مخطوطات بھی۔ ان کی بعض کتابیں ہندوستان سے بھی شائع ہوئی ہیں۔ یورپ سے بھی طبع کی گئی ہیں۔ عرب ممالک میں تو بطور خاص ان کی تصانیف مشہور و مطبوع ہیں۔ جو کتابیں شائع نہیں ہوئی ہیں۔ وہ ہندوستان، عرب ممالک، مشرق وسطیٰ اور یورپی ممالک کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ کچھ مولفات و مصنفات ایسی بھی ہیں جن کا تذکرہ خود ان کی کتابوں یا

دوسرے مصادر و مراجع میں ملتا ہے، لیکن وجود کا پتہ نہیں ملتا ہے۔

اب یہاں بعض مطبوعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو نہایت مشہور ہیں۔ مطبوعات میں سب سے زیادہ مشہور و مقبول کتاب ان کی تاج العروس فی شرح القاموس ہے۔ تاج العروس، القاموس کی انتہائی ضخیم اور مستند شرح ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ القاموس، مولوی محمد الدین بن محمد یعقوب فیروز آبادی کی مقبول عام لغوی کتاب ہے۔ تاج العروس شرح القاموس لکھتے وقت مصنف علامہ کے سامنے حوالے کے ایک سو دس کتابیں موجود تھیں۔ جن میں بعض تو شائع شدہ تھیں، لیکن چند اہم خطی نسخے بھی تھے جو انہیں عرب ممالک کے علمی سفر اور سیاحت کے دوران موصول ہوئے تھے۔ وہ ایسے نادر و نایاب قلمی نسخے تھے جن کی اشاعت کی کبھی نوبت ہی نہیں آئی۔ اب تو ان میں بہت بالکل ناپید ہیں۔ اور کچھ ایسی بھی ہیں جو اب بھی غیر مطبوعہ ہیں۔ ایسی نادر المثل کتابوں کا نچوڑ ”تاج العروس“ ہے جس کی ابتداء علامہ بلگرامی نے ۱۱۷۵ھ میں کی تھی اور اس کی تکمیل ۱۱۸۶ھ میں ہوئی۔ یہ کوئی بارہ سال کی عرصہ میں یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچی۔ لیکن مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ بلگرامی اس میں ۱۱۹۲ھ تک اضافہ کرتے رہے۔ ابجد العلوم میں علامہ زبیدی کا ایک خط درج ہے جس میں انہوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ تاج العروس کی تصنیف میں چودہ سال دو مہینے صرف ہوئے دیکھئے ابجد العلوم جلد سوم (ص ۷۱، ۷۲ ساحل)

یہ وہ مشہور زمانہ اور مقبول اقران کتاب ہے جس کی طباعت معلوم ذرائع کے مطابق غالباً تین بار ہو چکی ہے۔ عربی لغت کی یہ اہم و قیمتی کتاب پہلی بار مصر سے شائع ہوئی۔ مطبعۃ الوہبیہ مصر نے طباعت کا فصد تو کیا۔ لیکن صرف پانچ ہی جلدیں شائع ہو سکیں۔ جو الف سے حرف عین تک ہی تھیں۔ مکمل کتاب جو دس جلدوں پر مشتمل تھی۔ دوبارہ مصر ہی سے ۱۳۰۷ھ میں چھپی۔ پھر ایک مدت بعد کویت سے طبع کی گئی۔ لیکن یہ خوبصورت ایڈیشن اب ۲۲ جلدوں پر مشتمل ہے۔ جو استاذ عبدالستار احمد، استاذ عبدالسلام محمد ہارون اور دوسرے قابل علماء عرب کی ترتیب جدید ہے۔ عجب نہیں اس کی مزید اور جلدیں ہوں۔ یہی وہ تاج العروس ہے جس پر امام احمد رضا کا حاشیہ قلمی صورت میں موجود ہے۔

دوسری اہم تصنیف واتحاف السادہ المتقین، ہے جو احیاء علوم الدین کی شرح ہے۔ احیاء علوم الدین، معلوم ہے۔ حضرت امام غزالی کی تصنیف ہے۔ جس کی شرح واتحاف

السادہ، بیس جلدوں میں ہے اور یہ نہایت بسیط و مفصل شرح ہے۔ جو علامہ بلگرامی کی غزوات علم پر دال ہے۔ یہ شرح غالباً پہلی بار فاس سے ۱۳۰۴ھ میں شائع ہوئی۔ یہی کتاب دوبارہ مصر سے ۱۳۱۱ھ میں دس ضخیم مجلدات میں شائع کی گئی۔ مصر ہی سے علامہ بلگرامی کی کتاب ”بلغة الاریب“ ۱۳۲۶ھ میں شائع ہوئی۔ چوتھی کتاب ”تنبیہ العارف“ ۱۳۳۳ھ میں شائع کی گئی۔ رسالہ ”حکمت الاشراق“ ۱۹۰۴ء میں طبع کیا گیا۔ یہ رسالہ الاستاذ عبدالسلام محمد ہارون کا مرتب کردہ ہے۔ نشوۃ الاربتاح فی بیان حقیقۃ المیسر والقدر لا بیڈن سے ۱۳۰۳ھ میں طبع ہوئی۔ اس کتاب کے دو قلمی نسخے برلن اور قاہرہ میں موجود تھے۔ ہندوستان سے بھی علامہ بلگرامی کی کئی کتابیں چھپی ہیں۔ چنانچہ ”الازہار المتناثرہ“ کا انتخاب اختصار نواب صدیق حسن خان نے چھپوایا۔ دوسری کتاب ہدیۃ الاخوان فی حکم شرب الدخان، کو شیخ حمد الجلسر نے اپنے مجلہ ”العرب“ میں ۱۹۷۶ء میں شائع کیا۔

علامہ بلگرامی کی بیشتر تصانیف غیر مطبوعہ ہیں۔ چند تصانیف کا ذکر یہاں فائدہ سے خالی نہیں۔ مجھے علم نہیں کہ ان میں سے کوئی کتاب کہیں سے چھپی ہو۔

- (۱) اسانید الکتب الستہ، یہ کتاب ذخیرہ مخطوطات برلن میں محفوظ ہے۔
- (۲) الامالی الشیوخیہ، یہ بھی بخط مصنف مکتوبہ ۱۱۹۰ھ برلن میں موجود ہے۔
- (۳) قلمسۃ التاج فی بعض احادیث الاسراء والمعراج، سال تالیف ۱۱۸۲ھ ہے۔
- (۴) یہ بھی برلن میں موجود ہے۔
- (۵) المنح العلییہ فی الطریقۃ النقیبۃ کتب خانہ برلن میں محفوظ ہے۔
- (۶) الاجازۃ لکمال الدین احمد آفندی یہ بھی کتب خانہ برلن میں محفوظ ہے۔
- (۷) غایۃ الایہتاج اس کا مجھے علم نہیں۔
- (۸) تحفۃ القماعیل فی مدح سید العرب اسماعیل، بخط مصنف
- (۹) القول المہتوت فی تحقیق لفظ التابوت۔
- (۱۰) رسالہ فی احادیث تتعلق بفضل یوم عاشورہ بخط مصنف
- (۱۱) یہ تینوں کتابیں دارالکتب قاہرہ مصر میں موجود ہیں:
- (۱۰) ایضاح المدارک عن نسب العواتک
- (۱۱) بذل الجود فی تخریج حدیث شبتنی سورۃ ہود

- (۱۲) تخریج احادیث الاربعین النوویہ
(۱۳) التعلیقہ الجلیہ بتعلیق مسلسلات ابن عقیلہ
(۱۴) عقد الجمان فی احادیث الجان
(۱۵) معجم شیوخ العلماء الاجہوری شیخ الفقراء بمصر
اس کے علاوہ بعض تصانیف کے بعض اجزاء، بعض امالی، بعض اجازات، الاستاذ عبدالحی الکتانی کے ذخیرہ علمیہ میں ہیں۔ اس کا ذکر خود الکتانی نے اپنی کتاب فہرس الفہارس میں کیا ہے۔
جرمن کے مشہور مستشرق محقق بروکلمان کی کتاب تاریخ آداب اللغۃ العربیہ میں درج ذیل کتابوں اور مختلف نسخوں کا تذکرہ ہوا ہے۔

- (۱۶) سفینۃ النجات، بخط مصنف
(۱۷) عقد الجمان
(۱۸) عقد اللآلی الممتاثرہ
(۱۹) الموعظۃ الحسنۃ فی وداع شہر رمضان المبارک
(۲۰) نشوۃ الارتیاح فی بیان حقیقت المیسر والقدر
(۲۱) عقود الجواهر المنیفہ
(۲۲) معجم المشائخ
آخر کے یہ دو نسخے مکتبہ شیخ الاسلام عارف حکمت میں محفوظ ہیں۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں بعض خطی نسخوں کا بھی پتہ چلتا ہے۔
(۲۳) شعب الایمان
(۲۴) القول المسموع فی القرآن بین الکوع والکرسوع
(۲۵) مجموعۃ الرسائل

یہ تینوں کتابیں ندوۃ العلماء کی لائبریری میں بتائی جاتی ہیں۔ آخر الذکر کتاب نواب صدیق حسن کے قلم سے نقل ہوئی ہے۔ کچھ مخطوطات ایشیا ٹک سوسائٹی کلکتہ اور کچھ آزاد لائبریری علیگڑھ کے شعبہ مخطوطات میں موجود ہونے کا بیان ملتا ہے۔
یہاں تک تو ان کے نثری تصانیف کا بیان ہوا اب ذرا گفتگو ان کے شعری کمال

کے بارے میں۔ علامہ بلگرامی صاحب دیوان شاعر بھی تھے۔ ان کے ڈھیر سارے قطعات ہیں۔ یہ قطعات و مقطوعات ان کی دیگر تصانیف میں بکھرے ہوئے ہیں۔ مگر ان کے دو منظوم مستقل مجموعے بھی موجود ہیں۔ ایک تو الدرۃ المضیہ والوصیۃ المرتضیہ ہے۔ جو دو سو بیس اشعار پر مشتمل ہے۔ دوسرا المقاصد الہندیہ فی المشاہد النقصیہ یہ ہے جس میں ایک سو پچاس اشعار ہیں۔ ان دو مجموعوں کو پروفیسر ابو محفوظ الکریم معصومی نے مرتب کیا تھا اور پروفیسر مختار الدین احمد نے مجلۃ الجمع العلمی الہندی، جلد پنجم بابت جون ۱۹۸۰ء میں شائع کیا تھا۔ اصحاب ذوق جب ان رسالوں یا ان کے اشعار کا مطالعہ کرتے ہیں تو متاثر ہوئے بنائیں رہ پاتے۔ جن سے شعری میدان میں ان کی مہارت و کمال اور زبان و بیان پر قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

علامہ بلگرامی کی شہرت جب آفاق میں پھیلی۔ تو وہ عالم گیر شہرت و مقبولیت کے منتہی تک پہنچے۔ اہل علم اور اصحاب فن ان کے حلقے میں شامل ہونے لگے۔ طول و عرض سے لوگوں نے ان سے اجازتیں لیں۔ حتیٰ کہ سلطان عبدالحمید خان نے قسطنطنیہ سے درخواست کی اور خط لکھا کہ علامہ بلگرامی سلطان کو الحدیث المسلسل اور بعض دیگر روایات کی اجازت دیں۔ چنانچہ علامہ بلگرامی نے اجازت نامہ لکھ کر روانہ کر دیا۔ یہی نہیں، علامہ بلگرامی نے سلطان مذکور جو نہایت دین دار تھا، کی مدح میں ایک قصیدہ بھی تحریر کیا اور ارسال کیا۔ اس قصیدہ کا نام تھا ”قصیدہ عینیہ“ یہ کوئی ۱۱۹۳ھ کا واقعہ ہے، جس سے علامہ بلگرامی کا علمی پایہ سمجھا جاسکتا ہے۔ اس قصیدے کا مطلع یہ ہے۔

سقی اللہ ربعا کان فیہ مربعا
و مغنی بہ غصن الشیبۃ ایغا



علامہ سید عبدالجلیل نامی واسطی بلگرامی قدس سرہ

آب و گل من کہ فیض عام است از خطہ پاک بلگرام است
 سبحان اللہ چہ بلگرامے کوثر مے و آتاب جامے
 خاش گل نو بہار عشق است آتش مے بے شمار عشق است
 از عشق سر شتہ ایزد پاک در روز ازل خمیر ایں خاک
 ہر لالہ کزیں دیار روید تخم دل داغدار روید
 ہر گل کہ دمیدہ است زیں خاک خونیں جگرے است پیرہن چاک
 نرگس نہ بود بطرف گلزار منصور بر آمد است بردار
 گل با سنبہل بہم دراں خاک آویختہ بسلے بفتراک
 تاوصف بہار را کنم سر صد غوطہ زخم بموج کوثر
 خورشید ازان بہار نیرنگ پڑمرده گلے است باختہ رنگ
 ہر کوچہ شہر عشرت انگیز چون رستہ کہکشاں دلاویز
 ہر سو صحنے کرشمہ پرداز از نوک نگہ جگر رفو ساز
 تاپاے کشاں کمند کاگل سرمست نگاہ پر تغافل
 از چین جبین ناز تخمیر درپائے نگاہ کرد زنجیر
 خطے کہ بھفحہ عذار است شیرازہ جوش نو بہار است
 از خنجر غمزہ مقابل تا سینہ دریدہ پردہ دل

تاور تنق حیا نشستہ چنق از مژہ بر نگاہ بستہ
 از واشدن گل تبسم در خون شفق طپیدہ انجم
 از سینہ شاں کہ چون بہار است پیشانی صبح داغدار است
 عشاق جگر فگار آنجا کج کردہ سر کلاہ سودا
 ساغر طلبان شعلہ طور مینا شکنان سوز منصور
 ہر قطرہ اشک شاں بزاری فانوس خیال بیقراری
 ہر مدّ نگاہ موج خون است نے نے غلطم رگ جنون است
 از فرقہ طالبان مولی رنگینی بزم وصف اولی
 وحدت نگہبان کثرت آثار از بادۂ نفی غیر سرشار
 اطوار و جود دیدہ دیک رنگ حیرت بہ نگاہ کرد ہم سنگ
 مینا شکنان بزم ہستی مدہوش شراب حق پرستی
 دل کردہ زبہر یار خود فرش الرحمن استوی علی العرش
 طے ساختہ وادی شریعت جا کردہ بمنزل حقیقت
 وا کردہ نظر بحسن جاوید از دیدہ سرمہ سائے توحید
 سر گرم طواف کعبہ دل قربانی نفس کردہ بسمل
 تا یافتہ گنج کنٹ کنزاً دادہ دل و دیں زکوٰۃ ازکی



سید محمد شاعر بلگرامی قدس سرہ

سیر باید کرد یاراں نو بہارم بلگرام
ہر نفس عطر گلستانِ یمن بو میکنند
عطف از فردوس می سازد عنان دیدہ را
اہل معنی، کسبِ انوارِ سعادت می کنند
شش جہت تنگ است بر جولانِ رخس ہمتش
خواجه کامل عماد الدین قطب الاولیا
از ورودِ موکب آں خسروِ عالیجناب
آستانِ اشرف او بوسہ گاہ آسمان
بر زمرہ ناز دارد سبزہ زارِ بلگرام
خوش دماغاں از نسیم مشکبارِ بلگرام
چشم بینائی کہ میگردو دو چارِ بلگرام
از سوادِ اعظم دولت مدارِ بلگرام
بر فرازِ عرش تازد شہسوارِ بلگرام
حلقہ باب حریم او حصارِ بلگرام
سرمہ چشم ملک باشد غبارِ بلگرام
بار گاہ اقدس اوانتخارِ بلگرام

یاد ہندوستان کجا از خاطر طوطی رود
می کند شاعر بجا وصفِ دیارِ بلگرام



اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ

اللہ اللہ عز و شان و احترام بلگرام
روز عرس آوارگان دشت غربت کیلئے
آسماں عینک لگا کر مہر و مہ کی دیکھ لے
تھا بما احتسبت بلدہ کا پاخ بالکرام
یادگار اب تک ہیں اس گل کی بہار فیض کے
لائی ہے اس آفتاب دیں کی تحویل جلیل
عبد واحد کے سبب جنت ہے نام بلگرام
من و سلویٰ ہیں مگر خمیز و ادام بلگرام
جلوہ انوار حق ہے صبح و شام بلگرام
مرکز دین میں ٹھہرا یہ نام بلگرام
خندہ ہائے گل رخاں و لالہ فام بلگرام
ساغر مارہرہ میں صہبائے جام بلگرام



علی بخش ظہیر بلگرامی

باغِ جنناں ہے کوچہ و بازار بلگرام
 سینچا ہوا ہے یہ چمن آبِ حیات سے
 جامِ جہاں نما سے بھی جم کو تھی یہ غرض
 آیا یہاں گدا جو کوئی شاہ ہو گیا
 یہ وہ جگہ ہے جس سے جہاں فیضاب ہے
 کب شہرہ کی آنکھ پڑی آفتاب پر
 دیکھے چشم بد سے تو آنکھیں ہوں اور اس کی کور
 رضواں ہے نقد دل سے خریدار بلگرام
 طوبیٰ سے سر بلند ہیں اشجار بلگرام
 رہ جائے تا نہ حسرت دیدار بلگرام
 ظل ہما ہے سایہ دیوار بلگرام
 حاجت روائے عام ہے سرکار بلگرام
 کم ہیں کو سو جھتی نہیں انوار بلگرام
 نشتر رگ نگاہ کو ہو خار بلگرام

باغِ جنناں میں بلبلِ سدرہ ہے نغمہ ساز
 میں ہوں ظہیر طوطی گلزار بلگرام



سید فرزند احمد صفیر بلگرامی

ہم کو کیونکر ہو نہ پیارا بلگرام
 ہو اگر دم کا سہارا بلگرام
 سب میں ہیں ساکن وہاں کے متصف
 دو مقامِ عجوبہ ہیں پیدا ہوئے
 تھنبا الانہار سے مطلب ہے یہ
 اس کے ہم اعداد لفظیں مجھ سے سن
 پہر ہوں میں مشتاق تیری دید کا
 نام کی اس کے جورٹ ہے رات دن
 ہے وطن اے دل ہمارا بلگرام
 تجھ میں رہنا ہے گوارا بلگرام
 سب مقاموں میں دلارا بلگرام
 خلد پنہاں آشکارا بلگرام
 پاس ہے گنگا کا دہارا بلگرام
 تاکہ ہو تجھ کو گوارا بلگرام
 اب تو اس فرقت نے مارا بلگرام
 ہے سخن تکیہ ہمارا بلگرام

مولد و مسکن وطن ہے ای صفیر
 تین جا مارہرہ آرا بلگرام

مارہرہ مطہرہ جلوہ گاہ سادات زیدی صغروی

ڈاکٹر محمد افضال برکاتی، میڈیکل چیمبر ریلوے روڈ اٹا وہ



مارہرہ مطہرہ جلوہ گاہ سادات زیدی

سرزمین ہند کے بین اقوامی شہرت یافتہ قصبہ مارہرہ ایک انوکھی بستی ہے کہ جس میں دلوں کو چمکانے والے خاندان یعنی خاندان برکات کے یہ سادات کرام ولی اور قطب کے اعلیٰ روحانی مقام پر فائز ہوئے اور دین اسلام، مسلک اہل سنت و جماعت اور خلق خدا کی خدمات انجام دیتے رہے ہیں اور جس کا سلسلہ نسب حاجی کفر و شرک فاتح بلگرام حضرت سید محمد صاحب الدعوة الصغریٰ اور شہید اعظم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت زید شہید رضی اللہ عنہ سے ہوتا ہوا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ قرآن میں اس اعلیٰ روحانی مقام کو اللہ کے دوست سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ دلوں کو طہارت بخشنے والی اصل ذات اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات ہے۔ مگر یہ نسبت جب مخلوق کی جانب کی جائے تو یہ نسبت مجازی ہوگی، نسبت حقیقی نہیں۔ نسبت مجازی کا استعمال کتاب و سنت میں جگہ جگہ کیا گیا ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے: تو تم نے انہیں نہیں قتل کیا تھا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا تھا (انفال-۱۷) تم کہو تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے جو تم پر مقرر ہے (سورہ سجدہ-۱۱) نسبت مجازی کا نمونہ یہ بھی ہے: اور نہ یغوث و یعوق اور نہ سر کو جنہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا، (سورہ نوح-۲۳) گمراہ کرنے کی نسبت یغوث و یعوق اور نہ سر کی طرف مجاز عقلی ہے کیوں کہ وہ سب گمراہی بنے حالانکہ ہدایت دینے والا اور گمراہ کرنے والا حقیقتاً صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کتب احادیث میں نسبت مجازی کی چند مثالیں یہ ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جن کی طرف حوائج میں پناہ لی جاتی ہے، یہ بھی ہے جس نے مومن کی کوئی دنیاوی مصیبت دور کی، اور یہ بھی آپ کا ارشاد گرامی ہے: اللہ بندے کی مدد کرتا ہے جب تک

بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے۔ مومن احادیث کی روشنی میں ضرورت پوری کرنے والا، مشکل آسان کرنے والا اور اعانت کرنے والا ہوا۔ جبکہ ضرورت پوری کرنے والا، مشکل آسان کرنے والا اور اعانت کرنے والا حقیقتاً صرف اللہ عزوجل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بندوں کی جانب جب افعال کی نسبت کی جائے تو یہ نسبت بطریق کسب اور واسطہ ہوگی بطریق ایجاد و اختراع نہیں کہ انہیں اختراع کرنے والا اور قدرت و ارادہ والا تو صرف اللہ ہے۔ نسبت مجازی کا استعمال کتاب و سنت کی روشنی میں مومن کے لئے جائز ہے کیوں کہ وہ مؤحد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو بشر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی مبارک میں تقویض کیا تھا، جو سیدنا حضرت شیث علیہ السلام، حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل علیہم السلام سے گزرتا ہوا، پاک صلہوں اور رحموں میں منتقل ہوتا ہوا سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے لطن پاک میں پہنچا اور نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں سکونت پذیر ہو گیا۔ گویا رب کائنات نے اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جدید سائنسی اصطلاح میں ایک مخصوص جینیائی ضابطہ Genetic code کو اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ بے مثال حسن تشکیل تک پہنچایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ صفات و کمالات، اخلاق حسنہ، عادات طیبہ اور انسانی حسن میں بے مثال بنا دیا۔ پھر جتنا چاہا آپ کی پیاری بیٹی حضرت بی بی فاطمہ میں یہ جینیائی مادہ Genetic Maternal منتقل کیا جو حضرت امام حسن و امام حسین سے گزرتا ہوا سادات کرام کو جینیائی انفرادیت بخشا ہوا قیامت تک حرکت و انتقال کے مراحل سے گزرتا رہے گا۔ اس انفرادیت کا اظہار سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے: قیامت کے دن سارے رشتے منقطع ہو جائیں گے سوا میرے رشتے کے۔ (الحديث)

ہر زمانہ کے مفسرین و محدثین نے سادات کرام کو اہلبیت و آل رسول میں وارد آیات و احادیث کا مصداق سمجھا ہے اور اس نسبت کے سبب ان کی تعظیم و تکریم کرتے چلے آئے ہیں۔ چند احادیث کریمہ پیش کی جاتی ہیں: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ہم اہل بیت کی محبت لازم پکڑو کیوں کہ ہماری محبت والا جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملے گا ہماری شفاعت سے جنت میں جائے گا، امام دوہلی روایت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص وسیلہ چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ میری بارگاہ میں اس کی کوئی خدمت ہو جس کی بدولت میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں تو اسے میرے اہل بیت سے محبت کرنی چاہئے اور انہیں خوش کرنا چاہئے۔ اور یہ بھی حدیث شریف ہے: تم میں سے بہتر وہ ہے جو میرے اہل کے ساتھ اچھا ہوگا۔ علامہ سیدی عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: مجھ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ میں سادات کرام کی بیحد تعظیم کرتا ہوں اگرچہ لوگ ان کی نسبت میں طعن کرتے ہوں۔ میں اس تعظیم کو اپنے اُوپر ان کا حق تصور کرتا ہوں۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ دین کے تین درجات ہیں۔ اسلام ایمان، احسان۔ ایمان نور عقیدہ ہے اسلام طاعت و عبادت ہے اور احسان مقام مراقبہ و مشاہدہ ہے۔ بیعت و ارادت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے تاریخی اور روحانی اتصال کا دوسرا نام ہے۔ روحانی اتصال اگر سادات پیر سے وابستہ ہے، تو بقول علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ یہ اللہ کے احسانات میں سے ایک ہے۔

اب خاندان برکات کے مورخ پیر و مرشد تاج العلماء سید محمد میاں قادری برکاتی قدس سرہ کی مشہور کتاب 'اصح التواریخ' سے حالات شاہ اجل عبدالجلیل و شاہ اولیس رحمہم اللہ پیش کئے جاتے ہیں۔

مقدم العارفین سید الواہبین حضرت سید شاہ عبدالجلیل قدس سرہ

آپ سب سے بڑے صاحبزادے حضرت سید شاہ میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ السامی کی زوجہ اولی سے تھے۔ صاحب جذبہ قوی و کیفیات عالی اکمل اولیائے عصر و مکمل عرفائے دہر (شجرہ و فص)

ولادت:

حضرت بیس رجب المرجب ۹۷۲ھ نوسو بہتر ہجری جمعرات کے دن ظہر کے اول وقت بلگرام میں رونق افروز ہوئے۔ اور سن طفولیت سے زمانہ شباب تک اپنے

حضرت والد ماجد قدس سرہ کے حضور میں تربیت پاتے رہے (کاشف آثار خاندان وغیرہ) مجموعہ اوراد میں حضرت کے والد ماجد کے دستخط خاص سے فقیر نے دیکھا، تولید عبد الجلیل اول وقت ظہر روز پنجشنبہ ۱۲۷۹ھ۔

حالات جذب سیر سیاحت:

ابھی آپ کا مخفوان شباب ہی تھا کہ قدرت خود آپ کے تزکیہ و تربیت پر متوجہ ہوئی اور عین شباب میں جاذبہ عنایت الہی نے کہ سلوک و فقر پر باعث ہوتا ہے ایسی کشش فرمائی کہ حضرت گھر بار اعزہ اقارب سب کو چھوڑ کر یکہ و تنہا حفظ و حمایت ربانی میں سبز صحرا نکل کھڑے ہوئے۔ بارہ برس اسی حالت جذب و ربودگی و استغراق و بے خودی میں ترک و تجرید کی حالت میں درویشانہ اقصائے عالم کی سیاحت فرمائی۔ اکثر ویرانوں جنگلوں اور کوہستانوں میں پھرتے اور اسی عالم تنہائی میں اس مطلوب یکتا اور محبوب بے ہمتا کی یاد میں اس کے نعرے لگاتے۔ عریانی پوشاک بھی اور درختوں کے پتوں اور جنگلوں کی بوٹیوں سے قوت لایموت خوراک (فص و کاشف و آثار وغیرہ)

معلم الخطیب کی تعلیم و تربیت:

اس زمانے میں اگرچہ آپ باپ سے مربی کی آغوش تربیت سے دور تھے اور مخلوق سے اختلاط نہیں فرماتے تھے مگر رب حقیقی اور خالق کل نے اپنی عنایت سے جنگل بیابان ہی میں اپنے مست و شیدا کی تربیت کا سامان غیبی پیدا فرمادیا تھا۔ رجال الغیب میں سے ایک بزرگ حضرت معلم الخطیب نام اتفاقات غیبی سے ہے۔ گویا کہ فرستادہ الہی ہیں اور حضرت کے لئے تبلیغ احکام ربانی کے متکفل حضرت سے انہیں بیابانوں کوہستانوں میں ملتے ہیں جو آہستہ آہستہ اپنے تصرف اور نرمی و مہربانی سے حضرت کے مزاج میں تصرف کرتے اور حالت جذب و بے خودی کو سکون و ہوشیاری سے بدلتے اور دلہی اور دلداری کی باتوں سے رفتہ رفتہ بات چیت میں ہمدستان ہو کر اپنے ساتھ مانوس کر کے حضرت کے باطن کو اپنے ظاہر کی طرف ملتفت کرتے اور تعلیم و تربیت فرماتے ہیں۔ اور اپنے بعض خاص اشغال و اکسار و عمل دعائے یمانی و وہ نام مجملہ اعمال موسوی و نادعلی و دیگر ادعیا و ارشاد فرماتے ہیں (فص و کاشف، آثار، اخبار خاندان و سوانح عمری متوسط وغیرہ)

پھر بلگرام میں گزر ہوتا ہے:

اب جانیے جس شخص کی برسوں تک کوئی خبر اہل وطن کو نہ پہنچے اس کے اعزہ اقارب اہل وطن اس کی جانب سے کیسے کچھ یاس انگیز خیالات نہ ہوں گے۔ یہی حالات آپ کے اعزہ و اہل وطن کی تھی کہ اسی عالم ناامیدی میں ایک بار اسی حالت جذب و استغراق میں حضرت کا گذر بلگرام سے ہوا۔ حسب معمول عرس حضرت شاہ بدایع الدین مدار قدس سرہ جو مکن پور میں کہ بلگرام سے ایک منزل پر ہے ہوا کرتا ہے، زمانہ آتا ہے۔ حضرت بھی عرس میں حاضر ہونے والے کسی قافلے کے ہمراہ ہو لیتے ہیں اور بلگرام سے جو راستہ میں پڑتا تھا ہو کر گذرتے ہیں۔ چوں کہ حضرت اسی حالت میں اکثر عالم بے خودی میں رہتے اور نعرے لگاتے تھے۔ اتفاقاً جب آپ کا گذر اس گلی سے ہوتا ہے جہاں آپ کی بہن کا مکان تھا تو اتفاقاً ان مکان کے سامنے بھی آپ سے ایک نعرہ سرزد ہوتا ہے۔ آپ کی بہن اگرچہ برسوں کی جدائی اور خیر خیریت نہ معلوم ہونے سے آپ کی زندگی کی طرف سے مایوس ہو چکی تھیں مگر پھر بھی آواز پہچان جاتیں اور فرماتی ہیں کہ یہ آواز تو عبد الجلیل کی معلوم ہوتی ہے اور جوش محبت سے بے قرار ہو کر دروازے تک دوڑی چلی آتی ہیں اور برسوں کے بچھڑے ہوئے بھائی کو گود میں لپٹا کر جوش محبت سے زار و قطار روئے لگتی ہیں۔ حضرت اگرچہ اول تو حالت وارفتگی میں اپنے آپ کو ان سے بیگانہ وار چھڑانا چاہتے ہیں مگر آخر ان کے اصرار اور حلقہ رحم کے پاس سے ان کے مکان میں تشریف لے جاتے اور آخر شب تک وہاں تشریف رکھتے ہیں مگر آخر رات کا سنسان سماں پھر وہی مسکن مالوف جنگل بیابان کی یاد دلاتا اور پھر حضرت ہوتے ہیں اور وہی ویرانہ اور وہی محبوب حقیقی کی یاد میں اس کے نعرے لگانا (کاشف آثار تذکرہ وغیرہ)

مارہرہ تشریف لاتے اور یہاں کے صاحب ولایت بنائے جاتے ہیں:

اس واقعہ کے دو تین سال بعد حالت جذب و ربودگی میں بارہ سال گزرنے پر جنگلوں میں پھرتے پھرتے حضرت کا گذر اتفاقاً اترنجی کھیڑا پر جو مارہرہ سے مشرقی سمت چار کوس کے قریب فاصلہ پر ہے۔ ہوتا ہے۔ یہ کھیڑا عزلت گزینوں اور تنہائی میں یک سوئی سے یاد خدا کرنے والوں کے لئے آج بھی ایک نہایت پر لطف و دلچسپ جگہ ہے۔ یہ کھیڑا

کسی زمانہ میں راجہ بین نامی ایک بڑے سرکش ہندو راجہ کا بہت مضبوط قلعہ تھا۔ سلطان معز الدین سام ملقب بہ شہاب الدین غوری نے کفار سے جہاد کی نیت سے اس قلعہ کو سب طرف سے گھیرے میں لے کر بارود کی نقب بچھا کر بہ مصداق عالیہا سافہا زیروز برکردیا اور اُڑا دیا۔ اس وقت سے یہ ویرانہ وحشی جانوروں کا مسکن ہو گیا ہے۔ جب حضرت اس ٹیلے پر پہنچتے ہیں تو ان کھنڈروں میں ایک مرد پیر بزرگ نورانی رجال الغیب میں سے نظر پڑتے ہیں اور حضرت سے فرماتے ہیں کہ میں خضر راہ اور ہادی گم گشتگان ہوں اور بہ غایت عنایت اپنے دست مبارک سے حضرت کو شیر و برنج کھلا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ یہاں سے قریب ایک شہر مارہرہ نام آباد ہے۔ بارگاہ الہی و دربار جناب رسالت پناہی سے وہاں کی ولایت تم کو عطا ہوئی، وہاں جا کر رہو اور ارشاد و ہدایت خلق میں مشغول ہو۔ یہ فرما کر وہ بزرگ تو غائب ہو جاتے ہیں اور حضرت جو وہ شیر و برنج نوش فرماتے اور حکایت حضرت گوش حق نبیوش میں پہنچتی ہے تو اس عالم محویت و جذب سے حالت ہوش و عقل میں آ جاتے ہیں اور چونکہ اس حالت محویت میں اکثر برہنہ بغیر لباس کے پھرتے تھے اب ہوش میں آتے ہی درختوں کے پتوں سے فوراً اپنے آپ کو چھپاتے ہیں۔ اترنجی کھیڑے کے قرب وجوار کے زمین دار حضرت کے قدم میمنت لزوم کی خبر پا کر حاضر ہوتے اور اپنے گھروں میں حضرت کو لے جا کر مشرف بہ خدمت ہوتے ہیں۔ بعد افاقت ادھر تو حضرت مارہرہ کا قصد فرماتے ہیں اور ادھر یہاں مارہرہ میں رینسان مارہرہ میں سے چودھری وزیر محمد ملقب بچودھری وزیر خان پوتے چودھری فتح خان کے کہ یہاں کے نامی رئیس اور قصبہ کے زمین دار اور قانون گوئی پر گنہ بڑے صاحب اقتدار خدا پست نیک نیت اور خادم فقرا تھے۔ بوقت شب تین بار پے در پے عالم واقع میں جمال جہاں آرائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتے اور آنحضرت سے یہ بشارت و حکم پاتے ہیں کہ میری اولاد سے تیرا پیر یہاں کا صاحب ولایت اترنجی کھیڑے پر ہے اور طرف مشرق سے آتا ہے۔ اسے وہاں سے استقبال کر کے لے آؤ اور اس کی خاک قدم کو کل الجواہر بصیرت بناؤ۔ چنانچہ مکرر یہ کر رہے محکم ملنے پر چودھری صاحب موصوف یہاں کے دوسرے رؤسا عمائد و فقرائے جماعت کے ساتھ بعد نماز صبح تعمیل حکم عالی حضرت کے استقبال کے لئے بڑھتے ہیں اور اثنائے راہ میں شرف ملازمت قدم بوسی سے مشرف ہو کر عرض کرتے ہیں کہ خاکسار کا

واقعہ خواب حضور پر روشن ہے۔ فرمان واجب الاذعان کی تعمیل میں حاضر ہوا ہوں۔ حضرت بھی تبسم فرما کر ارشاد فرماتے ہیں حکم کے تابع ہوں اور تمہارے ساتھ چلتا ہوں اور ان کے ہمراہ سن ایک ہزار ستر ۱۰۱ ہجری میں مارہرہ تشریف لے آتے ہیں۔ (ماثر آثار، فص کاشف، تذکرہ اخبار وغیرہ)

مسند ارشاد و ہدایت پر جلوہ افروزی:

مارہرہ تشریف لانے کے بعد حضرت اولاً چودھری وزیر خان مذکور الصدر کے دیوان خانہ میں کہ محلہ کمبوہان مارہرہ کے وسط میں تھا۔ فروکش ہوئے اور چودھری وزیر خان اور ان کے سب گھر والے مرد عورت چھوٹے اور بڑے سب حضرت کے حلقہ ارادت و بیعت میں داخل ہوئے اور تھوڑے عرصہ بعد گوٹڈلوں کے محلہ میں جس جگہ اب حضرت کا مزار واقع ہے سکونت پذیر ہو گئے۔ تھوڑے زمانے میں یہاں مسجد و خانقاہ و دیوان خانہ و محل سرائے پختہ تیار ہو گئی، اب حضرت نے بلگرام سے اپنے متعلق کو بھی طلب فرما کر وہیں سکونت مستقل اختیار فرمائی۔ حضرت یہاں مارہرہ میں رونق سجادہ ارشاد و ہدایت ہو کر طاعت و عبادت خالق و ہدایت و رہنمائی خلاق میں قریب اکتالیس برس مصروف رہے۔ مارہرہ اس وقت گمراہی و فساد کی کان بنا ہوا تھا۔ یہاں کے رہنے والے طرح طرح کی جہالتوں گمراہیوں میں مبتلا طرح طرح کے منہیات فسق و فجور کو اپنی زندگی کا جز و لازمی قرار دے ہوئے تھے۔ ہمارے حضرت نے خود نمونہ بن کر اور اپنے نور باطن کا فیض ڈال کر مخلوق الہی کو ہدایت کی راہ دکھائی۔ نہایت جد و کد و اہتمام سے ارشاد و ہدایت خلق میں عمر گرامی صرف فرمائی۔ سنت سنیہ کی اشاعت اور بدعات قبیحہ کی بیخ کنی میں نہایت کوشش و جانفشانی فرمائی۔

بیعت و خلافت:

حضرت کو بیعت اپنے حضرت والد ماجد قدس سرہ سے سلسلہ چشتیہ قدیمہ میناسیہ میں تھی اور انہیں سے اس سلسلے نیز ہمارے یہاں کے سلاسل قدیمہ آبائی قادر بہ وسروردیہ میں اجازت و خلافت حاصل تھی (النور و البہاء و سوانح عمری متوسط وغیرہ) شیخ اڈھابنی اسراہیل و شیخ محمد مقیم وغیرہ ساکنان کول علی گڑھ حضرت کے مریدین و متوسلین میں داخل تھے

(بیاض) خلفاء میں سوائے حضرت کے صاحبزادہ صاحب سجادہ سید شاہ اویس قدس سرہ کے اور کسی پر فقیر اس وقت مطلع نہیں۔

معاش ظاہری:

حضرت کی گذراوقات متوکلا نہ تھی۔ چنانچہ علامہ آزاد بلگرامی شجرہ طیبہ میں لکھتے ہیں: در فقر و توکل شانے جلیل داشتہ، پشتینی وطن مالوف کو چھوڑ کر ایک دور دراز اجنبی جگہ سکونت مستقل اختیار کر لینا اسی جلالت شان و فقرہ و توکل کا ایک ثبوت ہے۔ حضرت اپنے وقت میں مرجع خاص و عام ہادی رہنمائے انام تھے۔ اطراف و جوانب سے تشنہ کا مان ہدایت خدمت بابرکت میں آتے رہتے اور وار دین و صادرین خانقاہ شریف کے مصارف کثیر آپ اٹھاتے مگر حالت حضور کی یہ تھی کہ حضور اچھے میاں صاحب قدس سرہ بیاض احمدی میں فرماتے ہیں کہ باوجود ایں مصارف تادم زندگی یک خرمہرہ از احدے قبول نفرمودند چہ از مریداں و چہ از مجاہدان عالم غیب مصارف خانقاہ میرسید، یعنی اس قدر کثیر خرچ کے باوجود حضرت نے زندگی بھر ایک پیسہ بھی کسی کا نذر نہ قبول کیا مریدوں سے اور کیا دوستوں سے۔ عالم غیب سے حضرت کی خانقاہ کے مصارف پہنچا کرتے وجہ معاش ظاہری میں جیسا کہ حضرت کے والد ماجد سید شاہ عبد الواحد قدس سرہ کے تذکرہ میں گزر چکا کہ انہوں نے نذرانہ اکبری میں سے چار سو بیگھے زمین اپنے فرزندوں کو عطا فرمائی تھی اور ان کے چار صاحبزادے تھے۔ لہذا ہر ایک حصہ سو بیگھ آراضی ہوا۔ چنانچہ ہمارے حضرت سید شاہ عبد الجلیل صاحب نے اپنا یہ حصہ بی بیوں بی بی نور اور بی بی مینا اور بی بی عائشہ میں برابر تقسیم فرمادیا جیسا کہ حضرت کے بھائیوں حضرت سید شاہ فیروز اور حضرت سید شاہ طیب کے دستخطی ایک قدیم وثیقہ سے واضح ہے۔

تبرکات شریف:

حضرت کے پاس موعے شریف حضور سید عالم رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ جو اب بھی حسرت کی بڑی اور موٹی سادہ چھوٹی میں کیا ہوا تبرکات مشترکہ سرکار کلاں میں بفضلہ تعالیٰ موجود ہے جس میں بہت سی شائیں ہیں اور خود حضرت کا ملبوس ہمارے پاس ہے۔

اعمال و وظائف:

سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی سرہ اپنی تصنیف تاریخ خاندان برکات میں رقمطراز ہیں: ”معلم الخطیب اور کچھ مختصر اعمال اس وقت حضرت والد ماجد کے دعا خانہ میں ہیں۔ اور اصح التوارخ“ میں لکھا ہے: خاص اور عمدہ ترین وظائف میں سے حضرت کے عمل دعائے حرز الیمانی شریف ہے اس دعا کی سند مسلسل حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک یوں ہے: حضرت سید شاہ عبد الجلیل اپنے والد حضرت سید شاہ عبد الواحد سے وہ اپنے پیر و مرشد حضرت سید شاہ صفی پوری سے وہ حضرت بندگی شیخ سعد بڈھن سے وہ حضرت قطب سے وہ بندگی حضرت بایزید سے وہ حضرت مخدوم حسن سے وہ شیخ حاجی شرف الدین سے، وہ حضرت بندگی سید محمد بغدادی سے وہ حضرت شیخ الشیوخ سیدی شہاب الحق والدین سہروردی رضی اللہ عنہم سے اور وہ حضور سید المرسلین اکرم الاکرمین محمد رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے باجائز روحانی روایت کرتے ہیں یہ دعا اشرف العزائم و افضل الادعیہ مجرب الاجابہ و کثیرۃ البرکت و آیتہ من آیات اللہ عزوجل ہے۔ و فیہ اسم الاعظم و آیات القرآن و الآثار العجیبہ و الاسرار الغریبہ اللہ عزوجل کے ستر ہزار فرشتے اور ستر ہزار جن اس دعا کے مسخر ہیں۔ جب اس کا پڑھنے والا (اسے شروع کرتے ہوئے) پڑھتا ہے اللھم انت اللہ الملک الحق الذی لا اللہ الا انت الخ تو فرشتے اور جن اللہ عزوجل کی تعظیم اور حرمت و عظمت و ہیبت کے لئے سجدہ کرتے اور اس سے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب تو اس پڑھنے والے کی حاجت پوری فرما اور اسکی دعا قبول کر۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس دعا کے نام سیف اللہ و سہم اللہ و مصمام اللہ و عین اللہ و قدرة اللہ و ید اللہ و برہان اللہ حرز الاعظم و حرز الیمانی و حرز البر و حرز البحر و حرز المرقی و حرز الحقیقین و دعائے قضائے الحاجات و دعائے سیفی ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی نام اس کے ہیں۔ (کاشف النور و وظیفہ) یہ دعا اس خانوادہ عالیہ برکاتیہ مطہرہ کے خاص معمولات و مجربات ترین وظائف میں ہے۔ اس کے پڑھنے کا طریقہ اور اشارات و حواشی اور دوسری ادعیہ و اوراد سے اس کا امتزاج اس خاندان عالی شان کے اسرار و رموز میں سے ہے۔

عقد نکاح و اولاد امجاد:

مارہرہ اور بلگرام دونوں جگہ حضرت نے عقد فرمائے اور ان میں سے حضرت کی تین بی بیوں بی بی نور و بی بی مینا و بی بی عائشہ کا ذکر اُوپر حضرت کے بھائیوں کے وثیقہ سے گذر چکا ہے۔ فقیر کے نزدیک یہ تینوں بی بیاں بلگرامی تھیں اور مارہرہ والی بخاری سیدانی بی بی کے علاوہ معلوم ہوتی ہیں اس لئے اس وثیقہ میں انہیں حضرت بلگرامی ارضی تقسیم کرنے کا ذکر ہے اور مارہرہ کی بی بی کو بلگرامی میں زمین اور وہ بھی اتنی تھوڑی مقدار میں دینا بعید معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم بحقیقت الحال حضرت سید الوالہین کی بلگرامی اولاد چار صاحبزادے سید ابو الفتح اور سید اولیس اور سید محمد اور سید ابوالخیر تھے اور صاحبزادیاں تھیں جن میں سے ایک صاحبزادی کا عقد سید محمد طیب بن سید عبدالقادر بن سید ابوالقاسم سے ہوا تھا (شجرہ مع ملحقات) حضرت سید شاہ اولیس قدس سرہ فقیر کے اجداد کرام میں سے ہیں۔ ان کا مفصل تذکرہ مستقل آتا ہے۔

وفات شریف:

منقول ہے کہ جب حضرت سید الوالہین میر سید عبدالجلیل قدس سرہ کا زمانہ حیات مبارک ظاہری تمام ہونے پر آیا تو بہت عرصہ پہلے سے حضرت یہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا وقت آخر ہے۔ حاضرین خدمت یہ سمجھتے کہ جیسا کہ بعض فقراء کی وضع ہے کہ ان حضرات اس جہاں سے دبستگی تو ہوتی نہیں۔ کسی کے خیال میں حضرت کے اس ارشاد کے اصل معنی نہ آتے اور جب ایسے کلمات رخصت و وداع حضرت کی زبان مبارک پر جاری ہوتے تو عرض کرتے کہ حق تعالیٰ حضور کے سامنے ہم خدام کو اس جہاں سے اٹھالے تاکہ ہماری عاقبت درست ہو جائے۔ وہ کیا خاک زندگی ہماری ہوگی کہ حضرت اس جہاں سے رحلت فرما جائیں اور ہم زندہ رہیں۔ حضرت ان کی خاطر داشت و تسلی کے لئے فرماتے کہ شکستہ خاطر نہ ہوا، بھی تو (ہمارے رحلت فرمانے میں ہی) عرصہ ہے اور جب ایسا ہوگا تو بھی ہم (اپنے صاحبزادے) حضرت سید اولیس کو اپنا خلف چھوڑ جاتے ہیں۔ دینی اور دنیاوی ہر مدعا جو چاہنا ان سے حاصل کرنا۔ اسی عرصہ میں صفر ۱۰۵۷ھ کی تاریخ اول سے آغناج کچھ بیمار ہو گئے۔ بہت سہل معمولی بیماری تھی مگر حاضرین بارگاہ کو وہی خطرہ لاحق ہوا کہ جیسا کہ

حضرت نے زبان مبارک سے فرمایا تھا کہ شاید اب آخری وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ اس عرصے میں حضرت سید الوالہین نے متوسلوں اور خدام میں سے ہر ایک کی بہت کچھ دلجمعی فرمائی اور فرمایا کہ دل میں اندیشہ نہ کرو حق تعالیٰ خوب ہی کرے گا۔ اس درمیان میں چھٹی صفر کو جب حضرت نماز ظہر کے لئے وضو فرما چکے تھے اور مسواک دست مبارک میں تھی، اس سے یہ فرمایا کہ تو نے ہماری رفاقت بہت کی ہے ہم چاہتے ہیں کہ تو ہم سے (بعد وفات بھی) جدا نہ ہو، اسے اپنے دست مبارک سے اسی جگہ دفن فرمایا کل شیء حی من الماء اور حکم ہوا کہ ہر روز اسے پانی دیتے رہیں اور خود بھی وضو اسی جگہ فرماتے جہاں اسے گاڑا تھا۔ اس کے بعد آٹھویں صفر کو جب نماز فجر کے لئے اٹھے اور وضو فرما کر نماز کے لئے مسجد تشریف لے گئے تو بعد فراغ نماز لوگوں سے فرمایا کہ ہمیں معلوم ہوتا ہے وہ شاخ مسواک اُگ آئی اور ہری ہو گئی ہے اور کلام شیء حی من الماء کا اثر ظاہر ہوا ہے۔ کوئی شخص جا کر اس کی تحقیق کر کے ہم سے بتائے۔ یہ فرما کر خود دولت خانہ کو تشریف لے گئے اور جو لوگ مسواک کا حال دیکھنے گئے تھے وہ وہاں پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ قدرت الہی سے چند شاخیں مع پتوں کے زمین سے نکلی ہوئی ہیں۔ انہوں نے یہ واقعہ دیکھ کر حضور عالی میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ حضرت نے خوش ہو کر فرمایا: اچھی خبر پہنچائی اللہ تعالیٰ نیک جزا دے۔ اسی وقت متوسلین کو طلب فرما کر رخصت فرمایا۔ اور فرمایا کہ رخصت ہو اور اچھے رہو اور اچھی زندگی گزارو اور حق تعالیٰ کو سب اُمور پر حاضر و ناظر جان کر گناہوں کے مرتکب نہ ہونا (خدا کی مخلوق اور دینی و ایمانی بھائیوں کے) دل کو جس قدر راحت پہنچا سکو وہ پہنچانا۔ یہ فرما کر انہیں رخصت فرمایا اور خود بدولت چار پائی پردراز ہو کر کلمہ طیبہ لا اللہ الا اللہ محمد رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھتے ہوئے سفر آخر اختیار فرمایا اناللہ وانا الیہ راجعون (تذکرہ) یہ درخت اراک او مبارک پر جسے ہماری زبان میں پیلو کا درخت کہتے ہیں اب بھی گنبد کی طرح اس اچھی دل پسند قطع سے سایہ کئے ہوئے ہے کہ دیکھنے والے کو اس سے ایک عجیب ہی حظ روحانی حاصل ہوتا ہے اور اس کی سبزی و طراوت سے آنکھیں ٹھنڈک پاتی ہیں اور بے اختیار ایک حالت جذب و وابستگی حاصل ہوتی ہے۔ پہلے یہ درخت جہاں اب حضرت کا مزار ہے وہاں سے کسی قدر فاصلے پر تھا۔ ایک بار شدت کا مینہ برس اور آندھی آئی۔ صبح کو جو دیکھا گیا تو وہ ہری بھری مسواک اپنی جگہ سے اکھڑی ہوئی حضرت کے سر ہانے لگی ہوئی ہے اور وہ بھی اس انوکھی شان سے کہ

پتے زمین میں اور جڑ اُوپر جو بعد کو ایک بڑا درخت ہو گیا (سوانح عمری متوسط) (وصال مبارک حضرت کا آٹھویں صفر المظفر یوم مبارک دوشنبہ بعد نماز فجر ۱۰۵۷ھ ہجری عہد سلطان شاہجہاں بادشاہ ہند میں مارہرہ میں ہوا۔ اپنی خانقاہ کے صحن میں دفن ہوئے۔

سید الوالہین کے ملفوظات:

حضرت نے فرمایا: حقیقت میں وہ سجادہ نشین زینت سجادہ ارشاد و شیخت ہے جو اپنے قول و عمل صورت و سیرت ظاہر و باطن سب کو اتباع مذہب اہل سنت و پیروی احکام شریعت سے آراستہ کر کے خود عملی نمونہ بن کر مخلوق الہی کی اسی طرف رہنمائی کرے۔

سید الراجمین سید شاہ اولیس قدس سرہ

آپ چھوٹے صاحبزادے حضرت سید شاہ عبدالجلیل صاحب قدس سرہ کے ہیں۔ خلف الصدق ارشد و صاحب سجادہ حضرت والد ماجد خود۔ ولی مادر زاد بچپن ہی سے یاد خدا میں مصروف اور خودی سے گزرے ہوئے ماسوا سے کنارہ کش تھے۔ (فص وغیرہ)

تعلیم و تربیت و بیعت و خلافت:

اپنے والد ماجد قدس سرہ سے تعلیم و تربیت پائی اور انہیں سے سلسلہ قدیمہ چشتیہ میں بیعت اور اس سلسلہ نیز سلاسل عالیہ قادریہ سہروردیہ آبائی میں اجازت و خلافت حاصل فرمائی اور ان کے وصال کے بعد عہد سلطنت شاہ جہاں صاحب قراں ثانی بادشاہ ہند میں بلگرام سے مارہرہ تشریف لا کر سجادہ مشیخت پر اجلاس فرمایا اور طاعت و عبادت خالق و رہنمائی و ارشاد خلایق میں مشغول ہوئے (کاشف اخبار خاندان و سوانح عمری متوسط و النور والہما وغیرہ)

سیرت کریمہ و سوانح مبارکہ:

عجز و انکسار حضرت کا شیمہ کریمہ تھا۔ کسی طرح کی خودی و خودنمائی اپنے پاس نہ پھٹکنے دیتے باوجود یہ کہ عہد ہائے زمانہ اور بڑے بڑے صاحبان اقتدار آپ کی غلامی اور خدمت گزاری کو اپنا فخر جانتے مگر حضرت با فضل و کمال و اثر و جاہ و اقتدار اپنے نفس کو کسی پر فوقیت نہ دیتے۔ معمولی آدمیوں کی طرح اپنے آپ کو جانتے اور بہت سادگی اور عجز و نیاز

کے ساتھ زندگی گزارتے۔ شجرہ میں اپنے دستخط اس عبارت میں فرماتے 'بندہ شرمندہ اولیس' حضرت اچھے میاں صاحب اس دستخط کی نسبت فرماتے ہیں: آنجناب کرامت مآب کی مبارک انگلیوں سے لکھے یہ دستخط میں نے دیکھے ہیں اور اس فقیر راقم الحروف محمد میاں قادری عفی عنہ نے بھی حضرت سید الراجمین کی بیاض خاص قلمی میں حضرت کے دونوں شجرے چشتی و قادری آبائی قدیم میں حضرت کا نام مبارک اسی طرح لکھا دیکھا۔ الہی بخدمت عجزے و نیازے کہ بندہ شرمندہ اولیس ابن میر سید عبدالجلیل با تودار۔ شان رحم و کرم کے یہ جلوے تھے کہ کسی جاندار کو اذیت نہ دیتے یہاں تک کہ موذی کو بھی ایذا نہ دیتے جو حضرات صوفیہ کے یہاں مرتبہ ابدال ہے۔ جو آپ کے ساتھ جو رجحان کے ساتھ پیش آتا، آپ اس کے بدلے میں اس پر کرم عطا فرماتے۔ فیاض و فیض رسائی خلایق بہت محبوب تھی۔ اگر مکان وغیرہ بنوانے کے لئے مزدور و معمار لگاتے تو گرمی جاڑے کی شدت کے وقت انہیں محنت و مشقت سے معاف فرما کر راحت و آرام میں رکھتے اور مزدوری پوری عنایت کرتے۔ شان فقر و قناعت و توکل کا یہ عالم تھا کہ امراء و رؤساء زرد زین نذر و نیاز میں پیش کرتے قبول نہ فرماتے اور اگر مجبیں مخلصین کے اصرار و الحاح تمام سے کبھی شرف قبول بھی بخشا جاتا تو بھی یہ عہد لینے کے بعد کہ اب آئندہ اس کی تکلیف نہ دیں گے اور وہ بھی اپنی ذات کے لئے قبول نہ فرماتے بلکہ مسجد اور بزرگان دین کے مزارات کی روشنی اور تعمیر و آبادی اور واردین و صادرین خانقاہ کی خدمت کے لئے اور وہ بھی اس قدر قلیل جو انہی مصارف کے لئے کفایت کرے اور اپنی ذات کے لئے زائد نہ بچے۔ (شجرہ و آثار قلمی مطبوعہ و کاشف فص وغیرہ)

کرامت و تبرکات:

شیخ مہربان اللہ کمبہ اپنے تذکرہ میں اس کرامت کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ میں نے یہ قصہ بارہا مارہرہ کے رئیسوں سے بھی سنا اور ایسا مشہور و معروف ہے کہ یہاں کا ہر شخص اسے جانتا ہے۔ اس کے بعد وہ ایک واقعہ خود اپنا اسی عمل چو بدستی کے متعلق اس کی تائید میں یہ تحریر کرتے ہیں کہ ایک روز اس خاکسار بندہ شرمندہ نے حضرت مرشد حقیقی سید شاہ حمزہ کے حضور میں جرأت کر کے عرض کیا کہ یہ کیا عمل ہے۔ غلام کو بھی بتایا جائے۔ چونکہ حضرت اس عاجز کو وابستہ دامن و دولت خود جا کر عنایت بیغایت فرمایا کرتے تھے تو تبسم فرما کر ارشاد ہوا کہ یہ عمل چو بدستی آنحضرت (سید شاہ اولیس) کا خاص ہے دفع اعداء و ظالم

کے لئے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے بھی اس کی اجازت عطا ہو۔ ارشاد فرمایا کہ ابھی تم اس کے قتل کی طاقت نہیں رکھتے، شاید کہ تم کسی سے دفعۃً (بیوجہ جائز) دشمنی کرو تو اس مردم کشی کی ذمہ داری کس کی طرف پلٹے گی، ہر چند میں نے بالحا عرض کیا مگر قبول نہ فرمایا۔ آخر اس بات پر سالہا سال گزر گئے لیکن میرے دل میں بھی یہ بات (یعنی حصول اجازت) ایسی جم گئی تھی کہ دل سے اترتی نہ تھی۔ چونکہ ۱۱۹۶ ہجری میں پرگنہ فیض پور وغیرہ چار محالوں کا علاقہ فوجداری خانصاحبان عالی شان محمد عظیم الدین و محمد کرامت اللہ خان کی طرف سے اس جناب (یعنی شیخ مہربان اللہ صاحب) کی نیابت سے تھا اور شہر مارہرہ اس جگہ (فیض پور وغیرہ) سے نو کوس کے فاصلہ پر بطرف جنوب واقع تھا اور مارہرہ کی عالمی (کا عہد) ایک ہندو کے تصرف میں تھا، اس کے ظلم کے سبب سے وہاں کے صیغہ دار اپنے زن و فرزند سمیت بھاگ گئے اور اس ہندو کا آغا چکلہ، اثاؤہ شکوہ آباد وغیرہ محالات کا عامل تھا۔ یہاں کے صیغہ داروں وغیرہ کے بھاگ جانے کی خبر پا کر وہ یہاں پہنچا اور سب کمبوہوں اور ان کے قبائل کو پکڑ کمبوہ محلہ کے تمام مال و سامان پر منصرف ہو گیا۔ چنانچہ ہمارے (شیخ مہربان اللہ کے) قبائل بھی یہیں تھے۔ ان پر بھی یہی حالت گزری۔ میں یہ خبر سنتے ہی یہاں پہنچا اور دل میں یہ ارادہ کر کے آیا تھا کہ چونکہ میں اور وہ ہندو (مارہرہ کا عامل) خواجہ تاش ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ محلہ کے کنبہ قبیلہ والوں کو چھڑاؤں گا۔ مگر جب یہاں پہنچ کر اس سے ملا تو اس سردار نے میری ایک بھی نہ سنی بلکہ اُلٹے اس فکر میں ہوا کہ ایسے ہی تہمت لگا کر ہمیں بھی قید کر لے اگرچہ ہم دل سے راضی تھے کہ ہم رہیں اور وہ ہمارے قبیلہ والوں کو چھوڑ دے۔ لیکن وہ سخت دل قبائل کے چھوڑنے پر راضی نہ ہوا اور ہمارے بھی قید کرنے کی فکر میں پڑا۔ یہ دیکھ کر ہمارے قید ہو جانے کی صورت میں کوئی سوال و جواب نہ ہو سکے گا اور شہر کے کنبہ قبیلہ کے لوگ بہت پریشانی میں پڑ گئے۔ سر اسیمہ ہو کر حضرت مرشد حقیقی حضرت سید شاہ حمزہ کی خدمت میں دوڑے آئے۔ چونکہ جناب عالی پر اس سارے قصہ کا حال روشن تھا اور دم بدم خبر حضور عالی کو پہنچتی تھی۔ ہمیں پریشان و مضطرب دیکھتے ہی ارشاد ہوا صبر کرو الصبر مفتاح الفرج۔ چونکہ ہمارا دل بیقرار تھا بہزار خرابی چھپ کر شام تک وقت گزارا اور اس ہندو کو ایسا عناد کا جوش بڑھا کہ اس نے ہمارے مکان مسمار کرنے کا حکم دیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں چند مکانات مسمار کر بھی دئے۔ بعد نماز مغرب میں نے عرض کیا کہ حضور اب تو پانی سر سے گزر گیا اور چھری ہڈی تک پہنچ چکی اور

اب تک ہم خدام حضرت کے بزرگوں کے قدموں کے طفیل اس شہر میں بعزت و آبرورہے ہیں۔ اب ہمارے حق میں دیر کس بات کی ہے۔ اس وقت حضور نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ ہاں اب ہم بھی اس ظالم کے ظلم سے ناچار ہو گئے اور تمہارے صبر کا حق سابق ہو گیا اور وہ ظالم کسی طرح باز نہیں آتا۔ یہ فرما کر اشرف نام خدمت گار سے ارشاد ہوا کہ فلاں چو بدستی جو وظیفہ پڑھنے کی جگہ رکھی ہے، لاؤ اور مجھ سے ارشاد ہوا کہ چار رکعت صلاۃ قلاقل ادا کرو اور پھر سجدہ میں جا کر یاجی یا قیوم برجنک استغیث ستر بار پڑھ کر سر اٹھاؤ اور بارگاہ ایزد متعال میں تضرع و زاری کے ساتھ یہ دعا کرو کہ بار الہام شرم مردماں دین محمدی راتراہست اور یہ کہہ کر اس چو بدستی کو تین بار زمین پر مارو اور یہ کہو کہ بار خدا یا از جان آں موذی را محفوظ دار۔ میں نے بہت خوش ہو کر اس عمل کی اجازت لے کر فوراً صلاۃ قلاقل ادا کر کے یہ عمل جس طرح ارشاد ہوا تھا۔ پورا کیا۔ شہر میں اس وقت ایک حشر برپا تھی۔ چونکہ اس پریشانی کے سبب تین روز سے میں سویانہ تھا۔ عمل مذکور سے فارغ ہونے کے بعد اسی جگہ مجھے کچھ اُٹکھ آگئی اور سو گیا اور آدھی رات تک مسجد میں ہی سوتا رہا۔ جب درویشان خانقاہ نماز تہجد کے لئے بیدار ہوئے تو کسی نے میرا بھی ہاتھ پکڑ کر کہا کہ اٹھو نماز کا وقت آ گیا ہے۔ میں حیران و پریشان اٹھا اور وضو کر کے اور معمولہ میں مشغول ہو گیا۔ فجر کی نماز جناب عالی کے ساتھ ادا کی کہ اس عرصہ میں کسی نے دروازہ کے باہر آواز دی کہ (اس ہندو کے آغا زکا) لشکر تو یہاں سے آگے کوچ کر گیا اور یہاں کے جو لوگ گرفتار کئے تھے۔ وہ یہیں کے عامل کے سپرد کر گیا ہے۔ میں نے بس اسے غنیمت جانا اور حضرت کے حضور میں بہت شکرانہ بجالا کر عرض کیا کہ بڑی بلا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلاۃ والسلام کے طفیل اور آنجناب کی توجہ سے دور فرمادی۔ اب مقصود بہ خوبی ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر یہ فکر ہوئی کہ اب رہائی قبائل کے لئے یہاں کے عامل سے کس طرح سوال و جواب کیا جائے گا۔ اس دن تو وہ عامل چونکہ اپنے لشکر کے ورود کے انتظام میں خستہ ہو رہا تھا سوتا۔ رہا دوسرے روز بھی بات چیت کی رفتار سُست رہی تیسرے دن دفعۃً کیا سُنا جاتا ہے کہ ان محالوں کا سردار بدل دیا گیا ہے اور اب دوسرے عامل پہنچتے ہیں۔ چنانچہ اس موذی کے ہمراہیوں میں سے ایک ایک کا یہ حال ہوا کہ بکثرت کے پاؤں میں زنجیریں ڈالی گئیں اور جو کچھ انہوں نے لوگوں کے گھروں سے مال حرام جمع کیا تھا اور جو پہلے سے پیدا کیا ہوا تھا وہ سب برباد ہو گیا اور اب تین برس

سے اُس موزی نے اس ملک کا منہ بھی نہیں دیکھا اور اس ضلع کے محالوں کی سند خالصا حبان عالیشان (محمد عظیم الدین خان و محمد کرامت اللہ خاں) کو ملی اور مارہرہ کی نیابت مشفق و مہربان شیخ احسان علی کو کہ ان کی ذریت سے ہیں اور میر اصغر علی صاحب کو ملی اور یہاں کا نائب کچہری ان صاحبوں کی طرف سے برادر عزیز القدر شیخ کرم اللہ ہوئے اور عامل معزول نے بھاگ کر حضرت مرشد حقیقی (سید شاہ حمزہ) کی سرائے (بستی) بجکم من دخلہ کان ارضاً پناہ لی اور شہر کے ہر شخص ادنیٰ و اعلیٰ کو حکم پہنچا کہ اپنا لوٹا ہوا سامان واپس لے لیں۔ چنانچہ عجب وقت تھا کہ جس کا بوریا گیا تھا وہ تخت کا دعویٰ کر رہا تھا اور وہ موزی سخت مختصہ میں گرفتار ہوا۔ واصلات اس بدسرسشت کی برادر عزیز شیخ کرم اللہ کے ہاتھ لگی۔ آخر الا مردہ موزی کہ حضرت مرشد حقیقی کی پناہ میں آیا ہوا تھا۔ بعد ادا مال واجبی جو اس نے شہر والوں سے زبردستی لیا تھا دو ماہ کے بعد چھوٹا اور باوجود یہ کہ اس نے قانون گویوں (شیخ مہربان اللہ وغیرہ کمبوہوں) کی امانت (یعنی ان کا مال وغیرہ جو اس عامل کے زعم میں بجزو ظلم اخذ کردہ و قابل ضبطی حکومت تھا) کی تہمت بندگان حضور مرشد حقیقی پر لگائی تھی لیکن حضرت اس سب امور کو رضا بالقضا سپرد کر کے کسی طرح کے انتقام کے اس روادار نہ ہوئے اور فرماتے۔

بدی را بدے سہل باشد جزا اگر مردے احسن الی من اسما

بلکہ یہ تھوڑی تکلیف کہ اسے پہنچی واللہ باللہ ثم تاللہ ہم تنگ ظرفوں کے اضطراب سے اس کے روادار ہوئے تھے، ختم ہوا بیان شیخ مہربان اللہ کا (بقدر صاحب) (تذکرہ)

تبرکات میں حضرت کے شیخ مہربان اللہ صاحب کمبوہ لکھتے ہیں کہ اب آنجناب کے تبرک میں سے ایک قلم اور دوات یادگار تبرکات میں موجود ہے اور اس کا خواص یہ ہے کہ بچوں کو پہلے پہلے لکھنا سکھانے کے وقت اول ایک حرف اس سے لکھا جائے تو بلاشبہ علم بعونہ تعالیٰ حاصل ہوتا ہے اور وہ بچہ بے بہرہ نہیں رہتا۔ چنانچہ بارہا یہ اتفاق ہوا اور ایسا ہی تجربہ عمل میں آیا گیا کہ حضرت سید الرامین کے خرق عادات میں یہ آج کے دن بھی موجود ہے۔ دوسری خاصیت یہ ہے کہ معمول ہے کہ صاحب سجادہ (برکات تہ اویسیہ) تبرکات تیمنا نقوش و اوراد و وظائف معمولی اسی قلم و دوات سے لکھتے اور اس کی برکت سے دنیا اور عقبی کے منافع حاصل ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ مقربان درگاہ الہی کا کیسا عالی مرتبہ و رتبہ بلند ہے کہ ان کے قلم

ودوات کے فیوض برکات سے کیا کیا مبارک اثر پیدا ہیں کہ عالم ان سے قیام قیامت تک فیضیاب تک ہوتا رہے گا۔ (تذکرہ) اس دوات کی زیارت سے فقیر بھی بہرہ مند ہوا ہے۔ یہ کسی دھات کی گول پینڈے کی ہے جس پر الفاظ از تحویل سید اولیس کندہ ہیں۔ یہ دوات اب بھی محفوظ ہے۔ مولیٰ تعالیٰ محفوظ رکھے اور اس کی برکات سے ہمیں بہرہ یاب فرمائے۔ آمین اور ادواعمال:

چوبدستی جس کا ذکر اوپر گزرنا حضرت کے مخصوص ترین اعمال میں سے ہے۔ پہلے اس قسم کی چیزیں بہت راز میں رکھتے اور صرف فرزند ان دیانت دار و خلفاء و مریدین مخصوصین لائق اعتبار کو ہی بتاتے۔ اوروں کے سامنے ان کا ذکر بھی زبان پر نہ لاتے مگر اب حالات دگرگوں ہیں۔ خود ہم میں اہلیت مفقود ہے اور اولاد ہمارے ہی اٹھان پراٹھا چاہے، مگر مولا تعالیٰ نیک ہدایت دے۔ لہذا بواوید حالات زمانہ اپنے متاخرین اسلاف کرام کی روشنی کے مطابق ان نوادر اشیاء کو تلف سے بچانے اور اس لحاظ سے کہ شاید کسی اہل کی نظر پڑے اور وہ ان سے خود نفع پائے اور خلق کو نفع پہنچائے۔ فقیر نے ایسی بہت سی چیزوں کو مکمل طور پر اور بعضی بہت اہم کو مجمل طور پر اس کتاب (اصح التواریخ) میں شائع کر دیا کہ شائق مجمل کو دیکھ کر مفصل ہو اور اہلیت دیکھ کر اسے مفصل بتایا جاسکے۔ اسی لئے فقیر اس عمل چوبدستی کا بھی جو بہت ہی مخصوص چیز ہے یہاں کچھ ذکر کرتا ہے مگر جب تک اس کی اجازت باقاعدہ حاصل نہ کر لیں۔ کوئی صاحب اس کے پڑھنے کا ارادہ نہ کریں۔ عمل چوبدستی یہ ہے کہ بادام کی لکڑی اور اگر وہ نہ ملے تو نیم کی لکڑی ڈھائی ہاتھ لمبی صاف و مصفا گاؤ دم لے کر اس پر ۲۷ سے ۲۹ تاریخ تک تین دن آخر ماہ بیساکھ کرشن پچھ اس لکڑی پر عمل اور ادمعوم پڑھ کر کپڑے کے غلاف میں رکھ چھوڑے اور یہ عمل تین ماہ علی الاتصال تاریخ مذکور پر پڑھا جاتا ہے۔ اب لکڑی تیار ہوگئی۔ جب دفع اعداء کی ضرورت پیش آوے تو اس پر وہ دعاء خلوت میں پڑھ کر اس لکڑی پر دم کر کے زمین پر مارتے ہیں اور تین دن ایسا ہی کرتے ہیں۔ دشمن اور ظالم بعونہ تعالیٰ دفع ہوتا ہے (کاشف وغیرہ)

اس کے علاوہ پیرو مرشد سیدی مولائی حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری تاج العلماء قدس سرہ نے اپنی مبارک تصنیف 'اصح التواریخ' جو برکاتی پبلشرز کراچی نے فروری ۱۹۸۸ء میں شائع کی سید شاہ اولیس قدس سرہ کے دیگر اوراد برائے دفع درد نیم

سر، دفع درد سر، دفع درد چشم، دفع درد گوش، دفع درد حلق، دفع درد گردن، دفع درد سینہ، پشت طحال، شکم، دفع سحر، بریقان، آسانی ولادت، لڑکی کا پیام آنے کے ہے، دشمنوں پر فتح و ظفر وغیرہ کے واسطے اور آخر فرمائے ہیں۔

عقد نکاح و اولاد امجاد:

سید علاء الدین بلگرامی ابن سید حمزہ ابن سید صدر جہاں کی صاحبزادی سے حضرت کا عقد نکاح ہوا جن سے تین صاحبزادے حضرت سید شاہ برکت اللہ اور حضرت سید شاہ عظمت اللہ اور حضرت سید رحمت اللہ تھے اور دو صاحبزادیاں تھیں جن میں سے بڑی صاحبزادی کا عقد سید محبت اللہ بن سید عبدالنبی بن سید طیب سے ہوا تھا اور ان سے صاحب اولاد تھیں (شجرہ) حضرت سید شاہ برکت اللہ قدس سرہ فقیر کے جدا کرم ہیں۔

وصال شریف:

حضرت سید الرحیم سید شاہ اولیس سرہ کا طریقہ یہ تھا کہ کبھی مارہرہ میں اپنے حضرت والد ماجد کی خانقاہ عالی میں قیام فرما کر بہدایت و ارشاد خلایق و طاعت و عبادت خالق مشغول رہتے اور کبھی بلگرام جاکر اپنے اہل و عیال میں بسر فرماتے اور وہاں سے حضرت کا فیض جاری رہتا۔ چنانچہ ایک بار حضرت اپنے وطن قدیم بلگرام ہی میں تشریف فرما تھے کہ وعدہ مقرر آ پہنچا اور آخر چالیس برس سے زائد سجادہ ارشاد و ہدایت کو زیب و زینت دینے کے بعد وہیں بیسویں رجب المرجب ۱۰۹۷ھ میں گلشن جنان ہو کر وصال محبوب حقیقی سے کامیاب ہوئے اور بلگرام میں سلہڑہ کے تالاب کے کنارے سر راہ کھلے میدان میں اپنے آبائے کرام کے قبرستان میں زیر سایہ رحمت الہی آرام فرمایا چونکہ حیات شریف میں بھی سادگی اور خاکساری پسند طبع اقدس تھی بعد وفات بھی اس کا یہ جلوہ نمایاں رہا۔ (فص کاشف اخبار سوانح عمری متوسط آثار ماثر شجرہ)

ملفوظات حضرت سید اولیس قدس سرہ:

(۱) عجز و انکساری اختیار کرو اور خودی اور خود نمائی سے قطعاً دور رہو۔ (۲) کسی جاندار کو ناحق اذیت نہ دو۔ یہاں تک کہ اپنے ذاتی دشمن سے بھی حتی الوسع درگزر کرو۔ (۳) مزدور اور نوکر کو بھی اپنی طرح آدمی سمجھو اور گرمی سردی کی شدت کے وقت انہیں ان کی

مزدوری اور اجرت و تنخواہ میں کمی کئے بغیر ان سے محنت و مشقت کو معاف رکھو۔ (۴) احباب و معتقدین سے روز میں وغیرہ اموال دنیا کی نذر و نیاز سے اپنے دل نہ لگاؤ۔ صبر و قناعت اختیار کرو۔ اگر بمصلحت کبھی نذر قبول بھی کرو تو بھی بقدر ضرورت اور قلیل ہی پر اکتفا کرو۔ اور وہ بھی اپنی نفس پروری کے لئے نہیں بلکہ مساجد شریفہ اور بزرگان دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے آستانہائے مقدسہ اور علماء و صلحاء طالبان علم دین وغیرہم کی خدمت و آبادی و تعمیر وغیرہ مصارف خیر کے لئے۔

مراجع و مصادر

- ۱- اصح التواریخ، تاج العلماء سید محمد میاں برکاتی طباعت ۱۹۸۸- برکاتی پبلشرز کراچی
- ۲- ملفوظات مشائخ مارہرہ۔ برکاتی پبلشرز ۱۲۳ چھاگلہ اسٹریٹ۔ کراچی
- ۳- تاریخ خاندان برکات، حضرت مولانا اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی - برکاتی پبلشرز - ۱۲۳ چھاگلہ اسٹریٹ کھارادر کراچی
- ۴- صاحب عرس قاسمی، علامہ ساحل شہسرامی (علیگ) دارالاشاعت برکاتی - خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ یوپی
- ۵- شاہ حقانی کا اردو ترجمہ و تفسیر قرآن ایک تنقیدی و تحقیقی جائزہ - ڈاکٹر سید امین، ارشاد احمد رضوی مصباحی - کتب خانہ امجدیہ - میٹا محل - دہلی
- ۶- الشرف الموبد - مصنف علامہ یوسف بن اسماعیل نبھانی ترجمہ بنام برکات آل رسول علامہ عبدالحکیم شرف قادری رضا اسلامک مشن - بریلی شریف۔



اسد العارفین سید شاہ محمد حمزہ عینی مارہروی قدس سرہ
ترجمہ: ساحل شہسرامی (علیگ)

- ۱- میر عبد الجلیل شاہ زماں
- ۲- مرشد و رہنمائے روئے زمین
- ۳- محو مدہوش مدتے آں شاہ
- ۴- بعدہ سال چوں افاقت شد
- ۵- از جناب الہ و احمد داں
- ۶- چہل و نہ سال رہنمائی کرد
- ۷- بود دوشنبہ از صفر ہشتم
- ۸- سال نقلش بگفت ہاتف جاں
- ۱- سلطان زماں حضرت میر عبد الجلیل قدس سرہ فیض کا سرچشمہ اور عرفان کی کان تھے۔
- ۲- روئے زمین کے مرشد، رہنما، ہادی اور صاحبان یقین کے پیشوا۔
- ۳- حضرت والا ایک عرصے تک حق تعالیٰ کی ذات کے تصور میں وارفتہ ہوش رہے۔
- ۴- آپ خدا آگاہ تھے۔
- ۵- دس سال کے بعد جب اس مدہوشی کی کیفیت سے آپ کو افاقہ ہوا تو حضرت خضر علیہ السلام جیسے رہنما سے آپ کی ملاقات ہوئی۔
- ۵- اللہ تعالیٰ کی جناب اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کو

- شہر مارہرہ کی ولایت سپرد ہوئی۔
 - ۶- اس کے بعد آپ نے اس شہر میں انچاس سال تک ہدایت و ارشاد اور روحانی پیشوائی کا فریضہ انجام دیا۔
 - ۷- پیر کا دن تھا اور ماہ صفر کی آٹھویں تاریخ کہ اس خوش خصال نے اس جہان رنگ و بو سے آخرت کا سفر اختیار فرمایا۔
 - ۸- روح کی گہرائی سے حضرت کے سال وصال کی تاریخ یہ ابھری: ”رفت آں قدوہ زمین و زماں“ (۱۰۵۷ھ) زمین و زماں کا وہ مسلم پیشوا رخصت ہوا۔
- ☆☆☆



شاہ جلال بسوی خرد مارہروی قدس سرہ

مقبول خدا اولیس ثانی زیں دار فنا چوبست محمل
تاریخ وصال او خرد گفت براوج سپہریافت منزل



سید شاہ ابوالقاسم اسماعیل حسن وقار مارہروی قدس سرہ

مثل مکہ شدہ مارہرہ مقام برکات
شہر تے یافت چوطیبہ زقیام برکات
درگہش گشت مطاف عرفا و کملا
قدسیاں خم پئے تعظیم و سلام برکات
مرقدش ہست تجلی گہ نور یزداں
ہچو مہر است منور ہمہ بام برکات



سید محمد اشرف قادری برکاتی

عجب ہے رنگ مارہرہ، عجب ہے شان مارہرہ
ہے عشق سرور عالم فقط پہچان مارہرہ
حضور کالپی سے صاحب البرکات کو میرے
حضور غوث نے بنوادیا سلطان مارہرہ
وہ جن کو آسمان اتقا کا مہر و مہ کہئے
شہر آل محمد عابد ذی شان مارہرہ
منور ہے ابھی تک شمس مارہرہ کی کرنوں سے
نشانِ قادریت یعنی یہ ایوان مارہرہ
چمن آل رسول پاک کا جن سے معطر ہے
وہ نورانی ہیں جنہیں کہئے گل وریحان مارہرہ
حسن کے ہاتھ سے قاسم میاں کا ہاتھ پایا ہے
ملا ہے دستِ قاسم سے ہمیں فیضان مارہرہ
گلاب و سترن حضرت امیں، افضل، نجیب حیدر
یونہی مہکا کرے یارب مرا بستان مارہرہ

سلوک و معرفت کی ہے امانت ان کے سینے میں
 کہ ہیں حضرت امیں سجادہ ذی شان مارہرہ
 امیں با صفا مسند نشین ہیں عرس قاسم میں
 بڑھا ہے ان کے دم سے کس قدر عرفان مارہرہ
 جنہیں دولت کی خواہش ہے، انہیں دولت مبارک ہو
 ق مگر ابن حسن سے اب سنو اعلان مارہرہ
 اگر تم نقد دل لاؤ تو ہم بکنے پہ راضی ہیں
 ہمیں بازار مارہرہ، ہمیں سامان مارہرہ

طریقت کی غذائیں کھاؤ گے افطار میں اشرف
 تو پھر تو عید سے بڑھ کر ہوا رمضان مارہرہ



حضرت بیکل اتساہی بلراپوری

اپنے رنگ و بو میں ہے ذیشان مارہرہ شریف
 نور کے پھولوں کا ہے گلدان مارہرہ شریف
 اس کا ہی گن گار ہے ہیں کیرل و کشمیر تک
 مہکا مہکا جیسے ہندستان مارہرہ شریف
 اس کے ہر اک انگ میں ہے قادریت کا لہو
 یعنی ہے بغداد کی سنتان مارہرہ شریف
 جانے کتنے علم و حکمت والے اس کے ہیں گدا
 مطمئن کردیتا ہے ہر آن مارہرہ شریف
 جس نے اس کی خاک کو چاہا وہ نوری ہو گیا
 مفتی اعظم کی ہے پہچان مارہرہ شریف
 نسبت برکات سے وابستہ آل رسول
 عاشق سرور رضا کی جان مارہرہ شریف
 عشق آل مصطفیٰ عقل و خرد کا ہے شعور
 ہے شعار زیست کا عنوان مارہرہ شریف
 احسن العلما کے کھلتے پھول ہیں کتنے حسین
 جن کے رنگ و بو سے چمنستان مارہرہ شریف
 ہیں امین و اشرف و افضل نجیب قادری
 قاسمی نسبت کا ہے احسان مارہرہ شریف
 حضرت یحییٰ کا فیضان مسلسل واہ واہ
 قلب بیکل کا ہے اطمینان مارہرہ شریف



حسن عقیدت اور سلام مارہرہ کے نام
بیکل ہے برکاتی غلام مارہرہ کے نام

لفظوں میں رس لطف و وفا کا کفر و فن میں رنگ رضا کا
میری کاوش میرا کلام مارہرہ کے نام

قادریت کی دھوپ سنہری رضویت کی چاندنی گہری
میری صبح اور میری شام مارہرہ کے نام

راستے کو لہکاتی بلائیں منزل کو مہکاتی ہوائیں
میرا دکھ میرا آرام مارہرہ کے نام

چھنی ہوئی طیبہ کی ڈگر کی بنی ہوئی بغداد نگر کی
شہ عشق کا نوری جام مارہرہ کے نام



وہ میرا عالی نسبت تاجدار مارہرہ
جہاں میں جس سے ہے روشن وقار مارہرہ

سنجھل سنجھل کے چلو رہو ان قلب و نگاہ
سرور کیف کی ہے رہگذار مارہرہ

ولی کسی کو کسی کو امام فقہ و حدیث
رضا سے پوچھے کوئی اختیار مارہرہ

ہزار بار چلی ہے ہوائے نجدیت
مٹا سکی نہ کبھی اعتبار مارہرہ

لبوں پہ مفتی اعظم کے یہ دعائیں تھیں
سدا بہار ہو باغ و بہار مارہرہ

مرے طواف کو ہر تاج والا آپہونچا
میں سر پہ لے کے چلا جب غبار مارہرہ

کبھی جھکا ہی نہیں ظلم و جور کے آگے
بلند عزم کا ہے جاں نثار مارہرہ

ہر ایک روح کی تسکین ہر ایک دل کا قرار
بہارِ خلد بداماں دیار مارہرہ

تم ایک گھونٹ ہی میں مست ہو گئے بیکل
بہکنا جانے نہیں میگسار مارہرہ

سلطان العاشقین صاحب البرکات سید شاہ برکت اللہ قادری قدس سرہ



اختر حسین مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

ولادت : ۱۰۷۰ھ وفات : ۱۱۴۲ھ
اسم گرامی : سید شاہ برکت اللہ قدس سرہ العزیز
لقب : صاحب البرکات، سلطان العاشقین
تخلص : فارسی اور عربی میں عشقی اور ہندی میں پیچی

سلسلہ نسب:

آپ کا سلسلہ نسب ۳۵ واسطوں سے حضرت زید شہید رحمۃ اللہ سے ہوتا ہے سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضرت سید الانبیاء محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بالا درجت تک پہنچتا ہے۔ سلسلہ نسب کی تفصیل یہ ہے:

صاحب البرکات سید شاہ برکت اللہ بن سید شاہ اولیس بن سید عبدالجلیل بن سید شاہ عبدالواحد بن سید ابراہیم بن سید قطب الدین بن سید شاہ ماہر بن سید شاہ بڈھ بن سید کمال بن قاسم بن سید حسن بن سید نصیر بن سید حسین بن سید عمر بن سید محمد صغریٰ (معروف بہ دعویٰ الصغریٰ) جد قبائل سادات بلگرام بن سید علی بن سید حسین بن سید ابوالفرح ثانی سید ابوفراس بن سید ابوالفرح واسطی جد اعلیٰ جماعت سادات زید یہ بلگرام و اباہا وغیرہما بن

سلطان العاشقین صاحب البرکات
سید شاہ برکت اللہ قادری قدس سرہ

سید داؤد بن سید حسین بن سید یحییٰ بن سید زید سوم بن سید عمر بن سید زید دوم بن سید علی عراقی بن سید حسین بن سید بن علی بن سید محمد بن سید عیسیٰ المعروف بہ موتہ الاشبال بن سید زید شہید رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بن امام ہمام سید السادات زین العابد المقلب بہ سجاد بن سید الشہد امام حسین بن حضرت امیر المومنین مولیٰ مرتضیٰ علی زوج سیدۃ النساء، فاطمہ زہرا بنت حضرت سید الانبیاء حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ اجمعین۔ (۱)

خاندانی پس منظر:

زیدی سادات میں سے جس عظیم المرتبت شخصیت نے سب سے پہلے ہندوستان کی سرزمین کو اپنے قدم میننت لزوم سے عزت بخشی وہ سید العارفین سید ابوالفرح رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے پوتے فاتح بلگرام سید محمد صغریٰ علیہ الرحمۃ والرضوان سلطان شمس الدین التتمش کے دور حکومت میں وارد ہند ہوئے اور سلطان کے مصاحبین میں شامل کر لیے گئے۔ صاحب ماثرا لکرم لکھتے ہیں:

سید محمد صغریٰ خوجہ قطب الدین بختیار کا کی روشنی دہلی قدس سرہ کے مرید اور فضائل ظاہری و باطنی کے مجمع البحرین تھے۔ آپ کو دین کا کلمہ بلند کرنے، سنت زندہ کرنے اور بدعت کو مٹانے میں پوری مہارت تھی۔ سلطان شمس الدین التتمش کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے باکمال حال کو نوکری کے لباس میں عوام کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ (۲)

آپ نے ۶۱۴ھ میں غازیان اسلام کے ساتھ بلگرام کا رخ کیا اور وہاں کے مشرک سرکش اور متعصب راجا ”سری نام“ کے ساتھ معرکہ آرائی کی۔ اس معرکہ میں اس کے اعوان و انصار اور اہل خاندان تہ تیغ کر دیے گئے اور بلگرام کفر کی آرائشوں سے پاک ہو کر اسلام کا حسین چمن زار بن گیا اور یہاں سے اٹھنے والی ایمان کی باد بہاری نے باشندگان ہند کو رشد و ہدایت کی خوش بو سے شاد کام کیا۔ اسی چمنستان رشد ہدایت کے گل سرسبد حضرت سید شاہ عبدالجلیل بن سید شاہ عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ نے بلگرام سے انتقال مکانی کر کے مارہرہ مطہرہ کو اپنے وجود سے رونق بخشی اور تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ جاری فرمایا۔ آپ کی آخری آرام گاہ مارہرہ مطہرہ میں ہے جو درگاہ بڑے پیر کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے بعد آپ کے چھوٹے صاحب زادے سید شاہ اولیس بلگرامی علیہ الرحمۃ آپ کے جانشین ہوئے اور تعلیم

و تربیت والد گرامی کی بارگاہ سے حاصل کی۔ چونکہ آپ کا قیام مارہرہ مطہرہ اور بلگرام شریف دونوں جگہ رہتا تھا لیکن وفات کے وقت بلگرام شریف میں تھے، اس لیے وہیں تدفین عمل میں آئی۔

صاحب البرکات سید شاہ برکت اللہ عتیقی قدس سرہ:۔ آپ سید شاہ اولیس بلگرامی سرہ العزیز کے تین صاحب زادوں میں سب سے بڑے تھے، باقی دو کے نام سید شاہ عظمت اللہ اور سید رحمۃ اللہ تھے اور دو صاحب زادیاں بھی تھیں جو صاحب اولاد تھیں۔

ولادت اور تعلیم و تربیت:

حضرت صاحب البرکات قدس سرہ کی ولادت ۲۶ جمادی الاخرہ ۱۰۷۰ھ میں ہوئی بچپن کا زمانہ اپنے والد ماجد اور دیگر بزرگان خاندان کے آغوش تربیت و شفقت میں گزارا اور ابتدائے سن شعور سے آغاز سن کہولت تک حضرت سید العارفین سید شاہ لطف اللہ شاہ لدھا بلگرامی قدس سرہ السامی کے فیض صحبت سے مشرف رہ کر اخذ فیوض و برکات فرمایا نیز دوسرے اکابرین خاندان مثل حضرت سید مرلی بن سید عبدالنبی بن سید طیب و سید غلام مصطفیٰ بن سید فیروز سے بھی مستفیض ہوئے (۳)

عبادت و ریاضت:

حضرت صاحب البرکات مسلسل چھبیس ۲۶ سال تک صائم رہے۔ دن بھر روزے سے رہتے اور صرف ایک کھجور سے روزہ افطار کرتے، جذبات و استغراق کا یہ عالم تھا کہ تین سال تک یہ حالت رہی کہ شب و روز میں صرف دو فلوں غذا تناول فرماتے اور چاولوں کے صرف پانی پر قناعت کرتے۔ ہفتوں محویت طاری رہتی اور دنیا و مافیہا سے بالکل بے نیاز ہو جاتے۔ مدت تک رات بھر بیدار اور مشغول عبادت رہتے۔ آپ کا معمول تھا کہ ظہر کی نماز کے بعد تلاوت قرآن شریف فرماتے، عصر کی اذان ہونے پر اٹھتے۔ نماز فجر سے لے کر اشراق تک اور او وظائف میں رہتے چاشت کے وقت مدرسہ میں تشریف لاتے اور مریدین و طلبہ کو درس دیتے، مغرب کے بعد سے لے کر عشا تک بادہ عرفان کی برکتیں بکھیرتے اور یہی توجہ خاص و تعلیم خاص کا ہوتا تھا۔ (۴)

سید شاہ فضل اللہ کاپوی قدس سرہ:

حضرت صاحب البرکات کے مرشد گرامی سید شاہ فضل اللہ بن میر سید احمد ۱۰۶۰ھ میں کاپی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ آپ سلسلہ قادریہ برکاتیہ کے بتیسویں شیخ طریقت ہیں۔ تعلیم و تربیت والد مکرم اور جد کریم کے زیر سایہ پوری فرمائی اور تمام علوم مروجہ حاصل کر کے تبلیغ و ارشاد کے میدان میں قدم رکھا اور خلق خدا کی ہدایت و رہنمائی کا عظیم فریضہ انجام دیا۔

آپ اپنے والد گرامی میر سید احمد بن میر سید محمد (علیہ الرحمۃ) کے خلیفہ اور جانشین تھے، آپ کے خوارق بہت ہیں اور ذوق و شوق الہی، تواضع و انکسار حسن خلق اور جمیع خصائل رضیہ و شمائل مرضیہ بے مثل تھے۔ آپ کی توصیف شیخ محمد افضل (۸) الہ آبادی نے یوں کی ہے۔

عمان فضل سید فضل اللہ آں کہ ہست بر شان فقرش از عمل دو گواہ
سیاح بحر صبر و توکل بہ اتسال سیاح بر و بحر و قناعت بہ انتباہ
پیوستہ خاطرش ز عبادت پر نصیب دایم نہاں باطنش از حق خواہ مناہ

(۹)

آپ کا مقدس خمیر ہی ولایت کا مجسم تھا اور ذوق و شوق ظاہر سے ٹپکتا تھا۔ جو دو کر م وغیرہ تمام صفات پسندیدہ بدرجہ اتم آپ میں موجود تھیں۔ ایک بار سخت قحط سالی آگئی۔ بڑھتے بڑھتے کئی سال تک رہی اور ایک جہان کو ہلاک کر ڈالا۔ (ان دنوں) حضرت رات اور دن میں ایک بار سوائے تھوڑی غذا کے جس سے کہ سانس جاری رہ سکے کچھ نہ کھاتے اور حتی المقدور محتاجوں کو خیرات بھی فرماتے۔ (۱۰)

ایک توجہ نے دل کی دنیا بدل دی:

ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں چار اشخاص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم لوگوں کے دل قسادت و حب دینی سے پتھر ہو رہے ہیں اور کبھی ہماری آنکھوں میں آنسو نہیں آتے آپ کا نام سن کر بہت دور سے ہم لوگ آئے ہیں۔ اس وقت آپ ایک خط اپنے وطن جالندھر کو لکھ رہے تھے، یہاں تک کہ آپ نے خط لکھنا بند کر دیا اور پھر ایسی توجہ فرمائی کہ چاروں شخص مرغ بھل کی طرح تڑپنے لگے، آپ کے چہرہ مبارک سے ایک روشنی نکلی

اور ستون سے ٹکرائی آئینہ کی طرح چمکنے لگی اس کے ساتھ ہی وہ چاروں دو پہر تک حالت بے خودی اور بے ہوشی میں پڑے رہے۔ پھر افاقہ کے بعد آپ کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس طرح بے شمار افراد آپ کے دست مبارک پر تائب ہوئے اور آپ کی ذات بابرکت سے مستفیض ہوئے (۱۱)

تصنیف: (۱) ہدایۃ الطالبین (۲) مکاتیب وغیرہ (۱۲)

ذریعہ معاش:

بہجہ عالم گیر بادشاہ ہندوستان آپ کے معاش کے لیے موضوع ہر دوائی اور کنوا کھیڑا تینوں بھائیوں کے اشتراک میں معافی میں تھا اور یک نیم روپیہ روزانہ پر گنہ جلال پور سے اور کئی بیگمہ آرضی مواضعات بشن پور وغیرہ سے بلا کر شرکت مقرر تھی (۱۳)

خلفا:

آپ کے خلفا میں اب تک دو نام، دستیاب ہو سکے: اول سید شاہ برکت اللہ معروف بہ صاحب البرکات جنھوں نے آپ کی اجازت سے مارہرہ میں قیام فرمایا۔ دوم شاہ خرم آپ بڑے عبادت گزار تھے۔ شیخ کی اجازت سے آپ نے کوچ میں اقامت اختیار کی اور اصحاب صفہ کی طرح مجرد زندگی گزاری (۱۴)

کتخدائی اور اولاد امجاد:

قاضی دوست محمد جالندھری کی صاحب زادی سے آپ کا عقد ہوا جن سے چار فرزند ارجمند تولد ہوئے (۱) سید ابوسعید معروف بہ سلطان صاحب (۲) سید محمد یوسف (۳) سید محمد اشرف (۴) سید محمد آصف

آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحب زادے سید ابوسعید قدس سرہ آپ کے جانشین ہوئے اور مسند رشد و ہدایت کو زینت بخشی۔ آپ کی جانشینی کے تعلق سے میر سید غلام علی آزاد بلگرامی راقطرز میں۔

آپ (شاہ فضل اللہ) کے فرزند و جانشین ولی کامل تھے ہر وقت حضوری اور ذوق و مسرور میں رہتے تھے جس وقت شاہ فضل اللہ قدس سرہ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ آپ کے خلف الصدق حضرت سلطان ابوسعید اور آپ کے بھائی سید سلطان مقصود دونوں نے سید

العارفین میر شاہ بلگرامی نامہ طلی بھیجا۔ سید العارفین صاحب زادوں کے بلاوے پر کاپلی پہنچے۔ نیز اس خاندان کے سبھی خلفا بھی پہنچے جیسے شیخ محمد فضل الہ آبادی، شیخ عبدالحکیم موہانی وغیرہ پھر سجادہ نشینی کے لیے اختلاف کھڑا ہوا، سب کا اتفاق اس پر تھا کہ صاحب میر سید سلطان مقصود کو مقرر کیا جائے۔ کیوں کہ یہ سید احمد کے لڑکے ہیں اور سلطان ابوسعید ٹھہرے نیز سید سلطان صاحب علم و فضل اور خاندان میں معمر بھی ہیں۔ سید العارفین نے فرمایا ایسا خیال درست نہیں باپ کی سجادہ نشینی کا حق بیٹے کو پہنچنا ہے۔ پھر یہ کہ علم ظاہر پر علم باطن کا مدار نہیں کیوں کہ اس کا تعلق زبان سے ہے اور اس کا تعلق دل سے۔ انشاء اللہ آبائے کرام کی برکت سے یہ بھی خاندان کے سربراہ اور قبلہ عالم ہوں گے (۱۵)

آپ کی شادی جالندھر میں قاضی محمد حسین بن قاضی معصوم اوسط کی صاحب زادی سے ہوئی جس سے ایک لڑکی اور دو لڑکے سید احمد سعید اور سید قطب عالم تولد ہوئے۔ آپ کی تالیف ارشاد الطالبین ہے جو آپ نے خلف ارشد سید احمد سعید کے لیے لکھی تھی (۱۶)

آپ اکثر معانی معرفت شعر کے لباس میں ادا فرماتے رہتے اور عرفان تخلص فرماتے تھے، آپ کے نتیجہ افکار سے یہ ہے

دیر وز کہ دل رفت زکاشان ما لیلی گویاں بروں شدہ از خانہ ما
امروز شنیدم انالیلی می گفت گل بانگ دگر شنوز دیوانہ ما

یعنی کل جب ہمارے خانہ جسم سے دل نکلا تو ایسا محسوس ہوا کہ ہمارے خانہ جسم سے لیلی باہر گئی ہو۔ اور آج میں نے سنا کہ وہ دل کہہ رہا تھا کہ میں لیلی ہوں تو ہمارے عاشق سے ایک خوب صورت کلام سماعت کر۔ آپ کا وصال ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۱۴۷ھ میں ہوا۔ علامہ آزاد بلگرامی نے آپ کے وصال پر درج ذیل اشعار کہے، آخری مصرعہ کے ایک جز سے سنہ وفات نکلتا ہے۔

آں شاہ ابوسعید قطب عرفان شد منزل آں سید اکمل فردوس
دریاب کہ از آیت قرآن مجید تاریخ نوشتہ پر ثون الفردوس

یعنی قطب عرفان شاہ ابوسعید جن کی منزل جنت الفردوس ہوتی غور کرو قرآن کریم کی آیت سے میں نے تاریخ لکھی، ریثون الفردوس۔ ۱۱۴۷ھ یعنی وہ فردوس کی میراث پائیں گے۔ (۱۷)

سید محمد یوسف: آپ گونا گوں اوصاف ظاہری و معنوی کے جامع تھے۔ آپ کی ذات والا صفات اس شعر کے مصداق تھی۔

مراد اہل طریقت لباس ظاہر نیست کمر بہ خدمت سلطان بند و صوفی باش
ابتداء آپ نے ملازمت اختیار کی اور محمد شاہ بادشاہ ہندوستان کی بارگاہ سے خان بہادر کا خطاب حاصل کیا، بعد میں ملازمت ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ آپ کا مزار حضرت شاہ فضل اللہ (والد گرامی) کے گنبد کے جنوبی دالان کے دروازے پر ہے۔ (۱۸)

سید محمد اشرف: آپ ذوق ایمانی اور شوق عرفانی کے مالک تھے۔ آپ کے مریدین اکثر مجذوب ہوتے تھے۔ مستجاب الدعوات اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ آپ کا مزار کاپلی کے مدرسہ میں سید سلطان مقصود کے مزار کی پشت پر اور سید احمد سعید کے مقابلہ واقع ہے (۱۹)

سید محمد آصف: آپ کا بھی عقد مناکحت جالندھر میں ہوا، قبر مسجد مدرسہ کی دالان کے عقب میں ہے (۲۰)

سید احمد کاپلی قدس سرہ:- نام: سید احمد بن میر سید محمد کاپلی شریف میں ولادت باسعادت ہوئی اور وہیں نشوونما بھی ہوئی۔ آپ سلسلہ قادریہ برکاتیہ کے اکتیسویں شیخ طریقت ہیں۔ علامہ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

محمدی ولایت کے وارث اور احمدی پرچم کے حامل ہیں۔ آغاز شعور سے ہی لمحہ ہدایت اور نور ولایت پیشانی ہمایوں سے دیکھتا تھا۔ مبداء فیاض جل شانہ نے جمال صورت اور کمال معنی دونوں سے خوب نوازا تھا۔ تمام صفات پسندیدہ اور خصائل محبوبہ خصوصاً سخاوت ایثار خصوص و مروت وغیرہ آپ کے عنصر لطیف میں ودیعت کیا تھا۔

شروع میں ظاہری علوم حاصل کرنے میں کوشش فرمائی، کچھ عرصہ والد ماجد کے پاس تحصیل علم کی پھر حسامی سے تفسیر بیضاوی تک شیخ محمد فضل الہ آبادی قدس سرہ سے پڑھی اور دست بیعت والد ماجد کے ہاتھ میں دیا اور طریقت محمدیہ پر نہایت لگن اور توجہ سے کار بند رہے۔ چوبیس سال کی عمر میں والد قدس سرہ کی مسند پر متمکن ہوئے اور مجلس ارشاد و تلقین کی محفل گرم کی حق تعالیٰ نے آپ کو عقیدت و شہرت کا بڑا حصہ عطا فرمایا تھا۔ اپنے مقدس آستانے کو ہر شریف و رذیل کا قبلہ حاجات بنادیا تھا، اس کے باوجود آپ کا کوئی وقت فقر و

اکسار سے خالی نہیں گزرتا تھا۔ آفتاب عالم تاب کی طرح آپ کی توجہ والتفات کی کرنیں سب پر یکساں پڑتی تھیں۔ والد ماجد آپ پر نہایت درجہ عنایت فرماتے تھے۔ کہتے تھے: ”محمد و احمد یکے ست“ (محمد اور احمد دونوں ایک ہی ہیں) (۲۱)

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضری: - ایک مرتبہ آپ والد گرمی میر سید محمد رحمۃ علیہ کے ساتھ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی بارگاہ فیض بار میں حاضر ہوئے۔ جب رخصت ہوئے تو فرمایا:

خواجہ قدس سرہ نے ہمیں بھی رخصت کیا اور دستار سید احمد کے سر پر باندھی اور فرمایا: اس مجلس چشت را گرمی سازد“ (یہ لڑکا مجلس چشتیہ کو گرم کرے گا) بس یہی وجہ ہے کہ آپ سماع کے نہایت شائق اور حضرت والد اقدس کے احتراز کے باوجود ان کے حین حیات میں بھی سماع و سرور میں علانیہ مشغولیت رکھتے پھر والد کے انتقال کے بعد ایام عرس میں بھی مجلس سماع آراستہ کرتے تھے، شیخ محمد افضل الہ آبادی قدس سرہ نے یہ خبر سن کر نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اب تو ایام عرس میں میرا آنحال ہو گیا، کیوں کہ یاروں کی موافقت مجھ سے نہیں ہو سکتی، مگر یاروں کے خلاف کچھ کر بھی نہیں سکتا، حضرت سید قدس سرہ نے دو خطوط یکے بعد دیگرے لکھے اور نہایت تاکید سے بلایا۔ شیخ محمد افضل آخری خط کے آنے پر کالپی تشریف لائے، حضرت کے آنے پر سرود موقوف کر دیا، لیکن تین روز تک کھانا نہیں تناول فرمایا۔ ان دنوں جب بھی شیخ سے ملاقات کرتے تو ناصحین کی اور حضرت والد قدس سرہ کے مریدوں کی جو باب سماع میں ملامت کا ہنگامہ برپا کیے تھے شکایت کرتے، آخر کار تیسرے روز بھی شکایت کی (اور سماع کی خواہش ظاہر کی) شیخ نے تسلی کے لیے بہت سے الفاظ کہے یہاں تک کہ نماز عصر کا وقت آ گیا۔ نماز ادا کرنے کے بعد پھر وہی گفتگو شروع کر دی اور نماز مغرب کے بعد بھی یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ شیخ نے اس کا علاج یہی دیکھا کہ (قوالوں کو بلایا جائے) پوچھا تو ال کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا ہم حاضر ہیں۔ فرمایا تم سب اپنے کام میں مشغول کیوں نہیں ہوتے؟ قوال اجازت پا کر سرگرم سرود ہو گئے اور حضرت سید کا دل شاد ہو گیا، عرض کیا میاں (۲۲) جیو! میں بھی گاؤں گا پھر رومال اور تسبیح ہاتھ میں لے کر کھڑے ہوئے، لفظ مبارک اللہ زبان سے ادا فرمایا۔ حاضرین پر عجیب اثر ہوا اور ایک جماعت تو بے خود ہو گئی، حضرت شیخ قوالوں کو اجازت دے کر خود مجلس سے باہر آ گئے تھے (۲۳)

توجہ اور کرامت:

حضرت سید احمد قدس سرہ کی توجہ میں تاثیر کی قوت بدرجہ اتم موجود تھی۔ جس کسی کی طرف توجہ فرمادیتے اس کے دل کی دنیا بدل جاتی۔ آزاد بلکرامی لکھتے ہیں:

☆ ایک شخص حضرت کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میرے دل کی سختی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ میرے ماں، باپ، بیوی، بچے سب انتقال کر گئے، لیکن مجھے رونا نہیں آیا، لوگوں نے مجھے بتایا ہے کہ آپ گریہ طاری کر سکتے ہیں۔ آپ مجھ پر توجہ فرمائیے! حضرت نے دونوں ہاتھوں سے ان کے دونوں ہاتھ مضبوطی کے ساتھ پکڑ کر انہیں حرکت دینے لگے اور تین بار مکمل بے خودی کے انداز میں فرمایا: کیا تو نہیں روئے گا؟ اور تیسری بار چھوڑ دیا۔ وہ شخص زمین پر گر اور ہائے ہائے کرتے زار زار رونے لگا، کافی دیر بعد افاقہ ہوا فوراً آپ کا مرید ہو گیا۔

☆ آپ کا ایک مخلص مرید تھا، اس نے کپڑے سلوا کر آپ کو نذر کیا اور عاجزانہ عرض کرنے لگا کہ حضور یہ لباس زیب تن فرمالیں، بڑی نوازش ہوگی۔ آپ وہی کپڑے پہن کر جمعہ کی نماز پڑھنے چلے گئے۔ نماز پوری ہونے کے بعد ایک شخص نے جسے شرع کا دعویٰ تھا آستین کی لمبائی پر اعتراض کیا، آپ نے اس کی آستین اپنے ہاتھ سے پکڑی اور اپنی آستین اس کے ہاتھ میں دیدی، اس کی آستین اتنی لمبی ہو گئی کہ وہ شخص شرمندہ ہوا اور آپ کی آستین گٹوں تک سمٹ گئی۔ طبعات شعرانی میں ہے کان علی رضی اللہ تعالیٰ یقطع ما زاد علی روس الا صابع و کذا لک عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کی آستین کا وہ حصہ جو انگلیوں کے سرے سے زیادہ ہوتا کاٹ دیتے تھے اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کرتے (۲۴)

ذوق شاعری:

آپ کا ذوق شاعری بہت بلند تھا، اشعار پر تصوف کا غلبہ تھا۔ آپ کی تصنیف میں آپ کا دیوان بھی ملتا ہے۔ نمونہ کے طور پر درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

ہر کہ بہ مئے خانہ اقامت کند از سفر کعبہ ندامت کند
سید محمد بہ من خفیہ گفت نغمہ مطرب ہمہ گامت کند
توبہ ازیں شیوہ نہ نخواہم کرد گوکہ ہمہ خلق ملامت کند

آپ نے یہ اشعار اس وقت کہے تھے جب محفل سماع و سرود گرم کرنے کی وجہ سے آپ کے والد گرامی کے مریدین اور خاص طور پر آپ کے استاد گرامی شیخ محمد افضل الہ آبادی نے ناگواری کا اظہار کیا تھا۔

تصنیفات:

تبلیغ وارشاد کے علاوہ علمی اور تصنیفی خدمات بھی آپ کی یادگار ہیں۔ آپ کی تصنیفات بڑی اہمیت کی حامل ہیں، جو اس دور کے ادبی اخلاقی، معاشرتی، علمی اور دینی ذوق کا پتہ دیتی ہیں۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

(۱) جامع الکلم فارسی (۲) شرح اسماء الحسنی (۳) شرح بسیط علی عقائد النسفیہ (۴) رسالہ معارف (۵) مشاہدات الصوفیہ (۶) دیوان شعر (۲۶)

خلفا:

آپ کے خلفا کی تعداد حتمی طور پر معلوم نہیں تاہم جتنے کا پتا چل سکا درج ذیل ہیں:

(۱) شیخ مجاہون پوری (۲) شاہ جائی سروچی (۳) قاضی سید صفی پوری (۴) شیخ غیاث اللہ فرشوری بلگرامی (۵) شیخ عبدالحفیظ فرشوری بلگرامی (۶) قاضی احمد جون پوری برادر کلاں شیخ محمد (۷) سید لطف اللہ معروف بہ شاہ لدھیہا بلگرامی (۸) میر سید غلام علی آزاد بلگرامی (۲۷)

شادی اور اولاد امجاد:

قاضی جالندھر کی صاحبزادی کے ساتھ آپ کا عقد مسنون ہوا (۳۸) اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین فرزند عطا فرمائے جو دین و شریعت کے پابند تھے، جنہیں تبلیغ اسلام اور خدمت خلق کا ہنر ورثہ میں ملا تھا۔ ان کے مبارک نام یہ ہیں:

(۱) سید شاہ فضل اللہ خلیفہ والد گرامی سید شاہ احمد قدس سرہ (۲) سید شاہ سلطان مقصود قدس سرہ (۳) سید شاہ سلطان محمد قدس سرہ

وصال:

آپ کا وصال ۱۰ صفر المظفر بروز پنج شنبہ بوقت شام ۱۰۸۴ھ، ہوا (۲۹) صاحب تذکرہ مشائخ قادر یہ رضویہ نے وصال کی یہ تاریخ بیاض شاہ محمد اجمل الہ آبادی

قدس سرہ کے حوالے سے لکھی ہے۔ خواجہ سید عنایت اللہ عظیم آبادی وصال کی تاریخ ۱۹ صفر اور دن شنبہ لکھتے ہیں اور سنہ میں موافقت کرتے ہیں (۳۰)

اورنگ زیب عالم گیر کے عہد میں آپ کا وصال ہوا۔ عمر چھتیس سال پائی اور خلافت ۱۲ سال رہی (۳۱) قطعہ تاریخ وفات

سید پاک نسب حامی دیں آں کہ بود اہل صفار انا موس
سال نقش ز جہاں گفت رسا سید احمد ز جہاں رفتہ افسوس ۱۰۸۴ھ (۳۲)

مدفن:

آپ کی آخری آرام گاہ کاپی شریف میں والد گرامی کے پہلو میں جانب مشرق واقع ہے۔ آپ کی اصل ترند کے صحیح النسب سادات کرام سے ہے، آبائے کرام توابع لاہور مقام جالندھر میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے (۳۳)

شجرہ نسب:

میر سید محمد بن ابوسعید بن بہاء الدین عماد الدین اللہ بخش بن سیف الدین بن مجید بن شمس الدین بن شہاب الدین بن عمر بن حامد بن احمد زاہدی، حسینی ترمذی۔ آگے چل کر یہ سلسلہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مل جاتا ہے۔

والد گرامی:

آپ کے والد ماجد میر ابوسعید گردش روزگاری وجہ سے وطن عزیز سے چلے آئے اور دارالولایہ کاپی شریف میں رہنے لگے تھے (۳۴) آپ کی پیدائش سے پہلے آپ کے والد ماجد گرامی نے دکن کا سفر کیا اور مفقود الضمیر ہو گئے۔ اس لیے صرف شفقت مادری کے سایے میں آپ کی پرورش ہوئی۔

اکتساب علم اور بیعت و خلافت:

حضرت میر سید محمد قدس سرہ نے عنفوان میں شیخ یونس نور اللہ مضجعہ کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کی جو عالم باعمل اور محدث کامل تھے۔ آپ نے (سعد الدین) تفتازانی کئی مطول تک شیخ ہی کی خدمت میں پڑھا اور اجازت حدیث حاصل کی شیخ یونس قدس سرہ قدس

شریعت مقدسہ کی محافظت میں نہایت ہی کوشاں رہتے تھے، اسی لیے استاد محترم کی پاسداری شریعت آپ کے مزاج و ہاج میں کافی تاثیر بخش ثابت ہوئی اور متابعت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور نے سر سے پیر تک آپ کو ڈھانپ لیا اور بعض کتب درسیہ کا تاملہ تھوڑے دنوں تک مولانا عمر جاج موی۔ روح اللہ روح۔ اور زیادہ تر جمال الاولیا کو رڑوی قدس سرہ کے حلقہ درس میں پوری کی فضیلت ظاہری میں بلند مرتبہ حاصل کیا اور فاتحہ فراغ جمال الاولیا قدس سرہ سے پڑھی اور حضرت شیخ (جمال الاولیا) ہی سے طریقہ عالیہ چشتیہ میں بیعت بھی ہوئے نیز سلاسل قادریہ، سہروردیہ اور مدارییہ کی اجازت بھی پائی۔ حضرت شیخ نے آپ کو اپنی خاص الخاص عنایت سے نوازا اور جو امانتیں سلاسل اربعہ کے مشائخ سے آپ تک پہنچی تھیں۔ سب حضرت سید کے سپرد فرمائیں پھر حضرت سید حسب ارشاد شیخ قدس سرہ کو راضع فتح پور سے کالپی آئے اور سکونت پذیر ہو گئے۔ اور اب رب الارباب کی یاد اور اصحاب کی تلقین اپنا شیوا بنالیا (۳۵)

آپ کا روز کا معمول تھا کہ حضرت شیخ جمال الاولیا قدس سرہ کو وضو کا پانی دیتے اور جب حضرت شیخ مسجدے مکان تشریف لے جاتے تو آپ بھی ساتھ ساتھ جاتے اور جب کہتے کہ جاؤ تو واپس ہو جاتے۔ اکثر ایسا اتفاق ہوا کہ مکان پر پہنچنے کے بعد شیخ نے واپسی کی اجازت نہیں دی تو آپ دروازے پر رات بھر کھڑے رہتے اور تہجد کے وقت جب شیخ دروازہ کھولتے تو آپ غلبہ نیند کی وجہ سے گر پڑتے اور عرض کرتے کہ حضور! نیند آگئی تھی شیخ فرماتے کہ میں کہنا بھول گیا تھا۔ شیخ کی نظر شفقت آپ پر بے حد تھی۔ زندگی کے اخیر دور میں شیخ نے سارے مریدوں کو گلگلا عطا فرمایا، آپ بعد میں آئے شیخ نے دونوں ہاتھ میں گلگلا لے کر آپ سے فرمایا لو۔ آپ نے دونوں ہاتھ سے جبہ کا دامن پھیلا دیا شیخ نے کہا کہ پونجی تھوڑی ہے اور تم نے بڑا دامن پھیلا دیا۔ اس کے بعد گلگلا دامن میں ڈال دیا اور فرمایا کہ اتنی پشتوں تک تمہاری نسل میں بے مشقت کرامت رہے گی۔ اب تم جاؤ تمہارے حصہ سید ابوالعلا اکبر آبادی کے پاس ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ گلگلا سات تھے، بعض کہتے ہیں کہ نو تھے اور بعض کا بیان ہے گیارہ تھے، چنانچہ اب تک وہ کرامت آپ کے خاندان میں چلی آرہی ہے۔ شیخ آپ کو بہت چاہتے تھے اور سید صاحب کہتے تھے کہ سامنے آپ کو دستار

فضیلت سے نوازا گیا اس وقت کئی ہزار روپے نذرانہ میں آئے۔ وہ روپیہ شیخ نے آپ کو شادی کرنے کی غرض سے عطا کیا اور شیخ کی اہلیہ محترمہ نے خوشی میں رت جگا کیا اور اس میں گلگلا تقسیم کیا گیا جب آپ پہنچے تو تقسیم ہو چکا تھا، حضرت شیخ اندر گئے اور ایک گلگلا رحم کا دست مبارک سے بنا کر آپ کو دیا اور دعا کی، آپ بہ اجازت شیخ کالپی آئے اور شادی کی غرض سے جالندھر کا ارادہ کیا۔ (۳۶)

میر ابوالعلا احاراری کی خدمت میں:

خاندان کی لڑکی سے نکاح کی غرض سے جالندھر جاتے ہوئے آپ نے حضرت امیر ابوالعلا احاراری (۳۷) سے ملاقات کی اور جالندھر سے واپسی کے بعد مستقر الخلافت اکبر آباد (آگرہ) پہنچ کر حضرت شیخ احاراری سے طریقت نقش بندیہ کی اجازت حاصل کی، برسوں طریقت خواجگان میں مشغول رہے دس سال کے بعد دوبارہ خدمت میں حاضر ہوئے اور چار ماہ تک فیوض و برکات حاصل کیے (۳۸) علامہ بلگرامی لکھتے ہیں:

آپ نے امیر ابوالعلا احاراری سے ملاقات کی اور مجلس کے آخری حصہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ حضرت امیر کی عادت تھی کہ آپ سے اکثر ہنسی چھوٹی تھی اور قہقہہ لگاتے تھے، حضرت سید کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ درویش اور قہقہہ! یہ کون سا دستور ہے؟ حضرت امیر ابوالعلا نے صدر مجلس سے آپ کی طرف نگاہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ مولانا فرماتے ہیں بر بیضہ دل باش ہاں! مانند پاسباں کز بیضہ دل زایدت مستی و شور و قہقہہ خبردار! مرغ پاسباں کی طرح بیضہ دل کی حفاظت کرتا کہ تیرے بیضہ دل سے مستی، شور اور قہقہہ پیدا ہو۔ اس کے بعد آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہمارا قہقہہ اسی مقام سے ہے۔ قریب تھا کہ حضرت سید کے بدن پر کچپی طاری ہو جائے۔ دل پر جبر کر کے شریعت کی پاسداری نبھائی اور بغیر رجوع کیے ہوئے جالندھر کی راہ لی اور جب لوٹنے لگے تو ہر منزل پر حضرت امیر ابوالعلا کو دیکھتے تھے کہ آپ کو پاکی سوار اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ ناچار ہو کر اکبر آباد پہنچے اور طریقت نقش بندیہ کی گزارش کی۔ حضرت امیر نے کمال توجہ سے سلسلہ نقش بندیہ کا طریقہ تعلیم فرمایا (۳۹)

مولانا عبدالحق رضوی میر ابوالعلا کی بارگاہ میں حاضری کا واقعہ اسرار ابوالعلا“ کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

ایک شب آپ نے حضرت خواجہ بند قدس سرہ کو خواب میں دیکھا اور خواب ہی میں آپ سے ارشاد فرمایا: اے میر محمد ایک شیخ طریقت اپنے سلسلے کے ہیں جو مقامات عالیہ پر فائز ہیں ان کا قیام اکبر آباد (آگرہ) میں ہے اس لیے اب تم اکبر آباد جاؤ اس سلسلے کو بھی حاصل کرو۔

مگر حضرت نے نام کی بشارت سے آگاہ نہیں فرمایا، آپ خواب سے بیدار ہوئے اور آگرہ کا قصد فرمایا یہاں تک کہ جب آپ آگرہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ فی الوقت آگرہ میں دو عظیم بزرگ موجود ہیں، جن سے مخلوق خدا فیض یاب ہو رہی ہے۔ ایک بزرگ میر نعمان خلیفہ شیخ احمد سرہندی قدس سرہ دوسرے بزرگ میر ابوالعلا قدس سرہ ہیں۔ آگرہ پہنچ کر آپ نے حضرت نعمان کی خانقاہ پر چلنے کی تاکید فرمائی، لیکن کہہ کر آپ کو بجائے حضرت نعمان کی خانقاہ کے حضرت میر ابوالعلا کی خانقاہ پر لے گئے، آپ کو جب معلوم ہوا کہ یہ حضرت ابوالعلا کی خانقاہ ہے تو آپ اس جگہ پاکی سے نہیں اترے اور بیٹھے ہی بیٹھے کہا، روں کو تاکید فرمائی کہ حضرت نعمان کی خانقاہ پر پاکی لے چلو۔ کہا روانہ ہوئے لیکن بجائے حضرت نعمان کی خانقاہ پر پہنچنے کے آپ پھر حضرت میر ابوالعلا کی خانقاہ پر پہنچے۔ پاکی پھر واپس ہوئی اسی طرح چند مرتبہ یہاں تک کہ آپ نے پاکی سے اتر کر سوچا کہ رب تعالیٰ کی مرضی ہی یہی ہے اور خانقاہ میں داخل ہوئے۔ حضرت میر ابوالعلا قدس سرہ اس وقت خانقاہ کے صحن میں تشریف رکھے تھے۔ حضرت نے آپ کو دیکھ کر ایک نعرہ لگایا، اس سے آپ کے جسم میں کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ اس کے بعد میر ابوالعلا نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر دوسرا نعرہ لگایا تو اس وقت آپ ضبط نہ کر سکے اور بدن میں جنبش، ہاتھ میں لغزش اور قلب میں حرکت پیدا ہوئی اور اسی حرکت ساتھ آپ کے قلب میں نسبت ابوالعلاؒ پہنچ گئی ماہ حضرت ابوالعلا قدس سرہ کی صحت بابرکت رہے اور جب آپ واپس ہونے لگے تو آپ کو حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ کی ایک تسبیح عنایت فرمائی اور بیعت و کلافت سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ نقشبندیہ مداریہ اور ابوالعلاؒ سے سرفراز فرمایا یہاں تک کہ اپنے وطن کا لپی تشریف لائے اور درس و تدریس و مسند و ہدایت پر متمکن ہوئے (۴۰)

بارگاہ خواجہ سے فیض یابی:

خواجہ بزرگ حضرت معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ کی کشش نے آپ کو اجمیر کے سفر پر آمادہ کیا۔ اس سفر میں آپ کے خلف الصدق حضرت میر سید احمد قدس سرہ بھی آپ کی رکاب سعادت میں ساتھ تھے۔ جس روز آپ اجمیر میں وارد ہونے والے تھے اس روز بہادر خان کنہو ناظم شہر، شہر کے باہر استقبال کے لیے آیا اور لوازم خدمت کمال نیاز مندی سے بجالایا، آٹھ روز اس فردوس نظر مقام پہ ٹھہرے رہے، ہر روز صبح و شام صوفیوں کے ساتھ مرقہ مبارک پر حاضری و زیارت کو جاتے اور قبر مطہر کے پاس مراقبہ میں بیٹھتے۔ صاحب ”معارج الولاہ“ آپ کے بیان میں رقم طراز ہیں: جب آپ خواجہ بزرگ کی زیارت سے مشرف ہوئے اس وقت آپ پر غنودگی (یا نیم بے ہوشی) کی کیفیت طاری تھی۔ حضرت خواجہ نے اس وقت آپ کو دربان کے پتے عنایت فرمائے۔ جب آپ کو افاقہ ہوا تو وہ دونوں پان کے پتے آپ کے ہاتھوں میں موجود تھے، آپ نے شب گزاری بھی روضہ مبارک کے اندر کی اور خواجہ صاحب کی روح اقدس سے ملاقات فرمائی اور بہت سے انوار و برکات حاصل کیے (۴۱)

عبادت و ریاضت:

سات سال کی عمر سے نماز باجماعت کے پابند تھے اور کبھی آپ کی نماز قضا نہیں ہوئی۔ علامہ آزاد بلکمری لکھتے ہیں۔

حضرت سید محمد ہمیشہ دل کباب اور آنکھیں اشکبار رکھتے ہر مجلس میں ایک یا دو رو مال آنسوؤں سے تر ہو جاتے اور اکثر ایام میں مسلسل چھبیس سال تک آپ روزہ دار رہے۔ اگر کوئی جسمانی مرض لاحق ہوتا تو دو انہیں رات میں استعمال کرتے۔ اطبا بہت کہتے کہ دوا کا استعمال صبح کے وقت نفع بخش ہوتا ہے۔ آپ جو ب دیتے: صحت و بیماری مشیت باری کے دست قدرت میں ہے اگر اللہ تعالیٰ نے صحت کا ارادہ کر لیا ہے تو رات کے وقت بھی دوا کار گر ہوگی، پھر لذت صوم کو برباد کیوں کروں اور ایام منہیہ شریعہ میں ایک بیڑا پان کے سوا کچھ تناول نہ فرماتے۔

عادت کریمہ تھی کہ جب بھی تلقین میں لفظ مبارک ”اللہ“ زبان سے ادا فرماتے تو

پورے جذبہ و شوق کے ساتھ ادا فرماتے اور سامعین کو از خود رفتہ کر دیتے، ایک روز آپ کے پانچ سالہ لڑکے کا انتقال ہو گیا تو تین روز تک اس کلمہ شریف ”اللہ“ کے اظہار میں لب نہ کھولے تاکہ لڑکے کی وفات کا غم و اندوہ غم الہی میں شامل نہ ہو جائے (۴۲)

شروع کے اوقات ادائے فریضہ و نوافل اور بحث علم دین میں گزرے اور آخر میں کثرت شوق اور غلبہ عشق حقیقی کی وجہ سے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور اس میں اتنا جوش پیدا ہوا کہ وضو کے بعد آپ مسجد تشریف لے جاتے اگر کوئی شخص نقش پا پر قدم رکھ دیتا تو مست و بے خود ہو جاتا (۴۳)

صبر و رضا:

صبر و رضا آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھا، جس کی مثال خال خال ہی مل سکتی ہے۔ آپ کے شہزادہ ذی وقار ایک پریشان کن مرض میں مبتلا ہو گئے اور نفس شماری کی نوبت آگئی اتفاقاً جمعہ کا دن تھا آپ نماز کے لیے مسجد مدرسہ کی طرف چل پڑے کسی نے کہا کہ صاحب زادہ قطب عالم کا حال دگرگوں ہے، آپ راستے ہی سے مکان واپس آئے دیکھا کہ لخت جگر نزع میں ہیں، فرمایا ملک مقرب حاضر ہے گواہ رہو کہ فقیر سید محمد تقدیر یزدی سے سی راضی ہے، اتنا کہہ کر مسجد گئے اور نماز جمعہ ادا کی اور مکان پر قطب عالم نے انتقال فرمایا (۴۴)

قطبیت کبریٰ:

آپ اواخر عمر میں عیسوی المشہد ہو گئے تھے اور قطب کبریٰ کے بلند مقام پر فائز تھے۔ عیسوی المشہد سے مراد یہ ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ فرماتے تھے اسی طرح آپ بھی مردہ دلوں کو زندہ دل فرما دیا کرتے تھے۔ حضرت شیخ کمال افسری قدس سرہ جو حضرت سید کے خلفائے خاص اور بزرگان دین میں ہیں اور بختاور خاں نے اپنی تاریخ ”مرآۃ العالم“ میں تذکرہ شعرا کے ضمن میں آپ کا نام لیا ہے۔ انھوں نے حضرت کی مدح میں مثنوی ”راح وریحان“ میں اس مقام کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے۔

دم عیسیٰ اگر احیائے گل کرد

بود ہر صبح روشن کاراں دم

دم جاں بخش او احیائے دل کرد

کز استادان ایں کاراست او ہم

ترجمہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مبارک پھونک نے اگر مٹی میں جان ڈال دی تو ان کی جان بخش پھونک نے دل کو زندہ عطا کی۔ ہر روشن صبح کو یہ پھونک کام کرتی ہے کہ اس فن کے استادوں کے یہ دونوں نام ہیں۔ (۴۵)

بدکار کو نیکو کار بنادیا:

بدکاروں کو راہ راست پر لگانا اور مردہ دلوں کو نور ایمانی سے روشن کر دینا بزرگوں کا عام و طیرہ تھا، آپ کے تعلق سے بھی ایک واقعہ یوں مرقوم ہے۔

ایک شخص جو صاحب ثروت تھا اور متعدد گناہوں میں مبتلا رہتا تھا، اس کی عادت تھی کہ جس درویش کا شہرہ سنتا ان کی صحبت میں جاتا۔ بالآخر ایک مرتبہ اس نے سوچا کہ کالپی شریف حضرت میر سید محمد قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں چلنا چاہئے۔ اور اپنے دل میں یہ خیال باندھ کر اگر پہلی بار دیکھنے کے ساتھ ہی میرے اوپر کوئی کیفیت طاری ہوگئی تو میں اپنے تمام گناہوں سے تائب ہو جاؤں گا اور اگر کوئی کیفیت ظاہر نہیں ہوگی تو علی الاعلان شراب نوشی کروں گا جب وہ حضرت کی بارگاہ پہنچا تو دیکھتے ہی بے ہوش ہو گیا اور کافی دیر تک عالم بے ہوشی میں پڑا رہا جب افاقہ ہوا تو اپنے گریبان کو چاک کر دیا اور فقر اختیار کر کے تارک الدنیا ہو گیا۔ آپ نے اپنے کشف سے آئندہ حالات کا مشاہدہ فرمایا اور ایک عمدہ جوڑامع خادم کے اس کے پاس روانہ کیا، خادم نے ہر چند جدوجہد کی مگر وہ انکار ہی کرتا رہا آخر کار حضرت تشریف لائے اور اس سے ارشاد فرمایا: تم میری ارادت کی وجہ سے مرجع ارباب سعادت ہو چکے ہو اس لیے جو کچھ بھی تمہیں دیا جا رہا ہے اسے قبول کر لو تم کیا جانتے ہو کہ اس میں کیا راز ہے؟ یہاں تک کہ اس نے خلعت کو پہنا اور پھر اس پر راز سر بستہ منکشف ہوئے اور وہ آپ کے در کا خادم ہو گیا (۴۶)

ذوق شاعری:

آپ کا ادبی ذوق بھی بیدار تھا اس لیے آپ نے مختلف اوقات میں اپنے مافی الضمیر کی ادائے گی کے لیے شعر و سخن کا بھی سہارا لیا۔ تخلص ”احقر“ تھا خازن الشعرا سے چند اشعار نذر قارئین ہیں۔

نہ خواہم نور مہر و مہر مرار وے تو می باید
چرا با حجاب قطع بیابانم بود خواهش
میان ما مقصود است ہستی آہنی کو ہے
حدیث حور و علم را بگو باز اہل الے جاں
بہار آید دل بلبل بیاساید ولی دائم
قیام شب صیام روز گاہاں باشد
چنانچہ ز عشق مرا مست و بے خبر کردند
ایں یک نفس کہ می رود از عمرہ مادر بخ
اتنی و تذکرہ افضائے قدس سرہ
بہ باز ار جہاں کردیم تحقیق

نماز عاشقاں را قبلہ ابروئے تو می باید
کہ از بہر طوافم کعبہ کوئے تو می باید
پئے ایں کوہ آہن زور بازو تو می باید
کہ در مردو جہاں می نظر سوئے تو می باید
دماغم آشفستہ ہجر ترا بوئے تو می باید
برائے جان ماخر سندی خوئے تو می باید
گرچہ سر مر بہرہ رود مست مستقیم ز سر نہ رود
پس طرفہ گوہر یست یقیں وال کہ بے بہاست
قلم شمس و اوراق شستم دیدم
بہائے نیست درو دوستی را

(۴۷)

تصنیفات:

تصنیفی میدان میں بھی آپ کی گراں قدر خدمات موجود ہیں۔ متعدد کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ مولانا عبدالجبار رضوی لکھتے ہیں کہ اپنی تحقیق کے دوران دائرہ شاہ اجمل الہ آباد پہنچا تو ان تمام تصانیف کو سوائے تفسیر سورۃ فاتحہ مخدوم گرامی جناب سید اکمل صاحب اجملی کی وساطت سے دیکھنے کا موقع ملا جو قلمی واصل حالت میں مذکورہ خانقاہ میں موجود ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

- (۱) تفسیر سورۃ فاتحہ (عربی) (۲) تفسیر سورۃ یوسف (۳) کتاب التراویح (عربی) (۴) رسالہ تحقیق روح (فارسی - مطبوعہ) (۵) رسالہ وحدۃ الوجود (عربی) (۶) ارشاد السالکین (فارسی) رسالۃ الغنا (فارسی) (۸) رسالہ عقاید صوفیہ (مطبوعہ) (۹) رسالہ واردت (عربی) (۱۰) رسالہ عمل و معمول (فارسی) (۱۱) رسالہ شغل کوزہ (فارسی) (۱۲) حقائق و معرفت فارسی (۱۳) مراتب الفنا والوصول الی اللہ سبحانہ (فارسی) (۴۸) آزاد بلگری کی تحریر میں درج ذیل کتابیں بھی آپ کی تصنیفات میں ملتی ہیں:
- (۱۴) رواج (عربی) (۱۵) اسرار التوحید (۴۹)

رسالہ واردات کے سلسلے میں آپ لکھتے ہیں:

(حضرت سید میر قدس سرہ العزیز نے) رسالہ واردات اس وقت لکھا جب شیخ محبت اللہ الہ آبادی قدس سرہ کے رسالہ تسویہ پر علمائے ظاہر نے ہنگامہ برپا کر دیا اور سلطان اورنگ زیب، انار اللہ برہانہ کے پاس لے گئے کہ اس رسالہ میں مخالف شریعت باتیں لکھی ہیں سلطان نے حکم فرمایا کہ قلم روئے بادشاہی کے تمام درویشوں کو بادشاہی لشکر گاہ میں حاضر کیا جائے اور سب کو مقالے پڑھ کر سنائے جائیں۔

خلفا:

آپ کی بارگاہ سے فیض پانے والوں کی تعداد بے شمار ہے۔ ان میں سے جنہیں خلعت خلافت سے نوازا گیا چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

- (۱) سید میر احمد (فرزند جلیل) (۲) شیخ محمد افضل الہ آبادی (۳) عاشق محمد (۴) حاجی جنید اکبر آبادی (۵) شیخ عبدالحکیم موہانی (۶) شیخ کمال متخلص بہ افسری (۷) شیخ عبدالمومن اکبر آبادی (۸) میر محمد وارث نظام آبادی (۹) شیخ کمال کراکتی (۱۰) حاجی ولی محمد (۱۱) سید مظفر (۱۲) حافظ سید ضیاء اللہ بلگرامی (۵۰) (۱۳) سید جمال محمد گوالیاری (۱۴) شیخ عبدالحفیظ بلگرامی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین (۵۱)

نکاح اور اولاد امجاد:

آپ کا نکاح قاضی جالندھر کی صاحب زادی سے ہوا، اولاد امجاد کی تفصیل حسب ذیل ہے:

سید میر احمد رحمۃ اللہ علیہ (۲) سید قطب عالم وفات بہ عمر پانچ سال (۳) ایک بیٹی جن کا نام سیدہ نازک فلک تھا۔

وصال یار:

۲۶ شعبان ۱۰۷۰ھ میں بروز سہ شنبہ آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آخری آرام گاہ کالپی شریف مدرسہ کے اندر ہے۔ وقت وصال آپ کی عمر پینسٹھ سال کی تھی۔ بروز وصال رحلت کے وقت لوگوں نے آنکھیں بند دیکھ کر گمان کیا کہ جان کنی کا عالم ہے سوچا کہ کلمہ طیبہ پڑھ کر یاد دلادیں فرزند عزیز سید احمد نے بلند آواز سے کہا کہ

حضرت اس وقت لوگ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں آپ نے آنکھ کھول دی اور فرمایا ”لاموجود الا اللہ اور جان عزیز جاں آفریں کے سپرد کردی (۵۲) میر غلام علی آزاد نے درج ذیل قطعہ سے ملاحظہ تاریخ نکالا ہے۔

غوث عالم یگانہ آفاق میر سید محمد ذی شان

گفت تاریخ رحلتش آزا رفت قطب زماں نسوئے جہاں ۱۰۷۰ھ (۵۳)

سید عنایت اللہ عظیم آبادی نے غسل کے وقت کا ایک واقعہ یوں تحریر کیا ہے۔
وفات کے روز بدحواسی کے عالم میں لوگوں نے کنویں کے پانی سے آپ کو غسل دینا چاہا تو پانی کا برتن خود بخود ٹوٹ گیا۔ یہ اس بات پر تنبیہ تھی کہ دریا کے پانی سے غسل دیا جائے۔ واضح رہے کہ آپ ہمیشہ غسل، وضو، اور پینے میں دریا کا پانی استعمال کرتے تھے۔ یہاں اس واقع کا ذکر بھی افادے سے خالی نہ ہوگا۔

ایک مرتبہ آپ دریائے جمنا کا پانی لے کر آرہے تھے کہ سادات محمود پورہ نے امتحاناً ایک زندہ آدمی کو کفن پہنا کر بہ شکل جنازہ آپ کے راستے میں رکھ دیا اور آپ سے کہا کہ حضرت نماز جنازہ پڑھ دیجیے۔ آپ نے کہا زندہ آدمی کی نماز جنازہ نہیں۔ انھوں نے اصرار کیا کہ زندہ نہیں ہے۔ چنانچہ آپ نے نماز پڑھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت آپ نے ”اللہ اکبر“ کہا اسی وقت اس کی جان نکل گئی، اور وہ انتظار میں تھے کہ اب اٹھتا ہے، اب اٹھتا ہے، لیکن وہ شخص نہ اٹھا، نماز ختم ہونے کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ وہ مردہ ہے تو آپ سے پوچھا کہ آپ اسے زندہ کہہ رہے تھے، آپ نے فرمایا، جیسا تم نے کہا ویسا پایا (۵۴)

صاحب البرکات اور مارہر شریف کی اقامت:

مرشد گرامی وقار کی بارگاہ دُربار سے فیوض و برکات حاصل کر کے والد گرامی کے وصال کے بعد مارہرہ شریف ۱۱۱۱ھ سے ۱۱۱۷ھ کے درمیان بعہد اورنگ زیب عالم گیر مارہرہ شریف تشریف لائے اور اپنے جد امجد سید شاہ عبد الجلیل قدس سرہ کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔ مگر قوم گوئندل جو ایک شریعہ و ہاں رہتی تھی اس کی ہم ساگی آپ نے پسند نہ فرمایا۔ ایک شب قسمت بیدار ہوئی آپ نے اپنے سر کی آنکھوں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور آپ کو اس

جگہ کی بشارت دی جہاں فی الوقت درگاہ برکات تہ موجود ہے اور ارشاد فرمایا کہ تم اس جگہ مستقل سکونت اختیار کرو جس جگہ کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے۔ وہ جگہ ایک تالاب کی شکل میں تھی۔ حکم کے مطابق ۱۱۱۸ھ میں شہر سے باہر نئی آبادی کی بنیاد ڈال کر اس میں حضرت کے معتقدین نے مسجد و خانقاہ تعمیر کرائی اور اس جدید آبادی کا نام ”پہم نگر برکات نگری“ رکھا جواب ”بستی پیر زادگان“ کے نام سے موسوم ہے (۵۵)

مسند تبلیغ و ارشاد: حضرت شاہ فضل اللہ کالپوی کی بارگاہ فیض بار سے حسنات و برکات حاصل کرنے کے بعد آپ نے مارہرہ مطہرہ میں اکر مسند تبلیغ و ارشاد کو رونق بخشی اور رہنمائی خلق میں مشغول ہوئے ہزاروں گم گشتگان وادی ضلالت کو شاہراہ ہدایت پر پہنچایا (۵۶) جب آپ کے روحانی کمال اور پاکیزہ شخصیت کا شہرہ دور دراز خطوں میں پہنچا تو عوام سے لے کر خواص تک آپ کی بزرگی کے قائل اور طالب فیض ہونے لگے۔ بادشاہ دہلی اورنگ زیب عالم گیر سے لے کر محمد شاہ بادشاہ تک حضرت کی خدمت میں نیاز نامے ارسال کرتے اور بہ کثرت نامور امرا و وزراء دامن کرم سے وابستہ ہو کر داخل سلسلہ بھی ہوئے مثلاً نواب ثابت خاں کولوی، نواب نصرت خاں ناظم اکبر آبادی نواب جمال خان قابل ذکر ہیں۔

حضرت عام مرید کو سلسلہ جدید، قادریہ کالپویہ میں اور اہل خاندان کو سلسلہ قدیم میں بیعت فرمایا کرتے تھے، اگرچہ سلاطین دہلی آپ دہلی سے بذریعہ خط اظہارِ امداد و نیا ز مندی کرتے تھے مگر حضرت صاحب البرکات ان کے ہدایا و تحائف سے حتی الوسع بچتے رہے کشور فقر کے اس تاجدار نے امرا و سلاطین کی طرف کسی طلب و التجا کے لیے آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہ کیا اور آپ اپنے خلفاء و مریدین کو بھی دنیا دار سلاطین و امرا کے نذرانے قبول کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے (۵۷)

ایک مرتبہ آپ کے خلیفہ اول شاہ عبد اللہ قدس سرہ دہلی پہنچے تو محمد شاہ نے آپ کو بلایا مگر آپ تشریف نہیں لے گئے آخر کار وہ حاضر ہوا اور ایک گاؤں اور بہت کچھ زرفند نذرانہ میں پیش کیا، حضرت کو علم ہوا تو سخت ناراض ہوئے اور بارگاہ میں حاضر ہو کر معذرت کی۔ حضرت نے ارشاد فرمایا:

مانا کہ تمھاری خواہش نہ تھی مگر جب بادشاہ کے آنے کی خبر ملی تھی تو وہاں سے کیوں نہیں چلے گئے۔ فقیر تو بہ وقت تمام اللہ کے نام سے تمھارے دلوں کو روشن کرتا ہے اور تم اپنے

دل پر محمد شاہ کا نام ثبت کرتے ہو۔ آخر کار بڑی سفارش سے آپ نے ان کو معاف کیا (۵۸)
خلفائے عظام:

حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے عقیدت و محبت کی بنا پر حضرت صاحب البرکات طالبان راہ ہدایت کو سلسلہ قادریہ ہی میں بیعت فرماتے۔ حضرت کی بارگاہ سے خلق کثیر فیض یاب ہوئی۔ آپ کے مریدین و متوسلین کا ایک طویل سلسلہ ہے، درج ذیل سطور میں ان نام و رُخلفا کا ذکر کیا جا رہا ہے جن سے سلسلہ قادریہ کو فروغ ملا:

(۱) شاہ عبداللہ: یہ مارہرہ کے رہنے والے تھے اور قوم کے کنبوہ تھے، ہندی میں شاعری کرتے تھے، ان کا تخلص پتھی تھا۔ ۱۱۴۰ھ میں انتقال ہوا۔

(۲) شاہ میم: یہ دکن کے باشندے تھے دکن آئے، فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے ۱۱۵۰ھ میں انتقال ہوا۔

(۳) شاہ مشتاق البرکات: یہ شاہ برکت اللہ کے نہایت باکمال خلیفہ تھے۔ ۱۱۷۷ھ میں انتقال ہوا۔

(۴) شاہ من اللہ: ان کا نام علی شیر خاں تھا یہ شاہ جہاں پور کے رہنے والے تھے۔ ۱۱۷۶ھ میں انتقال ہوا۔

(۵) شاہ راجو: یہ بلگرام کے رہنے والے تھے اور سید ابوالفرح کی اولاد میں سے تھے، ان کا انتقال ۱۱۴۳ھ میں ہوا۔

(۶) شاہ ہدیت اللہ: یہ قصبہ کراولی ضلع ایٹہ کے باشندے تھے۔ ۱۱۴۹ھ میں وصال ہوا۔

(۷) شاہ روح اللہ: ان کا نام محمد مسعود تھا، نواب کے خاندان سے تھے۔ فارسی اور ہندی میں شاعری کرتے تھے۔ فارسی میں دیوانہ اور ہندی میں ”اجان“ تخلص تھا۔ ۱۱۷۳ھ میں انتقال ہوا۔

(۸) شاہ عاجز: یہ مارہرہ کے باشندے تھے اور قوم کے کنبوہ تھے۔ اصل نام محمد معظم تھا

(۹) شاہ نظیر: ان کا انتقال ۱۱۴۳ھ میں ہوا۔

(۱۰) شاہ صابر: ان کا نام غلام علی تھا، یہ مارہرہ کے رہنے والے تھے، ان کا انتقال

۱۱۶۷ھ میں ہوا۔

(۱۱) شاہ جمعیت: مارہرہ کے رہنے والے تھے۔

(۱۲) حسین پیراگی: یہ قوم کے سنار تھے اور ہندی میں شاعری کرتے تھے۔

(۱۳) شاہ صادق: حضرت شاہ برکت اللہ کے چہیتے خلیفہ تھے۔ قصبہ بھرگین ایٹہ میں انتقال ہوا اور وہیں مزار ہے۔ (۵۹)

(۱۴) سید شاہ آل محمد: صاحب زادہ گرامی وقار۔ آپ کے حالات آئندہ بیان کیے جائیں گے۔

تین دن میں راہ سلوک طے کرادی:

سلوک کی راہ طے کرنا خاردار وادی سے گزرنے کے مترادف ہے۔ اس لیے اس کے لیے عرصہ دراز کی ضرورت ہے۔ مگر حضور صاحب البرکات قدس سرہ کی یہ مشہور کرامت ہے کہ آپ طالب کو تین تین دن میں راہ سلوک طے کر دیتے تھے اور بقول اسد العارفین سید شاہ حمزہ قدس سرہ کہ بعض دفعہ صاحب البرکات قدس سرہ نے کئی طالبوں کو دو گھڑی میں سالک بنا دیا۔ (۶۰)

خطر ات دل پر آگاہی:

کاشف الاستار میں اسد العارفین حضرت سید شاہ حمزہ قدس سرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک بار نواب محمد خاں بنگش والی فرخ آباد کے نوکر شجاعت خاں نے سوچا کہ درویشی اختیار کر لوں اور صاحب البرکات قدس سرہ کو اس وقت صاحب تصرف سمجھوں گا کہ وہ ملاقات کے وقت مجھے کچھ کھانے کو دیں۔ یہاں تک کہ عصر کے وقت جب شجاعت خاں آپ سے ملاقات کرنے حاضر ہوئے تو آپ محل سرا میں تشریف فرما تھے اور وضو کے لیے باہر تشریف لائے۔ اس وقت آپ کے دست مبارک میں باجرے کی روٹیاں اور گوشت پڑا ہوا میتھی کا ساگ تھا۔ شجاعت خاں کو دیکھ کر مسکرائے تو شجاعت کے پاؤں کپکپانے لگے اور جسم میں لرزہ طاری ہو گیا۔ آپ نے شجاعت خاں کو باجرے کی روٹی اور وہ ساگ عنایت فرمایا اور حکم صادر فرمایا تجھے درویشی کی حاجت نہیں۔ مخلوق تجھ سے بغیر درویشی کے فیض یاب ہو رہی ہے۔ آپ کے اس ارشاد سے شجاعت خاں کو آپ کے صاحب تصرف ہونے کا یقین کامل ہو گیا (۶۱)

فضائل:

حضرت صاحب البرکات قدس سرہ کی ذات گرامی مختلف جہتوں سے فضیلت مآب اور بلند و برتر ہے۔ آپ سلسلہ قادریہ برکاتیہ کے تینتیسویں شیخ طریقت ہیں۔ آپ کی مبارک ذات ایسی تھی کہ ہر دیکھنے والا پہلی نظر میں پکارا اٹھتا: ”ہذا ولی اللہ“، ”ہذا قطب العالم“، (یہ اللہ کے ولی ہیں یہ قطب العالم ہیں) آپ کی ولایت و خدا شناسی کے لیے یہ دلیل سب پر بھاری ہے کہ آپ نے مکمل زندگی مذہب اہل سنت و جماعت کی ترویج و اشاعت میں گزاری۔ آپ کی نگہ التفات سے دلوں کے بے شمار ویرانے آباد ہوئے اور لاکھوں انسان مردان خدا کے گروہ میں شامل ہو گئے۔ آپ کی تکمیل سلوک حضور سید محمدی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے ہی فرمائی تھی اور تاج قطب بھی آپ کے سر پر رکھا تھا۔ آپ تفسیر، حدیث، فقہ، معانی، ریاضی، منطق، فلسفہ، تاریخ و سیر میں اپنے یگانہ روزگار بزرگ تھے اور انشا و شعر سخن میں بھی بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے پرتا شیر دوہوں سے لاکھوں غیر مسلموں کو دامن اسلام میں داخل فرمایا۔ کشف و کرامات بھی آپ کے بے شمار ہیں۔ آپ ایک عظیم تاریخ ساز بزرگ ہیں تیس برس کامل اپنی سجادگی مصلیٰ سے نہ ہٹے اور مارہرہ شریف کو چھوڑ کر کہیں باہر تشریف نہ لے گئے۔ آپ جس نفس کبیرہ طریقت صعود فرماتے تھے اور دن رات میں صرف دوسانس لیتے تھے (۶۲)

سید مولانا غلام علی آزاد آپ کے فضائل و مناقب اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

برکت اللہ بن سید اولیس بن سید عبدالجلیل بن سید عبدالواحد اکبر بلگرامی قدس سرہم ایک ایسے شہباز ہیں جن کا آشیانہ سدرۃ المنتہی ہے اور ایسے شہسوار ہیں جن کی جولان گاہ سات آسمان ہے۔ ولایت ان کی پیشانی پر تاباں اور فقر کی سطوت ان کے چہرہ پر نمایاں ہیں، تمام عمر آستانہ خالق پر جہیں سائی کرتے رہے اور کسی مخلوق کے در پر قدم نہیں رکھا بلکہ امراء و فقراء ہی ان کے در پر جہیں سائی کر رہے تھے اور اس طرح عالم سفلی و عالم علوی کو انھوں نے طے کیا (۶۳)

صاحب البرکات اور شیخ سید:

آئین احمدی میں حضرت سید شاہ اچھے میاں مار ہرودی قدس سرہ تحریر فرماتے

ہیں: شیخ سدا ایک عامل شخص تھا جو گیارہویں صدی کے وسط اخیر حضرت اورنگ زیب عالم گیر کے عہد حکومت میں تھا اور نواح کلکتہ کا باشندہ تھا۔ وہ نہایت درجہ پراثر عمل کا عامل تھا جو اونٹ کے بالوں پر پڑھا جاتا ہے۔

وہ بری خصلت کا خوگر تھا اسے گناہ کا چسکا لگ گیا تھا، شب و روز بدکرداریوں کا ارتکاب کرتا۔ اپنے اس قوالاثر عمل کے ذریعہ خواہش نفسانی کی آگ بجھانے کے لیے ہر روز ایک نئی دوشیزہ کے ساتھ منہ کالا کرتا اور حسن و جمال کی پیکر دوشیزاؤں کو اپنے موکلوں کے ذریعہ فراہم کرتا۔ حالانکہ اس کے موکل اس کے اس خلاف شرع کام سے راضی نہ تھے۔ وہ خبیث جب زنا کا ارتکاب کرتا تو اپنے چاروں طرف حصار کر لیتا اور حصار کے اندر ہی پانی رکھ لیا کرتا۔ ایک دن جب وہ زنا میں مبتلا تھا اور حصار میں پانی رکھنا بھول گیا تھا۔ زنا سے فارغ ہونے کے بعد اس نے دیکھا کہ پانی کہیں موجود نہیں ہے تو اس نے موکلوں کو آواز دی، موکل اسی تاک میں تھے کہ کب موقع فراہم ہو کہ اس خبیث کو ختم کر دیا جائے۔ فوراً موکلوں نے اسے پکڑا اور پہاڑ کی بلندی سے گرا کر مار ڈالا۔ شیخ سدا وچوں کہ اپنی قوت تسخیر کی وجہ سے لوگوں کے دل و دماغ پر اپنا نقش بد چھوڑ دیا تھا اور لوگ اس کے بڑے معتقد ہو گئے تھے۔ اس وجہ سے سب سے اپنی پرستش کرواتا اور بھینٹ چڑھواتا تھا یہاں تک کہ اس کا یہ ناپاک اثر مارہرہ مطہرہ تک پہنچ گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مارہرہ کے لوگوں کی رشتہ داریاں شیخ سدا کے دیار و امصار میں تھیں۔

حضرت صاحب البرکات قدس سرہ جب مارہرہ تشریف لائے تو آپ نے وہاں دیکھا کہ کوئی شیخ سدا کوئی نیاز دلارہا ہے، کوئی اس کے نام پر کڑھائی پیش کر رہا ہے۔ آپ نے لوگوں کو حکم شرعی سے آگاہ فرمایا کہ ایسا کرنا ناجائز ہے۔ ایک بدکردار شخص سے اپنی عقیدت کا رشتہ توڑ دو اور اس کام سے باز آجاؤ۔ آپ کی برتاویر باتیں لوگوں کے دلوں پر اثر کر گئیں۔ ایک دن شیخ سدا گھبرایا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ تم میرے معتقد نہیں ہو اور لوگوں کو میری طرف سے پھیرتے ہو تو میں تم سے مقابلہ کروں گا۔ آپ نے نہایت ہی گرجدار آواز میں ڈانٹا جس کی وجہ سے وہ فوراً بھاگ گیا۔ آپ کا معمول تھا کہ سال میں دوبار آبادی سے باہر ایک ٹیلے پر جا کر چلہ کرتے تھے، حسب معمول ایک مرتبہ اس ٹیلے پر تھے کہ غسل کی حالت پیش آئی۔ حضرت ٹیلے سے اتر کر دریا کی طرف جارہے تھے کہ

راستے میں اس خبیث (شیخ سدو) نے گھیر لیا اور کہنے لگا، آپ نے مجھے بہت تکلیفیں پہنچائی ہیں اور انتہائی اذیتیں دی ہیں۔ بس میں آپ سے بدلہ لوں گا اور اسی وقت آپ کو جلا دوں گا۔ حضرت نے پھر اسے ڈانٹا اور زبردستی کی، کہ فقیروں سے نہ الجھ۔ لیکن وہ نہ مانا۔ تو آپ نے فرمایا: تو جب جلائیگا جلائیگا اب میرا جلانا دیکھ۔ فرما کر حضرت نے غسل فرمایا اور میاں شیخ سدو کو مضبوط حصار کے ذریعہ گھیرے میں لے لیا اور حصار کو تنگ کرتے گئے اور اسے بالکل اپنے قریب کر لیا اور فرمایا دیکھ میں تجھے آن کی آن میں جلا کر نیست و نابود کر دیتا ہوں۔ وہ رونے لگا اور گڑ گڑا کر رہائی کی درخواست کرنے لگا۔ چنانچہ آپ نے اس سے معاہدہ لیا اور اس نے یہ کہا:

(۱) میں آپ کے مریدوں اور متوسلوں کو کبھی نہیں ستاؤں گا۔ (۲) جہاں کہیں آپ اور آپ کی اولاد ہوگی، وہاں بھول کر بھی قدم نہیں رکھوں گا۔ (۳) اگر میرے داخلے کی جگہ آپ اور آپ کے خاندان کا کوئی صاحب زادہ تشریف لے جائے گا تو میں وہاں سے اپنا عمل دخل اٹھا لوں گا۔

چنانچہ اس معاہدے پر وہ خبیث آج تک قائم ہے۔ (بیاض اسماعیلیہ) (۶۴)

تصنیف و تالیف:

حضرت صاحب البرکات قدس سرہ العزیز نے جہاں مسند سجادگی پر جلوس فرما کر رشد و ہدایت کا کام کیا۔ وہیں اپنے قیمتی رشحات قلم کے ذریعہ بھی آپ نے تبلیغ و ارشاد اور اصلاح معاشرہ کا کارنامہ انجام دیا۔ حضرت محمد میاں برکاتی رقم طرز ہیں: حضرت کی تصنیف و تالیف سے متعدد کتابیں تصوف میں اور متعدد بیاضیں اعمال و اشغال و اور میں ہیں۔ تصنیفات درج ذیل ہیں:

(۱) رسالہ چہار انواع (۲) رسالہ سوال و جواب (۳) دیوان عشقی (فارسی)
(۴) پیچ پرکاش دیوان اشعار (ہندی) (۵) عوارف ہندی (۶) ترجیع بند (۷) مثنوی ریاض العاشقین (۸) وصیت نامہ (۹) بیاض باطن (۱۰) بیاض ظاہر (۱۱) رسالہ تسکیر۔ حضرت محمد میاں برکاتی مزید لکھتے ہیں کہ ان کے علاوہ اور رسالے چھوٹے چھوٹے اعمال و اشغال میں ہیں ان میں سے اکثر فقیر کے کتب خانہ میں محفوظ الشریف ہیں (۶۵)

مولانا عبد المجتبیٰ رضوی درج ذیل کتابوں کا اضافہ کرتے ہیں:

(۱۲) تفسیر سورہ فاتحہ (۱۳) روائع بہ زبان اردو (۱۴) رسالہ واردات لتوحید (۱۵) ارشاد السالکین (۱۶) رسالہ عقائد صوفیہ (۱۷) رسالہ معمول (۱۸) رسالہ اشارہ ہندی (۶۶)
اجمالی جائزہ:

مذکورہ کتابوں میں سے راقم الحروف کے پاس کوئی کتاب موجود نہیں اور نہ ہی بعد کوشش دستیاب ہی ہو سکی۔ خانوادہ برکاتیہ کے فرد فرید اور خانقاہ برکاتیہ کے سجادہ نشین حضرت امین ملت، سید شاہ محمد امین میاں برکاتی مدظلہ نے چند کتابوں کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے قارئین کی خدمت میں بعینہ ان کی تحریر پیش ہے:

(۱) رسالہ سول جواب:

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں تصوف کے مسائل کی تشریح کی گئی ہے۔ رسالہ ”سوال و جواب“ میں شاہ صاحب کا مخاطب مسلمانوں کے مذہبی مسائل کا حل پیش کرتے ہیں اور توحید کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

نمونہ

(۱) صوفی آل رami گویند کہ بہ صفاء رسیدہ ہیچ کدوردو غیر در دل و دیدہ اوباقی نہ ماندہ۔
(۲) آں جا کہ حس حقیقی و مرتبہ جمیع اہل تفرقہ ازاں آگاہی نہ دارد
داخلی شہادت کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ رسالہ ۱۱۰۹ھ کے بعد تحریر کیا گیا (۶۷)
(۲) رسالہ چہار انواع:۔ (یہ رسالہ اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے)
اس کی تاریخ تصنیف ۴ رذی الحجہ ۲ ہجری جلوس بہادر شاہی یعنی ۱۱۷۱ھ ہے
اس رسالہ میں چار فصلیں ہیں۔

فصل اول صوفی کے روزہ، نماز حج اور زکوٰۃ کے بارے میں فصل دوم صوفی کے کھانے، گفتگو کرنے، سونے اور مخلوق الہی ہے تعلقات کی نوعیت کے سلسلے میں ہے۔ فصل سوم صوفی کے دیکھنے، سننے سخاوت اور خاموشی کے بارے میں سے، فصل چہارم میں صوفی کے سفر کرنے کا طریقہ بیان کیا ہے۔ اس فصل میں درویش فقیر عوام ساک اور کامل کی بطرز صوفیا تشریح بھی کی ہے۔

چوتھی فصل کے بعد شاہ برکت اللہ نے اپنے صاحبزادگان سید آل محمد اور سید نجات اللہ کو نصیحتیں کی ہیں اور ان پر سختی سے عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ یہ نصائح ایک صحت مند عوامی زندگی کے لیے بہترین ہدایت نامہ ہیں۔ نصائح مندرجہ ذیل ہیں:

- (الف) خدا کی یاد میں مشغول رہو۔
- (ب) اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لیے کسی حاکم سے رجوع نہ کریں۔
- (ج) ان لوگوں کے گھر ہرگز نہ جائیں جو دنیا کے لہو و لعب میں لگے رہتے ہیں۔
- (د) ان لوگوں سے ضرور ضرور ملیں جن کا ظاہر و باطن دین و دیانت سے آراستہ ہو۔
- (ه) زیارت قبور کے لیے حاضری ضروری ہے۔
- (و) جہاد اکبر یہ ہے کہ نفس کے ساتھ ہمیشہ لڑتے رہیں۔
- (ز) مخلوق کے محتاج نہ ہوں۔ دست طلب ہمیشہ خالق کائنات کی بارگاہ میں دراز کریں۔
- (ح) علم و عمل کو اولیت دیں اور ان پر کبھی غور نہ کریں۔
- (ط) مخلوق الہی کے ساتھ نرمی سے گفتگو کریں۔
- (ی) ہمیشہ یہ تمنا کریں کہ علم خالص اللہ کی مدد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے ملے گا۔

(۳) عوارف ہندی

اس کے سن تصنیف کے بارے میں صحیح طور سے بتانا ممکن نہیں مگر داخلی شہادت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عوارف ہندی شاہ برکت اللہ کی آخری تصنیف ہے۔ یہ چونتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے شروع میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ وہ مدت دراز سے مارہرہ میں مقیم ہیں اور انہوں نے ہندی کی بہت سی ضرب الامثال عوام کی زبان سے سنی ہیں اور ان کے مطالب سمجھنے کی کوشش کی۔ جب شاہ صاحب کو ان ضرب الامثال میں معارف کے رموز اور حقیقت کے اشارے دکھائی دئے تو انہوں نے صاحبان حال کے وجدان کے مطابق ضرب الامثال کی تشریح لکھ دی تاکہ سننے والے غلط راستے پر نہ نکل جائیں۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ صاحبان دل اور اہل معرفت کے لیے باتوں کا بیان تحصیل حاصل ہے لیکن ان لوگوں کے لیے جن کی نظروں میں ہستی موہوم واضح نہیں ہے، تشریح کرنا فائدہ مند ہوگا۔

نمونہ:

”قرباں آں کم کہ مریم صفت حیات ابدی عیسیٰ دارد در کنارش نمودارست“ بھینسا بھینسوں میں یا کسانے کے کھونٹے قول عاشق است میر دل اینک بحر یقاں غیب و مختصر آنکہ۔
”یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن بر آید“ ناچ نہ جانوں آنگن ٹیڑھا“ دریں مثل حال مبتدی است صحن امکاں کہ صف او چہ جسم چہ جاں جملہ جہاں صورت است کج پنداشت یعنی غیر انگاشتہ و ایں نمی داند کہ در ماقابلت رقاں نیست و گرنہ می گفت“ جوئی ناچ نچاوے سوئی ناچوں ناچ“ گل شوی بلبلم و سرو شوی فاخنتہ ام نمی نظر تشریح:۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

قرباں ہوں اس کا کہ مریم صفت ابدی زندگی رکھنے والا عیسیٰ اس کی گود میں ہے ظاہر ہے کہ بھینسا تو بھینسوں میں رہتا ہے یا قصابی کے کھونٹے پر۔ عاشق کا کہنا ہے کہ میں تو اپنے غیب کے ساتھیوں میں چلا۔ مختصر آئیہ کہ جان محبوب تک پہنچ جائے یا جسم سے نکل آئے۔ ناچ سے نابلد ہوں (مگر بہانہ یہ کہ) آنگن ٹیڑھا ہے۔ یہ ناواقف کی کیفیت ہے۔ امکان کا صحن جو اس کی صفت ہے، کیا جسم اور کیا جان پوری دنیا اسی کا وجود ہے۔ (صحن کو) ٹیڑھا خیال کیا یعنی غلط خیال کیا۔ اور یہ نہیں جانتا کہ ہم میں رقص کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ورنہ یوں کہتا کہ وہ جیسا نچائے گا میں ویسا ہی ناچوں گا۔ اگر تو پھول ہو جائے تو میں بلبل ہوں اور اگر تو سرو ہو جائے تو میں فاخنتہ ہوں۔ عوارف ہندی میں جن امثال کی تشریح کی گئی ہے، ان میں سے کچھ پیش خدمت ہیں۔

- (۱) کچھڑی کھائے دن بہلائے
- (۲) دمڑی کی چنی نرالے ٹھاٹھ
- (۳) مارے بھٹیاری رووے کو تو ال
- (۴) من چڑگا تو کھوتی گڑگا۔
- (۵) اندھاملا پھوٹی میت
- (۶) دھوبی کتا گھر کا نگھاٹ کا
- (۷) سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے

(۸) ننگی نہائے تو کیا نچوڑے

(۹) پاؤ سیر کی لوکھڑی تین پاؤ کی پونچھ

(۱۰) بلی کے بختوں چھینکا ٹوٹا

(۱۱) اپنا دام کھوٹا تو پرکھیا کا کیا دوش (۶۹)

ذوق شعر سخن:

حضرت صاحب البرکات قدس سرہ العزیز کی ذات بابرکت عوام و خواص کے لیے اہم و معتقد کی حیثیت رکھتی تھی۔ آپ نے پوری زندگی تبلیغ و ارشاد کا اہم فریضہ انجام دیا۔ تعلیم و تربیت اور رشد ہدایت کے لیے آپ نے شعر و سخن کو بھی ذریعہ بنایا۔ آپ کی شاعری محض شاعری نہ تھی بلکہ اس میں اصلاح خلق اور تعلیم و تربیت کا پہلو ضرور موجود رہتا۔ آپ اپنے ایک دوہے میں کہتے ہیں۔

بیکسہا ہت سسن کونزک راستے جانہ

ہم کو موہن چاہئیں ملے جو بھر بھر بانہ

اس شعر میں حضرت فرماتے ہیں: جنت نیکی کرنیوالوں کا مسکن ہے اور دوزخ بدکاروں کا ٹھکانا ہے، ہمیں تو صرف رضائے الہی درکار ہے جو ہمارا رب چاہے گا ہم اسی میں خوش ہیں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

بیکسہا ہم میں بسے نرک بسے ہم سنگ

پاپ پن چاہئے ڈھونڈھ لیھ سوئی رنگ

یعنی جنت اور دوزخ دونوں انسان کے اعمال کا نتیجہ ہیں، اگر انسان نیک کام کرے تو جنت کا حق دار ہے اور برے کام کرنے والوں کے لیے دوزخ ہے، اب یہ انسان کی مرضی پر منحصر ہے کہ نیک کام کرے یا بدکاری میں مبتلا رہے۔

ان دوہوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بندگان خدا کو راہ راست پر لانے کی بھرپور کوشش کر رہے اور انھیں گمراہی سے نجات کی تعلیم دیتے ہیں۔

آپ کی شاعری کا پورا سرمایہ معرفت الہی اور عشق رسول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

کلام میں عشق و معرفت کا عنصر کثرت سے پایا جاتا ہے۔ درج ذیل فارسی کے اشعار میں عشق و محبت اور وصل و معرفت کی انگینیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔

شرار عشق در اشعار یابد بیانش بر لب گفتار یابد
چوں رمز عشق در گفتار بودی خردور محفل او یار بودی (ریاض عشق)
سراغ منزل جاناں نہ دیدم ہر طرف گشتم بہ چاک سینہ انکوں طرفہ را بہ کردہ اہم پیدا
شدم مستغنی از کون و مکاں ہر لحظہ اے عشقی برائش سر نہادم سر برائے کردہ ام پیدا (دایوان عشقی)
سالمہا بردردل نالہ و افغان کردم دیدہ را بہر تمنائے تو گریاں کردم
گاہ در مدرسہ باحل معما جستم گاہ از معبد باجلوہ مولیٰ جستم (ترجیع بند)
آپ نے عربی، فارسی اور ہندی تینوں زبان میں شاعری کی ہے اور کلام تصوف کے رنگ میں مکمل طور پر رنگا ہوا ہے۔ جس میں سلوک و معرفت کے رہنوردوں کے لیے رہنما اصول ہیں۔ تخلص عربی اور فارسی میں عشقی فرماتے اور ہندی میں پتی۔ عربی شاعری کا ایک نمونہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں بہ صورت سلام پیش کیا ہے۔

یاشفیع الوریٰ سلام علیک یانبی الہدیٰ سلام علیک
اے مخلوق کی شفاعت کرنے والے آپ پر سلامتی ہو اے ہدایت فرمانے والے آپ پر سلامتی ہو!
خاتم الانبیاء سلام علیک سید الاصفیاء سلام علیک
اے پیغمبروں کی مہر آپ پر سلامتی ہو! اے اصفیاء کے سردار آپ پر سلامتی ہو!
جئت یا مصطفیٰ سلام علیک لک اہلسی فد اسلام علیک
اے برگزیدہ بنی میں حاضر ہوں آپ پر سلامتی ہو میرے اہل و اولاد آپ پر فدا ہوں آپ پر سلامتی ہو
اعظم الخلق اشرف الشرف افضل الاذکیاء سلام علیک
اے مخلوق میں سب سے معظم شریفوں میں سب سے شرافت والے پاکیزہ لوگوں میں سب سے افضل آپ پر سلامتی ہو
طلعت منك کوکب العرفان انت شمس الضحیٰ سلام علیک
معرفت کا ستارہ آپ کی وجہ سے طلوع ہوا آپ دن کا سورج ہیں آپ پر سلامتی ہو
کشفتم منك ظلمة الظلماء انت بدر الدجیٰ سلام علیک
آپ کی وجہ سے سب تاریکیاں مٹ گئیں آپ تاریکیوں کے لیے ماہ کامل ہیں آپ پر سلامتی ہو
احمد لیس مثلك احد مرحباً مرحباً سلام علیک

آپ کے مثل کوئی نہیں کہ آپ کا اسم گری احمد ہے (واہ) کیا خوب آپ پر سلامتی ہو! (صلی اللہ علیہ وسلم)

واجب حبك على المخلوق يا حبيب العلى سلام عليك
مطلبى يا حبيبى ليس سواك انت مطلوب بنا سلام عليك
میرے محبوب میری حاجت آپ کے علاوہ اور نہیں
مقصودى يا حبيبى ليس سواك انت مقصود بنا سلام عليك
اے میرے حبیب میرا مقصد آپ کے علاوہ اور کچھ نہیں
انك مقصودى وملجائى انك المدعاسلام عليك
پیشک آپ ہی میرا مقصد ہیں اور میری پناہ ہیں
سیدى يا حبيبى مولائى لك روحى فداسلام عليك
اے میرے آقا اے میرے محبوب اے میرے مولیٰ
مهيبت الوحى منزل القرآن صاحب الاهتداسلام عليك
آپ ہی پر وحی اتری قرآن مجید نازل ہوا
هذا قول غلامك العشقى منہ يامصطفى سلام عليك
یہ آپ کے ایک ناچیز غلام عشقی کی پکار ہے
اس کی طرف سے اے برگزیدہ نبی آپ پر سلام ہو (۷۰)

آپ کے شعری مجموعہ میں سے مثنوی ریاض عشق، دیوان عشقی اور ترجیع بند کا حضرت امین ملت مدظلہ العالی نے ایک اجمالی جائزہ لیا ہے اور ”پیم پرکاش“ ہندی کلام کے مجموعہ پر تفصیلی تبصرہ پیش کیا ہے، پیش ہے ان کی تحریر دل نواز جو قارئین کے لیے ضرور سامان تسکین ہوگی۔

(۱) مثنوی ریاض عشق

یہ مثنوی فارسی میں لکھی گئی ہے، صفحات کی تعداد تیس ہے اور کل پانچ سو ایک اشعار ہیں۔ تمثیلی پیرائے میں شاہ صاحب تصوف کی تعلیم دے ہیں۔ داخلی شہادت سے علم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی ۱۱۰۹ھ سے پہلے لکھی گئی ہے۔ اس مثنوی کے شاعر نے صوفی فکر کا ایک خاکہ بنایا ہے اور معاملات تصوف کو پیش کیا ہے۔ راہ سلوک کے مسافر کو منزل تک پہنچنے کے لیے

جو ریاض کر پڑتا ہے وہی اس مثنوی میں بیان کیا گیا ہے۔ پہلے حمد باری تعالیٰ ہے پھر نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس کے بعد صحابہ کرام اور اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی منقبت بیان کی ہے اس کے بعد شاعر مثنوی لکھنے کے وجوہ بیان کرنے کے بعد داستان شروع کر دیتا ہے۔ قارئین کی خدمت میں بطور نمونہ چند اشعار پیش ہیں۔

بنام آنکہ ازہر مذہب و کیش
لباس تازہ دارد در بر خویش
ریاض عشق از عشقی بکن نام
برائے عندلیباں واکن این دام
بہ لیلی حسن ہا امداد کردی
ز مجنوں کوہ نجد آباد کردی
بہ مہ رویاں توناز آموز باشی
بہ عشاقاں نیاز آموز باشی
شرار عشق در اشعار ناید
چو مز عشق در گفتار بودی
خرد در محفل ادیار بودی
عروض وقافیہ جز در خرد نیست
چو عشق آنجا تمیز نیک و بد نیست
خدایا تازہ کن ہر دم بہار ش
حق مصطفیٰ و چار یار
(۷۱)

(۲) دیوان عشقی

شاہ برکت اللہ فارسی میں عشقی تخلص کرتے تھے۔ ان کا یہ دیوان فارسی میں ہے۔ دیوان عشقی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے۔ دیوان عشقی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر ”ریاض عشق“ میں جن صوفیانہ افکار کا خاکہ بنا رہا تھا وہ اب پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔

نمونہ

بسوئے دلبر عنانگا ہے کردہ ام پیدا
 ز بازوئے گدائے وصل شاہے کردہ پیدا
 سراغ منزل جاناں نہ دیدم ہر طرف گشتم
 بہ چاک سینہ انکوں طرف راہے کردہ ام پیدا
 گہے گریم گہے غلطم گہے در کوچا گردم
 بہ سامان محبت دستگا ہے کردہ ام پیدا
 کجا باد صبا گل می کند دلہائے پرخوں را
 نسیم غنچہ اش دل راز آہے کردہ ام پیدا
 شدم مستغنی از کون و مکان ہر لحظہ اے عشقی
 برائش سر نہادم سر براہے کردہ ام پیدا
 گزردار دہ ملک بخودی جانے کہ من دارم
 ز دیر و کعبہ بیرونست ایمانے کہ من دارم
 بخود چوں می روم جوش تجلی می شود پیدا
 کہ دار در حریم دل چراغانے کہ من دارم
 (۷۲)

(۳) ترجیع بند

ترجیع بند کی تصنیف بھی ۱۱۰۹ھ سے پہلے ہوئی۔ اس کے مطالعہ سے شاعر کے ذہنی اور روحانی ارتقا کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جس حقیقت کی تلاش کی جا رہی تھی وہ حاصل ہو گئی ہے۔ ترجیع بند میں شاعر ذہنی کش مکش سے نجات حاصل کر چکا ہے۔

نمونہ

سالہا بر در دل نالہ و افغاں کردم
 دیدہ را بہر تمنائے تو گریاں کردم
 گاہ در مدرسہ ہا حل معما جستم
 گاہ از معبد ہا جلوہ مولیٰ جستم

گاہ از برہمن و گاہ ز مومن گفتم
 حالت درد زہر پیروز برنا جستم
 قصہ کوتاہ ز کسے عقدہ من حل نہ شدہ
 پائے درد امن و دامن زتہ پا جستم
 از طفیل دل دیوانہ کہ بیتابی داشت
 عشقیاتاز سر فکر چو خود را جستم
 حالتے رفت کہ پنہاں ہمہ پیدا گشتہ
 شور منصور زہر پر دہ ہویدا گشتہ
 (۷۳)

پیم پرکاش

شاہ برکت اللہ کی تصانیف میں ”پیم پرکاش“ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ یہ شاہ صاحب کی ہندی شاعری کا مجموعہ ہے۔ شاہ برکت اللہ ہندی میں تپتی تخلص فرماتے۔ جس کے معنی ہیں ”عاشق“ شاہ صاحب کی تعلیمات میں ”عشق“ پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اکثر صوفیہ کرام کا طریق رہا۔ ہمارے سامنے ”پیم پرکاش“ کا مطبوعہ نسخہ مرتبہ پنڈت کچھی دھرشاستری (سنہ طباعت ۱۹۴۳ء) کے علاوہ پیم پرکاش کا قلمی نسخہ بھی ہے۔

”پیم پرکاش“ کا قلمی نسخہ ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا سائز ساڑھے پانچ اور سوا آٹھ ہے۔ اور اوراق کرم خوردہ ہیں کاغذ عمدہ ہے جو اس زمانے میں کالپی میں بنایا جاتا تھا۔ یہ نسخہ سرخ اور سیاہ رنگ کی روشنائی میں تحریر ہوا ہے۔ اصل عبارت سیاہ روشنائی سے لکھی ہے سرخیاں اور تخلص سرخ روشنائی سے تحریر ہیں۔ پہلے صفحے سے آخری تک خط یکساں ہے لکھائی بہت صاف اور صحیح ہے ہر سطر کے آخر میں ”:“ کا نشان بنا ہوا ہے۔ کتاب کے آخر صفحہ پر تحریر ہے: ”تمت تمام شدہ پیم پرکاش تپتی صاحب روز پنج شنبہ ربیع الثانی ۱۱۷۳ھ ہجری ۶ جلوسے“۔ کاتب کا نام ندارد ہے مگر شاہ حمزہ کی تصانیف فص الکلمات اور کاشف الاستار کی لکھاوٹ اور پیم پرکاش کی لکھاوٹ میں بے حد یکسانیت ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ اس قلمی پیم پرکاش کے کاتب شاہ حمزہ ہی ہیں۔ شاہ حمزہ کا وصال ۱۱۹۸ھ میں ہوا۔

قلمی نسخہ کے دوسرے صفحہ پر تحریر ہے ”یا صاحب البرکات نجات بخش“ اس کے بعد دوہے لکھے ہیں۔ پیہم پرکاش کی شاعری کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلے حصے میں دوہے جن کی تعداد دو سو چھ ہے۔ دوسرے حصے میں کبت جن کی تعداد ایک سو بارہ ہے۔ تیسرے حصے میں پانچ ریتخنے اور دس دوہے سوال و جواب کی صورت میں ہیں۔

پیہم پرکاش برج بھاشا میں لکھی گئی ہے مگر اس کے لسانی تجربے سے علم ہوتا ہے کہ اس میں اودھی پانچالی اور بندیلی بولیوں کے اثرات بھی موجود ہیں۔ ہمارے ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اودھی بولی کے علاقے سے تعلق رکھنے والے شاعر برکت پتی نے برج میں شاعری کیوں کی؟ اس کا جواب ہمیں پروفیسر مسعود حسین خاں کتاب ”مقدمہ تاریخ زبان اردو“ سے ملتا ہے۔ پروفیسر مسعود حسین خاں لکھتے ہیں ”شاہ برکت اللہ پتی مارہروی کا بھی ذکر ضروری ہے۔ شاہ موصوف کا شمار انہیں شراروں میں ہوگا جو وہ بڑے تمدنوں سے ٹکرانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ شاہ برکت اللہ کو ہندی فارسی اور عربی پر کامل عبور تھا، تصوف سے لبریز، انسانیت کے پیغام کو انہوں نے دوہوں اور کبتوں کے ذریعہ پہنچانا چاہا ہے۔ لیکن مارہرہ میں بیٹھ کر وہ بھی ان اٹھتی ہوئی لسانی لہروں کے اثرات سے نہ بچ سکے جو عہد عالمگیری میں ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچ رہی تھی۔ ۱۷۰۰ء تک ریختہ کی شکل میں کھڑی بولی کے ادبی ارتقا کا آغاز ہو چکا تھا۔ لیکن برج بھاشا کی ادبی اہمیت ابھی تک مسلم تھی، اس لیے شاہ پتی نے فارسی کے بعد برج بھاشا کو زیادہ تر اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے اور کبت اور دوہے عام طور پر اسی میں لکھے ہیں۔“

شاہ برکت اللہ نے اپنی عمر کا خاصہ حصہ بلگرام ضلع ہردوئی (اودھ) میں گزارا۔ بلگرام سے مارہرہ آکر انہوں نے اندازہ کیا ہوگا کہ تبلیغ کا ذریعہ ایسی زبان کو بنانا چاہئے جس سے عوام مانوس ہوں۔ ان کا بحیثیت صوفی مقصد ہی تبلیغ اور رشد و ہدایت تھا۔ اور اس ماحول میں برج بھاشا واحد ایسی زبان تھی جو عوام میں مقبول تھی۔ شاہ صاحب کے ہندی دیوان میں اودھی کے اثرات ملنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے آکر بلگرام (اودھ) میں کھولی۔ وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی، لہذا اودھی کا اثر ہونا لازمی تھا۔ مارہرہ ضلع ایٹہ پانچال پردیش میں تھا لہذا پانچالی کا اثر قبول کرنا ناگزیر تھا اور چونکہ ان کے مرشدان کا تعلق بندیل کھنڈ (کاپلی ضلع جالون) سے تھا جن سے ملنے کے لیے وہ اکثر کاپلی جاتے تھے اور

ان کے مرشد کے پیچھے ہوئے درویش اکثر ان سے ملنے مارہرہ آتے رہتے تھے۔ اسی وجہ سے پیہم پرکاش میں کہیں کہیں بندیل کھنڈ کا اثر دکھائی دیتا ہے۔

پیہم پرکاش کا سنہ تصنیف ۱۱۰۹ھ مطابق ۱۶۹۸ء ہے (دوہا ۱۷) علامہ آزاد بلگرامی اپنی کتاب مائثر الکرام میں لکھتے ہیں کہ شاہ برکت اللہ پتی نے پیامی شاعر کے حیثیت سے عالم گیر شہرت حاصل کر لی تھی۔

شاہ برکت اللہ کے نظریہ شاعری کو سمجھنے کے لیے ان کی فارسی شاعری کو بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ شاہ صاحب نے فارسی اور ہندی اشعار میں کئی جگہ تشبیہ اور تنزیہ کا استعمال کیا ہے۔ ”ریاض عشق“ میں وہ لکھتے ہیں۔

مئے تشبیہ اول در گرفتند
پس آنکہ در ختم تنزیہ رفتند
یکے تشبیہ اول پایہ باشد
بدان تنزیہ خود کاں مایہ باشد
اور پیہم پرکاش میں فرماتے ہیں:

تشبیہ بن تنزیہ کیا، تنزیہ بن نہیں سوئے
دو دو گیان سوں را کھیوں دونوں جگت گت ہوئے
یہ جگ شبیہ کہت ہیں وہ جگ تنزیہ گائے
سمجھ کھیلو اورے لاٹھی سانپ بچائے

شاہ صاحب شاعری کو تخلیقی فن مانتے ہیں جو تخیل کی مدد سے اس اندرونی حقیقت کو پیش کرتا ہے جسے عام انسان نہیں دیکھ سکتا۔ شاعر نگاہ باطن رکھتا ہے۔ صوفیہ کرام کی شاعری کو شاہ صاحب بہت اونچا درجہ دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ شاعری کی اعلیٰ ترین قسم ہے، جو زندگی کو اعلیٰ ترین انداز سے بسر کرنے کا پیغام دیتی ہے۔ شاہ صاحب کے مطابق ایک سچا شاعر حقیقتاً صوفی ہوتا ہے۔

شاہ برکت اللہ کے ادبی تنقید کے اصولوں کی روشنی میں اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے تصوف پر اتنا زور دیا کیوں دیا۔ انہوں نے بار بار شاعر کو حقیقت کی تلاش کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

سچے شاعر کو تلمیذ الرحمن کہا گیا ہے۔ شاہ صاحب کی بلندی فکر، وسعت خیال، خلوص نیت اور اخلاقی اقدار نے ان کی شاعری کو نیارنگ، روپ عطا کیا ہے۔ انسانیت کے نام انہوں نے رجا نیت کا پیغام دیا۔ وہ خوش آئند مستقبل کی یقین دہانی کراتے ہیں۔

شاہ صاحب کو فارسی اور عربی کے ساتھ ہندی پر عبور حاصل تھا۔ ہندی ان کے گھر کی زبان تھی، اسی لیے ان کی ہندی شاعری، فارسی شاعری سے بہت آگے بڑھ گئی ہے۔ بحیثیت صوفی شاعر شاہ برکت اللہ چنبی اپنی مثال آپ ہیں۔ دقیق خیالات اور شعری جذبے کو مناسب ترین الفاظ میں ڈھال کر شعر کہنا ان کے لیے بڑی بات نہیں۔ وہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ خداداد شعری صلاحیت کے مالک تھے اور وہ عظیم تمدن کے نمائندے بھی تھے۔ انہیں ہندی، عربی، فارسی، سنسکرت کی کلاسیکل شاعری سے بھی واقفیت تھی۔ اس کا اندازہ ہمیں ان کی تصنیف کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ وہ اپنے دور کے سماجی حالات سے بھی بخوبی واقف تھے۔ فلسفہ کے مطالعہ سے شاہ صاحب نے شاعرانہ تخیل کو تصنیف سے ہم آہنگ کر دیا۔

شاہ برکت اللہ نے شاعری کی افادیت کو بھی مد نظر رکھا۔ ان کی شاعرانہ عظمت نے انہیں شہرت عطا کی مگر انہوں نے غرور کو اپنے پاس پھٹکنے بھی نہیں دیا۔ وہ دوسروں پر اپنی تعلیمات تھوپنے کے لیے کوشاں نہیں تھے۔ تصوف اور مذہبی تعلیمات کی مدد لے کر انہوں نے دوسروں کے خیالات کو متاثر کرنے کی کوشش کی اسی وجہ سے ان کی شاعری میں اکتاہٹ پیدا کرنے والی یکسانیت نہیں ہے بلکہ اس میں رنگارنگی ہے۔ جو زندگی کی ہماہمی کی آئینہ دار ہے۔ ان کے نظریات آفاقی ہیں۔ ان کی شاعری کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کسی کاریگر کی صنایع نہیں بلکہ فن کا کلام ہے جو تخیل کی مدد سے لکھا گیا۔

ہندوستان میں بہت سے مذاہب ہیں، بے شمار فرقے ہیں لیکن یہ سب دوسرے سے قومی اتحاد سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس ملک میں ہمیشہ یہی کوشش کی گئی کہ سارے ہندوستانی ایک دوسرے سے مل جل کر رہیں۔ اس سلسلے میں صوفیائے کرام کی خدمات نظر انداز نہیں کی جاسکتیں انہوں نے اپنی نثری اور شعری تصانیف میں ایسی تعلیم جو ایک مثالی سماج کی تعمیر میں مددگار ثابت ہو جس میں سب مل جل کر رہیں ایک دوسرے کی خوشی اور تکلیف میں برابر کے شریک ہوں۔

”پیم پرکاش“ کے مطالعے سے علم ہوتا ہے کہ اسکا بنیادی موضوع عشق ہے۔ مثنوی کی روایتی انداز سے ابتدا کی گئی۔ پیم پرکاش حمد باری تعالیٰ سے شروع ہوتی ہے۔ (دوبا۔ ۱۔ ۳) اس کے بعد نعت رسول مقبول ﷺ لکھی گئی (دوبا۔ ۴) اس کے بعد اہل بیت کی تعریف کی گئی ہے (دوبا۔ ۵) اہل بیت کی تعریف کرنے کے بعد صحابہ کرام کی مدح میں شعر لکھے ہیں۔ (دوبا۔ ۶ تا ۱۰) شاعر کو حضرت عبدالقادر جیلانی سے بے پناہ عقیدت تھی جس کا اظہار ان کے اشعار سے ہوتا ہے (دوبا۔ ۱۱ سے دوبا۔ ۱۳ تک) اس کے بعد شاعر نے شہنشاہ وقت اورنگ زیب عالمگیر کے دور کا ذکر کیا ہے۔ اور اپنی کتاب کا نام بتایا ہے۔ پندرہویں اور سولہویں دوہے میں شاعر نے اپنے سابق وطن اور موجودہ وطن کا تذکرہ کیا ہے۔ سترہویں دوہے سے پیم پرکاش کے سنہ تصنیف کا علم ہوتا ہے۔ اسے اشعار (دوہوں) میں شاعر نے اپنے ذاتی خیالات کا اظہار کیا ہے اپنی نظموں (کبتوں) میں شاعر نے وہ تجربات بیان کئے ہیں جو تصوف کی راہ میں پیش آئے۔ ان نظموں میں موسیقیت ہے۔ ان نظموں کا بنیادی موضوع عشق حقیقی ہے۔ شاعر کو سرور کو نبین ﷺ سے روحانی محبت ہے اور اس کا اندازہ نظم ۹۶، ۹۷ سے ہوتا ہے۔ شاعر کی ریختہ نظمیں فارسی اور ہندی کا مرکب ہیں۔ ریختے اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں کہ کس طرح دو اجنبی تہذیبیں ایک دوسرے میں سما جاتی ہیں۔ (ریختہ ۱۰۱)

پیم پرکاش کی شاعری کا تعلق تصوف کے اس طرز فکر سے ہے جسے ہندی شاعری میں رہسہ واد کہا جاتا ہے۔ اس طرز فکر کے شاعر خالق اور مخلوق کے رشتے کو تمثیلی انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اس طرح کی شاعری میں خدا اور بندے کے تعلق کو بڑے خوبصورت انداز سے پیش کیا جاتا ہے۔

شاہ صاحب کا دور ہندی شاعری میں روایت پرستی (ریت کال) کا عہد تھا۔ اس طرز کی شاعری کا مقصد عوام کی روحانی اصلاح کرنا تھا۔ ”پیم پرکاش“ نے ہندی میں شاعری کا عمدہ نمونہ پیش کیا ہے۔ خیالات کی تازگی اور توانائی، احساسات کی رنگارنگی، پیکر تراشی کا انداز مناسب ترین الفاظ کا انتخاب، طرز ادا کے بہترین نمونے اور جذبہ کی اس گہرائی نے جو تخیل کو حقیقت نے روپ میں پیش کرتا ہے۔ ان سب کے امتزاج نے پیم پرکاش کو لافانی بنا دیا۔ شاعر کو ہندی زبان پر مکمل قدرت ہے۔ ”پیم پرکاش“ میں دقیق فلسفیانہ مسائل

بڑے سادہ الفاظ میں خوبصورتی کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔ شاعر نے اپنے کلام میں حسن لانے کے لیے صنائع اور بدائع کو بھی مد نظر رکھا ہے۔ شاعر کے الفاظ اس کے خیالات کے ترجمان ہوتے ہیں۔ عیبی کی شاعری کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ اس میں خیالات کو اس طرح پیش کیا گیا ہے جس سے زبان و بیان کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔ نظموں (کتبوں) کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا خیالات کا ایک دریا موجزن ہے یا کو جھرنانا اپنی پوری توانائی کے ساتھ بہہ رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ الفاظ میں شاعر نے اپنی روح پھونک دی ہے (نظم ۹۶)

قارئین کو ”پیم پرکاش“ کی نظموں میں آزادی فکر اور اعلیٰ معیار کے حصول کی تمنا متوجہ کرتی ہے۔ یہ سعادت بہت کم شاعروں کو نصیب ہوتی ہے۔ عیبی شاعر ہونے کے علاوہ بلند پایہ صوفی بھی تھے۔ انہوں نے انسانیت کو درپیش مسائل کا حل پیش کیا ہے۔

”پیم پرکاش“ کا مطلب ہے عشق کی روشنی، عیبی اپنی کتاب کے ذریعہ دنیا کو عشق کا پیغام دیتے ہیں۔ صوفیہ نے عشق کو بہت اہمیت دی۔ ان کا عشق بہر حال عشق حقیقی ہوتا ہے۔ ان کی تصانیف میں ملنے والے عشق مجازی کا آخری سرا عشق حقیقی سے جڑا ہوتا ہے۔ وہ اسی مجاز سے حقیقت تک پہنچتے ہیں۔ ایک سچے صوفی کی طرح عیبی عشق حقیقی، عاشق، معشوق، کے باہمی تعلقات راز دارانہ طریقے سے بیان کرتے ہیں کیوں کہ وہ عشق کو پاکیزگی کا حامل سمجھتے ہیں۔ اس عشق میں پیدا ہونے والی تڑپ راز و نیاز کے پردوں میں چھپی ہوتی ہے۔ باطن کی گندگی کو دور کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔

صوفیہ کے مسلک میں بندے کی خدا تک معرفت معراج کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ بندہ کو قطرہ اور روح مقید سمجھتے ہیں۔ جب تک بندہ خدا کی محبت میں اپنا سب کچھ قربان نہ کر دے اسے قرب الہی نصیب نہیں ہو سکتا۔ قطرہ جب سمندر سے الگ رہتا ہے تب تک صرف قطرہ رہتا ہے مگر جب اپنے وجود کو فنا کر کے سمندر میں مل جاتا ہے تو وہ سمندر بن جاتا ہے۔ عیبی کی تعلیم بھی یہی ہے کہ عشق حقیقی میں اپنے آپ کو مٹا دو۔ وہ عشق حقیقی سے ناتا توڑنے والوں کو ملامت کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر ٹوٹے ہوئے رشتہ کو جوڑ لیا جائے تو اس کے مسائل کا حل نکل آئے گا۔ عیبی کے نظریہ کے مطابق انسان کے لیے معرفت ذات ضروری ہے کیونکہ اپنے آپ کو پہچانے بغیر خدا کو پہچانا ناممکن ہے۔ عیبی آفاقی محبت کے نقیب ہیں۔ ان کے نزدیک انسانوں سے محبت کرنا عبادت ہے اور اس

عبادت کی بنیاد خدمت خلق ہے۔

عیبی فنا کو بقا کا ذریعہ کہتے ہیں۔ اپنے آپ کو فنا کرنے کے بعد ہی اعلیٰ ترین روحانی مدارج طے کرنا ممکن ہے۔ عیبی کا خیال ہے کہ عقل میں عشق کی قربانیاں کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ اگر وہ سمجھنے کی کوشش بھی کرتی ہے تو اس کے قدم لڑکھڑانے لگتے ہیں وہ مراقبہ کو عرفان ذات کا ذریعہ بتاتے ہیں۔ ان کے نزدیک عرفان ذات حاصل کرنے کے لیے خلق خدا کی خدمت کرنا ضروری ہے۔

عیبی عشق کو محض جذباتیت نہیں سمجھتے بلکہ ایک آفاقی حقیقت کا درجہ دیتے ہیں (دوہا۔ ۷۷) وہ عشق کو ایک اعلیٰ ترین اخلاقی قدر بتاتے ہیں جس کے بغیر کائنات میں زندہ رہنا ممکن نہیں۔ وہ عشق کو اخلاق کی بلندی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے عشق نہ صرف زندہ رہنے کی طاقت دیتا ہے بلکہ راہ خدا میں مرجانے کا حوصلہ بھی عطا کرتا ہے۔ زندگی اپنی تمام تر رنگینیوں کے باوجود انسان کو روحانی قرار نہیں دے سکتی۔ اس کا سہرا تو عشق کے سر ہے جو انسان کو قدم قدم پر قوت دیتا ہے۔

عیبی نے اپنے عالمانہ اور فلسفیانہ خیالات کو شاعری میں سمودیا ہے۔ اس جائزے کے بعد یہ نتیجہ نکلنا مشکل نہیں کہ عیبی ہندی کے رہسید وادشاعروں میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری کے مطالعہ سے مسرت کے ساتھ بصیرت بھی ملتی ہے۔ (۷۴)

عقد مناکحت اور اولاد کرام:

حضرت صاحب البرکات قدس سرہ العزیز کا عقد سید مودود بلگرامی بن سید محمد فاضل بن سید عبدالحکیم بلگرامی کی منجھلی صاحب زادی وافیہ بی بی سے ہوا۔ ان سے حضرت کے دو صاحب زادے، حضرت سید شاہ آل محمد اور حضرت سید شاہ نجات اللہ قدس سرہ تھے۔ جن کی نسبت سے دوسرے کاریں، کلاں و خورد پیر زادگان مارہرہ کی ہیں اور تین صاحب زادیاں تھیں، جن میں پہلی صاحب زادی مسما بی بی بدھن کا عقد سید نور الحق بن شاہ لدھا اور دوسری صاحب زادی مسما ننھی بی بی کا سید عزیز اللہ بن سید غلام محمد بن سید حامد بن سید عبد الواحد خورد سے اور تیسری کا سید امان اللہ بن سید جان بھتہ سے ہوا تھا، جن کی اولاد بلگرام اور آرہ کوٹ میں ہے (۷۶)

آپ کے شہزادگان کی کوششوں سے مذہب اسلام کی خوب خوب ترویج و اشاعت ہوئی اور شربِ قادریت کو بڑا فروغ حاصل ہوا، درج ذیل سطور میں بالادرجت شخصیتوں کا تعارف پیش ہے:

قدوة الواصلین سید شاہ آل محمد مارہروی قدس سرہ

آپ کی ولادت باسعادت ۱۸ رمضان المبارک ۱۱۱۱ھ بروز پنج شنبہ بلگرام میں ہوئی (۷۷) لقب: برہان الموحدین، قدوة الواصلین اور ابوالبرکات ہے۔

تعلیم و تربیت اور بیعت و خلافت:

علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی اور انھیں سے بیعت فرمائی اور خرقہ خلافت پہنا اور منازل سلوک بھی حضرت ہی کی خدمت میں طے کیے۔ حضرت کے بعد حسب دستور خاندانی حضرت کے چہلم کے دن صفر ۱۱۴۲ھ میں تیس برس کسرے زائد کے سن میں سجادہ نشین ہوئے۔ نیز مسند خلافت و دستانہ نیابت حضرت سید العارفین شاہ لدھا بلگرامی سے بھی ممتاز ہوئے۔ (۷۸)

فضل و کمال:

آپ سلسلہ عالیہ قادریہ کے چوتھویں شیخ طریقت ہیں، آپ اپنے والد گرمی کے بڑے چہیتے فرزند تھے۔ آپ کے صاحب زادے حضرت عینی کاشف الاستار شریف میں رقم طراز ہیں:

(ترجمہ) حضرت شاہ آل محمد سے حضور صاحب البرکات کو خصوصی لگاؤ اور بے پناہ محبت تھی۔ پوری زندگی آپ اپنے والد بزرگوار کے زیر سایہ فیوض برکات حاصل کرتے رہے۔ ایک لمحے کے لیے بھی ان سے جدا نہ ہوتے۔ چنانچہ اگر حضرت شاہ آل محمد کسی وجہ شرعی کی بنا پر مسجد کی نماز باجماعت میں شریک نہ ہو پاتے تو حضور صاحب البرکات فرماتے کہ آج مجھے نماز کی حلاوت نہ مل سکی۔ حضرت والد ماجد بھی دادا جان (حضور صاحب البرکات) کے بے حد شیفتہ تھے۔ آپ کی گرویدگی بیان نہیں کی جاسکتی۔ آپ اپنی تمام مصروفیات سے حضور صاحب البرکات کو باخبر رکھتے (۷۹)

والد ماجد نے اپنی حیات مبارکہ ہی میں آپ کو اپنا مکمل جانشین مقرر فرما دیا تھا۔ جب کوئی طالب آپ کے پدر بزرگوار شاہ برکت اللہ قدس سرہ کی بارگاہ میں پہنچتا تو آپ ارشاد فرماتے کہ آل محمد کے پاس جاؤ۔ اس نے میرے سر سے بہت سا بوجھ ہلکا کر دیا ہے اور راحت بخشی ہے۔ پھر والد گرامی نے تمام خدمات راہ سلوک و معرفت آپ ہی کے سپرد فرمادیں۔ آپ کا بیش تر وقت کتب تصوف خصوصاً والد بزرگوار کی مصنفات کے مطالعہ میں گزرتا تھا۔ (۸۰)

ریاضت و مجاہدہ:

بچپن ہی سے بزرگی کی علامت آپ کی پیشانی سے ظاہر تھی۔ عبادت و ریاضت سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ مکمل اٹھارہ برس تک آپ ریاضت و مجاہدہ میں مصروف رہے، کامل تین سال تک اعتکاف میں خلوت گزیر رہے اور جو کی روٹی سے افطار فرماتے، ان ایام میں اعمال و ورد اور اذکار و مراقبہ بھی جاری رہے جس سے بے شمار انوار و تجلیات حاصل ہوئے، پھر آپ جس نفس کی طرف مائل ہوئے اور اس کو درجہ کمال تک پہنچایا۔ ان ایام میں تین مہینے تک پیسے بھر پانی پیتے اور باجرہ کی خشک روٹی تناول فرماتے۔ بیان کیا گیا ہے کہ ریاضت کی وجہ سے آپ کے سر میں گڈھا پر گیا تھا اور تا لوگر گیا، آپ تک کہ آپ نے جس نفس کے سلوک مشکلہ کو بھی تمام فرمایا۔ (۸۱)

درس سلوک:

والد ماجد قدس سرہ نے طالبان و سالکان کی تعلیم و تربیت آپ کے ذمے کر دی تھی، یہ کام آپ والد ماجد گرامی کی حیات ہی سے بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ ماثر الکرم میں ہے کہ امراض قلبی دور کرنے میں مسیحائی رکھتے تھے اور وادی شوق کے سر پر مستوں کی اچاٹ طبیعتوں کو سکون بخشتے تھے۔ (۸۲)

حضرت امین ملت مدظلہ العالی اور مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی اپنی مشترکہ تصنیف لکھتے ہیں:

”شاہ حقانی کا اردو ترجمہ و تفسیر قرآن ایک تنقیدی و تحقیقی جائزہ میں لکھتے ہیں تربیت باطن اور تعلیم سلوک میں وہ انفرادیت تھی کہ دو چار دن میں دلوں کو یاد الہی سے

گرمادیتے اور جواز کار اوروں کے یہاں دل کی بندشیں نہ کھول پاتے انھیں اذکار سے آپ کی توجہ باطنی، طالب مرغ بکل بنا دیتی۔ اس منفرد شان مسیحائی کے بہت سے حالات کاشف الاسرار میں مذکور ہیں، یہاں صرف ایک واقعہ پیش کیا جا رہا ہے۔ حضرت عینی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت والا (سید شاہ آل محمد) کی تربیت کا انداز یہ تھا کہ اگر دوسرے مشائخ کا حاضر باش کوئی ایسا درویش آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا جس نے قاعدے سے راہ سلوک طے نہ کی اور ابھی بیچ راستے ہی میں ٹھہرا ہوا ہے یا پہلے ہی قدم پر حادثے کا شکار ہے تو حالات دریافت کرنے کے بعد انھیں اشتغال و اعمال کے ذریعے جو انھیں اپنے شیخ سے ملے تھے، حضرت والا اس مقام پر پہنچا دیتے جو اسے نصیب ہی نہ ہو سکتے۔ وہ درویش حیران ہو جاتا اور سمجھتا کہ یہ میرے شیخ کا تصرف ہے، پھر اپنے شیخ سے اسکی عقیدت اور بڑھ جاتی۔ کبھی حضرت والا ایسے درویش کے ساتھ اعمال و اشتغال میں کچھ چیزیں اپنی طرف سے اضافہ کر دیتے جن سے وہ تھوڑے ہی زمانے میں مراتب سلوک کی سیڑھیوں پہ قدم رکھتا ہوا بہت اوپر پہنچ جاتا ہے۔

جوافیون، ساقی، شراب میں ڈالتا ہے اس سے حریفوں کے نہ سلامت رہتے ہیں، نہ دستار (۸۳)

خلفائے کرام:

حضرت آل محمد قدس سرہ العزیز کے خلفاء کی تعداد شمار سے باہر ہے درج ذیل سطور میں ان کے ان خلفاء کی ایک فہرست پیش کی جا رہی ہے جنھوں نے آپ کے اسلامی اور روحانی مشن کے فروغ میں بھرپور حصہ لیا:

- (۱) سید شاہ حمزہ مارہروی (۲) شاہ ظہور اللہ کشمیری (۳) شاہ واصل (۴) شاہ عبدالہادی (۵) شاہ شہباز کنبوہ سنہجلی (۶) شاہ فخر الدین احمد ملقب بہ شاہ بانی باللہ پنجابی۔ وصال ۱۱۵۴ھ (۷) شاہ فقیر اللہ عرف شاہ بانی باللہ (۸) شاہ بزرگ مارہروی۔ وصال ۱۱۴۹ھ (۹) شاہ کلن (۱۰) شاہ انور (۱۱) شاہ رحمت اللہ (۱۲) شاہ مولوی غلام نبی اترولی (۱۳) شاہ حفیظ اللہ (۱۴) شاہ اسرار اللہ (۱۵) شاہ نادر العصر ۱۱۶۹ھ (۱۶) شاہ بیرنگ مجذوب (۱۷) شاہ رفیق (۱۸) شاہ شید ۱۱۶۳ھ (۱۹) شاہ بوعلی (۲۰) شاہ فضل اللہ

(۲۱) شاہ محبوب اللہ (۲۲) شاہ مفتی جلال الدین (۲۳) شاہ محمد شاکر مصنف قاسمیہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) (۸۴)

تصنیف:

حضرت محمد میاں قادری برکاتی لکھتے ہیں: حضرت سید شاہ آل محمد صاحب کی تصنیف سے فقیر نے کوئی کتاب نہ دیکھی نہ سنی، صرف آپ کے دست و قلم خاص کی تحریر فرمائی ہوتی دو دعائیں فقیر کے پاس ہیں اور حضرت شاہ حمزہ صاحب نے آپ کی مولفہ ایک بیاض کا ”بیاض و بلی“ کے نام سے حوالہ دیا ہے اور اس کے اعمال وغیرہ اپنے مجموعہ اعمال میں نقل فرمائے ہیں جو حضرت کے والد ماجد کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ (۸۵)

عقد اور اولاد:

آپ کا عقد اپنے چچا سید عظمت اللہ صاحب کی صاحب زادی غنیمت فاطمہ سے ہوا۔ حضرت کے دو صاحب زادے، حضرت سید شاہ حمزہ اور حضرت سید شاہ حقانی اور ایک صاحب زادی تھیں۔

حضرت سید شاہ حمزہ قدس سرہ العزیز:

آپ ۱۲ ربیع الآخر میں پیدا ہوئے تعلیم و تربیت والد ماجد طریقت ہیں۔ ۱۲ محرم الحرام ۱۱۹۸ھ بروز چہار شنبہ بعد نماز مغرب اس دار فانی سے رخصت فرمایا۔

حضرت سید شاہ حقانی قدس سرہ:

ولادت غالباً ۱۱۴۵ھ اور وصال ۱۲ ذوالحجہ بروز جمعہ بعد نماز جمعہ ۱۲۱۰ھ میں مارہرہ ہوا۔ آپ غیر شادی شدہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ آپ کی تصنیفات میں تفسیر قرآن بر زبان اردو ”عنایت رسول کی“ اور نعت رسول کی ترجمہ صاحب الاخبار اور بیاض فوائد منفرقہ مشہور ہیں۔

صاحب زادی صاحبہ جن کا نکاح آپ کے ہم شیر زاد حافظ سید محمد رضا بن سید امان اللہ بن قبیلہ بھتہ سے ہوا۔ جن کی اولاد آرہ کوات بلگرام مارہرہ میں ہے۔

وصال:

حضرت سید شاہ آل محمد قدس سرہ العزیز نے ۱۶ رمضان المبارک ۱۱۶۴ھ شب

دوشنبہ میں اس جہان فانی کو خیر آباد کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (۸۶)

آپ کا مرقد انور مارہرہ مطہرہ میں والد بزرگوار کے روضہ میں بہ جانب مشرق واقع ہے۔ قطع تاریخ یہ ہے۔

چراغ آل عباس دومان علا فرود جلوہ اور وفق حریم بہشت
افادہ کردہ بن سال رحلتش ہاتف۔ نصیب آل محمد بود نعیم بہشت ۱۱۶۲ھ (۸۷)

سید شاہ نجات اللہ (شاہ میاں):

آپ سید شاہ برکت اللہ (صاحب البرکات) قدس سرہ کے چھوٹے صاحب زادے ہیں۔ ولادت ۲۵ جمادی الاخرہ ۱۱۱۷ھ کو بلگرام میں ہوئی اور وہیں نشوونما بھی پائی۔

تعلیم و تربیت اور بیعت و خلافت:

تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد حضرت شاہ آل محمد نور اللہ مرقدہ سے حاصل کیا۔ والد ماجد کے وصال کے بعد اپنے برادر معظم کی مرضی سے سجادہ نشین بھی ہوئے اور اپنی سرکار علاحدہ بنائی جو سرکار خود سے جانی جاتی تھی اور اس میں مسجد و خانقاہ بھی بنائی۔ (۸۸)

فضل و کمال:

آزاد بلگرامی لکھتے: سید نجات اللہ بن سید برکت اللہ قدس سرہ فضائل و کمالات کے جامع، نیک خصلتوں کے حامل، صاحب خلق عظیم وجود کریم ہیں۔ ابتدا سے اخیر تک معارف کے ثمرات و لد ماجد کے شجرہ گراں قدر سے چنتے رہے، ذوق روحانی سے کامل حصہ پایا۔

سید العارفین (میر سید لطف اللہ عرف لدہا شاہ بلگرامی قدس سرہ) کی خدمت میں عریضہ بھیج کر خلافت کی استدعا کی، حضرت نے اپنی عنایت سے خلافت نامہ و دستار مبارک سے نوازا۔ آج کل مارہرہ میں علم ہدایت بلند کیے ہوئے ہیں اور کثرت کے ارکان کو وحدت کے دائرے میں کھینچتے ہیں۔ احیا قلوب میں مسیحا کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ کے لطف و کرم سے شکستہ دلوں کو مومیائی حاصل ہوئی۔ طبع سلیم اور ذوق رسا رکھتے ہیں، اچھے اشعار کہنے میں مہارت حاصل ہے۔ اس دیار کی ایک دنیا آپ کے شرف ارادت سے مستفیض ہے۔ (۸۹)

عقد اور اولاد:

آپ کا عقد سید لطف اللہ بن سید کافی کی تیسری لڑکی سے ہوا جس سے آپ کے دو صاحب زادے سید شاہ امام عرف شاہ گدا اور سید شاہ مقبول عالم عرف شاہ سوندھا اور ایک صاحب زادی بو بوسا صاحب ہوئیں۔ جو اپنے بڑے چچا کے صاحب زادے شاہ حقانی سے نام زد تھیں، مگر عقد کی نوبت نہ آئی اور سن رسیدہ ہو کر انتقال کیا (۹۰)

سید امام عرف شاہ گدا شاہ نجات اللہ کے بڑے صاحب زادے زوجہ خاندانی سے تھے۔ آپ کی ولادت ۱۱۳۸ھ میں ہوئی۔ آپ کا عقد سید عظیم الدین بن سید نجات بن سید عبد اللہ کی دختر سے ہوا اور دو صاحب زادے سید شاہ برکات بخش بھکاری صاحب اور سید شاہ نجات بخش فقیر صاحب پیدا ہوئے (۹۱)

سید شاہ مقبول عالم عرف شاہ سوندھا۔ یہ سید نجات اللہ قدس سرہ کے دوسرے صاحب زادے ہیں۔ ولادت ۱۱۴۰ھ میں ہوئی اور وصال ۱۹ شعبان ۱۲۱۳ھ میں ہوا۔ آپ کا عقد سید محمد یحییٰ بن سید محبت اللہ کی تیسری صاحب زادی سے ہوا جن سے ایک صاحب زادہ سید مخدوم عالم پیارے صاحب اور ایک صاحب زادی پیدا ہوئیں (۹۲)

حضرت شاہ نجات اللہ قدس سرہ مورث سرکار خورد کے خاندانی بیوی کے علاوہ سے چار حرموں سے چھ صاحب زادے اور تھے، جن میں سے بعض حافظ اور بعض عالم تھے۔ ان میں سے بعض کی نسل اس وقت بھی موجود ہے۔ (۹۳)

وصال:

سید شاہ نجات اللہ صاحب قدس سرہ کا وصال ۲۹ شوال ۱۱۹۰ھ میں ہوا اور اپنے بڑے بھائی کے پہلو میں دفن ہوئے۔ (۹۴)

دونوں صاحب زادوں کو حضرت صاحب البرکات کی وصیت:

حضرت شاہ برکت اللہ قدس سرہ العزیز نے بعض رسائل میں اپنے صاحب زادگان، سید آل محمد اور سید نجات اللہ قدس سرہ کو نصیحتیں فرمائیں، یہ نصیحتیں عام مسلمانوں کے لیے بھی رہبر و رہنما کی حیثیت رکھتی ہیں۔ فرماتے ہیں:

آل محمد نجات اللہ سلامت رہیں۔ یہ چند نصیحتیں لکھی جاتی ہیں، اس پر عمل کریں

اور اس رسالہ کو ہمیشہ اپنے پاس رکھیں: (۱) چاہئے کہ یاد الہی میں مشغول رہا کریں (۲) کتب فقہ و سلوک سے محبت رکھیں (۳) اپنے مقام سے جنبش نہ کریں (۴) مخلوق کے در پر اور دنیاوی لوگوں کے پاس نہ جائیں۔ ہاں قبروں کی زیارت اور اس عالم کو دیکھنے ضرور جائیں جو صاحب دل ہو یا کم سے کم اس کا ظاہر دین و دیانت سے معمور ہو اور اس کے دیدار کو کونین کی سعادت جانیں (۵) کسی بھی کام یا مقصد کے لیے حاکم یا اور کسی سے رجوع نہ کریں۔ کیوں کہ حاجت روائی کرنے والا کارساز موجود ہے (۶) خلق کے کارناموں میں سب کے ساتھ نرمی و لجاجت سے پیش آئیں۔ یہ باعث ثواب ہے۔

ایک روز ایک حاکم کسی بات پر فقیر سے مخالفت کر بیٹھا، میں نے تعرض نہ کیا۔ اکثر اس کے عزیزوں نے التجا کی، لیکن قبول نہ کیا اور کہا کہ اگر فلاں مجھے ایک رقعہ لکھ دے تو مخالفت سے باز آ جاؤں گا۔ وہ سب اس محتاج الی اللہ سے رقعہ لکھنے کا تقاضا کرنے لگے، ناچار یہ شعر لکھ کر بھیج دیا۔

آں کہ رخسار تر از رنگ گل و نسریں داد صبر و آرام تو اندبہ من مسکین داد
یعنی: جس ذات نے تیرے رخسار کا گلاب و نسریں کا رنگ عطا کیا، وہیں مجھ کو صبر و آرام عطا فرمائے گا۔

(۷) بہر حال اسی کی یاد میں رہیں اور اس کی یاد قائم رکھنے کے لیے زبان و دل سے ففرو الی اللہ اور ولا تقنطوا من رحمۃ اللہ اور توکل علی اللہ کا ورد رکھیں (۸) طریقہ ظاہر کو بلا تردید پیش نظر رکھیں (۹) شعار دین میں جس قدر بھی اہتمام و تکلف ہو سکے اس سے دریغ نہ کریں (۱۰) جہاد و فی سبیل اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ ہاں جہاد اکبر یہی ہے کہ خود کو آرام نہ دیں تاکہ کبھی آرام طلب نہ ہوں (۱۱) نفس سے جنگ کریں خلاصہ یہ کہ علم و عمل سامنے رکھیں اور اس پر مغرور نہ ہوں اور اس کی آرزو کریں کہ دل بریاں چشم گریاں، عمل خالص، اجابت دعا، رفاقت درویشاں، مسکن مسجد، آہ دردناک و اخفائے حال، مدد الہی اور فیض نانتا ہی سے میسر آ جائے۔ آمین ثم آمین (۹۵)

دوران نصیحت حضرت صاحب البرکات نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا، دل سے آواز آئی ”خود را نصیحت دیگران را نصیحت“

اے ناہموار! تیرے بال سفید ہو گئے ہیں اور تیرا دل ابھی تک سیاہ ہے۔ تیرا

ظاہر آراستہ، تیرا باطن تباہ ہے۔ بس اپنا کام دیکھ اور اپنے حال پر غم کھا۔ کون سی نیکی تو نے کر لی ہے کہ دوسروں کو نصیحت کرتا ہے اور کون سا اچھا کام تجھ سے واقع ہوا کہ ارشاد فرماتا ہے۔ رہنے بھی دے اور وقت ہاتھ سے مت جانے دے۔

بہ نشیں کار و دیدہ بردوز از نافرراق خود ہی سوز
یعنی اپنی فکر کر اور آنکھیں بند کر لے، اپنی جدائی کی آگ سے اسی طرح جلتا رہے۔
یہ گندم نہائی اور جو فروشی کہاں تک (منافقانہ روش) ایسا رہ جیسا تو نظر آئے
اور ایسا نظر آ جیسا تو ہے۔ بلکہ جتنا ہی نیک نظر آتا ہوں اتنا ہی گیا گزرا ہوں۔
جب دل نے کہا افسوس صد افسوس کہ۔

وقت عزیز رفت بیا تا قضا کیئم عمرے کہ بے حضور صراحی و جام رفعت
یعنی قیمتی وقت گزر گیا، آؤ کہ ہم اب زندگی کے ان اوقات کو پورا کریں جو صراحی اور جام کے بغیر گزر گئے۔ اب بس کرتا ہوں، تو بہ کرتا ہوں اور خاموشی اختیار کرتا ہوں، بڑے جوش و خروش میں آ گیا تھا، بالآخر مجھے ہوش آ گیا (۹۶)

حضرت صاحب البرکات قدس سرہ کی یہ خود احتسابی ہمیں یہ سبق دے رہی ہے کہ مصلح اور ناصح کو چاہئے کہ پہلے خود شریعت پر عمل پیرا ہوں۔ اپنے ظاہر و باطن کو شریعت کے مطابق بنالیں تب اصلاح و نصیحت کے کلمات زبان سے ادا کریں، اگر حال و قال میں اسلامی روح کا فرما نہیں تو ایسے شخص کو پہلے خود اپنی اصلاح کر لینی چاہئے۔

وفات حسرت آیات:

حضرت صاحب البرکات قدس سرہ العزیز نے شب عاشور ۱۱۴۲ھ/ ۱۷۲۹ء بوقت صبح صادق جان جان آفریں کے سپرد فرمائی۔ وصال کے وقت عمر مبارک ۷۲ سال کی تھی۔ آزاد بلگرامی نے قطعہ تاریخ یہ لکھا ہے۔

بیدار دلے رفت سوئے محفل قدس بر بست ز صحراے جہاں محفل قدس
تاریخ وصال او خرد کرد رقم صاحب برکات وصل منزل قدس (۹۲)
یعنی ایک بیدار دل پاک محفل کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے اپنا کجاوہ دنیا کے صحرا سے باندھ لیا۔ خرد نے ان کے انتقال کی تاریخ لکھی ”صاحب البرکات وصل قدس“
(صاحب البرکات پاک منزل میں پہنچے)

مزار پاک اور عرس:

مزار مبارک مارہرہ شریف میں زیارت و برکات کی جلوہ گاہ ہے، حضرت کے مزار پر نواب محمد خاں بنگش مظفر جنگ والی فرخ آباد نے بہ اہتمام شجاعت خاں ناظم نے ایک عالی شان روضہ اسی ۱۱۴۲ھ ہی میں تعمیر کرایا جو درگاہ شاہ برکت اللہ کے نام سے موسوم ہے۔

چونکہ حضرت کا وصال شب عاشورہ میں ہوا تھا، اس لیے سید الشہد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے اخلاف نے آپ کے عرس کی تاریخ پندرہ محرم الحرام رکھی (۹۸) اور آج بھی اسی پر عمل ہے۔

مراجع و حواشی

- ۱- تاریخ خاندان برکات، ص: ۷ سید شاہ اولاد رسول محمد مبارکاتی الجمع المصباحی مبارک پور
- ۲- مآثر الکرام تاریخ بلگرام اردو، ص ۸، علامہ سید غلام آزاد بلگرامی/ مترجم: مفتی محمد یونس رضا مولنس اولیں جامعۃ الرضا، بریلی شریف
- ۳- تاریخ خاندان برکات، ص: ۱۲-۱۳، سید اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی الجمع المصباحی۔ مبارک پور
- ۴- تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۳۲-۳۳۳، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی الجمع المصباحی، مبارک پور
- ۵- تاریخ خاندان برکات، ص: ۱۳، سید اولاد رسول محمد قادری برکاتی الجمع المصباحی، مبارک پور
- ۶- تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۳۳، ۳۳۴، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی الجمع المصباحی، مبارک پور
- ۷- تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۳۴، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی الجمع المصباحی۔ مبارک پور
- ۸- شیخ محمد افضل الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰ ربیع الاول ۱۰۳۸ھ میں قصبہ سید پور ضلع غازی پور میں پیدا ہوئے اوائل عمر میں جون پور آئے اور ملا نور الدین سے مروجہ علوم کی تحصیل کی۔ چھ ماہ تک درس و تدریس میں مشغول رہے یکا یک ان پر

جذبہ عشق الہی غالب ہوا اور اس سرزمین کو خیر باد کہہ کر کاپلی شریف کی راہ لی اور میر سید محمد قدس سرہ کی خدمت سے شرف یاب ہوئے اور سلسلہ قادریہ، سہروردیہ چشتیہ مدار یہ اور نقشبندیہ کی بیعت و اجازت سے سرفراز ہوئے اور شیخ کے سلسلہ نقشبندیہ پر قائم رہے اور مرشد گرامی کے اشارے پر الہ آباد میں اقامت اختیار کی اور یہ کمال توکل مسند ارشاد و ہدایت پر جلوہ افروز ہو کر مرجع خلافت ہو گئے۔ ۱۰۸۸ء میں الہ آباد میں ایک مسجد تعمیر کرائی جس کا تاریخی نام بقعہ افضل (۱۰۸۸ھ) رکھا اور ۱۰۹۲ھ میں خانقاہ کی تعمیر کرائی تو اس کا نام مقام افضل (۱۰۹۲ھ) رکھا۔ رشد و ہدایت کے مشاغل کے باوجود آپ نے عربی میں متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں، ان میں سے چند یہ ہیں: شرح گلستاں۔ شرح بوستاں۔ شرح زلیخا۔ تذکیر دل پذیر۔ شرح فصوص الحکم مسمی بہ شرح الفصوص وفق علی وفق الفصوص۔ فتح الاغلاق۔ رسالہ عربیہ وفادسیہ در بحث ایمان فرعون۔ شرح قصائد خانقانی۔ سیر منظوم شرح مثنوی وغیرہ۔ وفات ۱۵/ ذی الحجہ بروز جمعہ ۱۱۲۴ھ میں ہوئی۔ عمر شریف ستاسی یا بانوے سال کی تھی ”کان الشیخ قطبا“ سے سال وفات برآمد ہوتی ہے روز انوار الہ آباد زیارت گاہ خلافت ہے۔ آپ کے بعد آپ کے بھتیجے شیخ محمد تکی عرف شاہ خوب اللہ نے سندر عہد ہدایت کو زینت بخشی۔ (تذکرہ علمائے ہند فارسی۔ ص ۱۸۱)

- ۹- آئینہ کاپلی، ص: ۱۲، خواجہ سید عنایت اللہ عظیم آبادی۔ عکس نسخہ قلمی
- ۱۰- مآثر الکرام اردو، ص: ۱۷۱، علامہ آزاد بلگرامی جامعۃ الرضا، بریلی شریف
- ۱۱- تذکرہ مشائخ قادریہ، ص: ۳۲۸-۳۲۹، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی الجمع الاسلامی مبارک پور
- ۱۲- آئینہ کاپلی، ص: ۱۲، خواجہ سید عنایت اللہ عظیم آبادی، عکس نسخہ قلمی
- ۱۳- آئینہ کاپلی، ص: ۱۲، خواجہ سید عنایت اللہ عظیم آبادی، عکس نسخہ قلمی
- ۱۴- آئینہ کاپلی، ص: ۱۲، خواجہ سید عنایت اللہ عظیم آبادی، عکس نسخہ قلمی
- ۱۵- مآثر الکرام اردو، ص: ۱۷۱، علامہ آزاد بلگرامی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف
- ۱۶- آئینہ کاپلی، ص: ۱۲، خواجہ سید عنایت اللہ عظیم آبادی، عکس نسخہ قلمی
- ۱۷- مآثر الکرام اردو، ص: ۱۷۱، علامہ آزاد بلگرامی جامعۃ الرضا، بریلی شریف

- ۱۸- آئینہ کاپی، ص: ۱۴-۱۵، سید عنایت اللہ عظیم آبادی، عکس نسخہ قلمی
- ۱۹- آئینہ کاپی، ص: ۱۵- سید عنایت اللہ عظیم آبادی، عکس نسخہ قلمی
- ۲۰- آئینہ کاپی، ص: ۱۵- سید عنایت اللہ عظیم آبادی، عکس نسخہ قلمی
- ۲۱- مآثر الکرام اردو، ص: ۱۶- علامہ آزاد بلگرامی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف
- ۲۲- میاں جیو: حضرت میر سید احمد قدس سرہ بچپن سے ہی حضرت شیخ افضل الہ آبادی کو ”میاں جیو“ کہتے تھے۔
- ۲۳- مآثر الکرام اردو، ص: ۱۶، ۱۶۸، علامہ آزاد بلگرامی، جامعۃ الرضا، بریلی
- ۲۴- مآثر الکرام اردو، ص: ۱۶۹، علامہ آزاد بلگرامی، جامعۃ الرضا، بریلی
- ۲۵- تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۳۶- مولانا عبد المجتبیٰ رضوی، الجمع الاسلامی- مبارک پور
- ۲۶- تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۳۶- مولانا عبد المجتبیٰ رضوی، الجمع الاسلامی- مبارک پور
- ۲۷- آئینہ کاپی، ص: ۱۱- سید عنایت اللہ عظیم آبادی، عکس نسخہ قلمی
- ۲۸- آئینہ کاپی، ص: ۱۱- سید عنایت اللہ عظیم آبادی، عکس نسخہ قلمی
- ۲۹- تذکرہ مشائخ قادریہ، ص: ۳۳۶، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی، الجمع المصباحی، مبارک پار
- ۳۰- آئینہ کاپی، ص: ۱۱، سید عنایت اللہ عظیم آبادی، عکس نسخہ قلمی
- ۳۱- آئینہ کاپی، ص: ۱۱، سید عنایت اللہ عظیم آبادی، عکس نسخہ قلمی
- ۳۲- آئینہ کاپی، ص: ۱۱-۱۲، سید عنایت اللہ عظیم آبادی، عکس نسخہ قلمی
- ۳۳- مآثر الکرام اردو، ص: ۱۶۱، علامہ آزاد بلگرامی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف
- ۳۴- مآثر الکرام اردو، ص: ۱۶۱، علامہ آزاد بلگرامی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف
- ۳۵- مآثر الکرام اردو، ص: ۱۶۱، ۱۶۲، علامہ آزاد بلگرامی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف
- ۳۶- آئینہ کاپی، ص: ۸، ۹، سید عنایت اللہ عظیم آبادی، عکس نسخہ قلمی
- ۳۷- میر ابو العلا بن ابی الوفا بن عبد السلام بن عبد الملک بن تقی الدین کرمانی حسی، اکبر آبادی آپ کا شمار ہندوستان کے مشہور مشائخ میں ہے۔ شجرہ بدری عبد اللہ باہر بن امام زبن العابدین سے ملتا ہے اور سلسلہ مادری خواجہ عبید اللہ احرار سمر

- قندی تک پہنچتا ہے۔ جد کریم عبد السلام صاحب نے اہل و عیال کے ساتھ ہندوستان کا رخ کیا اور لاہور کے ایک گاؤں نریلہ میں پہنچے تو حضرت ابو العلا کی پیدائش ہوئی۔ ۹۹۰ھ تھا وہ انھیں لے کر فتح پور سیکری آئے، ابھی آپ کا زمانہ طفولیت ہی تھا کہ والد گرامی اور جد کریم دونوں اللہ کے پیارے ہوئے جس کی وجہ سے آپ کی تربیت نانا خواجہ فیض بن ابو الفیض بن عبید اللہ کی آغوش محبت میں ہوئی اور مختلف اساتذہ کی خدمت میں تعلیم حاصل کی۔ آپ نے اکبر کے زمانے میں سہ ہزاری منصب حاصل کیا اور جہاں گیر کے زمانے سے دست بردار ہو کر اجیر چلے گئے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی، جیمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر اعتکاف کی اور روحانی فیوض و برکات حاصل کیے پھر اپنے چچا میر عبد اللہ احراری کی خدمت میں رہ کر طریقہ نقش بندیہ اور چشتیہ کی تعلیم حاصل کی اور آگرہ میں مسند شخصیت پر جلوہ افروز ہوتے۔ آپ کا سلسلہ سلسلہ ابو العلائیہ سے مشہور ہے۔ ۹ صفر ۱۰۶۱ھ میں صبح کے وقت آپ کا وصال ہوا، اکبر سال کی عمر پائی۔ شہر آگرہ کے جانب شمال میں دفن ہوئے۔
- ۳۸- آئینہ کاپی، ص: ۹، سید عنایت اللہ عظیم آبادی، عکس نسخہ قلمی
- ۳۹- مآثر الکرام اردو، ص: ۱۶۲، ۱۶۳، علامہ آزاد بلگرامی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف
- ۴۰- تذکرہ مشائخ قادریہ رضوی، ص: ۳۱۸، ۳۱۹، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی، الجمع المصباحی، مبارک پور
- ۴۱- مآثر الکرام اردو، ص: ۱۶۳، ۱۶۴، علامہ آزاد بلگرامی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف
- ۴۲- مآثر الکرام اردو، ص: ۱۶۴، علامہ آزاد بلگرامی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف
- ۴۳- آئینہ کاپی، ص: ۹، سید عنایت اللہ عظیم آبادی، عکس نسخہ قلمی
- ۴۴- آئینہ کاپی، ص: ۹، سید عنایت اللہ عظیم آبادی، عکس نسخہ قلمی
- ۴۵- مآثر الکرام اردو، ص: ۱۶۴، ۱۶۵، علامہ آزاد بلگرامی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف
- ۴۶- تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: مولانا عبد المجتبیٰ رضوی، الجمع الاسلامی، مبارک پار
- ۴۷- تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۱۸، ۳۱۹، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی، الجمع الاسلامی، مبارک پور
- ۴۸- تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۱۹، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی، الجمع الاسلامی، مبارک پور

اہل سنت کی آواز ۲۰۰۹ء	۲۸۹	خصوصی شمارہ: اکابر مارہرہ مطہرہ
۴۹-	ماثر الکرام اردو، ص:.....، علامہ آزاد بلگرامی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف	
۵۰-	آئینہ کالپی، ص: ۱۰، سید عنایت اللہ عظیم آبادی، عکس نسخہ قلمی	
۵۱-	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۲۱، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۵۲-	آئینہ کالپی، ص: ۱۰، ۹، سید عنایت اللہ عظیم آبادی، عکس نسخہ قلمی	
۵۳-	ماثر الکرام، ص: ۱۶۶، علامہ آزاد بلگرامی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف	
۵۴-	آئینہ کالپی، ص: ۹، سید عنایت اللہ عظیم آبادی، عکس نسخہ قلمی	
۵۵-	تاریخ خاندان برکات، ص: ۱۴، سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی، الجمع المصباحی، مبارک پور تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۳۵، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۵۶-	تاریخ خاندان برکات، ص: ۱۳، سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۵۷-	تذکرہ مشائخ عظام، ص: ۴۴۳، مولانا محمد عاصم اعظمی، الجمع الاسلامی، مبارک پور	
۵۸-	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۴۱، ۳۴۲، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۵۹-	سیدین نمبر (ماہنامہ اشرفیہ) مضمون سید امین میاں مدظلہ، ص: ۲۰۲، ۲۰۳، جامعۃ اشرفیہ، مبارک پور	
۶۰-	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۴۰، ۳۴۱، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۶۱-	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۴۰، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۶۲-	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۳۳، مولانا عبد المجتبیٰ المصباحی، مبارک پور	
۶۳-	تذکرہ مشائخ عظام، ص: ۴۴۴، مولانا محمد عاصم اعظمی، الجمع الاسلامی، مبارک پور	
۶۴-	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۳۵، ۳۳۶، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی، الجمع المصباحی، مبارک پور	

اہل سنت کی آواز ۲۰۰۹ء	۲۹۰	خصوصی شمارہ: اکابر مارہرہ مطہرہ
۶۵-	تاریخ خاندان برکات، ص: ۱۵، سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۶۶-	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۴۰، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۶۷-	سیدین نمبر (ماہنامہ اشرفیہ)، ص: ۲۰۵، مضمون امین ملت مدظلہ، جامعۃ اشرفیہ، مبارک پور	
۶۸-	سیدین نمبر (ماہنامہ اشرفیہ)، ص: ۲۰۵، ۲۰۶، مضمون امین ملت مدظلہ، جامعۃ اشرفیہ، مبارک پور	
۶۹-	سیدین نمبر (ماہنامہ اشرفیہ)، ص: ۲۰۶، ۲۰۷، مضمون امین ملت مدظلہ، جامعۃ اشرفیہ، مبارک پور	
۷۰-	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۳۸، ۳۳۹، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۷۱-	سیدین نمبر (ماہنامہ اشرفیہ)، ص: ۲۰۴، مضمون امین ملت مدظلہ، جامعۃ اشرفیہ، مبارک پور	
۷۲-	سیدین نمبر (ماہنامہ اشرفیہ)، ص: ۲۰۴، ۲۰۵، مضمون امین ملت مدظلہ، جامعۃ اشرفیہ، مبارک پور	
۷۳-	سیدین نمبر (ماہنامہ اشرفیہ)، ص: ۲۰۵، مضمون امین ملت مدظلہ، جامعۃ اشرفیہ، مبارک پور	
۷۴-	سیدین نمبر (ماہنامہ اشرفیہ)، ص: ۲۲۷ تا ۲۳۲، مضمون امین ملت مدظلہ، جامعۃ اشرفیہ، مبارک پور	
۷۵-	
۷۶-	تاریخ خاندان برکات، ص: ۱۵، سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۷۷-	تاریخ خاندان برکات، ص: ۱۸، سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی، الجمع المصباحی، مبارک پور	

اہل سنت کی آواز ۲۰۰۹ء	۲۹۱	خصوصی شمارہ: اکابر مارہرہ مطہرہ
۷۸-	تاریخ خاندان برکات، ص: ۱۸، سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۷۹-	شاہ حقانی کا اردو ترجمہ و تفسیر، ص: ۳۷، امین ملت / مولانا ارشد مصباحی، کتب خانہ امجدیہ، دہلی	
۸۰-	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۴۷، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۸۱-	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۴۸، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۸۲-	آثار الکرام، ص: ۲۰۹، علامہ آزاد بلگرامی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف	
۸۳-	شاہ حقانی کا اردو ترجمہ و تفسیر، ص: ۳۷، ۳۸، ۳۹، امین ملت / مولانا ارشد احمد مصباحی، کتب خانہ امجدیہ، دہلی	
۸۴-	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص: ۳۴۹، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۸۵-	تاریخ خاندان برکات، ص: ۱۹، سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۸۶-	تاریخ خاندان برکات، ص: ۲۰، ۱۹، سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۸۷-	آثار الکرام، ص: ۲۱۰، علامہ آزاد بلگرامی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف	
۸۸-	خاندان برکات، ص: ۵۸، سید اولاد رسول برکاتی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۸۹-	آثار الکرام، ص: ۲۱۰، ۲۱۱، علامہ آزاد بلگرامی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف	
۹۰-	تاریخ خاندان برکات، ص: ۸۶، سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۹۱-	تاریخ خاندان برکات، ص: ۸۶، ۸۷، سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی، الجمع المصباحی، مبارک پور	

اہل سنت کی آواز ۲۰۰۹ء	۲۹۲	خصوصی شمارہ: اکابر مارہرہ مطہرہ
۹۲-	تاریخ خاندان برکات، ص: ۹۰، سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۹۳-	تاریخ خاندان برکات، ص: ۹۶، سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۹۴-	تاریخ خاندان برکات، ص: ۸۶، سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی، الجمع المصباحی، مبارک پور	
۹۵-	آثار الکرام، ص: ۲۱۱، ۲۱۲، علامہ آزاد بلگرامی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف	
۹۶-	آثار الکرام، ص: ۲۱۳، علامہ آزاد بلگرامی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف	
۹۷-	آثار الکرام، ص: ۲۰۹، علامہ آزاد بلگرامی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف	
۹۸-	تاریخ خاندان برکات، ص: ۱۷، سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی، الجمع المصباحی، مبارک پور	



شاہ روح اللہ مرید و خلیفہ حضور صاحب البرکات قدس سرہا
ترجمہ: ساحل شہسرامی (علیگ)

- ۱- زبرکات الہ ازمن چہ پرسی کمینہ! مظهر او عرش و کرسی
- ۲- ہم از مہ تابہ ما ہے ہر چہ بنی کنند از خرمن اور خوشہ چینی
- ۳- چہ تاثیر است در جامش نگارا مرا برد و بمن آورد مارا
- ۴- ہزاراں ہچو من نالاں بکولیش بے پروانہ ہا بر شمع رولیش
- ۵- من اورا ذات بابرکات دیدم ندانم ذات یا برکات دیدم
- ۶- بود تادر جہاں آیاتے از ذات من و ورد زبانم نام برکات



- ۱- شاہ برکت اللہ کے مراتب مجھ نالائق سے کیا پوچھتے ہو؟ ارے بندہ خدا ان کی جلوہ گاہ تو عرش و کرسی ہیں۔
- ۲- چاند سے لے کر مچھلی تک تم جسے بھی دیکھو گے، سب ان کے خرمن سے خوش چینی کرتے نظر آئیں گے۔
- ۳- پیارے! اس کے جام میں ایسی حیرت انگیز تاثیر ہے جس نے میرے وجود کو فنا کر کے مجھے میری ہستی سے آشنا کیا۔
- ۴- ہم جیسے ہزاروں اس کے کوچے میں فریاد کناں پڑے ہوئے ہیں اور اس کے رخ زیا کی شمع دل فروز پر بے شمار پروانے نثار ہوئے جاتے ہیں۔
- ۵- میں نے ان کی ذات بابرکات کو دیکھا تو مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ میں نے کسی انسانی پیکر کو دیکھا یا برکتوں کے سرچشمے کو۔
- ۶- کائنات میں جب تک اس کی ذات کی نشانیاں موجود ہیں گی، میں برکات کا نام ورد زباں رکھوں گا۔



اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ

شاہ برکات اے ابو البرکات اے سلطان جود
بارک اللہ اے مبارک بادشاہ امداد گن
عشقی اے مقتول عشق اے خوں بہایت عین ذات
اے زجاں بگوشہ جاناں واصلہ امداد کن
بے خودا و با خدا آل محمد مصطفیٰ
سیدا حق واجدا یا مقتدا امداد کن
اے حریم طیبہ توحید را کوہ احد
یا جبل یا حمزہ یا شیر خدا امداد کن
اے سراپا چشم گشتہ در شہود عین ہو
زاں سب کردند نامت عینیا امداد کن



قاضی غلام شہر حسرت بدایونی

ای خوش آں سرکہ جبین ساست ببابِ برکات
 خرم آں دل کہ بود سینہ کبابِ برکات
 در گہ فقر و غنا بارگہ شای نیست
 با ادب شو بہ در فیض مآبِ برکات
 تادل از جان و جہاں باز نداری نہ ری
 خاک شو تا ببر ندت بخطابِ برکات
 صد چو قلم بخرش آرد چہوں درجوش
 قطرہ کاں چکداز اوجِ سحابِ برکات
 نسبت خادی و رابطہ شینگی
 شکر اللہ کہ دارم بجنابِ برکات
 سبہ دُر بکف وکل جواہر درچشم
 خنک آں دیدہ کہ شد چشم پُر آبِ برکات
 شکر کاں پردگی سرخونی وانہ
 شکل نوری بدر آمد ز نقابِ برکات
 فیض نوری است کہ دارم سر محشر حسرت
 دستے در دامن و دستے بہ رکابِ برکات
 دوش از میکدہ حسرت بسوئے مدرسہ رفت
 در بغل شیشہ و در دست کتابِ برکات

یا ابوالفضل آل احمد حضرت اچھے میاں
 شاہ شمس الدین ضیاء الأصفیا امدادکن
 وحی برجدِ تولایاتل اولوالفضل آمدہ است
 بندہ بے برگ رافضل و غنا امدادکن
 گو نہ ہجرت کردم از اثم و غی ارزم بقرب
 آخراں در رانیم مسکیں گدا امدادکن
 اے کہ شمش و کرامتہائے تو مثلِ نجوم
 اے عجب ہم مہروہم انجم نما امدادکن
 من سرت کردم دے دیگر ز شرق خرق تاب
 آفتابا در شب داجم بیا امدادکن



شیخ ارادت اللہ متولی بدایونی

پا نخلوت نہم از مجلس عام برکات ورد بہ ہر قدمے ساختہ نام برکات
دست در دامن نوری بخیم برکات اے خوش آں روز کہ آیم بسلام برکات
سرمہ چشم کم خاک مقام برکات

ہے فروغ مہ تابندہ کاشانہ عشق مست و پیماں شکن و سرخوش پیانہ عشق
جام در دست و نگاہے سوئے مستانہ عشق آل احمد چو توی ساقی میخانہ عشق
جرعہ بخش مرانیز ز جام برکات

من اسیر خم گیسو و تو جانانہ عشق شمع نازی و من سوختہ پروانہ عشق
عشقیا نیم وسیہ مست ز پیانہ عشق آل احمد چو توی ساقی میخانہ عشق
جرعہ بخش مرانیز ز جام برکات

شہرت و عزت و مکننت، کرم و خرق و شرف فضل ذاتی و ہی داری تو اے درنجف
قیمت گوہر شہوار نباشد ز صدف فخر اجداد سلف ہست ز اولاد خلف
آل احمد شدہ نامی کن نام برکات



مولانا علی احمد سیوانی مصباحی

حمد خوان ذات وحدت، شاہ برکت آپ ہیں
مظہر انوار قدرت شاہ برکت آپ ہیں
واصف ذات رسالت شاہ برکت آپ ہیں
عاشق حسن نبوت شاہ برکت آپ ہیں
کیوں نہ ہوں سچائیوں کی شہرتیں عالم میں آج
پیکر صدق و صداقت شاہ برکت آپ ہیں
خوشبوئے کردار پر قرباں ہیں گل کی نزہتیں
نکھتہ بارغ شریعت شاہ برکت آپ ہیں
آپ کی نظروں سے پی کر رہند سارے مست ہیں
ساقی جام محبت، شاہ برکت آپ ہیں
کیوں نہ قدموں سے لپٹ کر غلد کی جانب چلوں
رہنمائے راہ جنت شاہ برکت آپ ہیں
آپ کے قدموں کا دھوون کہکشاں کا نور ہے
سُرمہ چشم بصیرت شاہ برکت آپ ہیں
عالمان حق نگر کے واسطے شام و سحر
وجہ تسکین و مسرت شاہ برکت آپ ہیں
کفر کی آبادیاں سب جل کے خاکستر ہوئیں
شعلہ عشق رسالت شاہ برکت آپ ہیں
کفر گھبراتا ہے سن کر نام نامی آپ کا
قاطع اشجار بدعت شاہ برکت آپ ہیں

شعلہ عشق نبی سے دل ہوا جل کر کباب

سوز و ساز عشق والفت شاہ برکت آپ ہیں

اپنے دامن کیوں نہ پھیلائیں درِ دُر بار پر

بحرِ الطاف و عنایت شاہ برکت آپ ہیں

غوثِ اعظم خواجہ بغداد کے فیضان سے

نازشِ اہل ولایت شاہ برکت آپ ہیں

آپ کی ہر اک ادا میں ہے جھلکِ حسنین کی

سرورِ عالم کی سیرت شاہ برکت آپ ہیں

ہر ضرورت مند کی کرتے ہیں پوری حاجتیں

موجِ دریا ئے سخاوت شاہ برکت آپ ہیں

حشر تک سایہ رہے گا سر پہ یوں سرکار کا

غوثِ اعظم کی کرامت شاہ برکت آپ ہیں

نعتِ سرکارِ مدینہ گنگنانے کے سبب

حشر تک ممدوحِ ملت شاہ برکت آپ ہیں

کیوں نہ اہل حق رہیں دامن سے ہر دم منسلک

ہاں کلیدِ قفلِ جنت شاہ برکت آپ ہیں

اہل عالم کے دلوں کی کھیتیاں شاداب ہیں

فضلِ رب سے ابرِ رحمت شاہ برکت آپ ہیں

تاجِ سر بن جائیں سلطانوں کے جس گلشن کے پھول

اس حسین گلشن کی زینت، شاہ برکت آپ ہیں

دل کی کلیاں پھول بن جاتی ہیں جس کے لمس سے

وہ نسیم صبحِ رحمت، شاہ برکت آپ ہیں

دل کے سب افکار میرے جل کے خاکستر ہوئے

عشقِ سرور کی حرارت شاہ برکت آپ ہیں

میں ہوں رضوی منظری برکاتی و نوری علی

مشفق من در حقیقت، شاہ برکت آپ ہیں



ساحل شہسرامی (علیگ)

ترا وجودِ سعادت تھا ماہ پارہ شب

ترے نقوشِ قدم بن گئے ستارہ شب

مدینہ، واسطہ و غزنی، زمین مارہرہ

ہر ایک گام پہ چکا ترا نظارہ شب

سمائے ہستی کا ہر گوشہ تو اُجال گیا

شرارِ عشق سے بچتا کہاں کنارہ شب

وہ تیری عشق کی وادی، وہ بے دلوں کا ہجوم

و فورِ نعرہ مستان سے پُر شمارہ شب

ہر ایک سانس تری وقفِ یادِ حسنِ ازل

ہر ایک گام ترا رنگِ شاخسارہ شب

فنا کی گود میں پل کر بقا جوان ہوئی

بسوئے موجِ وحدت چلا شکارہ شب

دلوں میں پیر گیا نورِ جلوہ عشقی

ترا کرم تھا جو پورا ہوا خسارہ شب

یہ آل و شاہ، یہ عینی، ہے شاہِ حقانی

ترے نقوشِ سحر تھے، بنے تھے چارہ شب

یہ شبِ گزیدہ، یہ ساحل، تمہارے در کا گدا

نوازدو بھی اسے، ہو سکے گذارہ شب

اسد العارفین سید شاہ محمد حمزہ عینی قدس سرہ

ساحل شہسرامی (علیگ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

ع آل احمد غنڈ بیدی، یا سید حمزہ کن مددی
اسد العارفین سید شاہ محمد حمزہ عینی قدس سرہ، علم و فضل کا مسکراتا چمن اور طہارت
باطن کا دلکش نگار خانہ تھے۔ آپ کی ذات گرامی سراپا انجمن اور کمالات و محاسن کا شاداب
گلستاں تھی۔ آپ جلال و جمال، فضل و کمال، جود و نوال میں نہایت ممتاز اور عرفان الہی کا
مینارہ نور تھے۔ زیر نظر تصنیف آپ کے جملہ محاسن کی خوبصورت ترجمان ہے۔
حضرت عینی کے گوشہ ہائے حیات کے اجمالی تعارف کا آغاز، حضرت کے
خاندانی پس منظر سے کرتا ہوں۔

خاندانی پس منظر:

لائی ہے اس آفتاب دیں کی تحویل جلیل
ساغر مارہرہ میں صہبائے جام بلگرام
(امام احمد رضا قدس سرہ)
مارہرہ مطہرہ کے سادات کرام سیدنا زید شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رشتہ نسب
رکھتے ہیں۔ حضرت زید شہید، سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بڑے چہیتے،
فقیہ، شجاع اور صاحب تدبیر و بصیرت شاہزادے ہیں۔ حضرت زید کے شاہزادے سیدنا
عیسیٰ موتمن الاشبال قدس سرہما نے اپنے والد ماجد کی شہادت کے بعد گمنامی کی حالت میں



اسد العارفین
سید شاہ محمد حمزہ عینی قدس سرہ

بہت پوشیدہ رہ کر زندگی مبارک گذاری اور بہت کوشش اور بے پناہ جستجو کے باوجود ظالموں کے ہاتھ نہ آئے اور کوفہ میں وصال محبوب سے شاد کام ہوئے۔ ظالموں کے ظلم سے تنگ آ کر حضرت مومن الاشبال کی چوتھی نسل میں سیدنا سید علی عراقی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کوفہ اور بصرہ کے وسط میں لب دجلہ شہر واسط میں قیام پذیر ہوئے جسے حجاج بن یوسف ثقفی نے ۶۰ھ میں آباد کیا تھا۔ یہاں کا قلم بہت شہرت رکھتا تھا اس لیے اسے ”واسط القصب“ بھی کہتے ہیں۔ حضرت میر عبد الواحد بلگرامی اسی رمز کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

دانی کہ خوش نویسی ماز برائے چیست
مائیم واسطی قلم نیز واسطی ست

(اصح التواتر - مطبوعہ کراچی، ص ۱۵۶)

امیر بلد کے اصرار بے جا پر حضرت سید علی عراقی کی چھٹی پشت میں سیدنا سید ابوالفرح واسطی، سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں واسط سے ہجرت کر کے غزنی تشریف لائے۔ ساتھ میں آپ کے چاروں شاہزادے سید ابوفراس، سید ابوالفضائل، سید داؤد اور سید معزال دین بھی تھے۔ جب واسطی امیر کو اپنے کئے پر ندامت ہوئی تو اس نے حضرت سید ابوالفرح کی خدمت اقدس میں عریضہ لکھ کر دوبارہ واسط تشریف آوری کی درخواست کی، حضرت واسطی کچھ دنوں بعد اپنے صاحبزادے سید معزال دین کے ساتھ واسط واپس تشریف لے گئے لیکن آپ کے تین شاہزادوں نے ہندوستان کا رخ کیا۔ سید ابوفراس نے جاجیر، سید ابوالفضائل نے چھاترود، اور سید داؤد نے تھن پور کو قامت کے واسطے منتخب فرمایا۔

بلگرام تشریف آوری:

سیدنا سید ابوفراس واسطی قدس سرہ کے پوتے حضرت سید حسین قدس سرہ وہ پہلے فرد فرید ہیں جنہوں نے بلگرام تشریف کو اپنی درویشانہ سیاحت کے دوران قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا لیکن باضابطہ طور پر آپ کے پوتے سید محمد معروف بہ دعوت الصغر فی قدس سرہ نے سلطان شمس الدین اتمش کے زمانے میں فاتحانہ شان سے بلگرام میں قدم رکھا اور کفر و ستم کی ظلمتوں میں ڈوبے ہوئے اس خطہ ارضی کو اسلام کی دلکش ضیاءوں سے بقیعہ نور بنا ڈالا۔ ۶۱۴ھ میں ”سری نگر“ کی جلیل الشان مبارک فتح کی مسرت میں یہ علاقے دربار

سلطانی سے بطور جاگیر نذر کئے گئے۔ آپ نے سری نگر کا نام ”بلگرام“ تجویز فرمایا جو ہمیشہ شوکت اسلامی اور باطل پر حق کی فتح مبین کی یاد دلاتا رہے گا۔

بلگرام کی سرزمین زیدی شاہزادے سیدنا سید محمد دعوت الصغر فی کے قدموں سے کیا سرفراز ہوئی کہ سرچشمہ فیض و کرم بن کے رہ گئی۔ اس ارض پاک سے علم و فن اور زہد و اتقا کے وہ آفتاب طلوع ہوئے جنہوں نے اپنی ضیاءوں سے عالم میں اجالا کر ڈالا۔ سیدنا میر عبد الواحد بلگرامی صاحب سبع سنابل شریف، سید العارفین سید شاہ محمد طیب چشتی، حضرت علامہ سید عبد الجلیل نامی بلگرامی، حسان الہند عالمی شہرت یافتہ مورخ، شاعر، ادیب علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی صاحب سرو آزاد، حضرت علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی بلگرامی صاحب تاج العروس وہ ناموران اسلام ہیں جن کے علمی اور روحانی فیوض طبقاتی اور جغرافیائی سرحدوں سے آزاد ہو کر سارے عالم میں پھیل گئے۔ یہ خطہ پاک ہر دور میں سلاطین، امراء، علماء، ادباء اور عوام و خواص کا مرکز عقیدت رہا ہے۔ ذیل کے اشعار اس ارض پاک کی عظمت، لطافت اور پاکیزگی کی خوب ترجمانی کرتے ہیں:

سبحان اللہ! چہ بلگرامے
کوثر مئے و آفتاب جامے

خاکش گل نو بہار عشق است
آبش مئے خوشگوار عشق است

از عشق سرشتہ ایزد پاک
در روز ازل خمیر ایں خاک

(علامہ سید عبد الجلیل نامی بلگرامی)

سیر باید کرد یاراں نو بہار بلگرام
برز مردنا ز دار و سبزہ زار بلگرام

ہر نفس عطر گلستان یمن بومی کند
خوش دماغاں از نسیم مشک بار بلگرام

شش جہت تنگست بر جولان رخس ہمنشین
بر فراز عرش تاز و شہسوار بلگرام

یاد ہندستان کجا از خاطر طوطی رود
می کند شاعر بجا وصف دیار بلگرام
(میر سید محمد شاعر بلگرامی)

(مقدمہ سبع سنابل شریف، پروفیسر محمد ایوب قادری)

اور ماضی قریب کے امام اہل سنت، مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری
برکاتی قدس سرہ اپنے منفرد لب و لہجہ میں اس سرزمین کو عقیدتوں کی سچی نذر پیش کرتے
ہوئے فرماتے ہیں:

اللہ عز و شان واحترام بلگرام
عبدالواحد کے سبب جنت ہے نام بلگرام

آسمان عینک لگا کر مہر و مہ کی دیکھ لے
جلوۂ انوار حق ہے صبح و شام بلگرام

یادگار اب تک ہیں اس گل کی بہار فیض کے
خند ہائے گل رخاں لالہ فام بلگرام

لائی ہے اس آفتاب دین کی تحویل میں
ساغر مارہرہ میں صہبائے جام بلگرام
(حدائق بخشش حصہ سوم - مطبوعہ بریلی)

مرغزار مارہرہ کی طرف:

بلگرامی بزرگوں میں سب سے پہلے سیدنا میر عبدالواحد شاہیدی بلگرامی قدس سرہ
کا مارہرہ مطہرہ سے گذر ہوا۔ جب آپ اپنے پیر و مرشد مخدوم شاہ صفی قدس سرہ کی زیارت
کے لیے سکندر آباد تشریف لے جا رہے تھے۔ بخاری سادات مارہرہ کے یہاں حضرت کا
چند دن قیام رہا، چند افراد داخل سلسلہ بھی ہوئے (اصح التواریخ ص ۲۰۹)۔ لیکن مستقل
طور سے مارہرہ کے افق پر بلگرامی ابرکرم حضرت میر صاحب کے شاہزادے سیدنا میر
عبدالجلیل چشتی بلگرامی قدس سرہ کی صورت میں سایہ فگن ہوا پھر

ع جھوم کے اٹھی گھٹا، ٹوٹ کے برس پانی

مارہرہ مطہرہ:

مارہرہ مطہرہ کی خاک، ہر روان عشق کے لیے ہمیشہ پرکشش رہی۔ اس کا محل
وقوع ہی ایسا ہے کہ دلکشی آپ ہی اس پر فدا ہوا چاہتی ہے۔ گنگا اور جمن کے درمیان اس دو
آبہ میں قدرت نے ایسی زرخیزی رکھی ہے کہ ہر سمت ہریالی ہی ہریالی نظر آتی ہے۔
خوبصورت پھولوں کی کیاریاں، پھولوں سے لدے پھندے درختوں کی قطاریں، باغات کا
ہجوم، ذرا سے فاصلے سے ندی اور نہر کے دو متوازی سلسلے بڑے فرحت بخش اور سرور افزا
ہیں۔ یہاں کے پھل خصوصاً آم اور بیر دور دور تک شہرت رکھتے ہیں۔ اترنجی کھیڑہ جہاں
سیدنا میر عبدالجلیل چشتی قدس سرہ کو ولایت مارہرہ کی بشارت ہوئی تھی، مارہرہ مطہرہ کے
مضافات میں بڑا پرسکون علاقہ ہے اور یاد الہی کے واسطے بہت موزوں۔ وہاں کا قلعہ جسے
شہاب الدین غوری نے بارودی سرنگ سے زیر و زبر کر ڈالا تھا اب بھی ویرانوں کی ساری
دلچسپیاں رکھتا ہے۔

مارہرہ کی بستی سروپ گنج کی تشکیل تو ہے جو پہلے ذرا سے فاصلے پر آباد تھی۔
علاء الدین خلجی نے یہاں کے رہنوں کی شرارت سے غضب ناک ہو کر اسے بالکل تہس
نہس کر ڈالا۔ اب اس خطہ کے دامن میں چند ویرانوں اور بنجر زمینوں کے سوا کچھ نہ تھا
۶۹۹ھ میں خلجی کے ضلع دار راجہ منی رام نے سروپ گنج سے ذرا ہٹ کر ایک ویرانے میں
نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ چونکہ اس سرزمین کو تباہی کے بعد نئی زندگی ملی تھی، اس لیے اسے
ماڑ + ہرہ کہنے لگے۔

اس سرزمین میں پہاڑوں کی عظمت، سبزہ زاروں کی دلکشی، ویرانوں کا سکون اور
باغات کی دل آویزی تھی اس لیے جہاں یہ ارباب دل کا مرکز توجہ رہی، وہیں اس کے منفی
اثرات بھی نمایاں رہے۔ ویرانی اور سکون کا فائدہ اٹھا کر سروپ گنج کے تباہ حال باشی
دوسروں پہ دست اندازی کرنے لگے جو رفتہ رفتہ ان کی فطرت ثانیہ بن گئی۔ جب حضور
صاحب البرکات رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سرزمین کو اپنی برکتوں سے سرفراز فرمایا، اس
وقت بھی یہ اثرات یہاں کے باشندوں میں نمایاں تھے۔ حضرت خود ایک دوہے میں
فرماتے ہیں:

ہم باسی ”سری نگر“ کے آئے بسے سب چھوڑ
مارہرے سے نگر موموں جہاں ساہ نہیں چور

ہم پورب کے پور بیا، جات نہ بوجھے کوئے
جات پات سو بوجھئے جو دھر پورب کا ہوئے

(اصح التوارخ ص ۱۷۰)

اس سرزمین پہ اسلام کی پہلی کرن کب پڑی۔؟ یہ ایک تحقیق طلب گوشہ ہے۔
البتہ علم کی حد تک تاریخ یہ بتاتی ہے کہ شہاب الدین غوری کے زمانے میں اسلامی فوج کے
قدم یہاں تک پہنچے، جب راجہ بین کے پایہ تخت اترنجی کھیرہ کے قلعہ پر غوری نے
دھاوا بولا تھا۔ اس جنگ کی یادگار حضرت حسین شہید کا مزار مقدس ہے جہاں پہلے پہل سیدنا
میر عیدالجلیل قدس سرہ مراقب ہوئے (شاہ برکت اللہ ص ۱۷۰)۔ حضور صاحب
البرکات کے جد کریم حضرت میر عبدالواحد بلگرامی، اپنے مخدوم مرشد حضرت شاہ صفی قدس
اسرار ہم متوفی ۹۳۳ھ کی زیارت کے واسطے دسویں صدی کے اوائل میں جب مارہرہ سے
گذرتے تھے تو آپ کا قیام سادات بخاری کے محلے میں ہوا کرتا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا
ہے کہ مارہرہ مطہرہ کی سرزمین اُس وقت نہ صرف اسلام کی لازوال برکتوں سے سرفراز تھی
بلکہ خاندان نبوت کا فیضان بھی بدرکامل کی مانند اس کے افق پہ درخشاں تھا۔

اسی بستی میں کنبہ اور گوندل قوم کا عروج رہا۔ گوندل تو بہت شریعہ تھے لیکن کنبہ
شریف اور مودب قوم تھی۔ سیدنا شاہ حمزہ عینی قدس سرہ نے کاشف الاستار شریف میں اس
قوم کی شرافت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ”بادب بانصیب“ کا فیضان اس قوم پر ہمیشہ سایہ فگن
رہا۔ اسی لیے ریاست، وزارت اور عدالت صدیوں سے اس میں چلی آتی ہے۔ اس قوم کا
تعلق ملتان اور اس کے مضافات سے ہے، جہاں اب بھی ہندو کنبہ ملتے ہیں۔ ان کے آباء
واجداد حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی اور آپ کے شاہزادے حضرت صدرالدین قدس
سرہما کے دست کرم پر ایمان لائے اور ملک کے مختلف گوشوں میں پھیل گئے۔ مارہرہ مطہرہ اور
اس کے مضافاتی علاقے میرٹھ، بریلی، سنہل، علی گڑھ، دھول پور، گوالیار وغیرہ میں ان کی
نسلیں پائی جاتی ہیں۔ ان کی سلیم الطبعی کے بارے میں حضرت عینی تحریر فرماتے ہیں:

”ان کے سارے طرز عمل پسندیدہ ہیں اور شرافت و دانائی ان کے تلازمے۔ ان

کی قربت داریاں اور رشتے دوسری قوموں میں نہیں ہوتے۔ اس قوم میں عالی شان امراء
گذرے ہیں جیسے نواب شہباز جہان اکبری، نواب ابو محمد خان، بہادر خان، نواب خیر اندیش
خان عالمگیری وغیرہ۔ یہ سبھی بہت فیاض، حوصلہ مند اور ہمت و سخاوت کے پیکر تھے۔
(کاشف الاستار فارسی ص ۳۹۳)

مارہرہ مطہرہ میں اس قوم کی باضابطہ بنیاد خواجہ محمد امین اور خواجہ محمد حسن کے ہاتھوں
پڑی جو ۹۳۸ھ میں ملتان سے آکر اپنے ہم قوم خواجہ عماد الدین کے پاس ٹھہرے اور عارف
باللہ مخدوم ظہیر الدین مارہروی قدس سرہ سے تحصیل علم کی۔ جب شیرشاہ سوری تخت شاہی
پر متمکن ہوئے تو انہوں نے مارہرہ کی قانون گوئی خواجہ حسن کے سپرد کی۔

کاشف الاستار شریف میں ہے:

”جب شیرشاہ نے شہر مارہرہ میں خواجہ محمد امین کے چھوٹے بھائی خواجہ حسین کنبہ
کو صاحب علم و فراست دیکھا تو ۹۴۹ھ میں انہیں مارہرہ کا قانون گو بنا دیا۔ اُس وقت سے
اس خاندان میں شہر مارہرہ کی ریسی چلی آتی ہے۔“ (ایضاً)
مارہرہ میں شیوخ انصاری بھی معزز اور ممتاز تھے۔ قضا، افتا اور متولی گری کے
عہدے ہمیشہ ان سے وابستہ رہے۔

حضرت میر عبدالجلیل چشتی قدس سرہ:

حضرت میر عبدالواحد بلگرامی کے بڑے شاہزادے سیدنا میر عبدالجلیل قدس سرہ
ہما بارہ سال جذب و بے خودی میں صحرا نوردی کرتے رہے۔ اس مستانہ سیر کے دوران
”اترنجی کھیرہ“ سے گذر ہوا۔ یہاں حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کو کھیر کھلائی اور یہ مژدہ
دیا کہ آپ کو مارہرہ کی ولایت سپرد ہوئی ہے۔ آپ وہاں تشریف لے جائیں اور ہدایت
خلق میں مشغول ہوں۔ آپ عالم ہوش میں آکر مارہرہ کو روانہ ہوئے۔ ادھر رئیس مارہرہ
چودھری وزیر خان قانون گو، آقائے دو جہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد
کے مطابق دیگر معززین شہر کے ہمراہ حضرت کے استقبال کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں حضرت
سے ملاقات ہوئی۔ حضرت مخدوم ۱۰۱ھ میں مارہرہ تشریف لا کر چودھری وزیر صاحب
کے دیوان خانے میں قیام پذیر ہوئے اور پھر حضرت شاہ بدرالدین شاہ ولایت کے مقبرے

کے قریب آپ کی خانقاہ اور مسجد تعمیر ہوئی۔ حضرت نے یہاں بخاری سادات کے گھرانے میں دوسرا عقد بھی فرمایا جن کی نسل سے دو صاحبزادے تولد ہوئے، لیکن عالم شباب ہی میں وادی جذب کے راہی ہو کر کوہستانی علاقے کی طرف تشریف لے گئے پھر کچھ پتہ نہ چلا۔

بلگرامی حرم سے آپ کے چار شاہزادے: ۱- سید ابوالفتح، ۲- سید اولیس، ۳- سید محمد، ۴- سید ابوالخیر اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ دوسرے شاہزادے سید الراحمین سید شاہ محمد اولیس بلگرامی، حضور صاحب البرکات سید شاہ برکت اللہ قدس سرہما کے والد ماجد ہیں۔ سیدنا شاہ محمد اولیس بلگرامی قدس سرہ کا قیام مارہرہ مطہرہ اور بلگرام شریف دونوں جگہ رہتا لیکن وقت اجل بلگرام شریف میں تھے اس لیے وہیں تدفین ہوئی۔

حضور صاحب البرکات:

مارہرہ کے افق پہ حضور صاحب البرکات سیدنا شاہ برکت اللہ قادری قدس سرہ آفتاب نیم روز کی مانند درخشاں تھے۔ آپ کے دم قدم سے اس خطہ ارضی کو بے پناہ برکت اور شہرت حاصل ہوئی۔

آپ حضرت سید شاہ اولیس بلگرامی قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ حضرت کے فضائل و مناقب اور کمالات و محاسن شمار سے بالاتر ہیں۔ آپ بیک وقت ظاہری اور باطنی علوم کے شناور، ادیب، مصنف، محقق، شاعر اور صاحب حال مرتاض بزرگ تھے۔ قرب الہی کی وہ بلند ترین منزلیں آپ کو نصیب تھیں جو فقط عطائے الہی کہی جاسکتی ہیں۔ طلب مولیٰ کی راہ میں آپ کی ریاضتیں اور مجاہدات اپنی آخری حدوں کو چھو رہے تھے۔ ۲۶ سال تک کا زمانہ مسلسل صوم کی حالت میں گزرا، صرف ایک کھجور سے افطار فرماتے۔ مدتوں استغراق اور محویت کا عالم طاری رہتا۔ دنیا سے بے نیازی اور مطلوب حقیقی سے نیاز آپ کا مشغلہ تھا۔ نفس جس کبیر بطریق صعود فرماتے، رات دن میں دوسانس لیتے، تین برس تک آپ کی مادی غذا و فلوں آب برنج رہی۔ ڈکار اور جمائی کبھی نہ آئی۔ خندہ اور قہقہہ کبھی نہ سرزد ہوا۔ کھیر کے جنگلوں میں آبلہ پائی اور ذکر الہی میں سرمستی اور سرشاری آپ کے رفیق تھے۔ ذکر خداوندی اور ذکر جاروب جیسے مشکل ترین اشغال میں مصروفیت رہتی۔ انہی مشقت خیزیوں کے اثرات تھے کہ تالوئے اقدس اتر آیا تھا اور جگر شریف بھی بے حد

متاثر رہتا۔ یہاں تک کہ نعرۃ الست کی جوشش وہ اثر ڈالا کرتی کہ گوشت اور خون کے قطرات گرا کرتے۔ ایسے لحاظ میں بھی نعرۃ متانہ سے ماحول میں محویت اور بے خودی کی فضا طاری کر دیتے۔

حضور صاحب البرکات رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۰۷۰ھ — ۱۱۴۲ھ) کی روحانی تربیت اور نسبتیں، والد ماجد شاہ محمد اولیس، سید العارفین سید شاہ لطف اللہ بلگرامی عرف شاہ لدھا، عم زاد سید مرثی بن سید عبدالنبی، سید غلام مصطفیٰ ابن سید شاہ فیروز بلگرامی اور قطب الکاملین سید شاہ فضل اللہ کاپوی قدس سرہما کے دامان کرم سے وابستہ رہیں لیکن بغدادی عشق کی بدولت قادری فیضان سب پر غالب تھا۔ اس لیے اسی سلسلے کو کاپوی نسبت سے فروغ دیا اور سرکار بغداد کا اولیٰ فیضان آپ کی راہ سلوک میں قدم قدم پہ راہبر رہا۔ حضرت کے دست کرم پہ سینکڑوں غیر مسلم دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔ ہزاروں افراد گناہوں سے تائب ہو کر داخل سلسلہ قادریہ برکاتیہ ہوئے۔

حضور صاحب البرکات، صاحب تصنیف و سخن تھے۔ چہار انواع، رسالہ سوال و جواب، عوارف ہندی، وصیت نامہ، بیاض اعمال واذکار، بیاض باطن، بیاض ظاہر، رسالہ تنکیر، تفسیر سورہ فاتحہ، رسالہ واردات التوحید، ارشاد السالکین، رسالہ عقائد صوفیہ، رسالہ عمل معمول، رسالہ اشارۃ ہندی، نشر فارسی میں، روائح اردو میں اور دیوان عشقی، ترجیع بند، مثنوی ریاض العاشقین نظم فارسی، اور پیچ پرکاش نظم ہندی میں آپ کی علمی یاد گاریں ہیں۔

آپ کے دو شاہزادے حضرت سید شاہ آل محمد اور سید شاہ محمد نجات اللہ اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ قدس سرہما۔ سیدنا شاہ آل محمد ہمارے مصنف کے والد ماجد ہیں۔ حضرت صاحب البرکات قدس سرہ کی شورش عشق کی واردات تو اصل کتاب اور حضرت کے خلفائے کرام کے حالات میں ملاحظہ کیجئے۔ میں تو یہاں صرف اسی کا شرف الاستار شریف کے چند اقتباس پر اکتفا کرتا ہوں۔ حضرت عینی رقم طراز ہیں:

”حضور صاحب البرکات کی محفلوں کے حالات اور آپ کی کرامات و تصرفات لکھنے کے لیے ایک علیحدہ کتاب چاہیے۔ مشہور تھا کہ صاحب البرکات، سالک کو دو تین دن میں منزل مقصود تک پہنچا دیتے اور وصال الہی سے شاد کام کر دیتے ہیں۔ چکی

پینے والی لونڈیاں اور نو دس سال کے بچے بھی ذکر الہی سے غافل نہ تھے۔ یہ مثل تو ساری زبانوں پہ جاری تھی کہ مارہرہ کے چند و پرند بھی توحید کی بولی بولتے ہیں۔۔۔۔۔ کیا زمانہ تھا کہ رات کے وقت فقراء پیغمگر کی شمالی سرائے میں، کوئی مشرق کی سمت، کوئی اس طرف، کوئی اس طرف جانسوز نعروں اور دگدگانوں کے ساتھ قربان ہوئے جاتے تھے۔ دنیا داروں کی بھی یہی حالت تھی۔

اس وقت کی یاد عجیب کیفیت پیدا کرتی ہے اور جگر پر ایک چرکہ لگتا ہے کہ دل ایسوں کی فرقت سے بے تاب اور جگر کباب ہوئے جاتے ہیں۔
پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے
وے عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے“

(کاشف الاستار شریف قلمی ص: ۱۰۷)

حضرت کے فضل و کمال کا شہرہ جب چار دانگ عالم میں پھیلا تو ایک خلقت آپ کے گرد سمٹ آئی۔ فقرا اور طالبان راہ سلوک کا ہجوم رہتا۔ عوام و خواص دونوں آپ کی بارگاہ کرم میں حاضر ہو کر فوراً خالق حقیقی سے لو لگا لیتے۔

کاشف الاستار شریف کے بیان کے مطابق:

”یہ بات عام طور سے مشہور تھی کہ جو بھی حضور صاحب البرکات کی بارگاہ میں حاضری کے ارادے سے چلتا اور سرائے پیغمگر کی آبادی پر جیسے ہی پہلی نگاہ پڑتی، اس کا دل خود بخود دنیا سے سرد ہو جاتا.....

ہمیشہ یہی حالت ہوا ہو برپا رہتی۔ معلوم ہوتا تھا کہ خانقاہ جیسے ماتم خانہ ہو۔ اطراف و جوانب سے جو شخص بھی آتا، اس کے ماں باپ اور رشتہ دار اسے نصیحت کرتے کہ دیکھو حضور صاحب البرکات کی خانقاہ میں نہ جانا کیونکہ جو بھی وہاں جاتا ہے یا تو فقیر ہو کے نکلتا ہے یا کاروبار دنیا سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔“

حضور صاحب البرکات قدس سرہ کی بارگاہ میں سلاطین و امرا نیاز مندانہ حاضر ہوتے اور حلقہ غلامی میں داخل ہوتے۔ تاج العلماء حضرت علامہ سید اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں:

”حضرت اور حضرت کے خلفا کا شہرہ کمال چاروں طرف پہنچا۔ شہانِ دہلی

اورنگ زیب عالمگیر سے لے کر محمد شاہ رنگیلے تک حضرت کی خدمت میں نیاز نامے بھیجا کرتے تھے اور بہت سے امرائے نامی داخل سلسلہ بیعت بھی ہوئے۔“

(تاریخ خاندان برکات ص ۱۴)

حضرت کے درویشوں میں شاہ عبداللہ، شاہ میم، شاہ مشتاق البرکات، شاہ من اللہ، شاہ راجو، شاہ ہدایت اللہ، شاہ روح اللہ، شاہ عاجز، شاہ عاشق البرکات راہ سلوک کے نورانی منارے تھے۔ ان میں شاہ مشتاق البرکات اور شاہ راجو بڑے صاحب کمال تھے اور پکے طالب صادق۔ حضرت عینی فرماتے ہیں:

”میرے والد ماجد سید شاہ آل محمد قدس سرہ فرماتے تھے کہ سلسلہ برکات میں شاہ مشتاق البرکات اور شاہ راجو کے سوا کوئی طالب صادق نہ پہنچا۔ دوسرے فقرا صرف طلب لے کر آئے اور اُس رہبر کامل کی صحبت کی برکت سے ان کی طلب کامل ہو گئی۔“

حضرت صاحب البرکات اپنے کمالات روحانی پر خفا کا پردہ ڈالے رہتے۔ حتیٰ کہ آپ کا کوئی درویش بھی اس روش سے باہر قدم رکھتا تو اس سے سخت ناراض ہوتے بلکہ اپنے حلقہ درویشاں سے خارج کر دیتے۔ شاہ ہدایت اللہ کا حیرت انگیز واقعہ اسی کاشف الاستار میں مذکور ہے۔ حضرت عینی رقم طراز ہیں:

”ایک دن ایک سنار اپنے بیمار بچے کو لے کر دعائے صحت کے لیے حاضر خدمت ہوا۔ حضرت صاحب البرکات نے جیسے ہی کچھ پڑھ کر بچے پر دم کیا، اس کا دم نکل گیا۔ سنار آہ وزاری، نالہ و فریاد کرتے ہوئے بچے کو بڑے دروازے تک لے گئے، جو شاہراہ عام پر واقع ہے پھر وہاں سے مردہ بچے کو ڈولی پر لا کر لے گئے۔ وہ کہتے جارہے تھے کہ ہم تو اس بچے کو صبح یاب کرنے کی تمنا لے کر آئے تھے اور وہ تو زندہ بھی نہ بچا۔ شاہ ہدایت نے، جو ایک سرمست انسان تھے، ان سے راستے ہی میں ملاقات کی اور کہا: ”تم لوگ ہمارے شیخ پر کیا الزام لگا رہے ہو؟“۔ حالات دریافت کر کے شاہ ہدایت مردہ بچے کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا:

”پیر کے حکم سے اٹھ جا کہ بچے تیرے ساتھ کھیلنے کے منتظر ہیں۔“

وہ بچہ فوراً زندہ ہو کر بیٹھ گیا۔ اس واقعہ سے تو سناروں میں غل ہی مچ گیا اور مردوں اور عورتوں میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ سب کے سب پیغمبرائے کی جانب رخ

کر کے سجدے میں گر پڑے۔ جب حضرت صاحب البرکات نے یہ بات سنی تو شاہ ہدایت کی طریقت رد کردی اور ان کی ولایت سلب کر لی اور خانقاہ بلکہ شہر سے باہر نکال دیا۔ سبحان اللہ! اس واقعے سے حضرت صاحب البرکات کے مزاج عالی کا حوصلہ سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ شیخی اور مشیخت کے اظہار سے کس قدر بیزار تھے اور تسلیم و رضا کی راہ میں کس قدر ثابت قدم۔“ (کشف الاستار شریف قلمی ص ۱۸۸-۱۸۹)

حضرت صاحب البرکات کے آستانہ فیض سے حضرات مجاذیب، خواتین بلکہ سنیا سیوں اور ہندو جوگیوں نے بھی فیض اٹھایا جنہیں بعد میں حضرت کے فیضان نظر سے اسلام کی توفیق نصیب ہوئی۔ میں یہاں ایک نٹ خاتون کا واقعہ نقل کرتا ہوں جو بڑی عارفہ کاملہ ہوئیں۔ یہ واقعہ مارہرہ کے اطراف میں بھی زبان زد عام ہے۔ حضرت اسد العارفین سید شاہ محمد حمزہ عینی تحریر فرماتے ہیں:

”شاہ ماما بانی نٹ قوم کی ایک بی بی تھیں اور اپنے پیشے میں طاق۔ شاہ صادق اور شاہ بے ریا بڑے گہرے دوست تھے اور حضرت صاحب البرکات کے احباب میں سے تھے۔ قصبہ بھرگین میں جو مارہرہ سے مشرق کی جانب دو منزل کے فاصلے پر واقع ہے، خانقاہ تعمیر کر کے وہیں ایک ساتھ رہتے تھے۔ یہ بی بی اپنے خویش واقارب کے ساتھ نٹ بازی کے ساز و سامان سے آراستہ ہو کر وہاں پہنچی اور تماشا دکھانا شروع کیا۔ بانس لکڑی وغیرہ درست کر کے کچھ گانے لگی۔ اسی دوران شاہ صادق پر ایک گہری کیفیت طاری ہوئی اور حضرت صاحب البرکات کا یہ دوہرہ ان کی زبان پر جاری ہو گیا:

سللو بانس پریم من ننوا کون پیل

جو نائی نو نٹ نہیں، یہ نٹ باقی کھیل

اور بے اختیار گر کر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ اس فیض بار دوہرے کون کر اس عورت کا دل اس دنیا سے سرد ہو گیا اور وہاں سے بے تابانہ اٹھ کر دست بستہ شاہ صادق کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی اور اپنی قوم سے کٹ کر صادق خانقاہ میں اس آستانے کی خاک سر آنکھوں سے لگاتے ہوئے حاضر ہوئی۔ اس کے ہمراہیوں نے گرچہ بہت شور مچایا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ شاہ صادق اسے ساتھ لے کر حضرت صاحب البرکات کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے باہر ہی چھوڑ کر حضرت کے سامنے اس کے حالات عرض کئے۔ چونکہ وہ

عورت جوان اور حسن صورت سے مالا مال تھی، اس لیے اسے سامنے آنے کی اجازت نہ ملی۔ اسے محل سرائے میں بھیجنا ہی مناسب خیال فرمایا۔ مغرب کے بعد تاریکی میں حاضر بارگاہ ہوئی اور شاہ صادق کی سفارش سے حضرت نے اسے ”شغل محمود“ کرنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ اس خاتون نے ریاضت اور مجاہدے کا حق ادا کیا اور خود کو اس راہ میں بالکل فنا کر دیا۔ اس لیے اسے جلد ہی باطنی انشراح حاصل ہو گیا اور ایک طرح کا سکون اور جمعیت خاطر پیدا ہو گئی۔ انہیں بہت قبول عام حاصل ہوا۔ آس پاس کے قصبات بھرگین، پٹیالی اور شہر منوکی عورتیں ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئیں۔ حضرت نے انہیں محل سرائے میں رہنے کا حکم فرمایا تھا۔ وہ میری والدہ ماجدہ کے ساتھ بھی بہت نیاز مندی کے ساتھ پیش آتیں۔ ان کے جسم پر خرقتہ ہوتا، فقیرانہ طرز کی کلاہ اور دستار سر پر ہوتی، کمر میں سیلی، ہاتھ میں عصا، اس خوبی کے ساتھ ان کی ہیئت تبدیل ہو گئی تھی۔ نواب محمد خان بنگش بانی فرخ آباد کی اہلیہ نے جب شاہ ماما بانی کی درویشی اور تصرفات کی شہرت سنی تو سواری بھیج کر انہیں طلب کیا۔ چنانچہ یہ وہاں گئیں۔ نواب کی بی بی صاحبہ ان کے ساتھ بہت اعزاز و اکرام سے پیش آئیں اور اپنی نشست گاہ پر انہیں بٹھایا۔ شاہ ماما بانی کی ایک صاحبزادی تھیں، وہ اسے بھی اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ رخصت ہوتے وقت نواب کی اہلیہ نے دوشالے، اشرفیاں، روپے پیسے، جڑاؤ زیور، بادلے کی پوشاک ان کی صاحبزادی کو نذر رکیں۔ محل سرائے کی دوسری عورتوں نے بھی ہر ایک کی خاطر تواضع کی۔ چنانچہ اب تک جبکہ پہلے زمانے کی ساری چیزیں گم ہو چکی ہیں، یہ طرز نوازش اپنی جگہ باقی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ خاتون کبھی نٹی تھی۔ وہ باکمال عارفہ، صاحب ذوق و شوق اور دردمند طبیعت رکھتی ہیں اور ابھی تک بقید حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے۔ عورتیں ان سے مرید ہوتی ہیں اور نذریں پیش کرتی ہیں اور وہ ضعف پیری کے باوجود اسی طرح آہ و نالے اور وجد و حال سے معمور ہیں ع

نسب کیا چیز ہے؟ بس کسی اہل کوڈھونڈھ لے۔

بندہ عشق شدی، ترک نسب کن جامی

کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

”جامی! جب تو عشق کا بندہ ہو چکا تو حسب کا افتخار حاشیے پر رکھ! کیونکہ اس راہ

میں نسب کی کوئی حیثیت نہیں۔“

اے بھائی! قرآن حکیم کا ارشاد ہے: ”إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُمْ“ (الحجرات: ۱۳) (بے شک تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے) اس لیے جس نے بھی خود کو راہ حق پر ڈال دیا اسے عرفان ربانی حاصل ہو گیا اور وہ سب سے برگزیدہ ہو گیا۔ یہاں نسب کا معاملہ ہوا کی زد پر رہتا ہے۔ صرف سیادت کام نہیں آتی۔ سیدنا مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دیوان مبارک کا پہلا شعر یہ ہے جو اس دیوان کا سرنامہ بھی ہے۔

الناس من جهة التمثال اكفاء
ابوہم ادم والام حواء
”صورتوں میں تو سارے لوگ ایک جیسے ہیں۔ سب کے باپ حضرت آدم ہیں اور ماں حضرت حواء علیہا السلام۔“

جس نے بھی خدائے تعالیٰ کا نام درست طریقے سے لیا، ساری نسبی خباثتوں اور خودی کی کٹافٹوں سے پاک ہو گیا۔“ (کاشف الاستار شریف قلمی ص ۲۰۶، ۲۰۷) ایسی ہی کرامت آثار آغوش تربیت کے پروردہ تھے اسد العارفین سید شاہ محمد حمزہ عینی قدس سرہ۔

ولادت مبارکہ:

حضرت سید شاہ محمد حمزہ عینی ۱۲ رجب الثانی ۱۱۳۱ھ کی صبح کو اس عالم رنگ و بو میں تشریف لائے۔ خانقاہ برکاتیہ کا روحانی ماحول، جدا مجد حضور صاحب البرکات اور والد ماجد حضرت شاہ آل محمد قدس سرہما کی عارفانہ آغوش تربیت اور سب سے بڑھ کر فضل الہی کی ٹھنڈی چھواؤں میں آپ پروان چڑھے۔ بارگاہ رسالت مآب کے کرم اور سرکار غوثیت مآب کے فیض نے آپ کے جوہر وجود کو اور چمکایا۔ اسی کی برکت ہے کہ آپ نے مختصر عمر میں عرفان الہی کی وہ منزلیں طے کیں جو اوروں کو برسوں کی ریاضتوں میں بھی حاصل نہیں ہوتیں۔ حضرت کے فضل و کمال پر گفتگو آگے آتی ہے۔ پہلے ایک نظر حضرت کے مراحل حیات پر۔

سلسلہ نسب:

حضرت عینی، والد ماجد کی نسبت سے برکاتی اور والدہ ماجدہ کی جانب سے عظمتی تھے۔ پدري سلسلہ نسب یہ ہے:

سید شاہ محمد حمزہ ابن (۱) سید شاہ آل محمد ابن (۲) حضور صاحب البرکات سید شاہ

برکت اللہ ابن (۳) سید شاہ اولیس ابن (۴) سید شاہ عبد الجلیل ابن (۵) سید شاہ میر عبد الواحد بلگرامی ابن (۶) سید شاہ ابراہیم ابن (۷) سید شاہ قطب الدین ابن (۸) سید شاہ ماہر و ابن (۹) سید شاہ بڈھا ابن (۱۰) سید کمال ابن (۱۱) سید قاسم ابن (۱۲) سید حسین ابن (۱۳) سید نصیر ابن (۱۴) سید حسن ابن (۱۵) سید عمر ابن (۱۶) سید محمد معروف بہ دعویٰ الصغریٰ بلگرامی ابن (۱۷) سید علی ابن (۱۸) سید حسین ابن (۱۹) سید ابو الفرح ثانی ابن (۲۰) سید ابو فراس ابن (۲۱) سید ابو الفرح واسطی ابن (۲۲) سید داؤد ابن (۲۳) سید حسین ابن (۲۴) سید یحییٰ ابن (۲۵) سید زید ثالث ابن (۲۶) سید عمر ابن (۲۷) سید زید ثانی ابن (۲۸) سید علی عراقی ابن (۲۹) سید حسین ابن (۳۰) سید علی ابن (۳۱) سید محمد ابن (۳۲) سید عیسیٰ معروف بہ موم الاشبال ابن (۳۳) سیدنا سید زید شہید ابن (۳۴) سیدنا امام زین العابدین سید علی ابن (۳۵) سیدنا امام حسین شہید کربلا ابن (۳۶) امیر المومنین مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ زوج سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بنت (۳۷) سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (تاریخ خاندان برکات، ص: ۷-۸)

اسد العارفین سیدنا شاہ محمد حمزہ عینی قدس سرہ نے کاشف الاستار شریف میں اپنا منظوم نسب نامہ بھی تحریر فرمایا ہے:

- ۱- بندہ حمزہ نوشت اسمائے اسلاف عظام : ابن قطب آل محمد فیض بخش خاص وعام
- ۲- اوست ابن غوث عالم شاہ برکات الہ : باز سید و لیس بن میر جلیل آمد پناہ
- ۳- او ز عبد الواحد، ابراہیم بن قطب اہل حال : بن محمد ماہر و بن شاہ بڈھا ابن کمال
- ۴- میر سید قاسم و انگہ حسین بن نصیر : بن حسین بن عمر ابن محمد یاد گیر
- ۵- ایں محمد القاب صغریٰ بداں از فضل حق : موطن خود بلگرام اوساخت، کردا و فرشق
- ۶- ہست او ابن علی ابن حسین اے دل شمار : وانگہ بوالفرح ثانی را بگن تو اختیار
- ۷- باز بنگر بوالفراس جد سادات وطن : معنیش شیر درندہ بالیقین بے شک وطن
- ۸- واسطی بوالفرح بن داؤد آنگہ برشمر : باز از برگن حسین و یحییٰ وزید و عمر
- ۹- باز زید ابن علی ابن حسین اے جاں بخوار : ہم علی ابن محمد فیض دہ پیرو جواں
- ۱۰- وانگہ عیسیٰ بداں کو صاحب اجل بود : شہرہ اودرز دانش موم الاشبال بود

- ۱۱- والد عیسیٰ بنحوں اندر جہاں زید شہید : زمرہ سادات زیدیہ از و آمد پدید
 ۱۲- از زین العابدین بن حسین ابن علی : آل علی زوج بتول آمد بدار از مقبلی
 ۱۳- آل بتول فاطمہ، دانستہ بنت رسول : وال رسول اللہ باشد جملہ اسرار اصول
 (کاشف الاستار (فارسی) - ص ۱۵۱)

والدہ ماجدہ کی جانب سے حضرت عیسیٰ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

سید شاہ محمد حمزہ ابن غنیمت بی بی بنت سید عظمت اللہ ابن سید اویس الخ۔ حضرت
 حقانی کے نانا جان سید عظمت اللہ، حضور صاحب البرکات کے منجھلے بھائی تھے۔ غنیمت بی بی
 آپ کی اکلوتی صاحبزادی تھیں۔

حضرت شاہ حمزہ کے والد ماجد:

حضرت شاہ حمزہ کے والدین کریمین، علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں انتخاب روزگار
 تھے۔ والد ماجد برہان الموحدین، استاذ الحقیقین، مرشد الواصلین سیدنا شاہ آل محمد قادری
 برکاتی قدس سرہ (ولادت ۱۸/ رمضان المبارک ۱۱۱۱ھ وصال: دوشنبہ ۱۶/ رمضان ۱۱۶۲ھ)
 کے علمی اور روحانی مراتب اس قدر بلند تھے کہ حضور صاحب البرکات کی نگاہ ولایت کے
 مرکز خاص تھے۔ ایک لمحہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔

حضرت عیسیٰ کا شرف الاستار شریف میں ارقام فرماتے ہیں:

”حضرت شاہ آل محمد سے حضور صاحب البرکات کو خصوصی لگاؤ اور بے پناہ محبت
 تھی۔ پوری زندگی آپ اپنے والد بزرگوار کے زیر سایہ، فیوض و برکات حاصل کرتے رہے،
 ایک لمحے کے لیے بھی ان سے جدا نہ ہوتے۔ چنانچہ اگر حضرت شاہ آل محمد کسی وجہ شرعی کی بنا
 پر مسجد کی نماز باجماعت میں شریک نہ ہو پاتے تو حضور صاحب البرکات فرماتے کہ آج مجھے
 نماز کی حلاوت نہ مل سکی۔ حضرت والد ماجد بھی دادا جان (حضور صاحب البرکات) کے بے
 حد شیفہ تھے۔ آپ کی گرویدگی بیان نہیں کی جاسکتی۔ آپ اپنی تمام مصروفیات سے حضور
 صاحب البرکات کو باخبر رکھتے تھے۔“

آپ حضور صاحب البرکات کے عکس جمیل اور مسترشد مراد تھے۔ اخیر عمر میں
 جب کوئی طالب حضرت صاحب البرکات کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتا تو اسے حضرت

شاہ آل محمد قدس سرہما کے پاس بھیجتے اور فرماتے کہ آل محمد کے پاس جاؤ، اس نے میرے سر
 سے بہت سا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔

سیدنا شاہ آل محمد قدس سرہ کی ریاضت خاندان میں بے مثل تھی۔ استغنا اور
 توکل آپ کی شناخت تھے۔ بیشتر اوقات، اور ادواذکار، ہدایت مخلوق اور کتب تصوف کے
 مطالعے میں گذرتے۔

آپ کی ریاضت و مجاہدہ میں وہ انہماک اور مشقت خیزی تھی کہ تپ دق کا عارضہ
 لاحق ہو گیا تھا، تالوئے مبارک اتر آیا تھا، بقول حضرت نظمی:
 ”ایسا مجاہدہ، خاندان برکات میں کسی نے نہیں کیا“

امام رشد و ہدایت سیدنا شاہ آل محمد قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے راہ سلوک کی وہ
 ریاضات شاقہ کھینچیں جو انسان کی طبعی قوتوں سے سوا ہیں۔ تین سال تک مسلسل معتکف
 رہے اور افطار خشک جو کی روٹی اور فلوس بھر پانی سے فرماتے۔ خشکی کی کثرت سے تالوئے
 مبارک گر گیا تھا اور سر اقدس میں گڈھے کا نشان پیدا ہو گیا تھا۔ اپنے مرشد والد ماجد حضور
 صاحب البرکات کے بڑے چہیتے، مراد اور عکس جمیل تھے۔ حضور صاحب البرکات نے
 انہیں بالکل اپنے جیسا بنادیا تھا۔

کاشف الاستار شریف میں ہے:

”حضور صاحب البرکات قدس سرہ کے خلیفہ شاہ مشتاق البرکات نے یہ واقعہ فقیر
 (حضرت حمزہ) سے بیان کیا کہ ایک دن حضرت سید شاہ آل محمد اپنے حجرے میں ذکر و فکر
 میں مشغول تھے اور ہم حجرے کے پاس ایک غرض سے حضرت کی تشریف آوری کے انتظار
 میں کھڑے تھے۔ اچانک آپ حجرے سے باہر تشریف لائے۔ دیکھا تو بالکل ہو بہو حضور
 صاحب البرکات کی صورت تھی۔ شکل بھی ویسی ہی اور داڑھی بھی سفید۔ ہم فوراً آداب
 بجالائے اور درویشوں سے کہا کہ حضرت صاحب البرکات تشریف لارہے ہیں۔ ابھی یہ
 بات کہہ کے لوٹا ہی تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت شاہ آل محمد قدس سرہ کھڑے ہوئے ہیں۔
 اس وقت تک حضور صاحب البرکات وصال فرما چکے تھے۔ اس سے حضرت شاہ آل محمد قدس
 سرہ کے فانی الشیخ ہونے کا اندازہ کیجئے“ (کاشف الاستار، ص: ۲۱۳)

”مآثر الکرام میں ہے کہ حضرت آل محمد امراض قلبی کے ازالہ میں شان

مسیحائی رکھتے تھے اور وادی شوق سرمستوں کی اچاٹ طبیعتوں کو سکون بخشتے

تھے۔ [مآثر الکرام اُردو، ص ۲۰۹]

مولائے کریم نے آپ کو وہ مقبولیت عطا فرمائی تھی کہ خلقت ٹوٹی پڑتی تھی۔ آپ کے بڑے شاہزادے سیدنا شاہ حمزہ یعنی قدس سرہ، حضرت کی رسم سجادگی کی تقریب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس وقت مخلوق خدا کا عجیب اثر دھام تھا۔ ایک جم غفیر موجود تھا اور وہ ساعت سعید بہت پر کیف گزری۔ تقریباً دو ہزار روپے نذر ہوئے۔ حضور صاحب البرکات قدس سرہ کے خلفا اور فقرا جو آپ کے ظاہری سایہ کرم سے محروم ہو چکے تھے، صاحب سجادہ کی قدمبوسی کی سعادت حاصل کر رہے تھے۔ ایک عالم تھا جو بیعت میں سبقت اور طریقت اسلام میں آگے بڑھنے کے لیے ہجوم کر آیا تھا۔ ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے اور قدمبوسی کی سعادت حاصل کرتے جاتے تھے۔ اکثر دنیا داروں نے دنیا داری کا لباس چاک کر کے صوفیہ اور فقرا کی پوشاک زیب تن کر لی تھی اور بہت سے مرد اور عورتیں حلقہ ارادت میں داخل ہو کر فیضیاب ہو رہے تھے۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

حضرت کی تذکیر نفس اور تزکیہ باطن کا یہ اثر تھا کہ مارہرہ مطہرہ کا ہر کہ و مہ یاد الہی میں مست تھا۔

کاشف الاستار شریف میں ہے:

”راہ خدا کا کوئی طالب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اس کا ہاتھ اپنے دست گرامی میں لے کر بہت جلد فنا کی وادی میں پہنچا کر باقی باللہ بنا دیتے۔ چنانچہ اس شہر کے ہر کوچہ و بازار اور گھر میں، کیا مرد، کیا عورت سب کے سب ذکر خدا اور تلاش آخرت کے سوا اور کوئی معاملہ نہ رکھتے۔ فوجدار اور کوتوال بھی اسی نغمہ حق کے اسیر تھے۔ اللہ اکبر! ہندو اور ساہوکار اپنے گھروں میں ذکر و فکر اور مراقبہ میں مشغول رہتے اور عمل ترکشی وغیرہ سے محفوظ ہوتے۔۔۔ چکی پیسنے والی لوٹدیاں، اخیر شب میں ذکر و فکر اور آہ و نالہ میں مصروف ہوتیں، نوبت یہاں تک پہنچتی تھی کہ شہر کی نوجوان عورتیں اور لہنیں بھی اسی کشش کی اسیر تھیں۔ محفل سماع کے اشعار سننے کے لیے حاضر ہوتیں، فقیروں کی سرائے کے ارد گرد دردمندانوں میں مشغول رہتیں۔ ایک آواز مشرق سے آتی، دوسری مغرب سے۔ کوئی نیم شب کو باغ میں مدہوش پڑا ہے اور کوئی

دوسرا کسی قبر پر اپنے وجود سے بے خبر پڑا ہوا۔“ (کاشف الاستار، ص: ۲۱۵-۲۱۶)

تربیت باطن اور تعلیم سلوک میں وہ انفرادیت تھی کہ دو چار دن میں دلوں کو یاد الہی سے گرمادیتے اور جواز کار، اوروں کے یہاں دل کی بندشیں نہ کھول پاتے، انہیں اذکار سے آپ کی توجہ باطنی، طالب کو مرغِ لعل بنا دیتی۔ اس منفرد شانِ مسیحائی کے بہت سے حالات کاشف الاستار میں مذکور ہیں۔ ہم یہاں صرف ایک واقعہ پیش کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت والا (سید شاہ آل محمد) کی تربیت کا انداز یہ تھا کہ اگر دوسرے مشائخ کا حاضر باش کوئی ایسا درویش آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا جس نے قاعدے سے راہ سلوک طے نہ کی اور ابھی بیچ راستے ہی میں ٹھہرا ہوا ہے یا پہلے ہی قدم پہ حادثے کا شکار ہے تو حالات دریافت کرنے کے بعد انہیں اشغال و اعمال کے ذریعے جو اسے اپنے شیخ سے ملے تھے، حضرت والا اس مقام پہ پہنچا دیتے جو اسے نصیب ہی نہ ہو سکتے۔ وہ درویش حیران ہو جاتا اور سمجھتا کہ یہ میرے شیخ کا تصرف ہے۔ پھر اپنے شیخ سے اس کی عقیدت اور بڑھ جاتی۔

کبھی حضرت والا ایسے درویش کے سابقہ اعمال و اشغال میں کچھ چیزیں اپنی طرف سے اضافہ کر دیتے جن سے وہ تھوڑے ہی زمانے میں مراتب سلوک کی سیڑھیوں پہ قدم رکھتا ہوا بہت اوپر پہنچ جاتا۔

ازاں ایون کہ ساقی درمئے افگند حریفان را نہ سرماند و نہ دستار

ترجمہ: جو ایون، ساقی شراب میں ڈالتا ہے، اس سے حریفوں کے نہ سر سلامت

رہتے ہیں، نہ دستار۔

شاہ عبدالرزاق بانسوی کے حلقہ گوش درویش شاہ رحمت اللہ کے حالات تو آنکھوں دیکھے ہیں۔ درویش مذکور خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے مدعا سے آگاہ کیا۔ والد ماجد نے ان سے ان کے اشغال دریافت کئے پھر فرمایا کہ آپ یہاں بھی وہی شغل جاری رکھیں۔ حضرت کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے وہ خلوت نشین ہو گئے۔ تین دن بعد حضرت نے انہیں ان اشغال کے ساتھ کچھ اور چیزیں پڑھنے کو دیں۔ ایک ہفتہ میں بے خودی اور بے رنگی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ مکمل بے خود ہو کے رہ گئے۔

۱- مست گشت و بے خود افتاد از وجود ہستی اورا بر آورد و ربود
 ۲- رفت از خود غرق شد در بحریار اندراں دریائے بے موج و کنار
 ۳- مدتے بود اندریں حالت سیاہ نے خبر از شست و شو، نے دلو و چاہ
 ۴- آب رحمت چوں کشید از بحر ذات بے خبر از موج جیخون و فرات
 ۱- وہ مست و بے خود ہو کر اپنی ہستی سے دور جا پڑا تھا۔

۲- خود سے بیگانہ ہو کر یار کے پرسکون سمندر میں ڈوب گیا، جہاں نہ موجیں تھیں، نہ کنارہ۔
 ۳- اس تاریک حالت میں ایک مدت تک پڑا رہا، اسے کسی چیز کی خبر نہ تھی۔
 ۴- جب بحر ذات الہی سے رحمت کا پانی پی چکا تو اب اسے جیخون و فرات کی کیا خبر۔
 یہ بات بھی علم میں رہے کہ شاہ رحمت اللہ تقویٰ اور احتیاط کے آدمی تھے۔
 چمڑے کے چار ڈول اپنے ساتھ رکھتے، ایک وضو، دوسرا غسل، تیسرا پینے اور چوتھا قضاے حاجت کے لیے لیکن اس حالت استغراق میں ان تمام چیزوں سے بے خبر تھے۔ ایک زمانے کے بعد انہیں افاقہ ہوا۔ اب حالت یہ تھی کہ جس وقت حقہ منہ میں لیتے، خود غائب ہو جاتے اور حقہ کی نئے ڈھلک کر ان کے رخسار کی طرف چلی جاتی اور سر جھک جاتا۔ جب سر بلند ہوتا اور ہوش میں آتے تو عجب خوبی سے کہتے:

”مجھے قرار نہیں، میری انتہا نہیں، نہ میرے لیے کوئی فرار کی جگہ ہے“
 حقہ کا ایک دوکش لیتے پھر بے خود ہو جاتے۔ جب ہوش میں آتے تو یہ گانے لگتے:
 ”میرے آغاز کی ابتدا نہیں، میرے انجام کی انتہا نہیں، میرا وجود لازوال ہے اور میری ہمیشگی ہمیشہ“

جب یہ کہتے تو ان پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی۔ دو مہینے کے بعد عالم صحو میں آئے۔ اب حالت یہ تھی کہ صبح کے وقت آستانہ مبارک کے دروازے سے لے کر بیرونی دروازہ تک، اس کے بعد نقار خانہ کے بڑے دروازے تک اپنے ہاتھوں سے جھاڑو لگاتے۔ جب حضرت والد ماجد نے یہ قصہ سنا تو فرمایا:

”آپ کا بدن کمزور ہے اور ایک بڑے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے یہ زحمت نہ گوارہ کریں“ اور بہت خوش اسلوبی سے انہیں اس کام سے روک دیا۔ انہوں نے عرض کی: ”یہ خادم کس خدمت کے لائق ہے۔ میں اس احسان کا شکریہ کس زبان سے ادا

کروں۔ اے کاش! یہ سعادت ایک بار پھر مجھے مل جاتی“۔ ہاں ہاں!۔
 ۱- خاک پا کاں لیلی و دیوارِ شاں بہ زعمان و گل گلزار شاں
 ۲- بندہ یک مرد صاحب دل شوی بہ کہ بر فرق سر شاہاں روی
 ۱- پاکبازوں کی خاک قدم اور ان کی دیواروں کو لیبوں سے لگانا، عامیوں کے گل و گلزار سے بہتر ہے۔

۲- کسی مرد صاحب دل کی غلامی، بادشاہوں کے قرب سے بہتر ہے۔
 اسی طرح مولانا طفیل اتر ولوی شہم بلگرامی حاضر خدمت اقدس ہوئے اور چند توجہات باطنی میں تڑپنے لگے۔ لوگ اٹھا کر خانقاہ میں لائے، ہاتھ پیر کی مالش کی، سیدنا شاہ آل محمد قدس سرہ ظہر کی نماز باجماعت اور دیگر معمولات سے فارغ ہو چکے تب تشریف لائے۔ مولانا کو اٹھا کر سینہ مبارک سے لگایا اور تسلی دی۔ اب مولانا کے تاثرات ملاحظہ کیجئے۔ حضرت عینی قدس سرہ رقم طراز ہیں:

”مولانا نے عرض کیا: میں دنیا چھوڑتا ہوں اور باقی عمر آستانہ فیض کے تلے رہ کر اسی بارگاہ کی خاک کو اپنی بصارت و بصیرت کا سرمہ بناتا ہوں۔ میں بہت سے اولیاء اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا لیکن جو تپش عشق یہاں دیکھی وہ کہیں نہ ملی۔ اب میری یہ پُرسش آرزو قبول کیجئے، عمر اخیر منزل کو پہنچی، یہی بہتر ہے کہ باقی زندگی اس بارگاہ کی جاروب کشی میں گزر جائے۔ حضرت والد ماجد نے بہت دلداری کی، دلاسا دیا اور فرمایا کہ ابھی آپ اپنے بھائیوں کے اس قافلے کو اپنے وطن بلگرام پہنچا دیں پھر جب میں بلاؤں، آپ آجائیں۔ پھر انہیں بہت زیادہ تسلی دے دلا کر رخصت کیا۔“ (کاشف الاستار، ص: ۲۱۷-۲۱۹)

اس بے مثال تزکیہ باطن اور ایصال محبوب کا آوازہ چار دانگ عالم میں بلند ہوا اور طالبان حسن ازل کشاں کشاں میکدہ آل محمدی میں پہنچنے لگے۔ بقول حضرت عینی قدس سرہ:
 ”اس فیضان عام کا شہرہ، شہر اور اس کے اطراف و جوانب میں پھیل گیا اور زاہد اور دنیا دار جوق در جوق آپ کی بارگاہ میں پہنچ کر منزل مقصود سے ہمکنار ہونے لگے۔“

حضرت سید شاہ آل محمد کے فیضان تربیت سے مسلمان، ہندو، سالک، مجذوب مرد اور عورت سبھی نے حصہ لیا اور منزل مقصود کو پہنچے۔ اس کی مختصر روداد اسی کتاب میں حضرت اور حضرت کے خلفاء کے حالات میں ملاحظہ کیجئے۔ آپ کے خلفاء اور فیض یافتہ گان میں شاہ

رحمت اللہ، مولانا محمد طفیل اترولوی، شاہ ظہور اللہ، شاہ واصل، شاہ شہباز، مولانا غلام نبی، شاہ باقی باللہ، شاہ اسرار اللہ، شاہ نادر العصر، شاہ عبدالہادی، شاہ بوعلی مجذوب، شاہ بیرنگ جیسے کمالان عصر تھے۔ جوگی بیکٹھ جیسا مرتاض کامل پنڈت اور ماما پارسا جیسی خاتون بھی تھیں۔ ان کی تربیت میں شریعت کے اصولوں کی پابندی بہت سختی کے ساتھ ملحوظ تھی۔

حضرت عینی ارقام فرماتے ہیں:

”حضرت سید شاہ آل محمد قدس سرہ سلوک اور جذب دونوں طریقے سے تربیت فرماتے جبکہ میرے جد امجد حضرت صاحب البرکات اکثر و بیشتر صرف جذب کے طریقے میں مشغول فرماتے۔ حالت یہ ہوتی ہے

یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

حضرت شاہ آل محمد اکثر و بیشتر پاس انفاس اور تصورات میں مشغول فرماتے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ ”جس نفس، یاد کرد و دید“ جو حضرت کا بہترین شغل تھا، جیسے اشتغال میں مصروف ہونے کا حکم دیتے۔ خاص لوگوں اور سیدزادوں کو خمسہ قادریہ اور مراقبہ کبیر وغیرہ کی اجازت سے مشرف فرماتے اور بہت توجہ کے ساتھ ان امور میں منہمک رہتے اور سالکین کی تربیت کے سلسلے میں بہت خاص اہتمام فرماتے جیسے اس راہ کے خاص معلم ساز ہوں۔ زمانے کے نادان اور بے علم لوگ جو صحیح طریقے سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے اور جنہیں این عین، گین عین کے تلفظ کی تمیز نہ تھی، ان کی ایسی تربیت فرماتے کہ وہ تلفظ کیا، قرآن فہمی کی صلاحیت پیدا کر لیتے اور مقتدائے زمانہ بن جاتے اور این ومتی (کہاں، کب) کے جھٹوں سے نجات پا کر عینیت ذات میں فنایت کا مرتبہ حاصل کر لیتے۔

حضرت دائرہ شریعت کا مکمل طور سے خیال رکھتے اور سکر آمیز باتیں کوئی شخص بھی حضرت کے سامنے صراحتاً بولنے کی ہمت نہ پاتا۔ ہر جانب کے بہت سارے لوگ ارادت سے سرفراز ہوئے اور ربانی عرفان اور الہی وصل سے شاد کام ہوئے۔“

(کاشف الاستار شریف قلمی)

آپ کا عقد مسنون اپنے چچا سید شاہ عظمت اللہ قدس سرہ کی صاحبزادی سیدہ غنیمت فاطمہ سے ہوا جن سے دو شاہزادے سید شاہ محمد حمزہ اور سید شاہ محمد حقانی اور ایک شاہزادی تولد ہوئیں۔

حضرت سید شاہ محمد حمزہ کی والدہ ماجدہ (قدس سرہ):

حضرت اسد العارفین سید شاہ محمد حمزہ عینی قدس سرہ کی والدہ ماجدہ، رابعہ عصر تھیں۔ آپ کے والد ماجد سید شاہ عظمت اللہ، حضور صاحب البرکات قدس سرہ کے منجھلے بھائی تھے اور بڑے چہیتے۔ آپ کی ولادت، برادر اکبر حضور صاحب البرکات کے آٹھ سال بعد ۹ رمضان المبارک ۱۰۷۸ھ چہار شنبہ کو ہوئی۔ والد ماجد سید نا شاہ اولیس چشتی بلگرامی قدس سرہ سے بیعت تھے۔ تربیت ظاہر و باطن، والد ماجد اور برادر گرامی حضور صاحب البرکات نے فرمائی۔ برادر گرامی سے آپ کو خصوصی لگاؤ اور مکمل نیاز مندی تھی۔ قلب میں رقت، رحمت، حلم، مروت، سخاوت، اخلاق میں حلاوت، عمومیت اور عقل میں فراست کی دولتیں رکھتے تھے۔ یاد الہی، سرمایہ حیات تھی اور مجاہدات و مشاہدات، زندگی کے مشغلے۔ بہت کم عمری میں وصال یار کی لذت سے شاد کام ہوئے۔ ۲۹ رجب ۱۱۱۰ھ میں وفات ہوئی اور درگاہ سیدنا شاہ عبدالجلیل قدس سرہ میں تدفین ہوئی۔

آپ کی اکلوتی شاہزادی سیدہ غنیمت بی بی علیہا الرحمۃ، حضور صاحب البرکات کی دعاؤں کا اثر تھیں۔ تقریب ولادت یوں ہوئی کہ حضرت سید شاہ عظمت اللہ بلگرام شریف میں اپنے بسویدہ مکان کی تعمیر نو میں مصروف تھے۔ جب معاملہ تکمیل کے قریب پہنچا تو اچانک اولاد سے محرومی کا پردہ احساس دل میں جاگ اٹھا اور خیال آیا کہ آخر یہ مشقت خیزی کس کے لیے کی جائے۔ فوراً تعمیر کا سلسلہ موقوف کر دیا پھر اپنے برادر گرامی حضور صاحب البرکات کو عریضہ تحریر فرمایا، صورت حال بیان کی اور خلف صالح کے واسطے دعاؤں کے خواستگار ہوئے۔ حضور صاحب البرکات کو ویسے ہی آپ سے گہرا قلبی لگاؤ تھا، عزیز بھائی کے ان دل گرفتہ احساسات پہ مضطرب ہو گئے اور فوراً انہیں حرم کے ساتھ مارہرہ مطہرہ بلا لیا، تسلی دی اور فرمایا:

”فقیر درگاہ قاضی الحاجات میں دعا کرتا ہے، اس کی رحمت ان شاء اللہ

تمہیں محروم نہ چھوڑے گی۔“

کچھ دنوں بعد ہی برکاتی دعا کے اثرات رونما ہوئے لیکن حضرت شاہ عظمت اللہ قدس سرہ ان دعاؤں کا ثمر اپنی نگاہوں سے نہ دیکھ سکے۔ حضرت کو ایک خطرناک عارضہ ہو گیا

اور بچی کی ولادت سے پہلے ہی آپ رحلت فرما گئے۔ حالت علالت میں اکثر فرمایا کرتے: ”ان کے آنے میں تو دیر ہے اور ہمارے جانے میں جلدی معلوم ہوتی ہے“ آپ کے وصال کے بعد آپ کی اہلیہ بلگرام شریف تشریف لے گئیں اور وہیں ایک صاحبزادی تولد ہوئیں۔ حضور صاحب البرکات نے اس بچی کا نام ”غنیمت بی بی“ تجویز فرمایا۔ آپ فرمایا کرتے:

”میں اپنے بھائی عظمت اللہ کے وصال کے بعد اس بچی کو اللہ کا انعام سمجھتا ہوں اور مجیب الدعوات کی جناب میں شکر بجالاتا ہوں۔ حضرت آپ کو رابعہ ثانی فرمایا کرتے۔“ سیدہ غنیمت فاطمہ علیہا الرحمہ، حضور صاحب البرکات کے فیض تربیت، شرف بیعت، توجہ باطن سے سرفراز تھیں اور ریاضت و عبادت میں ایک خاص شان رکھتی تھیں۔ فرائض و واجبات کے ساتھ ساتھ، قرآن حکیم کی تلاوت، تہجد و نوافل اور نفلی روزوں سے خاص شغف تھا۔ صوم رابعہ بصری کی عامل تھیں اور اخیر عمر تک یہ معمول برقرار رہا جبکہ جسم و جان پر ضعف و ناتوانی نے قبضہ جمار کھا تھا۔ ادب مرشد کا خاص حصہ پایا تھا۔ حضور صاحب البرکات کا اسم گرامی زبان سے کبھی نہ لیا، آپ کے رسائل مبارکہ ہمیشہ مطالعہ فرماتیں، حافظہ غضب کا تھا، حضور صاحب البرکات کا ہندی دیوان ”ہیم پرکاش“ آپ کو زبانی یاد تھا۔ اخلاق کریمانہ میں بزرگوں کی شان پائی تھی۔ نہ جانے کتنی بے سہارا بچیوں کا نکاح اپنے صرفے سے کرایا، نہ جانے کتنی عورتوں اور بچوں کی کفالت فرمائی، نہ جانے کتنوں کو تعلیم دی اور دلائی۔ تواضع اور بے تکلفی کے باوجود ہیبت خداداد پائی تھی۔ حضرات اپنے آپ میں مجال گفتگو نہ پاتیں۔ سیدنا شاہ محمد حمزہ، سیدنا آل احمد اچھے میاں قدست اسرار ہم سے آپ کو خاص لگاؤ تھا خصوصاً سیدنا شاہ حمزہ کو بہت چاہتی تھیں۔ چورانوے برس کی طویل عمر پائی۔ جب ۱۱۹۸ھ میں آپ کے بڑے شاہزادے سید شاہ حمزہ قدس سرہ کا وصال ہوا تو آپ کے دل پہ اس کا بہت گہرا اثر ہوا۔ اس سانحہ کی غمناکیوں سے آپ کا اضطراب دوسروں کو تڑپا دیتا۔ اس جذب محبت کے سبب حضرت عینی قدس سرہ کے خلف اکبر حضور اچھے میاں قدس سرہ پر آپ کی عنایات اور بڑھ گئیں۔ جب حضرت اچھے میاں صاحب سجادہ نشین ہوئے تو حضور صاحب البرکات کا خرقہ شریف دادی صاحبہ نے آپ کو عنایت کر کے فرمایا ”حق بختہ ار رسید“ جب اسے حضور اچھے میاں نے زیب تن فرمایا

تو انوار ربانی اور تجلیاتِ سرمدی کا قلبِ اطہر پہ اس قدر ہجوم ہوا کہ اسرار لاہوتی منکشف ہو گئے اور ایک خاص کیف نے پورے وجود کا احاطہ کر لیا۔ حضرت غنیمت بی بی علیہا الرحمہ سے خوارق عادات بھی بہت سرزد ہوئے۔ کشف قلبی میں ملکہ تھا۔ مشکل کشائی، حاجت روائی میں شان بزرگاں پائی تھی۔ اکثر مراقبات فرماتیں۔ آپ کی توجہ باطنی کا صرف ایک واقعہ اصح التواریخ کے حوالے سے پیش کرتا ہوں۔

سیدنا شاہ محمد حمزہ عینی قدس سرہ کی سجادگی کا ابتدائی زمانہ تھا۔ حضرت کا ایک نیاز مند مرید، مارہرہ مطہرہ کی عملداری کا آرزو مند تھا جس کے لیے اسے پیسوں کی ضرورت تھی۔ اس نے حضرت کے سامنے نہایت عاجزی کے ساتھ اپنی یہ خواہش رکھی اور گزارش کی کہ حضرت اپنے معتقد نوابانِ فرخ آباد سے پانچ چھ ہزار قرض دلا دیں، عہدہ ملنے کے بعد ادا کر دوں گا۔ حضرت نے ترس کھا کر ایک رقعہ لکھ دیا جس میں تحریر تھا:

”اعانتِ مسلمان بر مسلمانان ضرور و امید امیدوارے بر آوردن، باعث اجر و ثواب

برآور دن کار امید وار

بہ از قید بند شکستن ہزار

”کسی مسلمان کی اعانت، مسلمانوں پر لازم ہے اور کسی امیدوار کی امید پوری کر دینا بے شمار اجر و ثواب کا باعث۔ کسی امیدوار کا کام بنادینا، ہزار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔“

فرخ آباد کے عقیدت مندوں نے حضرت کا رقعہ ملاحظہ کر کے اسے آنکھوں سے لگایا، سر پہ رکھا اور فوراً حامل رقعہ کو مطلوبہ رقم دیدی۔ اس رقم کی پیش کش سے اسے مارہرہ کی عالمی کا عہدہ مل گیا۔ سوئے اتفاق کہ چند دن بعد اس کا یہاں سے صرف تبادلہ ہی نہیں ہوا بلکہ اسے معزول بھی کر دیا گیا۔ اب قرض دینے والے پریشان ہوئے۔ اس بے چارے مفلس و پریشاں حال سے وصولیابی کی سبیل نہ دیکھ کر حضرت حمزہ قدس سرہ سے تقاضہ شروع کر دیا وہ بھی شدید، لوگوں نے بہت سمجھایا کہ حضرت سے اس رقم کا کیا تعلق؟۔ حضرت نے تو صرف ایک سفارشی رقعہ تحریر فرمایا تھا، کوئی حکم یا ضمانت تو نہ دی تھی لیکن قرض خواہوں کا پراسرار تقاضہ اپنی جگہ رہا۔ حضرت حمزہ اس بے سلیقہ پن سے سخت محضے میں گرفتار

ہوئے۔ آخر کار رابعہؓ عصر والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعاؤں کے خواستگار ہوئے۔ اب آگے کی تفصیل حضرت تاج العلماء قدس سرہ سے سنیں:

”حضرت بی بی صاحبہ نے یہ سن کر تھوڑی دیر مراقبہ میں سر جھکا یا اور پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ بطفیل حضرت بی بی فاطمہ و بہ برکات حضرات حسنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، سب مشکل آسان ہو جائے گی، کوئی اندیشہ نہ کرنا چاہیے۔ ان لوگوں سے کہہ دو کہ دوسری شام تک کوئی تقاضہ نہ کریں، اس کے بعد مختار ہیں۔ تقاضہ کرنے والوں نے جب حضور عالیہ کا یہ ارشاد سنا تو اپنے دل میں بہت خوش ہوئے کہ معلوم ہوتا ہے ہمارا تقاضہ ثابت ہو گیا۔ ابھی وعدے کی شام نہ آئی تھی کہ درمیان میں فرخ آباد سے دو شتر سوار نواب غالب جنگ محمد احمد خان بکشل والی فرخ آباد کا پروانہ یہاں کے نئے عامل اور تاجروں کے نام اس مضمون کا لے کر آئے کہ تم لوگ اپنا روپیہ نئے عامل سے لے لینا۔ اس بارہ میں پروانہ عامل کو پہنچتا ہے، حضرت سید شاہ حمزہ سے تمہارے روپے کا کوئی علاقہ نہیں ہے۔ ساتھ ہی حضرت کی خدمت میں نواب نے ایک عرضی بھی بہت کچھ معذرت کی لکھ بھیجی تھی۔ جب ان شتر سواروں کی، جو فرخ آباد سے یہ پروانہ لائے تھے، وہاں سے ادھر روانگی کا حساب لگایا گیا تو وہی وقت تھا جب حضرت بی بی صاحبہ نے مراقبہ کے لیے سر جھکا یا تھا۔ غرض ایسے خوارق عادات اور قوت باطنی کے جلوے جو حضرت بی بی صاحبہ سے طرفہ العین میں (پلک جھپکتے) ظاہر ہوتے، کس کی مجال اور کسے قدرت ہے کہ انہیں پورا لکھ سکے۔“ (اصح التواریخ ص ۵۵۱)

حضرت غنیمت بی بی قدس سرہا کا وصال چورانوے سال کی عمر میں ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۰۴ھ میں ہوا اور حظیرہ سید شاہ محمد حقانی میں دفن ہوئیں۔

امام رشد و ہدایت سیدنا شاہ آل محمد قدس سرہ کے مرید خاص شیخ عتیق اللہ کمبوہ نے یہ تاریخی قطعہ کہا:

غنیمت بنت حضرت فاطمہ بود	سوئے فردوس گردیدہ مقامش
مریدم خاندان عائلی او	غلاط گفتم کہ من ہستم غلامش
نوشتم سال رحلت از سر ”درد“	سہ صد کم ساز از تعداد نامش
	(اصح التواریخ ص ۵۵۲)

”غنیمت“ کے اعداد پندرہ سو (۱۵۰۰) ہیں۔ اس میں سے تین سو کم کریں اور لفظ ”درد“ کے ابتدائی لفظ دال جسے شاعر نے سر ”درد“ کہا ہے، کا عدد چار ملا لیں تو (۱۲۰۴) بارہ سو چار برآمد ہوتے ہیں۔

ایسے عارفان اسرار صمدیت کی آغوش تربیت میں اسد العارفین سید شاہ محمد حمزہ عینی قدس سرہ پروان چڑھے۔

حضرت عینی کی تعلیم:

حضرت عینی کو گیارہ سال کی عمر تک جدا مجد حضور صاحب البرکات قدس سرہ کی آغوش تربیت میسر رہی۔ چار برس کی عمر میں ہی جدا مجد نے اپنی کلاہ مبارک، سیلی اور بڑے میاں کا خطاب عنایت فرمادیا تھا۔ حسب دستور خاندانی بسملہ خوانی کی تقریب ہوئی، جد امجد، والد ماجد اور والدہ ماجدہ معلم رہے۔ علوم ظاہری والد ماجد، شمس العلماء مولانا سید محمد باقر، شیخ ڈھڈھالا ہوری سے حاصل کئے۔ علم طب میں حکیم عطاء اللہ (م ۱۱۵۹ھ) سے خصوصی استفادہ فرمایا۔ کاشف الاستار شریف میں اپنے طبی استاد کا ذکر خیر حضرت عینی نے بہت محبت و احترام کے ساتھ کیا ہے اور ان کے بہت سارے مجرب نسخے بھی درج کتاب کئے ہیں۔

بچپن ہی سے ذہانت و کرامت کے آثار پیشانی نور پر درخشاں تھے۔ اس لیے سارے اساتذہ اور اکابر کے چہیتے تھے۔ حضرت صاحب البرکات کو آپ سے خصوصی محبت تھی۔ اور والد ماجد نے تو آپ کو بالکل اپنے رنگ میں رنگ ڈالا تھا۔ حضرت عینی غنائے عثمانی، ضیافت صدیقی اور فقر حیدری کے سچے جانشین تھے۔ بآں ہمہ فضل و وجاہت کہ دنیا آپ کے قدموں میں سر پٹکتی رہی لیکن آپ ایک نگاہ التفات کے بھی روادار نہ ہوئے۔ ایک عالم کی ضیافت کے متکفل تھے، عرس کے ایام میں ایک سو سے زائد اقسام کے کھانے زائرین میں تقسیم کراتے۔ تدبر اور دور اندیشی ایسی پائی تھی کہ فرما مروایان عالم امور جہان بانی میں آپ کے مشورے کے منتظر رہتے۔ اور آپ کی روحانیت کے مدارج اتنے اعلیٰ تھے کہ خود بارگاہ نبوی سے تعلیم پائی اور مولائے کائنات نے آپ کی خواہش پر اپنے فاطمی فرزند ہونے کی تصدیق فرمائی۔ ذوق علم اتنا اعلیٰ پایا تھا کہ باوصف کمال اکثر مطالعہ میں مصروف

رہتے۔ آپ کے کتب خانہ میں مختلف علوم و فنون کی سولہ ہزار کتابیں تھیں جو آپ کے مطالعہ سے گزر چکی تھیں۔ تصوف سے زیادہ لگاؤ تھا۔ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ کی تصنیفات کے شیفہ تھے۔ خود اکثر مطالعہ فرماتے اور خاص خدام کو ان کا درس بھی دیتے۔

عائلی زندگی:

اسد العارفین حضرت سید شاہ محمد حمزہ عینی قدس سرہ کا عقد مسنون سید محمد محسن بلگرامی عرف سید محمد روشن ابن سید محمد سعید ابن سید خیر اللہ کی صاحبزادی دیانت فاطمہ سے ہوا۔ جن سے آپ کے تین صاحبزادے سید آل احمد اچھے میاں، سید آل برکات ستھرے میاں، سید آل حسین سچے میاں اور ایک صاحبزادی وافیہ بیگم تھیں۔ تینوں حضرات علم و عمل اور فضل و کرامت میں بے مثل تھے۔ خصوصاً مظہر غوث اعظم، ابوالفضل، شمس الدین آل احمد اچھے میاں قدس سرہ [م ۱۲۳۵ھ] کا جواب نہ تھا۔ خوارق عادات اس کثرت سے صادر ہوئے کہ ان کے ذکر سے دفتر بھر جائیں۔ آپ اپنے والد کے عکس جمیل تھے۔ ”سلطان مشائخ جہاں“ آپ کی تاریخ ولادت ہے اور آپ کی ذات والا صفات پر مکمل طور سے منطبق۔ آپ کے خلفائے کرام پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے۔ آپ کے مریدین کی تعداد دو لاکھ سے زائد تھی۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب آمد و رفت کے ایسے آسان اور جدید وسائل میسر نہ تھے۔ اس سے آپ کے مرجع خلائق ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔

سراج السالکین حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے میاں قدس سرہ [م ۱۲۵۱ھ] اپنے بڑے بھائی حضرت اچھے میاں قدس سرہ کے وصال کے بعد حسب وصیت، مسند سجادگی پہ متمکن ہوئے۔ آپ بڑے عابد و زاہد تھے۔ تلاوت قرآن حکیم سے خاص شغف تھا۔ آپ سے بھی سلسلہ برکات کو بہت وسعت ہوئی۔ سلطان التارکین حضرت سید شاہ آل حسین سچے میاں قدس سرہ [م ۱۲۳۵ھ] اپنے حقیقی ماموں نواب سید نور الحسن خاں کے ہمراہ چھ سال کی عمر میں کوتاہ (بہار) تشریف لے گئے جہاں ان کی جاگیر تھی۔ آپ کو بیعت و خلافت والد ماجد سے تھی اور برادر گرامی حضور اچھے میاں قدس سرہ نے بھی اپنی توجہات عالیہ سے سرفراز فرمایا تھا۔ لیکن آپ نے بزم ریاست کو زینت بخشی تھی، پر اس حالت میں بھی معمولات خاندانی ترک نہ ہوئے۔

اخلاق کریمانہ:

اسد العارفین حضرت سید شاہ محمد حمزہ عینی قدس سرہ اخلاق نبوت کے عکس جمیل تھے۔ سراپا احترام و ادب، متبسم و مسرور، متواضع و خلیق، ہمدرد و نغمسار، دنیا کے جھیلوں سے دور، عرفان حق کی منزلوں سے قریب، شریعت کے پاسدار، طریقت کے رازدار، مجسم ذوق حسن، سراپا جمال، وفا کے خوگر، خلق کے حاجت روا، صداقت، عدالت، سخاوت اور شجاعت کے مرکز اتصال، بذل و سخا میں بے نظیر، اسلامی قدروں کے پاسبان، اللہ کے محبوب اور اطاعت شعار بندے تھے۔ عرفان حق کی جو اعلیٰ منزلیں آپ کو نصیب تھیں، ان کا ادراک تو اہل دل ہی کر سکتے ہیں لیکن ہم جیسے بے بصیرت بھی کاشف الاستار شریف کے مطالعے سے ان کی بلندیوں کا ٹوپی تھام کر کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔ علم و عمل، عشق و عرفان اور جلال و جمال کے اس گل ہزار رنگ کے کمالات و فضائل کا اجمالی تعارف تو آگے آتا ہے۔ آئیے پہلے حضرت کی حیات طیبہ کے اخلاقی گوشے کے مطالعے سے اکتساب فیض کرتے ہیں۔

احترام و ادب:

احترام اور ادب شناسی فیض یابی کا بھی سرچشمہ ہیں اور فیض رسانی کا بھی۔ اس سے سعادتوں کے درواہ ہوتے ہیں اور کرم کی راہیں کشادہ۔

حضرت عینی عشق و محبت کی خوشبو میں بسی ہوئی دلکش فضاؤں میں پروان چڑھے، حضرت عتیقی جیسے شاہباز لامکاں نے آپ کو لوریاں دی تھیں اور پیغم کے گیت سنائے تھے، تو بھلا آپ کی عشق کے آداب سے کیسے راہ و رسم نہ ہوتی۔ ادب و احترام تو مکتب عشق کا پہلا سبق ٹھہرے۔ اس لئے آپ نے بھی اس کے آداب خوب نبھائے۔

حضرت عینی ہر عالی نسبت کا احترام بجالاتے، خواہ وہ نسبت علم کی ہو یا عرفان کی۔ اکابر اور اساتذہ کے حضور آپ کی جبین احترام ہمیشہ خم رہی۔ والد ماجد اور والدہ ماجدہ کے حضور ہمیشہ پیکر احترام رہے اور ان کی دعاؤں کے طالب۔ یہ واقعہ ذکر ہو چکا ہے کہ آپ نے ایک عجیب سے منحصر میں گرفتار ہونے کے بعد اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بعد ادب دعا کی درخواست کی اور ان کی دعاؤں کی برکت سے اس جھیلے سے نجات پائی۔

حضرت عینی اپنے گرامی اساتذہ کے حضور بھی سراپا ادب دکھائی دیتے ہیں۔ آپ جہاں کہیں بھی ان کا ذکر جمیل کرتے ہیں، اس کی سطروں سے عقیدت و احترام کی خوشبو پھوٹی محسوس ہوتی ہے۔ کاشف الاستار شریف میں کاپی شریف کے بزرگوں اور دیگر صاحبان نسبت کے تذکرے کا خانہ اٹھا کر دیکھ لیجئے، آپ کو خود ہی حضرت کے طرز ادب کا اندازہ ہو جائے گا۔ میں یہاں اس جذبے کا آئینہ دار صرف ایک واقعہ کاشف الاستار شریف سے اقتباس کرتا ہوں۔

”شغل کبریا“ کے ذیل میں حضرت عینی رقم طراز ہیں:

”اس فقیر کے درویش شاہ دیدار علی، اس شغل کی توفیق سے سرفراز تھے اور بہت اچھی طرح ادا کرتے۔ ان کا قصہ یہ ہے دن کا ایک پہر گذرا ہوتا ہے کہ یہ فقیر اپنے جد امجد اور والد ماجد قدس سرہما کی درگاہ میں زیارت کے لئے حاضر ہوتا ہے اور وہاں ہمیشہ بلا ناغہ معمول کے وظائف ادا کرتا ہے۔ پھر درگاہ سے متصل باغ میں اکثر سیر و تفریح کے لئے نکلتا ہے۔ ایک دن باغ کے بنگلہ سے قریب ایک درویش نظر آئے، انہوں نے سبقت کر کے مصافحہ کیا اور فرمایا:

”میں گوالیار سے آپ کی شہرت سن کر آ رہا ہوں اور آپ کے توسط سے قرب خدا کا طالب ہوں۔“

میں نے اپنے ایک فقیر کو ان کے ہمراہ کر کے خانقاہ میں بھیجا۔ جب باغ کی سیر سے لوٹ کر آیا تو معلوم ہوا کہ وہ درویش قطب العارفین شاہ محمد غوث گوالیاری قدس سرہ کی اولاد سے ہیں میں ان کے ساتھ تعظیم سے پیش آیا۔ چند دن کے بعد میں نے انہیں شغل کبریائز کیا۔ ایک ہفتے کے اندر ان کے اندر ایسی شورش اور ناقابل بیان وحشت پیدا ہوئی کہ صحرا نور دی ان کی پہچان اور آہ و نالہ ان کے رفیق بن چکے تھے۔ چھ مہینے تک یہی کیفیت طاری رہی۔ ایک دن میں نے ان سے کہا:

”آپ کے جد امجد کی فیض گاہ سے کچھ زبانی اذکار اس فقیر تک بھی پہنچے ہیں۔ اگر آپ اس میں مشغول ہوں تو زیادہ بہتر ہے۔“

پھر میں نے انہیں اور ادا و دعائیں بتائیں اور مزاج کی اصلاح اور معلومات میں اضافہ کی خاطر علم تفسیر اور تعویذ نویسی کی ترکیب لکڑی کی تختی پر میں نے لکھوائی۔ انہوں

نے کچھ ہی لکھا ہوگا کہ تختی کو اپنے سر پر دو تین بار اس زور سے مارا کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور پھر بھاگ گئے۔ میں نے لوگوں کو دوڑایا، لوگ انہیں پکڑ کر لائے اور مسجد میں بٹھایا۔ بالآخر میں نے رفتہ رفتہ ان کے حالات کی اصلاح کی اور اردو وغیرہ سے انہیں آراستہ کیا۔ ایک دن مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ اگر حکم ہو تو ایک چلہ کھینچوں۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ ابھی ان کے مزاج سے وحشت پورے طور سے دور نہیں ہوئی ہے تو میں نے چلے کی اجازت نہ دی۔ پھر بہت اصرار کے بعد انہیں چلے میں بٹھایا۔ جب دو ہفتے گذر گئے تو اپنے مقررہ خادم سے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ فلاں سے کہو، مجھے چلے سے نکال لیں۔ جب یہ بات میرے کان میں پڑی تو مجھے فکر ہوئی کہ یہ شخص آدھے راستے سے لوٹ رہا ہے تو میں نے کہا، ہاں ہاں! یقیناً میں تمہیں چلے سے نکال لوں گا۔ آج دن اور رات میں فلاں عمل کا بچا ہوا حصہ پورا کر لو۔ دوسرے دن صبح کے وقت میں ان کے پاس گیا اور حالات دریافت کئے اور کہا اب اس جگہ سے اٹھ کر میرے ساتھ آ جاؤ۔ انہوں نے کہا: میں نہیں اٹھوں گا۔ میرے تقاضے اور ان کا انکار کا سلسلہ چلتا رہا تو انہوں نے کہا: اگر میرا چہرہ کالا کر کے گدھے پر سوار کرائیں اور سرانے کے ارد گرد پھرائیں تو میں اٹھوں۔ میں نے کہا: تم اس طرح کی باتیں کیوں کر رہے ہو۔ کل تو تم اٹھنا چاہ رہے تھے، اب کیا بات ہے؟۔ انہوں نے کہا: آدھی رات گزری ہوگی کہ فضا میں ایک تخت نمودار ہوا اور میرے قریب آ کر اتر پڑا۔ غیب سے کسی نے کہا: یہ تیرے جد امجد حضرت شاہ غوث گوالیاری ہیں۔ میں نے تعظیم بجالانے اور مصافحہ کرنے کا ارادہ کیا، فرمایا: یہاں سے اٹھنا مت، اپنی جگہ پر جمے رہو اور فلاں جو تیرے معاملے میں راہنمائی کرے اسی میں اپنی فلاح دارین خیال کرو۔ میں نے کہا: جب تم اپنے جد امجد کو قبر سے نکال لو گے اور انہیں گوالیار سے کھینچ کر اپنے پاس بلا لو گے اور پھر وہ تم سے فرمائیں کہ تم چلے سے نہ اٹھنا تب تمہیں یہ بات قبول ہوگی۔ غرض کہ انہوں نے خیر و خوبی کے ساتھ چلے پورا کیا اور بڑے فیوض حاصل کئے۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

احسان شناسی:

ادب کا ثمر ہے احسان شناسی جو ہمیشہ سعید روحوں کو نصیب ہوا کرتی ہے۔ اس جذبے کی برکت سے فیض و کرم کے آبخار مسلسل جاری رہتے ہیں، ان کا سوتا کبھی خشک نہیں

ہوتا اور رحمت ایزدی بھی اسے خوب سہاوتی ہے۔ ”من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ“ اسی جذبے کی محترم نشاندہی ہے۔

حضرت عینی نے بھی جس کا احسان اٹھایا، اسے ہمیشہ یاد رکھا۔ فن طب میں حضرت کے استاذ حکیم عطاء اللہ مرحوم تھے جن کے طبی نسخہ جات بھی اس تصنیف میں شامل ہیں۔ ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”حکیم عطاء اللہ (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے) فن طب میں اعجاز مسیحا رکھتے تھے۔ یکتا موحد، بے ریا محقق اور دینی اور دنیاوی علوم کے شاندار ماہر۔ انہوں نے تقریباً ستر رویشوں کی زیارت کی تھی۔ شاہ الہ یار اکبر آبادی کے مرید تھے جنہیں اکثر لوگ قطب زمانہ کہتے ہیں۔ انہیں شاہ عبدالقادر گڑھ مکتبہ سیر سے سات سلسلوں کی خلافت حاصل تھی۔ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ فقیر نے علم طب انہیں سے سیکھا تھا۔ ہر شخص کی نگاہ میں محترم اور ہر علم کے ماہر تھے۔ ان کا وطن اکبر آباد تھا۔ ان کے اسلاف کشمیر سے آئے تھے۔ امراء و معززین دل و جان سے ان کی تعظیم کرتے۔ ایک زمانے تک نواب ثابت خان کے نوکر رہے۔ ان کے اقارب سب کے سب طبیب اور ان کے شاگرد تھے۔ ان کے ایک شاگرد رشید شہرہ آفاق حکیم سناء اللہ تھے۔

حکیم عطاء اللہ کی وفات ستانوے سال کی عمر میں ۲۳ صفر ۱۱۵۹ھ کو ہوئی۔ لفظ ”مخزن اسرار“ سے ان کی تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے۔ فقیر اس تاریخ میں ان کے نام فاتحہ دلاتا ہے، قسم قسم کے کھانے پکواتا ہے اور تقریباً پانچ سو بلکہ اس سے زیادہ افراد اس لنگر میں شریک ہوتے ہیں۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

بڑے تو خیر بڑے ٹھہرے، آپ اپنے فیض یافتگان کے حسن سلوک کا بھی پورا پورا خیال رکھتے۔ حضرت صاحب البرکات قدس سرہ کی فیض یافتہ بی بی حنیفہ کی روحانی تربیت حضرت عینی نے بھی فرمائی تھی۔ وہ بھی حضرت عینی کا بہت خیال رکھتیں۔ ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

”اس فقیر (حضرت عینی) نے بعض معاملات میں ان کی تربیت کی تھی، اس لئے وہ بھی اخیر وقت تک اس فقیر کی خدمت کرتی رہیں اور ان کا حق بھی اس فقیر کی گردن پر بہت ہے۔ ان کی نماز تہجد کبھی ناغہ نہ ہوتی۔ آدھی رات میں ہی بیدار ہو جاتیں اور تہجد کی نماز ادا

کرنے کے بعد ذکر نفی و اثبات وغیرہ میں مشغول ہوتیں۔ ہزار دانے کی تسبیح ان کے ہاتھوں میں ہوتی اور وہ اسمائے الہی کے ورد میں مشغول ہوتیں۔ اشراق کے وقت تک وہ یاد الہی میں مست رہتیں۔ اس فقیر نے بھی اس راہ کی کچھ باتیں انہیں بتائی تھیں جنہیں انہوں نے پوری دلچسپی کے ساتھ انجام دیا تھا۔ میرے جد امجد حضرت صاحب البرکات قدس سرہ کی بھی وضو کا پانی وغیرہ دے کر خدمت بجالاتیں۔ چنانچہ حضرت بھی ان پر نگاہ شفقت رکھتے اور ان کی باتوں سے محظوظ ہو کر تبسم ریز ہوتے۔ وہ اکثر و بیشتر مستقبل کے حالات بتا دیتیں اور جیسا کہتیں، ٹھیک ویسا ہی معاملہ رونما ہوتا۔ ان کی رحلت ۵ شعبان ۱۱۷۹ھ میں ہوئی۔ بی بی حنیفہ کی رحلت اس فقیر کے دل پر بہت شاق گزری۔ لیکن پھر یہ کیفیت جاتی رہی۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

توضیح:

توضیح ایسی فیض بار صفت ہے جو خالق کو بھی پسند ہے اور مخلوق کو بھی۔ حضرت عینی بھی اس جلیل الشان فضل و کمال اور جاہ و جلال کے باوجود اس فیض بار وصف سے خوب آراستہ تھے۔ آپ کو کاشف الاستار شریف میں ادب اور تواضع کا رچاؤ سطر سطر میں محسوس ہوگا۔ کہیں بھی ہمہ دانی کا غرور اور مشیت کا طمع طراقت نظر نہ آئے گا۔ چند اقتباس دیکھئے۔

حضرت نے مشائخ اور اقارب کے تذکرے قدرے مفصل کئے۔ جب اپنے اوراق زندگی رقم کرنے کا مرحلہ آیا تو چند سطروں پر اکتفا فرمایا اور وہ بھی اس انداز سے:

”فقیر (حضرت شاہ حمزہ عینی) کے احوال:

اس فقیر کی ولادت ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ میں ہوئی۔ جب میر عمری چونتیس سال کی ہوئی تو حضرت والد ماجد وصال فرما گئے۔ اس وقت سے فقیر حضرت کا جانشین ہے۔ قریب چونتیس سال ہوتے ہیں کہ اسی گھر میں اقامت پذیر ہے۔ فقیر کی عمر سترھ سال کی ہو چکی ہے۔ اب تک لطیفہ غیبی کا منتظر ہے اور اکثر یہ رباعی پڑھتا ہے۔

- ۱- گرگوہر طاعتت نسفتم ہر گز ورگرد گنہ ز رخ زرفتم ہر گز
- ۲- نوید نیم ز آستان کرمات زیر اکہ یکے رادو نلفتم ہر گز
- ۱- گرچہ میں نے تیری اطاعت کا گوہر نہ سمیٹا اور میرے چہرے سے گناہ کی گرد کبھی نہ

دھل سکی۔

۲- لیکن پھر بھی میں تیرے آستان کرم سے ناامید نہیں کیونکہ میں نے کسی کو کبھی تیرا شریک نہ ٹھہرایا۔

ساری عمر حسرت میں گذاردی اور پورا وجود حیرانگی میں گنوا دیا۔ لوٹ کی دکان کا میری گرہ میں نہ ایک پیسہ ہے، نہ دمڑی اور برباد خرمن کا نہ ایک مٹھی جو ہے، نہ ایک قفیز۔ اس مفلسی کے باوجود دنیا والے قطب زمانہ کہتے ہیں اور زمانے والے غوث ارشاد سمجھتے ہیں۔ میں بھی عوام و خواص کے اس فریب خوردہ گروہ میں شامل ہوں اور اپنا ماتم آپ کرتا ہوں۔ اے دل تو کہاں چلا جا رہا ہے اور تیری دوڑ کس راستے پر ہے؟

۱- توئی سرمایہ دنیا و دیں دیگر چمی خواہی دو عالم کرد و سازی ہماں حاصل کنی خود را
۲- ز نومیدی شکایت می کنم چشم از کدی داری کریمے ہم مقرر کن اگر سائل کنی خود را
۱- تو تو خود دین اور دنیا کا سرمایہ ہے۔ تجھے اب کس چیز کی جستجو ہے؟ دو عالم نے تو شرمندہ کیا، اس لیے بہتر یہی ہے کہ تو خود کو حاصل کر لے۔

۲- ناامیدی کی شکایت نہ کرنا۔ اب کس سے امید لگا رکھی ہے؟ اگر خود کو سائل ہی بنانا ہے تو سوال کے لیے کسی کریم کو بھی چن لے۔ استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

اس فقیر کے تین لڑکے ہیں: ۱- پہلا اچھے صاحب ملقب، سید آل احمد، ۲- دوسرا سترے صاحب سے معروف ہے اور نام ہے سید آل برکات، ۳- تیسرا سچے صاحب سے مشہور ہے اور نام ہے آل حسین۔ اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے، ان کی عمروں میں برکت دے اور اپنے اسرار سے آشنا کرے بحق محمد والہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم۔ [کاشف الاستار شریف]

حضرت عینی مقام قطبیت پر فائز تھے۔ لیکن اس شان کمال کے باوجود خود کو ہمیشہ مکتب عرفان کا ادنیٰ طالب علم خیال فرماتے، حتیٰ کہ جن کی خود آپ نے روحانی تربیت فرمائی، ان سے بھی خود کو کمتر سمجھتے۔ یہ تواضع کا وہ مرتبہ ہے جو محض توفیق الہی کی بدولت خاصان خدا کو نصیب ہوتا ہے۔

حضرت صاحب البرکات کے فیض یافتہ درویش شاہ واصل جذب دروں سے آشنا اور دل پر سوز کی دولت سے مالا مال تھے۔ آپ کے نعرہ ہائے مستانہ سے بام و در اور کوہ

وصحرا آباد رہا کرتے۔ ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے حضرت عینی تحریر فرماتے ہیں:

”اس فقیر (حضرت عینی) نے بھی اس درویش کو کچھ اشغال تلقین کئے ہیں۔ اور ہم دونوں نے ایک ساتھ شب بیداریاں کی ہیں، راہ سلوک طے کی ہے اور شب گردی میں مصروف رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے مرشد کامل کی برکت سے اپنا مرحلہ سلوک مکمل کر لیا اور ایک پرسکون مقام پر پہنچ گئے اور یہ فقیر راستے ہی میں پیروں کے بل گر پڑا۔ کیا خوب کہا کہنے والے نے۔“

ماوجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق

او بصحرا رفت و من در کوچہا رسوا شدیم

ہم اور مجنوں مکتب عشق میں ہم سبق تھے۔ وہ تو صحرا پہنچا اور ہم ہیں کہ کوچہ و بازار میں رسوا پھرا کرتے ہیں۔ ہاں ہاں۔

بے طالعی نگر کہ بگوش تو رہ نیافت

با آنکہ نالہائے من از آسمان گذشت

کم نصیبی تو دیکھو: میرے جو نالے آسمان کی بلندیوں سے گذر گئے، ان کی رسائی تیرے کانوں تک نہ ہو سکی۔ (کاشف الاستار، قلمی)

قصبہ بلرام کا ایک خان ساماں حضرت سے ملاقات کا آرزو مند ہوا اور کچھ باطنی فیوض حاصل کرنا چاہے۔ لیکن حضرت نے کچھ منفی آثار دیکھ کر اسے باریابی کی اجازت نہ دی۔ اس نے حضرت عینی کی زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے کئی لوگوں کا وسیلہ لیا لیکن حضرت آمادہ نہ ہوئے اور فرمایا: ”فقیر دل کا تابع ہے، دل اسے قبول نہیں کرتا۔“ آگے لکھتے ہیں:

”اے بھائی! ان حالات کے بیان کرنے سے نہ اپنی تعریف مقصود ہے اور نہ خود پسندی۔ بلکہ اس کی دو تین وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ تو اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرنا ہے کیونکہ ارشاد ربانی ہے: وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اپنے رب کی نعمت کا چرچا کیا کرو)۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ فقیر ظاہری اسباب سے بے نیاز تھا۔ جب صاحب منصب، طبل، ہاتھی اور پرچم والے دنیاوی معززین اس فقیر کے دروازے پر ایک دو مہینے تک پڑے رہیں گے اور صبح و شام دونوں وقت ان کے شایان شایان قسم قسم کے کھانوں کا انتظام کرنا ہوگا تو اس صورت

میں ضرورت سے زیادہ چیزیں طلب کرنی پڑتیں جو فقیر کے مذہب میں کفر سے بدتر ہے۔ دنیا نہر طالوت کی مانند ہے جس سے چلو بھر لینا روا ہے۔ اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جب خان ساماں اس جگہ آتا اور بیعت کی خواہش ظاہر کرتا اور نذر میں نقد و جنس اور دیہات پیش کرتا (جو ہمیں گوارہ نہیں)۔

اور ان سب سے بڑھ کر اصل وجہ یہ تھی کہ اس شخص نے ہر دیار کے جن معتبر مشائخ اور درویش کے حالات کی خوبیاں اور نوازش سن رکھی تھیں کہ ان کی خدمات عالیہ میں حاضر ہونے والا نامراد نہیں لوٹتا، وہ ان سب کے پاس گیا تھا اور اپنا مدعا عرض کیا تھا کہ مجھے شرم و آبرو یا عاقبت بخیر ہونے کی دعا سکھا دیجئے یا اس سے بھی بڑے مقاصد پیش کئے تھے لیکن کہیں سے اس کا مقصد نہیں پورا ہوا ہوگا۔ پس ایسی صورت میں ہم اسے یہاں آنے کی اجازت دیں اور وہ یہاں آ کر زیارت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دیدار کرانے کی فرمائش کر بیٹھے اور یہ فقیر ان تمام چیزوں کی صلاحیت سے خالی ٹھہرا، اپنے تعلق سے یہ گمان ہی نہیں یقین ہے کہ میں اس کی ضرورت پوری نہیں کر سکتا تو پھر مجھے کیا پڑی ہے کہ اپنی شیخی کو برباد کروں اور وہ اللہ والوں کے در سے محروم لوٹے۔ ہاں ہاں ع

بانگ دہل اے برادرز دور خوش است

(پیارے! دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں)

حضرت ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا ۔

- ۱- گر خلق چنانچہ من منم دانند ہم چوں سگ و گربہ در بدر رانند
- ۲- و زانکہ دروں بیروں بگر دانند مستو جب آنم کہ بسوز اندم
- ۱- میں جیسا کچھ ہوں اگر لوگ مجھے جان لیں تو مجھے کتے اور بلی کی طرح بھگا دیں۔
- ۲- مجھے اندر باہر پھر ایا جائے اس سے تو بہتر ہے کہ مجھے جلادیا جائے۔“

(کاشف الاستار، ص: ۵۴۸)

استقامت:

حضرت عینی نے شجاعت اور استقامت کا خاص حصہ پایا تھا۔ حضرت شیر خدا کی

یہ وراثت آبائی آپ کی فطرت تھی۔ بڑے سے بڑا طوفان آپ کے پائے ثبات میں لرزش نہ پیدا کر سکا۔

خانقاہ برکاتیہ کا سجادہ نشین، سجادگی کے بعد خانقاہ معلیٰ سے نکل کر قیام کی خاطر کہیں دوسری جگہ نہیں جاسکتا تھا۔ یہی دستور خاندانی تھا جس پر حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی مرشد گرامی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہما کے دور تک سختی سے عمل ہوتا رہا۔ حضرت خاتم الاکابر نے پہلی مرتبہ بعض ناگزیر وجوہ بنا پر سرکار نور سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ کو خانقاہ سے باہر نکلنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ چنانچہ سرکار نور بدایوں شریف وغیرہ سجادگی کے بعد بھی تشریف لے جاتے۔ آپ کے بعد یہ پابندی جاتی رہی۔

حضرت سید شاہ محمد حمزہ عینی قدس سرہ، والد ماجد کے وصال کے بعد چونتیس سال کی عمر میں سجادہ نشین ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے خانقاہ سے باہر قدم نہ نکالا۔ بڑے نازک موڑ آئے اور بہت وحشت ناک حالات پیدا ہوئے لیکن آپ کا جذبہ استقامت، اکابر کی روایتیں سینے سے لگائے رہا۔ حضرت ایک آپ بیتی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”۱۱۸۴ھ میں جس وقت مرہٹہ فوج نے شہر مارہرہ پر حملہ کیا تھا، اس سے پہلے ہی میرے چچا صاحب (حضرت شاہ نجات اللہ) اپنے بھائیوں اور بچوں کے ساتھ اور دوسرے شرفائے شہر سب کے سب محفوظ مقام پر چلے گئے تھے۔ اور فقیر (حضرت عینی) نے اسلاف کی وصیت کے مطابق اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی تھی۔ اچانک مرہٹوں کی فوج آ پہنچی اور یہاں کی پیہم سرانے کا محاصرہ کر لیا۔ تقریباً تیس درویش اور تیس دنیا دار یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ کسی کے پاس اس گروہ سے جنگ کرنے کی قوت نہ تھی اور کسی کے ہاتھ میں جنگ کے اوزار بھی نہ تھے۔ سب کے سب نہ تھے اور خود سرانے میں چہار دیواری بھی نہ تھی۔ فوجیوں نے سرانے میں اور آبادی کے اندر بھی آگ پھینکی اور آبادی کے اندر داخل بھی ہو گئے لیکن اللہ کا حفظ و امان ساتھ تھا، خود بخود باہر چلے گئے اور ہم سب محفوظ رہے۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

شریعت کا اہتمام:

خاندان برکاتیہ میں احکام شریعت کا زبردست اہتمام ہر دور میں رہا۔ حضرت میر عبد الواحد بلگرامی قدس سرہ نے سبع سنابل شریف میں اپنے اہل خاندان اور مثنیین کو اس کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

سیدنا شاہ آل محمد قدس سرہ دائرہ شریعت کا اس قدر خیال رکھتے کہ آپ کے درویشوں میں سے کسی کو شطیحات کی قطعاً جرأت نہ ہوتی۔ حضرت عینی بھی شریعت کے مکمل پاسدار اور زبردست پابند تھے۔ فرائض و واجبات تو الگ رہے، آپ سنن و مستحبات کی بھی سختی سے پابندی کرتے اور اگر اس کے برعکس کسی کا معاملہ سامنے آتا تو خود اس کی نوعیت سمجھنے کی کوشش فرماتے یا پھر اس کی اصلاح پر آمادہ ہوتے۔

حضرت سید شاہ آل محمد قدس سرہ کے درویش سید فخر الدین احمد قصوری معروف بہ شاہ باقی باللہ بڑے صاحب دل درویش تھے۔ حضرت نے انہیں مسجد برکاتی کی امامت سپرد کی۔ ان کی طرز نماز اور معمولات شب و روز میں کچھ شرعی تفردات نظر آئے تو حضرت عینی نے اس سلسلے میں ان سے استفسار فرمایا۔ انہوں نے اس کی وضاحت کی۔ کاشف الاستار شریف کا یہ اقتباس بھی ملاحظہ کیجئے اور حضرت عینی کے اہتمام شریعت کا جذبہ بھی:

”حضرت اقدس نے پانچوں وقت کی امامت اور جمعہ کے خطبے کی ذمہ داری ان کے سپرد کی۔ وہ قعدہ اولیٰ میں جلدی اٹھ جاتے تھے۔ فقیر نے ان سے اس بات کا اظہار کیا۔ انہوں نے وضاحت کی کہ حدیث شریف میں آیا ہے جناب رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قعدہ اولیٰ میں جلد اٹھ جایا کرتے تھے۔ چند دنوں کے بعد سفر السعادت میں یہ روایت فقیر کو مل گئی۔ اس کی عبارت تھی ”تشہد اول را تخفیف کردے“ قعدہ اولیٰ میں حضور جلد اٹھ جایا کرتے۔ شیخ محدث عبدالحق دہلوی قدس سرہ اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں: ”چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ فرمایا: رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلی دو رکعت کے تشہد میں ایسے رہتے جیسے گرم پتھر پر تشریف رکھتے ہوں، یہاں تک کہ اٹھ جاتے۔ یہ قعدہ اولیٰ میں جلد اٹھ جانے اور قلیل مدت تک بیٹھنے کی جانب اشارہ ہے۔ اس حدیث کو حضرت امام ابو داؤد اور امام نسائی نے روایت کیا۔ سید فخر الدین

نماز عشا ادا کرنے کے بعد خادم سے کنگھا منگاتے اور داڑھی میں کنگھا کرتے۔ میں نے کہا: داڑھی میں کنگھی کرنا زینت ہے اور رات کے وقت اس کا فائدہ سب کو معلوم ہے؟۔ انہوں نے وضاحت کی کہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یونہی کیا کرتے تھے۔ جو شخص مقروض ہو تو اسے چاہئے کہ اس وقت داڑھی میں کنگھی کرے۔ اس سے قرض دور ہوتا ہے۔ نیز سید موصوف عشا کے فرض سے پہلے والی سنتیں نہیں پڑھتے تھے۔ کہتے ہمارے استاد نے یہی بتایا ہے لیکن اس وقت مجھے اس بارے میں کوئی روایت یاد نہیں ہے۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعادت میں لکھا ہے کہ عشا کے فرض سے پہلے والی سنتیں ادا کرنا احادیث میں میری نگاہ سے نہیں گذرا اور حرمین طہیین کے لوگوں کا یہی معمول ہے کہ وہ فریضہ عشا سے پہلے کی سنتیں ادا نہیں کرتے (عشا کی پہلی والی چار رکعتیں حضرت عائشہ کی حدیث میں مذکور نہیں، جن میں حضور کی موکدہ سنت نمازوں کا بیان ہے۔ اس لیے حضرات فقہاء نے اسے غیر موکدہ اور مستحب کے حکم میں رکھا ہے۔ اور ایسی نمازوں کے ادا کرنے اور نہ کرنے والے پر تکلیف صحیح نہیں۔ البتہ ان چار رکعتوں کا غیر موکدہ سنت کی حیثیت سے مشروع ہونا ثابت ہے۔ فقہ حنفی کی مستند کتاب ہدایہ میں ہے: ”واریع قبل العشاء... ولم یذکر الاربع قبل العشاء و لہذا کان مستحباً لعدم المواظبة (۱/۱۲۷) ۱۲ سال (سید موصوف امامت کرتے وقت تکبیر تحریر یہ کہنے میں غلت کرتے۔ شاہ مکن نے ان سے کہا کہ آپ نیت باندھنے میں اس قدر غلت سے کیوں کام لیتے ہیں؟۔ آپ کو چاہئے کہ اقامت مکمل ہونے کے بعد“ انہی وجہت وجہی الخ“ پڑھ کر تکبیر تحریر یہ کہیں۔ شاہ باقی باللہ نے کہا کہ مؤذن کے حکم کی تعمیل اسی بات میں ہے کہ تحریر یہ باندھنے میں جلدی کی جائے۔ چند دن کے بعد واضح ہوا کہ حاجی جلال شکوہ تحریر یہ باندھنے کے سلسلے میں حکم دریافت کرنے کے لئے حضرت محمد رشید علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں پہنچے۔ حضرت محمد رشید نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تکبیر کہنے میں غلت کرنا روایت فقہیہ کے مطابق ہے کیونکہ اس میں مؤذن کے اس قول ”قد قامت الصلوۃ“ کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس لئے تحریر یہ میں تعمیل بھی درست ہے۔ مجھے (حضرت عینی کو) علامہ جامی کا یہ شعر یاد ہے جسے یہاں پیش کرتا ہوں۔

گر وقت نمازے گذرے سوئے مؤذن

قد قامت او پست شود زان قد و قامت

”اگر وہ کسی نماز کے وقت موزن کے پاس سے گزرے تو اس کے قد و قامت کے ساتھ موزن کی قد قامت پست نظر آتی ہے۔“ (یہ محبوب کی صبار فطری کی تشبیہ ہے جس سے تحریر کی تعجیل کا اشارہ ملتا ہے ۱۲ اساحل) (کاشف الاستار، قلمی)

خوش ذوقی:

اسد العارفین سیدنا شاہ محمد حمزہ عینی قدس سرہ بہت خوش ذوق تھے۔ ہر چیز میں نفاست ملحوظ رہتی۔ لباس و طعام، طرز حیات ہر معاملے میں آپ کا ممکن انتخاب، عمدہ رہتا۔ بیسنی روٹی آپ کی محبوب غذا تھی جو ناشتہ کے وقت لی جاتی خصوصاً آم کے بہار یہ موسم میں۔ حضرت کو آم بھی بے حد مرغوب تھے۔ آپ خود تحریر فرماتے ہیں:

”کھانوں میں شیر مال اور جوان بکرے کا گوشت، میوے میں آم، اور اد میں حرز یمانی، مطالعے میں فصوص الحکم اور مراقبہ ہمیں بے حد پسند ہے۔“

تعمیر کا عمدہ ذوق بھی آپ کو ورثے میں ملا تھا۔ یوں تو تعمیرات اور خانقاہ کی انتظامی ضروریات کی ذمہ داریاں حضرت عینی کے چھوٹے بھائی حضرت سید شاہ محمد حقانی قدس سرہ نے سنبھال رکھی تھیں۔ لیکن حضرت عینی نے بھی خانقاہ اور درگاہ معلیٰ کی تعمیرات اپنی نگرانی میں مکمل کرائیں۔ ان میں حضرت کے والد ماجد استاذ المحققین سید شاہ آل محمد قدس سرہ کا روضہ مبارکہ بھی ہے۔

یہ حضرت عینی کے ذوق حسن کی کرامت ہی کہی جائے گی کہ آپ کی فرمائش پر یاقوت خان نے یاقوت گنج (کاس گنج) کی آباد کاری کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ حضرت عینی اس کی روداد بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”یاقوت خان نواب محمد خاں بنگش کا خولجہ سرا تھا، بہت باحشمت اور بڑا توفیق یافتہ۔ اس نے بہت سارے مکان آباد کئے، ہر جگہ آم کے باغات لگائے، اس کے ایک ایک باغ کے درخت ستر ستر ہزار پھل دیتے۔ میری طرح وہ بھی اس پھل کا دلدادہ تھا۔

اب تک یاقوت خان کے لگائے ہوئے باغات مخلوق خدا کو فیض پہنچا رہے ہیں اور اس کے آباد کردہ قصبہ کی آبادی اب تک موجود ہے۔ مارہرہ کے شمال میں چار کوس کے فاصلے پر کالینہ ندی کے کنارے ایک جنگل تھا جو گھاس پھوس سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں

رہزنوں کی لوٹ مار عام تھی۔ لوگ ان کے دست ستم سے بچ کر نہیں نکل پاتے تھے۔ فقیر نے قادر گنج کے راستے میں آتے ہوئے اس جگہ کی حالت دیکھ کر والد ماجد کی خدمت میں عرض کی کہ یہ جگہ آباد کرنے کے قابل ہے، آپ یاقوت خان کو اس جگہ کے آباد کرنے کا حکم دیں۔ جب خان والا شان خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضرت نے فقیر کی بات ان سے کہدی۔ یاقوت خان آداب بجالایا اور اس حکم پر مسرت کا اظہار کیا۔ پھر فقیر کے پاس آ کر میری ہدایت کے مطابق ۱۱۴۸ھ میں اس جگہ کو آباد کرنے میں مصروف ہوا اور اس کے گرد ایک بہت وسیع حصار کھینچ دیا اور منہ بولے بیٹے خدا بخش خان قدوائی کو اس جگہ کا عامل مقرر کیا اور اس جگہ کا نام یاقوت گنج رکھا لیکن عرف عام میں اب وہ کانس گنج کے نام سے مشہور ہو گیا۔ تھوڑی مدت کے بعد وہاں خوب آبادی ہو گئی۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

معمولات عینی:

حضرت عینی اپنے والد ماجد کے پورے طور سے جانشین تھے۔ آپ نے جب مسند سجادگی کو رونق بخشی تو خود کو بالکل آل محمدی طرز میں ڈھال لیا۔ معمولات شب و روز، اذکار و اشغال، فقرا کی تربیت، مخلوق کی حاجت روائی اور ذوق مطالعہ سب کچھ آل محمدی تھا۔ حضرت عینی تہجد کلاں کے پابند تھے، اس لئے ایک تہائی شب باقی رہتے ہی بیدار ہو جاتے اور تہجد کی نماز ادا فرماتے پھر اذکار میں مصروف ہوتے۔ نماز فجر کی سنتیں اول وقت میں پڑھ کر اور ادمعولہ خاندانی کا ورد فرماتے پھر نماز فجر کے بعد باغ کی سیر کو تشریف لے جاتے۔ اس کے بعد درس و مطالعہ، طالبان حق کی باطنی تربیت، ظہر کے بعد قرآن حکیم کی تلاوت اور دنیا داروں کی حاجت روائیوں کے سلسلے رہتے۔ عشا کی نماز سے فراغت کے بعد معمول کے اور اد درگاہ معلیٰ میں ادا فرماتے پھر سنت کے مطابق جلد ہی محو خواب ہو جاتے۔

آپ نے بڑے مشکل ترین اشغال انجام دیئے، جس کی وجہ سے صحت متاثر ہونے لگی اور آپ مزمن امراض میں گرفتار رہنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ پر سنج اور فالج کے آثار نمودار ہونے لگے۔ آپ خود تحریر فرماتے ہیں:

”جاننا چاہئے کہ اس فقیر کو شب بیداری، ذکر بالجہر، اشغال و اوراد اور جس نفس

کے پابند اہتمام کی وجہ سے مزاج میں حرارت پیدا ہو گئی تھی۔ ایام شباب کے علاوہ دنوں میں اس کا علاج تبرید سے کیا گیا۔ رفتہ رفتہ بائیں ہاتھ کی جانب کا حصہ سرد اور درمیانی اور کافی انگلی کچھ سُن ہو گئی تھی۔ تبرید کے شربت، قرص اور خمیرے وغیرہ کا استعمال موقوف کر دیا گیا۔ میرے استاذ گرامی حکیم عطاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”یہ صورت دل کے بخارات کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے“۔ پھر ایک منضج تجویز فرمایا۔

استاد محترم نے تین دن کے بعد یہ گولی تجویز کی، چار گھڑی رات باقی تھی، اس وقت میں نے اسے کھایا اور ایک پہر دن نکلتے نکلتے دس پندرہ مرتبہ فراغت کے ساتھ اجابت ہو چکی تھی۔

ترکیب حَب: ۱- پوست ہلیلہ زرد ۲- تربد ۳- بنفشہ ۴- ہر ایک چھ درہم ۵- گل سرخ ۶- کاسنی ۷- ہر ایک ڈھائی درہم ۸- ایارنج فیکرا ۹- پانچ درہم ۱۰- کیترا ۱۱- سقمونیا مشوی، سب ساڑھے چھ ماشہ۔ ساری دوائیں کوٹ پیس کر دس ماشہ سے ایک تولہ کی مقدار تک اس پانی سے کھائیں جو دو تولہ ترنجبین سے کشید کیا گیا ہو۔

جب جوانی کی حرارت اور ذکر و جس کی گرمی جسم میں پیدا تھی، اس وقت یہ حب ایارنج معتدل تجویز فرمایا، جس کے استعمال سے مجھے بے حد فائدہ پہنچا اور اعضا کی بے حسی بالکل جاتی رہی۔ چند سال کے بعد کہ سات آٹھ سال گزرے ہوں گے، حضرت والد ماجد قدس سرہ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ یہ فقیر حضرت کے داغ فراق میں مبتلا ہو کر گوشہ نشین ہو گیا اور دواؤں اور مسہل کے استعمال سے بے خبر۔ دو تین سال گزرنے کے بعد جب میری عمر اڑتیس سال ہو چکی تھی، وہی مذکورہ بے حسی پھر دونوں انگلیوں میں نمایاں ہو گئی اور مزاج میں بہت زیادہ برودت اثر کر گئی۔ اس وقت ایک منضج تیار کرایا گیا۔

چونکہ اعضا کی بے حسی اور فالج کے آثار کے ساتھ میرے جوڑوں میں بھی درد تھا، اس لئے منضج میں سورنجان کو بھی شامل کیا گیا۔ اس مسہل کے استعمال سے بلغم بہت نکلا، تقریباً پندرہ بیس مرتبہ اجابت ہوئی۔ اس دوران جب کبھی خفقان قلب اذیت دیتا تو میں ایک حَب مسہل استعمال کرتا۔

فقیر کی عمر اس وقت ۱۱۹۶ء میں چھیا سٹھ سال کی ہو چکی ہے، اب تک یہی مسہل استعمال کرتا ہے۔ چنانچہ ابھی اس تحریر کے وقت بھی میں نے یہی مسہل استعمال کیا ہے۔

بہت زیادہ برودت بدن پر طاری ہے اور چند سال سے اختلاج کا عارضہ بھی پیدا ہو چکا ہے، جوڑ جوڑ درد کرتا ہے کہ اپنی جگہ سے اٹھنے میں بھی پریشانی ہوتی ہے۔ جاڑے کے موسم میں گرم روغنوں کا بھی استعمال ہوتا ہے اور ترشا ہوا کچلہ بھی ایک رائی کے برابر پان کے ساتھ اکثر کھاتا ہوں۔ زنجبیل اور تھوڑا سا نمک ملا کر سفوف تیار کرتا ہوں۔ کم دن ایسے گزرے ہوں گے جن میں یہ سفوف قریب دو تولہ میں نے نہ کھایا ہو، چاہے موسم گرمی کا ہو یا جاڑے کا۔ لاپچی اور لونگ کا بھی استعمال رہتا ہے، ان دونوں کو پان کے ساتھ چباتا ہوں۔ جب کبھی میرے دماغ میں رطوبت زیادہ ہو جاتی ہے تو تنباکو، مشک اور چند بیدستر کو ملا کر سعوط بھی لیتا ہوں۔ لیکن صرف تنباکو کا دائمی ناس لینا بھی مفید ہے۔ ترش چیزوں کے استعمال سے پرہیز کرتا ہوں بالخصوص سرکہ سے کہ یہ میرے مزاج کے لئے بے حد مضر ہے۔

ان تدبیروں کے باوجود ہر سال ضعف پیری روز افزوں ہے اور برودت غالب ہوتی جاتی ہے۔ دو سال سے ہاتھ پیر کی انگلیوں میں تشنج کی کیفیت بہت پیدا ہو چکی ہے اور دائیں بائیں پہلو میں اور جمائی لیتے یا پہلو بدلتے وقت تشنج کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے۔ خصوصاً جس وقت روزہ طے (اس روزہ میں تین دن بعد کھانا کھاتے ہیں اور بیچ کے دنوں میں صرف تین چار قطرہ پانی سے افطار کرتے ہیں) افطار کرتا ہوں، گرمی کا موسم ہو یا جاڑے کا، تو پانی زیادہ پینا ہوتا ہے، اس لئے انگلیوں میں تشنج بہت پیدا ہونے لگتا ہے۔ لوگ انگیٹھی حاضر کرتے ہیں، ہاتھ اس کے قریب لے جاتے ہیں، اس کی حرارت سے انگلیاں بہت جلد درست ہو جاتی ہیں۔ گمان غالب ہے کہ یہ تشنج رطوبت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر یاروں کی رائے ہو، سفر آخرت اختیار کیا جائے اور سچی بات یہ ہے کہ میں خود اپنے وجود سے تنگ آ چکا ہوں۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

خدمت خلق:

حضرات اولیائے کرام کا محبوب شیوہ رہا ہے خدمت خلق اور مخلوق خدا کی حاجت روائی۔ آج کی یورپی دنیا رفاہی کاموں کے اعزاز میں نہ جانے کتنے ایوارڈ اور تمغے پیش کرتی ہے لیکن حضرات صوفیہ نے شان فقیرانہ کے ساتھ انسانیت کی جو خدمت کی ہے اور غموں کو بانٹنے، دلوں کے جوڑنے اور ستم رسیدہ انسانیت کو سکون کی دولت عطا کرنے کا جیسا

لازوال کارنامہ انجام دیا ہے، اس کے سامنے یورپ کے سارے رفاہی اداروں اور افراد کی کارکردگیاں ہیچ ہیں۔

حضرات صوفیہ ”الخلق عیال اللہ“ کا نظریہ رکھتے ہیں۔ اس لئے اپنے اعتقادی تہذیب کے ساتھ ساتھ بلا تفریق مذہب و ملت، ہر ایک کے کام آنا، ان کا معاشرتی شیوہ رہا ہے۔ حضرت عینی اپنے عہد کے سرخیل صوفیہ تھے اور حضرت عشق کے فیض یافتہ۔ اس لئے آپ نے بھی اپنی منصبی ذمہ داریاں خوب نبھائیں۔ جو خدا کا طالب ہو کر حاضر ہوا، اسے منزل تک پہنچایا گیا، جو دنیا کا طلب گار بن کر آیا، اسے دنیا کی سہولتیں بخشی گئیں۔ کاشف الاستار کے طبی نسخوں اور عملیات کے باب میں آپ جگہ جگہ اس کے تائیدی مناظر دیکھیں گے۔ طبی نسخے خانقاہ عالیہ میں تیار رہتے۔ ضرورت مند حاضر ہوتے اور کرامت آثار دوائیں لے کر رخصت ہوتے۔ یونہی کئی ایسے واقعات بھی آپ کے ذوق مطالعہ کو جلا بخشنے نظر آئیں گے جن میں اس خانقاہ عالی جاہ کے ممتاز اراکین کی خدمت میں الجھے مسائل پیش کئے گئے اور ثالثی کی درخواست کی گئی۔ رہ گئی بذل و سخا، جو دعوے اور عمومی ضیافت کی سنت تو یہ تو آپ کے خاندان عالی شان میں صدیوں سے جاری ہے۔ حضرت صاحب البرکات قدس سرہ کے عرس مبارک میں سو سو قسم کے کھانے تیار ہوتے اور حاضرین کی خدمت میں پیش کئے جاتے۔ حضرت عینی تحریر فرماتے ہیں:

”ایک سال ایک لاکھ چونتیس ہزار آم شام کو روزہ افطار کرنے کے بعد عرس میں تقسیم ہوئے اور بڑی اور شیریں پیوندی بیر بھی چھوٹی بڑی ٹوکریوں میں تقسیم ہوتی تھی۔ ارشاد ربانی ”وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ“ (اپنے رب کی نعمت کا چرچا کیا کرو) کے مطابق یہ اقسام طعام بیان ہوئے۔

..... یہ فقیر ارشاد باری تعالیٰ ”كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ“ (پاکیزہ اور عمدہ چیزیں کھاؤ) کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے عمدہ چیزوں کا طالب رہتا ہے اور جو بھی اس باب الہی پر حاضر ہوتا ہے، روٹی کے ٹکڑے سے محروم نہیں لوٹتا۔ امید غالب ہے کہ الہی نعمتوں سے کوئی خالی نہ گیا ہوگا۔ گھر میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ سب کے لئے ہوتا ہے۔ فقیر کا گھر تو اللہ کا گھر ہے (جو ہر ایک کے لئے کھلا رہتا ہے)۔“

(کاشف الاستار، قلمی)

ایک مرتبہ قزلباشوں نے یورش کی۔ نواب وزیر منصور خان اپنے ایک غیر مسلم حلیف کی مدد کے لئے دہلی سے چلا لیکن مارہرہ مطہرہ کے قریب پہنچنے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ اس کا حلیف قتل ہو چکا اور اس کی فوج شکست کھا چکی۔ اس نے مارہرہ کے قریب ہی ٹھہر کر اپنی فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ اب اس کے بعد کا واقعہ حضرت عینی کے زرنگار قلم سے ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت رقم طراز ہیں:

”نواب وزیر منصور علی خان کو جب افغانوں کے حملہ کی خبر ملی تو نول رائے کی مدد کے لیے دہلی سے یلغار کر کے مارہرہ کے قریب پہنچا۔ یہاں اسے اطلاع ملی کہ نول رائے مارا گیا۔ اس نے اسی جگہ ٹھہر کر فوجیں اکٹھی کرنی شروع کر دیں۔ چند دنوں کے بعد رمضان المبارک کے مہینے میں عصر کے وقت قزلباشوں اور دوسری فوجوں نے شہر مارہرہ پر تاخت کی۔ فقیر اپنے گھر میں تھا اور سواروں اور پیادوں کی یورش اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ چنانچہ شہر تاراج ہو کر رہ گیا۔ تقریباً سو افراد قتل اور زخمی ہوئے تھے۔ فقیر کے بھائی خان صاحب سید نور الحسن خان سلمہ اللہ تعالیٰ نے نواب کو اس حادثے کی اطلاع دی اور خود اپنے بھائیوں کے ساتھ مسلح ہو کر فقیر کی سرانے کی حفاظت کے لیے آن پہنچے۔ نواب نے عریضہ پڑھ کر جلدی سے شتر سواروں اور چوہداروں کو روانہ کیا۔ انہوں نے آتے ہی الامان الامان کی صدا بلند کی۔ قزلباش شہر سے بھاگ گئے اور جو ہونا تھا، وہ ہو چکا تھا۔ صبح کے وقت لشکر کے امراء حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے بڑے عتابانہ انداز میں گفتگو فرمائی۔ وزیر نے یہ واقعہ سن کر بدرالاسلام خان، نواب رعایت اللہ خاں اور مہانراؤن کو الگ الگ حصوں میں روانہ کیا اور حضرت سے معذرت کی کہ مجھے اس حادثے کی اطلاع نہ تھی۔ حضرت نے فرمایا، تم غلط کہتے ہو۔ تم نے ہمارے شہر کو ویران اور تہس نہس کر ڈالا۔ آخر کار نواب وزیر نے اپنے رشتہ دار نصیر الدین حیدر خان کو حضرت کی خدمت میں روانہ کیا۔ انہوں نے حاضر بارگاہ ہو کر اپنی دستار زمین پر ڈال دی اور بہت منت سماجت اور معذرت کا اظہار کیا۔ حضرت نے بس اتنا ہی فرمایا کہ تو نے جو سلوک ہمارے شہر کے ساتھ کیا، اس کی سزا تجھے بارگاہ خداوندی سے ملے گی۔ پھر اس سے اس کے وطن اور دوسرے حالات دریافت کر کے رخصت کیا۔ نواب وزیر نے اس غارتگری کی تلافی کرتے ہوئے شرفائے شہر کو تین ہزار روپے بھیجے۔ اس فقیر اور برادر سید نور الحسن خان سلمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت

صاحب البرکات کی درگاہ میں شہریوں کے نام لکھ کر ان کے حال کے مطابق وہ رقم ان کے درمیان تقسیم کر دی۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

غرض اس طرح کی غمگساریاں اس آستان عرش نشان کی عمومی شناخت تھیں۔ لیکن یہ غمگساریاں اور حاجت روائیاں سب لوجہ اللہ تھیں۔ ان میں نہ کوئی ذاتی مفاد پوشیدہ ہوتا اور نہ ہی کسی قسم کی دنیا داری چھپی ہوتی، بلکہ اگر کوئی ایسی غرض لے کر آتا بھی تو اسے الٹے قدموں واپس کر دیا جاتا۔ اسی نواب وزیر کا نیا تصادم، نواب احمد خان فرخ آبادی کی فوج سے ہوتا ہے، جس میں نواب وزیر کو شکست ہوتی ہے۔ حضرت عینی اس کی روداد الم بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”جب نواب کی فوج شکست کھا گئی۔ اس وقت محمد علی خان اور برادر م سید نور الحسن خان اور ان کے بھائیوں کے سوا دوسرا وہاں کوئی نہ ٹھہر سکا۔ نواب وزیر نے وہاں سے نکل کر دو کوس کی مسافت طے کی اور پھر کھڑا ہو کر نیرنگی قدرت کا تماشا دیکھا کیا۔ نہ ہاتھیوں کا ریوڑ تھا، نہ گھوڑوں کے اصطل، نہ خیمہ، نہ توپ خانہ وغیرہ غرض امارت کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ ایک سرد آہ کھینچی۔ اس دوران اس کی بچی کچھی فوج بھی اکٹھا ہو گئی۔ مارہرہ کے قریب فقیر کے باغات میں ٹھہر کر سید احمد سعید خان کو جن کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے، حضرت والد ماجد کی خدمت میں بھیجا تا کہ وہ حضرت کے یہاں سے بندوق کے زخموں کے علاج کا سامان لے آئیں۔ حضرت کے پاس معالجے کا جو بھی سامان موجود تھا، ان کے حوالے کر دیا۔ سید موصوف اپنے ہاتھوں میں عربی گھوڑے کو لے کر وہاں پہنچے اور پھر نواب نے زخموں کو داغ کر مارہرہ سے کوچ کیا۔ اور بہت تھوڑی مدت میں ہی دھن سے ملہار مرہٹہ کو بلایا اور اس کے پہنچنے تک برادر م سید نور الحسن خاں کے ذریعہ دو لاکھ روپیہ، نصف نقد اور نصف چیک کی شکل میں ان کے دوسرے بھائیوں کے ساتھ فقیر کے پاس بھیجا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ چونکہ احمد خاں ایک دور دراز مشکل مقام پر ہے۔ افغان رسالہ داروں اور جتھے داروں کو زرو مال کی لالچ سے ورغلا کر جس کو جتنی رقم مناسب سمجھیں، دیدیں اور ان سبھوں کو ہمارے پاس فوراً روانہ فرمائیں بلکہ شادل خان بھی اگر آنے پر آمادہ ہو تو میں اسے اپنا ایک عظیم المرتبت وزیر بنادوں گا اور اس کے لیے بادشاہ سلامت سے منصب اور جاگیریں بھی حاصل کر لوں گا۔ بہر کیف! جتنے افغان بھی سوار ہوں یا پیادہ احمد خاں کے لشکر سے توڑ کر فرماہم

ہو سکیں، انہیں ہمارے پاس بھیج دیں۔ میں نے کہلا بھیجا کہ اگر چہ افغان زرو مال کی لالچ میں اپنا دین و ایمان بھی بیچ دیں گے، اس لیے یہ معاملہ آسان ہے لیکن یہ ہمارا طریقہ نہیں کہ اس قسم کے سیاسی معاملات میں پڑیں۔ پھر میں نے یہ شعر پڑھا۔

تو برائے وصل کردن آمدی یا برائے فصل کردن آمدی
تمہیں دلوں کو جوڑنے کے لیے بھیجا ہے، توڑنے کے لیے نہیں۔“

(کاشف الاستار، قلمی)

خلفائے عینی:

خاندان برکات کے خلفا کے بارے میں خود حضرت عینی نے ایک مفصل کتاب تحریر فرمائی تھی جس کا تذکرہ کاشف الاستار شریف میں جا بجا ملتا ہے۔ پتہ نہیں وہ تصنیف لطیف محفوظ بھی ہے یا نہیں۔؟ اس کتاب میں حضرت نے یقیناً اپنے فیض یافتہ درویشوں اور خلفا کا ذکر فرمایا ہوگا۔ کاشف الاستار شریف میں اختصار کی راہ اپنائی گئی اور تواضع کے جذبے نے ذاتی حالات سے حجاب بھی نہ اٹھنے دیا۔ اس لئے کسی ایک جگہ حضرت کے خلفا کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ حضرت نے اشغال و اذکار کے ذیل میں اپنے بعض درویشوں کا ذکر فرمایا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہی منتشر اقتباسات یکجا کر دیئے جائیں تاکہ مستفیدین کے لئے آسانی ہو۔

آپ کے چھ درویش خلفا کا مختلف مقامات کے مطالعے سے علم ہو سکا۔

۱- شاہ نصیر الدین لنگ۔ ۲- شاہ حفظ اللہ۔ ۳- شاہ رمضان اللہ۔ ۴- شاہ رحیم

اللہ۔ ۵- شاہ دیدار علی۔ ۶- شاہ سیف اللہ۔ قدس سرہ

۱- شاہ نصیر الدین لنگ قدس سرہ کے بارے میں حضرت عینی ایک مقام پر لکھتے ہیں:

”اس فقیر کے درویشوں میں شاہ نصیر الدین علم وفق میں خوب مہارت رکھتے تھے۔

چونکہ چوروں نے ان کے گھٹنے پر تلوار کا وار کیا تھا، اسی وجہ سے ان کے پاؤں میں لنگڑاہٹ تھی

اور لوگ انہیں ”نصیر الدین لنگ“ کے نام سے پکارتے تھے۔ کنبوہ قوم سے تعلق تھا، سنبھل کے

رہنے والے تھے۔ خانقاہ برکاتیہ میں حاضر رہتے۔ مسجد برکاتی میں اذان کی خدمت انہیں کے

سپردھی۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

۲- ”ذکر سوتنی“ کے ذیل میں شاہ حفظ اللہ قدس سرہ کا تذکرہ ان لفظوں میں ملتا ہے:
 ”ذکر سوتنی فقیر کے احباب میں میوات کے باقی شاہ حفظ اللہ خوب ادا کرتے ہیں اور انہوں نے بہت سارے فیوض و برکات حاصل کئے ہیں۔ انہیں یہاں کی سند خلافت دی گئی ہے اور بہت سارے لوگ ان کے ہاتھ پر داخل سلسلہ ہوئے ہیں۔ بڑے حقائق آشنا ہیں۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

۳- شاہ رمضان اللہ قدس سرہ کا تذکرہ قدرے تفصیل سے ملتا ہے۔ شغل پاس انفاس کے ذیل میں حضرت عینی رقم طراز ہیں:
 ”پاس انفاس کے فیض یافتوں میں شاہ رمضان اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ انہیں پاس انفاس حصری کے شغل سے انشراح حاصل ہوا۔ ان کا مبارک قصہ یہ ہے:

اس فقیر کے خلیفہ شاہ سیف اللہ ملانوی صاحب مجاہدہ و مشاہدہ تھے اور وجد و حال سے مالا مال۔ اسماء کی دعوت دینے اور جنوں کو حاضر کرنے میں ہم عصروں میں بہت ممتاز تھے۔ میرے جدا مجد صاحب البرکات قدس سرہ کے عرس کے ایام محرم ۱۱۶۶ھ میں انہیں فقیر کی خلافت حاصل ہوئی۔ اس کے بعد شاہجہان آباد (دہلی) چلے گئے۔ راستے میں قصبہ کنکھری پڑا جہاں مخدوم شیخ ثنائی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا آستانہ ملا۔ وہاں حضرت کے عرس میں شریک ہوئے۔ شیخ رمضان اللہ سہاوری بھی اس جگہ عرس کی تقریب میں حاضر تھے۔ انہوں نے شاہ سیف اللہ سے بیعت کر لی اور پاس انفاس حصری میں مشغول ہوئے، یہ شغل جس دم کا ہی ایک شعبہ ہے۔ عرس کے بعد شاہ سیف اللہ تودہلی چلے گئے اور شاہ رمضان اللہ سہاوری لوٹ آئے۔ تھوڑی مدت ہی میں اس شغل نے انہیں بالکل بے خود کر کے رکھ دیا۔ بالکل سرمست ہو کر روزانہ جنگل میں لومڑیوں اور ہرنوں کے ساتھ اوقات گزارتے، رات میں ہینس کے خاردار درخت کے سایہ میں سوتے۔ ارے بھی! ایک عشق کے مارے دیوانے کو اس سے بہتر کون سی لذت میسر آئے گی۔

کبھی ہرنوں کے مانند صحرا نو دری کرتے ہیں اور کبھی لومڑی کی طرح ویرانے میں سوجاتے ہیں۔

شاہ رمضان اللہ کے عزیز و اقارب ان کی تلاش میں حیران و پریشان کبھی صحرا میں ڈھونڈتے اور کبھی خارزار جنگلوں میں۔ اسی حالت سرمستی میں دو سال بیت گئے۔ فقیر ایک

دن نماز ظہر کے بعد مسجد میں درویشوں کو تفسیر وغیرہ کا درس دے رہا تھا۔ ایک عزیز وارد ہوئے جن کے چہرے پر شغل کا اثر اور دیوانگی کی کیفیت واضح تھی۔ میں کہا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں اسی خاندان کا غلام ہوں اور شروع سے گزشتہ حالات بیان کئے۔ رات خانقاہ میں گذاری۔ اس وقت جاڑے کے موسم میں فقیر تہجد کلاں پڑھتا تھا جسے نصف شب کے بعد دو گھڑی گذر جانے کے بعد ادا کرتے ہیں۔ رات کے اس سنائے میں اس شخص کی مستی بھری آواز، سانسوں کی آواز، مستانہ نعرے میرے کان میں پہنچ رہے تھے۔ دل میں خیال گذرا کہ فلاں درویش ہوگا لیکن دل اس خیال پر مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔ وہم نے کہا شاہ انور ہوں گے۔ اخیر میں مجھے خیال آیا کہ یارتازہ کی آواز ہوگی۔ میں زبانی یاد میں مشغول تھا اور وہ قلبی یاد میں مصروف۔ تہجد سے فراغت کے بعد نماز فجر ادا کرنے کے لئے میں خلوت کدے سے باہر نکلا تو دیکھا کہ فقیر سے دو تین آدمی کے فاصلے پر وہ نماز میں کھڑا ہے۔ امام نے اللہ اکبر کہا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ بہر حال! میں نے اسے تھوڑی سی اصلاح دے کر رخصت کیا، چند دنوں کے بعد وہ عالم صحو میں آگئے۔ حضرت جدا مجد کے عرس میں اپنے مریدوں کی جماعت کے ساتھ شامل ہوئے اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ ان کے مریدوں کی از سر نو اصلاح کی گئی۔ خود شاہ رمضان اللہ ایک متواضع اور پرسکون انسان ہیں، ان کے انفاس میں ایسی تاثیر ہے کہ جو شخص ان کا مرید ہو جاتا، جلد ہی اس پر بے خودی اور دیوانگی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور سماع کے وقت ان پر اور ان کے احباب طریقت پر ایسی کیفیت طاری ہوتی کہ ان کے ہاتھ پاؤں اٹٹھنے لگتے اور شیخ کی کیفیت طاری ہونے لگتی۔ چنانچہ ان کے بارے میں یہ بات مشہور ہو چکی ہے کہ فلاں کا جو بھی مرید ہوتا ہے، صحرا نو درو دیوانہ ہو جاتا ہے۔

ع دروغ نیست اینک شاہدے هست

(یہ بات جھوٹ نہیں ہے اس کا ایک گواہ بھی ہے)

۴- ”شاہ رحیم اللہ قدس سرہ“ کا تذکرہ ”شغل یاد کرد“ کے ذیل میں حضرت عینی نے بہت محبت کے ساتھ فرمایا ہے۔ حضرت عینی کے محبت بھرے الفاظ ملاحظہ کیجئے:

”اس شغل کو اس فقیر کے احباب میں شاہ رحیم اللہ بہت اچھی طرح ادا کرتے ہیں جو میوات میں کامان نامی قصبہ کے رہنے والے ہیں۔ بڑے با اخلاق انسان ہیں، ان کا چہرہ ایمان کے نور سے دمکتا رہتا ہے۔ حضرات صوفیاء کے حقائق کی باریکیوں اور گہری باتوں

کے مفہوم سے بخوبی آشنا، درد و شوق اور لطافت ذوق سے سرفراز۔ تقریباً تیس سال کے عرصے سے فقیر کے ساتھ رہتے ہیں اور ذکر و فکر کے جو طریقے میں انہیں بتاتا ہوں، اسے وہ بہت خوبی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ ایک سال میں نے انہیں چلے میں بٹھایا۔ چند دن گزرے ہوں گے کہ ان کی زبان پر ریختہ اشعار جاری ہو گئے۔ اب تک ان کے دیوان مرتب ہو چکے ہیں۔ پورے دیوان میں اس فقیر کی تعریف کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اعزاز کے ساتھ سلامت رکھے۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

۵۔ شاہ دیدار علی سیدنا شاہ محمد غوث گوالیاری قدس سرہما کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا واقعہ ”ادب و احترام“ کے ذیلی عنوان میں ذکر ہو چکا ہے۔ اس کے اخیر میں حضرت عینی تحریر فرماتے ہیں:

”خواہش کے مطابق خلافت سے نواز کر میں نے انہیں رخصت کیا۔ قلعہ کوہد کے قلعہ دار نے انہیں باغ میں جگہ دی اور بڑی منت سماجت اور اصرار کر کے انہیں وہاں ٹھہرایا، ان کے لیے مکان اور خانقاہ تعمیر کر کے نذر کی۔ ایک مرتبہ رانا چھتر سنگھ اپنی غرض کے لئے نذرونیاز کے ساتھ ان کے پاس حاضر ہوا تھا۔ الحمد للہ اس درویش کے حالات درست ہیں۔ ابھی بھی اسی قلعہ میں ہیں۔ سندھیامرہٹہ نے تین سال قلعوں کا محاصرہ کئے رکھا۔ اس نے امسال ۱۱۹۷ھ میں قلعہ گوالیار فتح کر لیا لیکن قلعہ کوہد ابھی تک محفوظ ہے۔

۶۔ شاہ سیف اللہ سہاوری قدس سرہ: ان کا تذکرہ، حضرت تاج العلماء شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری قدس سرہ نے ”تاریخ خاندان برکات“ ص ۱۰۸ پر کیا ہے۔ صرف ”شاہ سیف اللہ سہاروی خلیفہ حضرت سید شاہ حمزہ قدس سرہ“ کی عبارت ملتی ہے اور بس!

وصال پر ملال:

علم و عمل، عشق و عرفان، رحم و مروت اور جلال و جمال کا آفتاب صبح اجل کی ردا میں (جمعرات کی شب) ۱۴ محرم الحرام ۱۱۹۸ھ کو روپوش ہو کر رہ گیا۔ زندگی کا ایک زرتاب ورق لوٹ گیا۔ طریقت کی بہاروں نے اپنی بساط سمیٹ لی اور دلوں کی دنیا تاریک ہو کر رہ گئی۔

تم تھے تو زندگی بھی فردوس زندگی تھی
لے جاؤ زندگی بھی، اب زندگی میں کیا ہے

حضرت عینی قدس سرہ کے وصال کے بعد آپ کے بڑے شاہزادے مظہر غوث اعظم سیدنا ابوالفضل، شمس الدین آل احمد اچھے میاں قدس سرہ مسند غوثیت پر جلوہ آرا ہوئے اور ایک عالم میں اپنی نگاہ کیمیا اثر کا فیض تقسیم کیا۔ آپ کا باطنی فیض اس قدر عام ہوا کہ مارہرہ مطہرہ کی خانقاہ ”اچھے میاں کی درگاہ“ کے نام سے شہرت پا گئی۔ اس زمانے میں آپ کے خلفا و مریدین کی تعداد دولاکھ سے زائد تھی۔ آپ سے خوارق عادت اس کثرت سے سرزد ہوئے کہ ان کے ذکر سے دفتر بھر جائیں۔ مختصر یہ کہ آپ حضرت عینی کی پاکیزہ دعاؤں کا اثر تھے۔

فضائل و کمالات

اسد العارفین سیدنا شاہ محمد حمزہ قادری قدس سرہ اپنے جد امجد حضور صاحب البرکات قدس سرہ کی زندہ کرامت تھے۔ آپ کے عہد میں آپ کے سامنے بڑے بڑوں کا چراغ نہ جلتا تھا۔ ضیافت صدیقی، تدبر فاروقی، غنائے عثمانی اور فقر حیدری کے سچے وارث اور جانشین تھے۔ علم و بصیرت بے مثل پائی تھی۔ مطالعہ سے خاص شغف تھا۔

آپ کے نیاز مند اور مستر شہین میں وقت کے بڑے بڑے امرا اور سلاطین بھی شامل تھے۔ آپ کا فیض آفتاب عالمتاب کی مانند دنیا کو محیط رہا، آپ کی روحانی تربیت خاص بارگاہ نبوت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ سے ہوئی لیکن بآں ہمہ علم و فضل، تواضع کی ایک خاص شان پائی تھی۔ محاسن و کمالات کے اس گلستاں میں بڑے سدا بہار گلستے دکھائی دیتے ہیں۔ فکر و عمل کا ایک شاداب جہان آباد نظر آتا ہے۔ علم و فن کے چمن زار ہوں یا روحانیت کے گل بداماں شبستان، یہ سر و خراماں جدھر کا رخ کرتا ہے، اپنی جوت جگائے بغیر نہیں لوٹتا۔ آپ کے یہاں ہر فن میں ایک نمایاں انفرادیت اور ہر فکر میں ایک اچھوتا پن ملتا ہے۔ آئیے حضرت کے علمی کمالات اور روحانی فضیلتوں کے سعید نظارے سے اپنی سعادتوں کا سامان کرتے چلیں۔

علمی فضائل:

حضرت عینی کے علمی احاطے میں جملہ مروجہ علوم کے زاویے سمٹے ہوئے تھے۔ تفسیر وحدیث، فقہ و تصوف، اصول و بیان، معانی و عروض، جفر و تفسیر، طب و ادب سبھی کچھ آپ کی فکر سے روشن تھے۔ ان علوم سفینہ کے علاوہ بہت سارے وہ علوم سینہ بھی آپ کی

دسترس میں تھے جو معرض بیان میں نہیں آ سکتے۔ ان تمام علوم کے اشاریے کا شرف الاستار شریف میں تلاش کئے جاسکتے ہیں، خصوصاً آپ کے صوفیانہ مکاتیب تو خاصے معرکے کی چیزیں ہیں۔ حضرت کا ایک منفرد صحیفہ علمی سامنے ہے۔ حضرات قارئین اس کے مطالعے سے خود ہی حضرت کی عبقریت علمی کا اندازہ کر لیں گے۔ میں یہاں صرف چند ممتاز گوشے سامنے رکھتا ہوں۔

حضرت عینی۔ جامع العلوم:

حضرت عینی، تفسیر وحدیث، فقہ واصول اور تصوف وسلوک کے دانائے راز تھے۔ اس کی تائید دیکھنی ہو تو ذکر بالجہر کی بحث دیکھئے۔ آپ نے اس میں جیسی جامع، محققانہ اور فقیہانہ بحث پیش فرمائی ہے، وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ذکر خفی سے تعلق رکھنے والی آیات واحادیث اور اقوال ائمہ کی ایسی شاندار توجیہ فرمائی ہے کہ طبیعت عیش عیش کر اٹھتی ہے۔ یہ علمی بحث علوم تفسیر، حدیث اور فقہ وسلوک میں آپ کی مہارت کی شاندار دلیل ہے۔

اس بحث میں آپ نے کتب تفسیر میں: ۱- تفسیر زاہدی، ۲- تفسیر بیضاوی۔ ۳- تفسیر حسینی، ۴- تفسیر مجمع البیان وغیرہ کے حوالے پیش فرمائے ہیں۔ کتب حدیث میں صحاح ستہ، مشکوٰۃ شریف، شرح سفر السعادة، اشعة الممعات، حصن حصین کے حوالے ملتے ہیں۔ فقہی روایات کا تو انبار نظر آتا ہے۔ لطائف اشرفی کے حوالے سے مجموع النوازل، فتاویٰ خانہ، جامعۃ الکبریٰ، جامعۃ الصغریٰ، صلوٰۃ النوادر، حسامیہ، صیرفیہ، ملقط، تجنیس برہانی، تجنیس رکنی، نفائس التجنیس، المزید، کرامیۃ السراجیہ، مختصر الکبریٰ، نظم فقیہ زندویسی وغیرہ کی تائیدی عبارتیں ان کا روشن حوالہ ہیں۔ صوفیانہ سطح پر آپ جب مفہوم جبرئیل کی تشریح کرنے پر آتے ہیں تو ایک نہیں سات سات اقوال ائمہ پیش کر دیتے ہیں۔

حضرت کے یہاں صرف فقہ وسنت کا وسیع مطالعہ ہی نہیں ملتا بلکہ ان کے مفاہیم کا عارفانہ ادراک بھی نظر آتا ہے۔ اس عارفانہ بصیرت کے مناظر دیکھنے ہوں تو کا شرف الاستار شریف میں ”علم لدنی کا مفہوم“، ”وحی اور الہام کا مفہوم“، ”من طلب شینا وجد وجد“، ”اطلبوا العلم ولو بالصلین کی تشریح“، ”لفظ اللہ کا مفہوم“، ”فقر کے بارے میں تین احادیث کی تطبیق“ جیسے ذیلی عناوین کی بحثیں ملاحظہ کیجئے، نگاہیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ جائیں

گی۔ میں یہاں صرف چند اقتباسات سے حضرت کی علمی عبقریت کو قارئین کے سامنے اعتبار دیتا ہوں۔

حدیث رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہے: ”علم حاصل کرو اگرچہ تمہیں چین جانا پڑے۔“ اس حدیث میں حضور نے تمثیل کے لئے چین کا ہی کیوں انتخاب فرمایا؟۔ حضرت عینی اس لطیف رمز کو آشکار کرتے ہوئے بڑی دلکش توجیہ اور روشن توضیح پیش فرماتے ہیں۔ اس لطیف نکتے کو آپ بھی ملاحظہ کریں۔ حضرت رقم طراز ہیں:

”رہ گئے چین کے ممالک اور کائنات کے وہ حصے جو کفر کی ظلمتوں میں اس قدر ڈوبے ہوئے ہیں کہ ان کی مثال پیش کی جاتی ہے، ان کا تذکرہ حدیث شریف میں اس لیے ہے کہ یہ خطے لطیف مقامات اور وحی سے شرفیاب ممالک سے بہت دور ہیں اور ابتدائے آفرینش ہی سے لے کر اس قدر طویل زمانہ گزر جانے کے بعد بھی وہ شرک کا گہوارہ اور کفر کی پناہ گاہ تھے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ دنیا کے جو بے کار مشغلے، رسمیں اور تصویریں چین اور اس کے مضافات میں تھیں، کسی ملک میں نہ تھیں۔ چنانچہ ”حیات الحیوان“ میں مذکور ہے:

”چین میں بہتیرے عجائبات ہیں اور اس کے اقلیم میں بڑے وسیع سمندر اور تین سو شہر پائے جاتے ہیں۔ اس کے بنیادی وجود کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ سب سے پہلے عامر بن یافث بن نوح کی اولاد میں سے ایک قوم اس سرزمین پر وارد ہوئی اور انہوں نے پھر ان کی نسلوں نے یہاں شہر تعمیر کئے اور عجائبات رونما کئے۔ جب ان کے جد اعلیٰ کی وفات ہوئی تو ان کے صاحبزادے صاین نے سو سال تک اس خطے پر حکومت کی۔ انہیں کی نسبت سے اسے صین (چین) کہتے ہیں۔ صاین کے بیٹے نے سونے کی ایک مورت بنا کر سنہرے تخت پر رکھی اور پھر اس کی قوم نے اس بت کی پرستش شروع کر دی اور اس کے بعد آنے والے نے بھی بت پرستی کا یہ سلسلہ باقی رکھا۔ اس لیے یہ سب کے سب صاین کے راستے پر چلتے رہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ چین سے پرے کچھ ننگ دھڑنگ قومیں رہتی تھیں جن میں کچھ لوگ ایسے تھے جو اپنے بالوں سے ڈھکے رہتے تھے، کچھ ایسے تھے جو بال ہی نہیں رکھتے، بعض کے چہرے سرخ اور بال زرد ہوتے۔ بعض قومیں ایسی بھی تھیں جو سورج طلوع ہوتے ہی اپنے قبرستانوں کا رخ کرتیں اور جب تک سورج ڈوب نہ جاتا، باہر نہ نکلتیں۔ ان میں سے

اکثر لوگ ساروغ کی مانند ایک گھر اور سمندر کی مچھلیوں پر گزربسر کرتے۔ کہتے ہیں کہ اس خطے میں تین سو شہر پائے جاتے ہیں جن کا رقبہ دو ماہ کی مسافت رکھتا ہے۔ پانی، درخت اور میوے کی بہتات ہے۔ چینی برتن خاصی شہرت رکھتے ہیں اور نقاشی کا ہنر تو چین پر ختم ہے۔ وہاں سب سے پہلے نقاشی اور صورت گری کا ہنر چین بن یافث بن نوح لے کر آئے تھے جن کی نسبت سے وہ خطہ ارضی چین کہلاتا ہے۔ (حیوة الحیوان للدمیری) (کاشف الاستار، قلمی)

(ایسی سرزمین کی تمثیل علم کی راہ میں مشقتیں برداشت کرنے کی ترغیب دیتی ہے اور دنیا کے ہر خطے سے علم کا جو ہر سمیٹنے کی خندہ پیشانی کے ساتھ اجازت بھی۔ یہ حدیث اسلام کی رواداری، کشادہ قلبی اور علم دوستی کی روشن دستاویز ہے۔ ۱۲ اسل)

فقرو محتاجی کے بارے میں یہ تین حدیثیں باہم متعارض معلوم ہوتی ہیں:

- ۱- فقر، میرے لئے باعث فخر ہے اور میں اس پر افتخار محسوس کرتا ہوں۔
- ۲- فقر دونوں جہان میں رسوائی کا سامان ہے۔
- ۳- فقر بسا اوقات کفر کا سبب بن جاتا ہے۔

حضرت عینی نے بڑی ژرف نگاہی سے ان تینوں احادیث کریمہ کا محمل بیان فرمایا اور ان کے بظاہر متعارض مفہوم کی تطبیق پیش کی ہے۔ حضرت نے ان کی فقیہانہ توضیح پیش فرمائی ہے اور عارفانہ بھی۔ عارفانہ تشریح طوالت کے سبب قلم انداز کی جاتی ہے۔ اسے اصل مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت عینی اس کی فقیہانہ توجیہ پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”جان لو کہ فقر کی دو قسمیں ہیں۔ ۱- فقر اختیاری، ۲- فقر اضطراری، یعنی فقر محمود بھی ہے اور مذموم بھی۔ پس حدیث ”الفقر“ میں فقر محمود مراد ہے۔ چنانچہ اس فقر کی توصیف حدیث میں اکثر جگہ وارد ہے۔ ارشاد ہے: ”یدخل الفقراء فی الجنة قبل الاغنیاء بنصف یوم و هو مقدار خمس مائة عام“ (جب قیامت میں دن پانچ سو سال کے برابر ہوگا، اس دن فقراء، مالداروں سے نصف یوم پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔)

دوسری حدیث ”الفقر سواد الوجه فی الدارین“ میں فقر سے مراد مفلسی ہے۔ یعنی جو شخص محتاجی میں مبتلا ہوگا، وہ تلاش رزق کے چکر میں (نفلی) عبادت سے محروم رہے گا اور عبادت میں مشغول بھی ہو تو ”ع پر آگندہ روزی، پر آگندہ دل“ کے مصداق بندگی کی حلاوت سے محروم رہے گا اور (محتاجی کے سبب) دنیا بھی اپنے ہاتھ میں نہیں، گویا دونوں

جہان میں اس کی روسیاء ہی ہے اور خویش واقارب، بار و احباب کسی کے نزدیک اس کی کوئی قدر نہیں۔ چنانچہ دانشمندوں کا قول ہے کہ اگر مفلس شخص میں سحبان جیسے فصیح کی فصاحت، ابن مقلہ جیسے خطاط کا خط، لقمان جیسے حکیم کی حکمت اور حضرت ادہم جیسے عارف کا زہد ہو پھر بھی اس کی ایک درہم کے برابر بھی قیمت نہ ہوگی۔ ہاں ہاں!۔

چودر کیسہ بوعلی پول نیست سخن گر چہ سحر است، معقول نیست
اگر بوعلی کی تھیلی میں پیسہ نہیں تو سحر طراز گفتگو بھی بے معنی ہے۔

تیسری حدیث ”کاد الفقر ان یکون کفرا“ کا پس منظر یہ ہے کہ بہت سارے مفلس تنگدستی کی حالت میں جو کچھ منہ میں آتا ہے، بے دریغ بک جاتے ہیں اور خدا اور رسول کا بھی خیال نہیں رکھتے۔ اس وجہ سے کفر کے قریب پہنچ جایا کرتے ہیں۔“

(کاشف الاستار، ص: ۵۲)

نادر علوم:

حضرت عینی کو صرف مروجہ علوم میں ہی دسترس نہیں حاصل تھی بلکہ آپ کے حیطہ علم میں وہ نادر علوم بھی آتے ہیں جو عام اہل علم کے لئے بھی اجنبی اجنبی سے لگتے ہیں۔ حضرت کو جعفر و تفسیر، فلکیات اور ارضیات جیسے نادر علوم میں بھی مہارت حاصل تھی۔ نادر ارضیاتی علوم خصوصاً اکسیر سازی کے علم میں مہارت کو حضرت کا یہ اقتباس واضح کرتا ہے:

”علم صناعة ایسے علم کو کہتے ہیں جس میں معدنیات کی قوتیں بعض کو بعض کے ساتھ تبدیل کرنے کا گر معلوم ہوتا ہے جیسے سونا چاندی اور دوسرے سارے معدنیات۔ اس علم کو علم کیمیا کہتے ہیں۔“

علم طلسمات ایسا علم ہے جس سے فاعل موثر کی عالی قوتیں، مفعول متاثر کی سافل قوتوں کے ساتھ ملا دینے کی کیفیت معلوم ہو، تا کہ اس سے عجیب و غریب افعال پیدا ہو سکیں۔ اس علم کو علم لیمیا کہتے ہیں۔

ہیمیا، علم تسخیرات کا نام ہے۔ اس علم میں ساتوں سیاروں کے حالات دریافت کئے جاتے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ یہ علوی فاعل، سفلی قابلات میں کس طرح تصرف کرتے ہیں۔ ان کے آخری بخورات، روحانی تسخیرات، جتنوں کی عزیمتیں، ان کے اثرات، منازل

وغیرہ کی معرفت سے اس علم میں بحث ہوتی ہے۔

سیمیا، علم خیالات کا نام ہے جس میں ان چیزوں کو تصرف کے ذریعہ خیال میں مقید کر لیتے ہیں تاکہ خیالی حادث مثالات نمایاں ہوں اور ان کا خارج میں کوئی وجود نہ ہو۔ ریمیا، شعبہوں کا علم ہے جس میں جوہر کی ارضی قوتوں اور ان کو ایک دوسرے ساتھ مخلوط کرنے کی معرفت حاصل کی جاتی ہے، تاکہ اس کی وجہ سے ایسی قوت حاصل ہو جائے جس کے ذریعہ افعال غریبہ صادر ہو سکیں۔

علم صناعت کی ان جملہ شاخوں کی ابتدائی حروف کو لے کر یہ جملہ ادا کرتے ہیں ”کلسہ سر“ (کیمیا کی کاف، لیمیا کالام، ہیمیا کی ہا، سیمیا کی سین اور ریمیا کی را اس میں موجود ہے ۱۲ اساحل)

یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ اکسیر کا وجود بعض حضرات کے نزدیک محال ہے کیونکہ اس میں ماہیت تبدیل کرنی ہوگی (اور قلب ماہیت محال ہے)۔ بعض متبحر علماء کے نزدیک اس علم کا حصول ممکن ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے چیزوں کی صورت نوعیہ بدلتی ہے، اصل ماہیت نہیں بدلتی۔ اس لئے کہ یہ حضرات سونے کو ساری معدنیات کی نسبت سے صحیح المزاج جانتے ہیں اور اس کے اعتبار سے دوسری معدنیات کو مریض خیال کرتے ہیں۔ اور ہر معدن کی علتیں دور کرنے کے لئے انہوں نے چند تدبیریں متعین کی ہیں۔ مٹی کے ڈھیلے کو چوہے کی شکل میں تبدیل ہوتے انہوں نے خود دیکھا ہے۔ ان لوگوں نے بہت واضح انداز میں صاف صاف بیان کیا ہے کہ ہم نے کئی بار ملاحظہ کیا ہے کہ ایک ڈھیلے کے آدھے حصے نے چوہے کی صورت بنالی اور دوسرا حصہ اپنی حالت پر موجود رہا۔

شیخ الرئیس بوعلی سینا ابتدا میں ان علوم کے منکر تھے لیکن اپنے رسالہ کے اخیر اس کے حق ہونے کا اعتراف تحریر کیا ہے۔ بعض صاحبان کا یہ خیال ہے کہ اس علم سے صرف کسی صورت کا ترکیبی مزاج بدلتا ہے۔ یہ تبدیلی خالص اور دائمی نہیں ہوتی۔ یہ بے دیا نتوں کا علم ہے، صاحبان معرفت اس سے بری ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس فن کی کوئی مستحکم بنیاد ہوگی جو زہد، کتر پر قناعت، بیشتر کی مستحقوں اور مسکینوں میں تقسیم، نفوس قدسیہ کے ساتھ مستحکم رابطہ، حضرات اولیائے کرام قدس دست اسرار ہم کے اخلاق سے آراستگی اور اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے سرفرازی کے بغیر ہاتھ

نہیں آ سکتی اور اگر اس کے بغیر حاصل ہو تو انجام ہلاکت ہوگا۔ اس لئے کہ یہ علم ملک المملکوت کے خزانے کی کلید ہے اور اگر شاذ و نادر بار گاہ رب العزت کے اجنبی کو اس پر اطلاع ہو جائے تو یہ اس کلید کی ایک طرح سے چوری ہوگی اور اس بار گاہ عالی جاہ کے چور کا انجام سب کو معلوم ہے۔ یہاں تو دل آگاہ چاہئے۔

کیمیا و لیمیا و ہیمیا ایں نباشد جز بدست اولیا پس اس فقیر کے نزدیک صحت عمل کے باوجود اس صنعت کے حصول کی جستجو ایک فضول کام ہے اور خود کو رسوا اور مفلس بنانا ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ اس کی ایک شرط مرتبہ ولایت ہے۔ اس صنعت کے حصول کے دوسرے نسخے میں نے فص الکلمات میں تحریر کئے ہیں۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

طبی مہارت:

حضرت عینی نے علم طب بارہویں صدی ہجری کے ممتاز حاذق حکیم عطاء اللہ علیہ الرحمۃ سے حاصل کیا، جنہیں بقول حضرت عینی: ”دست مسیحائی حاصل تھا۔“ آپ نے جد امجد حضرت صاحب البرکات اور والد ماجد حضرت شاہ آل محمد قدس سرہما سے بھی اس فن میں فیض اٹھائے۔ یہی سبب تھا کہ آپ جس طرح ایک ممتاز روحانی مرشد ایصال تھے، اسی طرح ایک جید حاذق طبیب بھی۔ آپ کا آستانہ روحانی اور جسمانی دونوں قسم کے امراض کا ممتاز شفا خانہ تھا۔ کاشف الاستار شریف میں طبی نسخہ جات کا باب اٹھا کر دیکھ لیجئے، آپ اس فن میں بھی حضرت کی امتیازی شان کے قائل ہو جائیں گے۔

حضرت عینی قدس سرہ نے مشکل سے مشکل مرض کا بہت معمولی نسخوں سے شافی علاج فرمایا۔ آپ صرف اطباء کے نسخہ جات ہی نہیں پیش کرتے بلکہ اس میں اپنی ایک انفرادی رائے بھی رکھتے ہیں۔ بہت سے نسخوں میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ حضرت نے معمول کی روش سے ہٹ کر مذکورہ نسخوں میں اضافہ کیا یا طریقہ ترکیب میں اصلاح فرمائی۔ یہ وہی کر سکتا ہے جسے اس فن میں کم از کم مہارت حاصل ہو چکی ہو۔ چند نظیریں دیکھئے۔

”مجنون احسن“ کا نسخہ اور ترکیب لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”اس فقیر کی رائے کے مطابق شکر اور شہد نصف نصف ہونا چاہئے۔“

”معجون دماغ افروز“ کی ترکیب کے اخیر میں فرماتے ہیں:

”فقیر سرد مزاج لوگوں کے لئے اس میں شہد بھی شامل کرتا ہے۔ نزلہ کو دور کرنے

کے لئے بے حد مفید ہے، بارہا کا آزمودہ ہے۔ یہ نسخہ ہر جاڑے کے موسم میں نواب ثابت خان کے بیٹے نواب فتح علی خان ساکن سرکار کول (علی گڑھ) کے لئے تیار کر لیا جاتا۔ بہت مزیدار معجون ہے۔“

حضرت نے اپنے زیر استعمال ایک جوارش کا نسخہ بیان کرنے کے بعد تحریر فرمایا:

”یہ فقیر بلاد کوروغن تل میں نہیں بھگوتا بلکہ اسے کوٹ کر یونہی رکھ چھوڑتا ہے۔

اس صورت میں حدت زیادہ پیدا ہوتی ہے اور کوئی ضرر بھی نہیں پہنچتا۔“

حضرت نے اپنے مجرب آسان نسخوں سے بڑے پیچیدہ امراض کا علاج فرمایا۔ بڑے اہم لوگ حضرت سے نسخے حاصل کرتے بلکہ حضرت کے زیر نگرانی خانقاہ برکاتیہ میں ہی اسے تیار کراتے۔ عمومی امراض کے نسخے پہلے ہی سے تیار رہتے جو ضرورت کے وقت حاجت مندوں کو دیدیئے جاتے۔ یہ سلسلہ کرم حضور صاحب البرکات قدس سرہ کے مبارک زمانے سے جاری تھا۔ چند واقعات دیکھئے جن سے اندازہ ہوگا کہ خانقاہ برکاتیہ عہد قدیم سے ہی کس قدر ممتاز مرجع حاجات تھی۔ حضرت عینی رقم طراز ہیں:

”ایک شخص حضرت والد ماجد قدس سرہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ محمد غوث کنبوہ پر آج نزع کا عالم طاری ہے، غالب امید ہے کہ وہ اب تک رخصت ہو چکا ہوگا۔ اس کے اقربا کفن دفن کا انتظام کر رہے ہیں اور وہاں رونا پیٹنا لگا ہے۔ حضرت نے دریافت فرمایا: نبض چل رہی ہے یا نہیں؟۔ اس نے بتایا کہ ابھی فی الجملہ دم باقی ہے۔ حضرت نے فرمایا: ”ایک دم، ہزار دم“ پھر حب جواہر کی چار گولیاں نکال کر اپنے دست مبارک سے عنایت فرمائیں۔ وہ شخص جلدی سے دوڑتا ہوا شہر پہنچا اور جس طریقے سے بھی ہو سکا، ان گولیوں کو عرق گلاب میں پیس کر کسی طرح اس قریب المرگ شخص کے دانت کھولے اور اس دوا کو اس کے حلق میں انڈیل دیا۔ ابھی یہ دوا معدے میں ہی پہنچی ہوگی کہ اس کی سانس معتدل ہوگئی۔ آدھی گھڑی کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں اور غدا طلب کی۔

اس واقعے سے تو سارے شہر کے لوگوں خصوصاً اس کے رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں

ایسا ہنگامہ برپا ہو گیا جسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ وہاں کے سبھی بڑے بوڑھے، عورتیں، بچے سجدہ شکر میں گر پڑے اور کہنے لگے: حضرت نے اس دوا کی برکت سے مردے کو زندہ فرمایا اور بے جان وجود کو تازہ زندگی بخش دی۔ ہاں ہاں!

روح القدس کا فیض اگر پھر دستگیر ہو تو دوسرے بھی وہی کارنامے انجام دیں گے جو حضرت سیدنا عیسیٰ مسیح علیہ السلام انجام فرمایا کرتے تھے۔

اولیاء را ہست قدرت ازلہ تیر جستہ باز گرداند زراہ

حضرات اولیائے کرام کو بارگاہ الہی سے ایسی کامل قدرتیں عطا ہوئی ہیں کہ وہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو آدھے راستے سے واپس لوٹا لیتے ہیں۔

حب جواہر کی تاثیر بیان کرنے کے لیے یہ واقعہ تحریر کیا گیا۔“

(کاشف الاستار، قلمی)

”دواء الکبریت“ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

”حکیم عطاء اللہ مرحوم کی تجویز سے یہ نسخہ میرے جد امجد قطب العارفین حضرت صاحب البرکات قدس سرہ کے لئے تیار کرایا گیا تھا۔ بہت مفید اور نفع بخش ہے۔ اسی زمانے سے ہمیشہ والد ماجد اسے تیار کراتے اور غرباء اور محتاجوں کو عطا کرتے۔ اس نسخے کا نام حضرت نے ”معجون جامع“ رکھا تھا، جواب بھی موجود ہے۔“

(کاشف الاستار، قلمی)

”دوائے حیات“ کا نسخہ تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”حضرت والد ماجد کی خدمت میں اگر کوئی پاگل شخص آتا تو آپ کچھ دعائیں پڑھ کر پانی پر دم فرماتے اور اسے عطا کر دیتے۔ تین چار دن کے اندر وہ صحت یاب ہو جاتا اور کبھی کبھی آپ پاگل پن کا علاج دوا کے ذریعہ فرماتے۔ پہلے سلیقے سے فصد کراتے، اس کے بعد یہی دوائے حیات اسے کھلاتے۔ تھوڑی مدت میں ہی اسے شفا ہو جاتی اور لوگ اس کے پیروں سے زنجیریں اتار دیتے۔ راقم الحروف (حضرت عینی) کو بھی یہ نسخہ بے حد پسند ہے۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

”سفوف نمک سلیمانی“ کا نسخہ بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت والد ماجد نے تقریباً دس اٹار بلکہ اس سے بھی زیادہ تیار کرا کے شیشے

کے بڑے مرتبان میں رکھ کر زمین میں دفن کر دیا تھا۔ دس سال کے بعد اسے نکالا۔ عجیب و غریب تاثیر رکھتا تھا۔ حکیم عطاء اللہ مرحوم کو جو اس وقت موجود تھے، ڈھیر سا نمک عطا کیا۔ ان کے علاوہ دوسرے حاضرین میں سے بھی ہر ایک کو عطا کیا، بہت موثر رہا۔“
(کاشف الاستار، قلمی)

”سفوف تحفہ“ کی ترکیب لکھنے سے پیشتر رقم طراز ہیں:

”جس کا گوشہ چشم چوٹ لگنے، گر جانے، زخم یا کسی اور آفت کی وجہ سے زخمی ہو گیا ہو، یا اپنی جگہ سے ایسا گر پڑا ہو کہ حلقہ چشم میں اس کا تھوڑا سا حصہ بھی نہ رہا ہو تو ایسی صورت میں آنکھ درست کرنے کے لئے اس سفوف کو حلقہ چشم میں بھریں اور اس کے اوپر پٹی باندھ دیں۔ ایک پہر گزرنے کے بعد پٹی کھول دیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آنکھ کا ڈھیلا جیسا تھا پھر سے ویسا ہی ہو جائے گا۔“

سعادت مند خان، سید احمد سعید خان مرحوم، باز اور باشہ وغیرہ کے شکار کے بے حد شوقین تھے۔ وہ اس سفوف کو ہمیشہ شکار میں اپنے ساتھ رکھتے۔ جب کبھی شکار کا پیچھا کرتے ہوئے آنکھ زخمی ہو جاتی یا گوشہ چشم ٹوٹ جاتا تو وہ یہ سفوف آنکھوں میں بھر کر پٹی باندھ لیتے اور آنکھ اچھی ہو جاتی۔ تجربہ کرنے کے لئے بکری یا مینڈھے کی آنکھ توڑ دیں کہ حلقہ چشم میں اس کا تھوڑا سا بھی حصہ نہ بچے۔ پھر یہ دوا اس کی آنکھ میں بھر دیں، آنکھ صحیح ہو جائے گی۔ یہ سفوف قدرت الہی کے عجائبات سے ہے۔“
(کاشف الاستار، قلمی)

اب خاص حضرت عینی کا دست مسیحائی ملاحظہ کیجئے کہ آپ نے کیسے کیسے مایوس مریضوں کا حیرت انگیز شافی علاج فرمایا ہے۔

”معجون لبوب“ جو قوت باہ کا بے بہا خزانہ ہے۔ اس کا نسخہ تحریر کرنے سے پہلے حضرت عینی لکھتے ہیں:

”یہ معجون لبوب عجیب و غریب نسخہ ہے اور سرد مزاج اور گرم مزاج ہر ایک کے لئے مفید ہے۔ جسے حکیم شرف الدین نے تیار کیا ہے۔“

ابراہیم خان افغانی شہر مارہرہ کا عامل تھا۔ ضعف باہ کی وجہ سے اپنے گھر کا رخ نہیں کرتا تھا اور بڑھاپا بھی اس پر طاری ہو رہا تھا۔ عید کے دن فقیر کے پاس حاضر ہوا اور

آداب تہنیت و نیاز مندی حسب معمول بجالایا۔ اس کی مزاج پرسی کی گئی۔ چلتے وقت اس نے بتایا کہ مجھے ایک بیماری لاحق ہو گئی ہے اور ازراہ ادب کہا کہ اس کی تفصیل ہمارے ساتھ آئے ہوئے کرم علی قانون گو حضرت سے بیان کر دیں گے۔ قانون گو موصوف نے اس کے ضعف باہ کی مکمل روداد بیان کی اور اس کا شکوہ بھی پیش کیا، میں نے اسے یہ نسخہ تیار کر کے دیا۔ اس کے استعمال کے بعد وہ اپنے افغان ساتھیوں اور قرابت داروں سے کہا کرتا تھا کہ جوانی کی کیفیت لوٹ آئی ہے اور مکمل قوت حاصل ہو چکی ہے۔ چنانچہ افغان امراء اور معززین یہاں کے خدام کے وسیلے سے اس نسخہ کی درخواست کرتے۔ متعدد بار یہ نسخہ تیار کر کے انہیں دیا گیا۔ جسے بھی یہ نسخہ دیا گیا، اس نے شکر یہ ادا کیا اور اس کی بیش از بیش تعریفیں کیں۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

”روغن پیلائیل“ زخموں کے اندمال کا بہترین علاج ہے۔ اس کے ذیل میں کچھ تجربے کے واقعات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

” (فائدہ) ۱۱۵۶ھ میں فقیر (حضرت عینی) اپنے وطن بلگرام گیا ہوا تھا۔ حضرت سید نورالحق ابن قطب العارفین میر شاہ لدھا قدس سرہ کو پیٹھ میں اڈیٹھ نکل گیا تھا۔ زخم کے بہت زیادہ شدت اختیار کرنے کے بعد عزیزوں کے مشورے سے لوگوں نے اسے حجام سے ترشوا دیا۔ زخم بڑا ہو گیا۔ ”سپر خردتر، طفلان گردا گرد“ کی مثل صادق آنے لگی۔ حجاموں نے بہت سارے مرہم لگائے لیکن فائدہ نہ ہوا۔ میر شاہ لدھا کے ایک عزیز مرید نے وہاں حاضر ہو کر یہ روغن بہت اچھی طرح تیار کر کے دیا اور یہ قید لگا دی کہ صبح شام روزانہ روئی بدل دی جائے۔ ایک دن اتفاق سے بھول گئے اور روئی بدلنا رہ گئی۔ گوشت اتنی تیزی سے بھر رہا تھا کہ روئی پر چڑھ آیا۔ یہاں تک کہ حجام نے ناخن سے اس تازہ گوشت کی پرت اتار کر روئی نکالی۔ غرض کہ دس دن میں حضرت کا زخم مندمل ہو گیا اور آپ نے غسل صحت فرمایا۔“

مارہرہ میں موسم برسات میں نوجوان ورزش کرتے ہیں اور کشتی لڑتے ہیں۔ مصری خان کا بیٹا فتح یاور خان گوئڈل نے اپنے استاد کے ساتھ کشتی لڑی۔ استاد نے اسے چت کر دیا۔ اس نے پھر جوش میں آ کر استاد سے کشتی شروع کر دی۔ استاد نے غصے میں آ کر اسے زمین پر دے مارا۔ جب فتح یاور خان گھر لوٹا تو اسے بخار ہو گیا۔ اس دن بارش بہت ہوئی۔ چنانچہ اس کا پورا گھر پانی سے بھر گیا اور ان سوراخوں میں پانی چلا گیا جن میں

بڑے بڑے چوہوں نے گھر بنا رکھے تھے۔ وہ گھونس چوہے نکل کر پانی میں تیرنے لگے۔ یہ لڑکا اسی بارش کے اندر بے تابانہ دوڑ کر صحن کے پانی کے اندر گیا اور ان چوہوں کو مارنے لگا۔ چونکہ بخار کی حرارت پہلے سے تھی اور گشتی کی تھکن کی وجہ سے اس کا جسم بھی ٹوٹ رہا تھا، اچانک اس کے ہاتھ پاؤں بندھ گئے اور اسی جگہ گر پڑا۔ طبیبوں نے علاج کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ لوگوں نے ہمارے یہاں رجوع کیا۔ یہی مذکورہ بالا روغن تیار تھا، میں نے انہیں دیدیا۔ جس کے استعمال سے اس بچے کو ایک دن میں ہی صحت ہو گئی۔ دودن اور مالش کی گئی، بالکل بھلا چنگا ہو کر اٹھا۔

درویش نصیر الدین کے گھٹنے پر چوروں نے ضرب لگائی۔ حجام کے اناڑی پن کی وجہ سے زخم دونوں پنڈلی اور ٹخنے تک پھیل گیا اور اوپر ناف تک پہنچ گیا۔ چنانچہ معالج اس کے علاج سے عاجز آ گئے۔ دو تین گز بلکہ اس سے بھی زیادہ کپڑے مرہم میں تر کر کے دونوں جانب لگاتے۔ فقیر نے یہی روغن تیار کر کے اسے دیا۔ دس دن کے اندر زخم بھر گیا اور شافی مطلق نے شفا بخشی۔

ایک دوسرے درویش کو بھی چور نے داہنے ہاتھ پر تلوار ماری۔ گرچہ زخم اچھا ہو گیا تھا لیکن ہاتھ اور بازو کی سوجن نہیں جاتی تھی اور اس کے درد سے وہ درویش بے قرار ہو جاتے۔ اس روغن کے استعمال سے ورم بھی تحلیل ہو گیا اور مکمل طور سے صحت یاب ہو گئے۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

برص کا ایک نسخہ جو پورے جسم پر پھیلے برص کا شافی علاج ہے، بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”محبت یقینی دوست محمد خان کو یہ مرض دونوں ہاتھ میں ہو گیا تھا اور بدن میں بھی جا بجا اس کا اثر نمایاں تھا۔ وہ یہ چاروں دوائیں مسلم ان کے ہاتھ کی چار انگلیوں میں جتنی آ سکتی تھیں، کھاتے تھے۔ اسی دوران ایک عزیز نے بتایا کہ ان دواؤں میں بانگجی اور اجمود بھی شامل کر لیں۔ ایسا ہی کیا گیا، سارے داغ ختم ہو گئے، صرف دودھ اور مچھلی سے پرہیز تھا۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

”ناریل مرہ“ کا ایک نہایت عمدہ لذیذ اور مہی نسخہ حضرت نے پیش کیا ہے جو تقویت باہ میں بے نظیر ہے۔ اس کا ایک تجرباتی واقعہ اخیر میں تحریر فرمائے ہیں:

”ایک عورت درویشوں کے پاس یہ تمنا لے کر حاضر ہوئی کہ میرا شوہر مجھ سے نفرت کرتا ہے، عنقریب وہ مجھے طلاق دیدے گا۔ خدا کے لئے تعویذ محبت وغیرہ جیسی چیز لکھ کر دیں تاکہ میرا شوہر مجھ سے مانوس ہو جائے۔ رفتہ رفتہ اس کے اس شکوے کی خبر اس فقیر تک بھی پہنچی۔ اسی زمانے میں یہ دوا تیار ہوئی تھی۔ اس میں سے سات پنڈلی اس عزیز کو جو اس عورت کا شوہر تھا، میں نے دے دی۔ اس کے استعمال سے اس کے اندر شہوت کا ایسا جوش بیدار ہوا کہ تیسرے دن ہی اس عورت سے صلح کر لی اور تعویذ وغیرہ کی ضرورت بھی نہ پڑی۔ یہ قصہ شیخ ابو محمد کنبوہ مرحوم کا ہے۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

ضیق النفس جیسے موذی اور جاں بہ لب کر دینے والے مرض کا علاج حضرت نے ”نسخہ ناخواہ“ سے فرمایا۔ اس کا ایک تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”بلغنی ضیق النفس اور ترکھاسی کو زائل کرنے والے اس سفوف کے بارے میں مرزا محمد بیگ بیان کرتے ہیں کہ موضع ساندی میں سید سلام اللہ چودھری کے بھائی جناب الہام اللہ کو ایک زمانے میں ضیق النفس کا عارضہ تھا اور کسی علاج سے بھی یہ مرض جڑ سے ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔ نواب شجاع الدولہ کی جانب سے اس کے علاقے کی لگان وصول کرنے کے لئے شیخ داراب چند سواروں کے ساتھ مارہرہ آئے۔ جب الہام اللہ کے حالات معلوم ہوئے تو میں نے تھوڑا سا سفوف ان کے حوالے کیا۔ شیخ داراب نے اسے لے جا کر الہام اللہ کو دیا۔ ایک ہفتہ میں سالوں سال کی بیماری جڑ سے ختم ہو گئی۔ مرزا محمد بیگ نے بہت منت سماجت کر کے اس نسخہ کو فقیر سے حاصل کیا۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

ادبی فنون:

حضرت عینی نے بہت اعلیٰ ادبی ذوق پایا تھا۔ نفاست رگ و پے میں بسی ہوئی تھی۔ نفیس چیزیں تناول فرماتے، نفیس لباس پہنتے اور نفیس بے تکلف انداز معاشرت برتتے۔ اس لئے آپ کی نگارشات میں بھی ادب کا نفیس طرز اور اسلوب کا سلیقہ مند انداز قدم قدم پر ذوق کو جلا بخشتا ہے۔

آپ کے عہد کی زبان فارسی تھی۔ نثر و نظم دونوں میں آپ نے جوشستہ رواں دواں ادبی انداز سخن اپنایا ہے، وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ حضرت کی تصانیف سب کی

سب فارسی زبان میں ہیں، جس میں عربی زبان کے آمیزے بھی ملتے ہیں۔ آپ نے شعر و سخن کے لئے بھی فارسی کی زمین پسند فرمائی۔ لسانی انتخاب بھی آپ کے ذوق حسن کا ایک روشن ثبوت ہے، کیونکہ زبان کی سطح پر عربی، فارسی اور ان کے طفیل میں اردو کو جو لطافتیں حاصل ہیں، ان سے دوسری زبانیں محروم ہیں۔

یعنی نگارشات کی فہرست بہت طویل تو نہیں لیکن آپ کی فکری لطافت نے جو پیکر بھی تراشے، وہ شاہکار تھے۔ پہلے تاج العلماء کے قلم سے حضرت یعنی کی قلمی نگارشات کی تفصیل ملاحظہ کرتے ہیں پھر یعنی نثر و نظم کے ادبی نمونوں سے اپنے ذوق کو سعادت یاب کریں گے۔

حضرت تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری قدس سرہ ”تاریخ خاندان برکات“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت کی تصانیف سے بہت سی کتابیں مثل کاشف الاستار، فص الکلمات و مثنوی اتفاقیہ، و قصیدہ گوہر بار بربان اردو، اور چند بیاضیں اعمال و اشغال و اوراد و اذکار میں اور ایک مختصر رسالہ عقائد میں اور بعض اور مختصر رسائل اعمال و اشغال میں ہیں، جن میں سے اکثر محظہ الشریف فقیر کے کتب خانہ میں ہیں۔ حضرت نے ایک بڑا کتب خانہ جس میں ہزاروں جلدیں کتب علوم و فنون مختلفہ کی تھیں، جمع فرمایا تھا۔ بہت سی کتابیں نایاب خود اپنے دست و قلم سے نیز دوسرے کاتبوں سے لکھوائیں۔ جمیع علوم و فنون کی کتابیں دیکھنے کا شوق تھا۔ جو کتاب مطالعہ فرماتے، اول سے آخر تک دیکھتے اور فوائد پسندیدہ اس کے اول یا آخر یا حاشیہ پر تحریر فرمادیتے۔ حضرت کا ایک وصیت نامہ اپنے صاحبزادوں کو ہے جس کی شرح شاہ عبدالہادی صاحب خلیفہ حضرت سید شاہ آل محمد صاحب نے بطرز تصوف تحریر کی ہے جو بس نادر ہے اور فقیر کے پاس موجود ہے۔

(تاریخ خاندان برکات ص ۱۲)

حضرت یعنی کی نثری نگارشات میں میرے سامنے صرف کاشف الاستار شریف موجود ہے جس کی بنیادی زبان فارسی ہے۔ حضرت نے اس میں اس خوبصورت پیرایے اور دلکش اسلوب میں معانی کو صفحہ اوراق پر اتارا ہے کہ ذوق عیش کراٹھتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آسمان معانی پر لفظوں کی کہکشاں بھی ہوئی ہے۔ اسلوب کی سادگی، بیان کی وضاحت، ادب کا رچاؤ، ربط کا تسلسل، مفہوم کی دلکش ترسیل قدم قدم پر دامن کش دل ہوا چاہتی ہے۔ چند اقتباس دیکھئے۔ سیدنا میر سید احمد کالپوی قدس سرہ کے حالات بیان کرتے

ہوئے رقم طراز ہیں:

”سید احمد بن سید محمد کالپوی قدس اللہ سرہ ہما، وارث ولایت محمدیہ و حامل رایت احمدیہ، از غنقوان نشو و نما فروغ رشد و نور ولایت از جبین ہمایوں می تافت۔ مبداء فیاض تعالیٰ شانہ جمال صوری و کمال معنوی ہر دو باہم ارزانی داشتہ۔ جمیع صفات رضیہ و سمات مرضیہ سیمائشہ بذل و ایثار و مروت در عنصر لطیف و دیعت گذاشتہ۔ بعد تحصیل علم صوری دست بیعت بوالد شریف خود دادند و در عمر بیست و چہار سالگی بر مسند حضرت والد قدس سرہ نشستند و مجلس ارشاد و تلقین گرم ساختند۔ حق تعالیٰ حظ وافر از اعتبار و اشتہار ارزانی فرمود و سدہ سیئہ را قبلہ حاجات و ضیع و شریف ساخت۔ باوصف ایں دقیقہ از دقائق فقر و انکسار فرو نمی گذاشتند و چوں آفتاب عالم تاب پر توالتفات بر ہمہ کس یکساں داشتند۔“ (کاشف الاستار شریف، فارسی ص: ۳۸۳)

سیدنا صاحب البرکات قدس سرہ کے فیض یافتہ ایک غیر مسلم درویش شاہ سامی ہیں۔ ان کے حالات کا طرز بیان بہت دلچسپ ہے۔ فارسی داں حضرات بہت محظوظ ہوں گے۔ حضرت یعنی تحریر فرماتے ہیں:

”یکے از باریابان حضور عالی ”شاہ سامی“ است، باشندہ قصبہ اسہت از فرقہ راجپوت۔ مخالفتش قابو یافتہ گوش و بینی و ہر دو دست او بریدہ اند۔ او بعد صحت، مادر و پدر و اقرباء خود را رخصت کردہ بحضور عالی رسید۔ چند روز استقامت نمودہ سایہ و دایری شود۔ چوں در سرش فتنہ ایں راہ مستقیم بود، بازی رسد۔ جناب عالی برائے او مکان مختصر جدا کردہ۔ دھیان ترکشی، عنایت کردند و بعد چندے از قسم پیدل کا تعلیم فرمودند۔ چوں انگشتان نداشت، از دست بریدہ خود پیکرہ بینی چپ و راست بندی ساخت۔ در عرصہ ہفتہ او در خود نبودہ، محویت دست بستہ پیش بے دست حاضر شد۔“ (کاشف الاستار شریف فارسی ص ۱۱۸)

اس اقتباس کا اخیر جملہ ”محویت دست بستہ پیش بے دست حاضر شد“ اس قدر دلکش، لطیف اور اچھوتی تعبیر ہے، جس کی داد نہیں دی جاسکتی۔ اس قسم کی دلکش تعبیرات سے پوری کتاب بھری پڑی ہے۔

حضرت یعنی کی نظم نگارشات میں مثنوی اتفاقیہ کاشف الاستار شریف میں شامل ہے اور بھی کچھ متفرق اشعار ملتے ہیں۔ حضرت کے فارسی دیوان اور قصیدہ گوہر بار کی زیارت سے ابھی محروم ہوں۔ لیکن جو اشعار بھی سامنے ہیں، وہ آپ کی شاعرانہ عظمت کا

معیار متعین کرنے کے لئے کافی ہیں۔ شاعری کے بنیادی عناصر تخیل کی بلندی، احساس کی شدت، بیان کی برجستگی، فکروں کی روانی، لفظوں کی سلاست، بحروں کا ترنم اور لہجے کی شیرینی آپ کی شعری شناخت کہہ جاسکتے ہیں۔ چند اشعار پیش ہیں:

وقت آں آمد کہ عزم لامکاں برپا کنم
ایں جہان و آں جہاں را درہم و شیدا کنم
بے خود آ، تا با خدائے خویش گردم ہم عنان
بے خدا شو از خدا تا با خدا یکتا کنم
ہمزہ قطعی بوصل جاں کنم عینی را
دورہ ہائے مرکز اللہ را یغما کنم
غوث اعظم بمن بے سرو ساماں مددے
قبلہ دیں مددے، کعبہ ایماں مددے
مظہر سرّ ازل، گوشہ چشمے کرے
مہبط فیض ادب، واقف پنہاں مددے
گشتہ ام برگ خزاں دیدہ آشوب جہاں
اے بہار کرم گلشن امکاں مددے
خاک بغداد بود سرمہ بینائی من
دیدہ ام را چہ کند کل صفاہاں مددے
مددے کن بمن اے بادہ کش بزم حضور
ساقی میکدہ عالم عرفاں مددے
انتظار کرم تست من عینی را
اے خدا ہیں و خدا جو خدا داں مددے

کمالات روحانی:

حضرت عینی کی روحانی شادابی کے لئے خود آپ کی اتباع شریعت سب سے روشن برہان ہے۔ آپ پورے طور سے دائرہ شریعت کے پابند تھے۔ جو شخص بھی شرعی احکام کا اہتمام ان کے ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ ملحوظ رکھے گا، اسے روح کی بالیدگی ضرور حاصل ہوگی۔ حضرت عینی کے شب و روز، الہی ذکر و فکر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ حضرت خود بیان فرماتے ہیں:

”فقیر کو اس جگہ بیٹھے ہوئے چونتیس سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ مسجد اور حجرہ کی کوئی جگہ یا خدا سے خالی نہیں۔“

ایسے مشکل ترین اذکار و اشغال آپ کا معمول رہے جن کا تذکرہ کاشف الاستار شریف میں بھی نہیں۔ کاشف الاستار کے جتنے اذکار و اشغال ہیں، وہ سب کے سب آپ کے زیر عمل رہ چکے ہیں۔ ان میں خصوصی پسندیدہ اعمال کے ذیل میں ان کے معمول بہا ہونے کی صراحت بھی فرمادی ہے۔

تہجد کلاں آپ کا معمول تھی خصوصاً جاڑے کی راتوں میں۔ اس کے علاوہ کثیر اشغال و اعمال آپ کا معمول رہے خصوصاً حرز یمانی سے تو آپ کو خاصا شغف تھا۔ میں حضرت کے چند پسندیدہ اور معمول کے اوراد و اشغال ذکر کرتا ہوں۔

☆ نفل نمازوں میں نماز تہجد کلاں، صلوٰۃ نور قطب عالم اور صلوٰۃ الحاجۃ خاندانی بہت محبوب تھیں۔ انہیں آپ پوری پابندی کے ساتھ پڑھا کرتے۔ صلوٰۃ نور قطب عالم اور صلوٰۃ الحاجۃ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

”یہ فقیر ان دونوں نمازوں کی برکت سے بہت عافیت میں رہتا ہے۔ اکثر دونوں نمازیں ظہر کے بعد ادا کرتا ہے۔“

نماز تہجد کلاں کے بارے میں اپنا معمول بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”یہ فقیر بھی آدھی رات کے بعد بیدار ہو کر ایک حصہ اور چار گھڑی رات باقی رہتی ہے تو اس نماز کو اسی ترکیب سے شروع کرتا۔ چار گھڑی رات ابھی باقی رہتی کہ اس نماز سے فارغ ہو جاتا۔ جاڑے کی راتوں میں اکتالیس دن تک یہ نماز پڑھ کر پھر تہجد عام پڑھتا۔ اسی طرح ہر سال جاڑے کے موسم میں اکتالیس دن تک یہ عمل کرتا ہوں۔“

(کاشف الاستار، قلمی)

☆ دعاؤں میں حرز یمانی، دعائے شمع، دعائے حزب المحر حضرت عینی کا خاص معمول تھیں، خصوصاً حرز یمانی جسے دعائے سیفی بھی کہتے ہیں، آپ کو بے حد محبوب تھی۔ اسے آپ بہت کثرت کے ساتھ پڑھا کرتے۔ حضرت عینی کا اس دعا سے کس قدر عملی ربط تھا، یہ خود ان کی زبانی سنئے۔ رقم طراز ہیں:

”فقیر کے خاندان میں یہ دعا بہت رائج ہے اور بہت سے درویش اسے پڑھا کرتے ہیں۔ رب العزت کے حکم سے ساٹھ سے زیادہ افراد کو تو اس فقیر نے اس دعا کی اجازت دی اور انہیں ماذون بنایا ہے۔ میرے جدا مجد اور والد ماجد قدس سرہما سے بھی بہت سارے صلحانے اس دعا کا فیض اٹھایا ہے۔ طالب چاہے دنیا دار ہو، چاہے درویش ہر ایک کو اس کے حال کے مطابق اس دعا کی ظاہری اور باطنی اجازت دی گئی ہے اور کثیر عمل کے سبب دینی اور دنیاوی ہر قسم کے معاملے میں تیر بہدف ثابت ہوئی ہے۔ لیکن اس اثر پذیری کے باوجود فقیر نے کسی کو کسی غرض کے لئے پڑھنے کی اجازت نہیں دی اور اگر درویشوں کو کسی

نے ایذا پہنچائی تو وہ موذی خود بخود یا تو قید ہوا یا دنیا کے اعتبار سے روسیہ ہوا یا قتل کر دیا گیا یا اسے کوئی سخت قسم کی بیماری لاحق ہو گئی یا عجز و زاری کر کے اس نے فقیر سے رجوع کیا اور معافی تلافی کی۔ اسی طرح مفلس صاحب ثروت ہو گئے اور دوسری دینی و دنیاوی ضرورتوں میں بھی وہ فائز المرام رہے۔ یہ فقیر اپنے جدا مجد حضور صاحب البرکات قدس سرہ کی روحانی ہدایت اور حضرت والد ماجد کی اجازت کے مطابق اس دعا کو سترہ سال کی عمر سے مسلسل پڑھ رہا ہے جب کہ اب سرسٹھ سال کی عمر کو پہنچ چکا ہوں۔ میں نے اس کی بہت ساری شرائط ادا کی ہیں، ایک لاکھ سے زیادہ مرتبہ پڑھ چکا ہوں۔ ایک گھڑی میں یہ دعا ۹۰ بار ہی پڑھی جاسکتی ہے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ بار۔ یہ فقیر ہر دن نماز تہجد کے بعد پانچ بار، اشراق کے وقت ایک بار، درگاہ میں ایک بار پڑھتا، موسم سرما کے ابتدائی ایام میں تہجد کے بعد گیارہ بار پڑھتا۔ پہلے رات کے وقت غسل کرتا اور بخور جلاتا، تین دن تک روزہ رکھتا، اس کے بعد نہ روزہ رکھتا، نہ پرہیز کرتا۔ اکیانوے دن میں یہ سلسلہ عمل مکمل ہو جاتا۔ آخری سات دنوں میں پرہیز کرتا اور تین دن روزہ رکھ کے عمل پورا کرتا۔ اس کے بعد مختلف قسم کے کھانے تقریباً چار سو فقیروں اور دنیا داروں کے درمیان تقسیم کرتا۔ ۱۱۷۴ھ سے فقیر یہ عمل کرتا ہے اور اس مدت میں رات کے وقت بے شمار تجلیات اور روحانی لذتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ۱۱۹۳ھ سے سال میں دو بار یہ عمل کرتا ہے۔ گویا یہ چھ مہینے میں ایک بار پڑھا جاتا ہے اور بہت سی باطنی لذتیں حاصل ہوتی ہیں۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

حضرت عینی دعائے بنمخ بھی پوری پابندی کے ساتھ پڑھا کرتے، جس کی اجازت خود صاحب دعا حضرت شاہ مدار قدس سرہ نے عالم خواب میں بنفس نفیس تشریف لا کر حضرت عینی کو عطا فرمائی۔ حضرت عینی اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ”جان لو! یہ دعا فقیر کے خاندان میں بہت رائج ہے۔ درویشوں نے اس کے چلے پورے کئے ہیں، دنیا دار لوگ بھی اسے پڑھتے ہیں۔ میرے جدا مجد حضور صاحب البرکات قدس سرہ کو حضرت شاہ مدار قدس سرہ کی روح مبارک سے اس کی سند اجازت ملی ہے۔ یہ دعا حضرت شاہ مدار کی پیش کی ہوئی ہے، ان سے پہلے اس دعا کا رواج نہیں تھا۔ اس فقیر نے جب اپنے وطن مالوف بلگرام سے مارہرہ مطہرہ آنے کا قصد کیا تو دوران سفر قنوج میں سارا سامان چھوڑ کر بالکل خالی ہاتھ ۴ ذی الحجہ ۱۱۵۷ھ کو مکن پور کی زیارت کے

لئے گیا۔ رات کے اخیر حصے میں حضرت مدار قدس سرہ کے روشن چاند جیسے جمال جہاں آرا کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے فقیر کو بھی یہ دعا مرحمت فرمائی۔ اس دعا میں بارہ کلمے ہیں۔ حضرات صوفیہ نے ہر فقرے کے لئے موکل متعین کیا ہے اور ہر ایک کی الگ الگ خاصیتیں رکھی ہیں۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

دعائے حزب البحر بھی حضرت کے زیر عمل رہتی۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”اس دعا کو فجر کی نماز کے بعد ایک بار اور نماز عصر کے بعد تین بار پڑھے۔ جب اس دعا کا عمل کرنا چاہے تو بدھ، جمعرات اور جمعہ کو روزہ رکھے، ہر دن غسل کر کے دو رکعت نماز ادا کرے اور ایک سو بیس مرتبہ نصاب کی نیت سے دعائے حزب البحر پڑھے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ شرائط کی نیت سے بارہ دن تک ہر دن تیس مرتبہ یہ دعا پڑھے۔ اس دعا کے اعتصام، اختتام، فوائد اور قواعد کی ترتیب عملیات کی کتابوں میں تحریر ہے۔ انہیں وہاں ملاحظہ کرنا چاہئے۔ فقیر نے مذکورہ ترتیب پر ہی اچھی طرح عمل کیا ہے۔ اور چودہ سال کی عمر سے اس دعا کا عامل اور اس کے برکات سے فیضیاب ہے۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

☆ اذکار و اشغال کی صفوں میں ذکر نفی اثبات، ذکر آ و رد برد، ذکر جاروب، ذکر آڑہ، ذکر حدادی، ذکر حق، ذکر هو، ذکر تو حید، ذکر خفی قلبی، شغل آ و رد برد، شغل محجودا، شغل نصیرا سبھی آپ کے زیر عمل رہے۔

ذکر نفی اثبات پانچ پانچ ہزار مرتبہ کیا کرتے۔ حضرت عینی نے اس کا خاص طرز اختیار کیا تھا جو آپ کو بے حد محبوب تھا۔ اس ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت والد ماجد کے درویش شاہ رفیق جن کے سپرد باغ کی خدمت تھی، وہ یہ ذکر بہت اچھی طرح ادا کرتے تھے۔ یہ فقیر چودہ سال کی ابتدائی عمر میں صرف یہ ذکر ہر دن پانچ ہزار مرتبہ کیا کرتا۔ ذکر اثبات اور اسم ذات وغیرہ اس کے علاوہ تھے۔ یہ ذکر میں تین متعین اوقات میں کرتا۔ ۱۔ رات کے اخیر حصے میں ۲۔ نماز فجر کے بعد ۳۔ نماز مغرب کے بعد۔ اس ذکر کو دو ضربی بھی کرتے ہیں اس طریقے سے کہ لا الہ الا اللہ کو دائیں شانے پر کہے پھر بائیں شانے پر پھر لا اللہ کی دل پر ضرب لگائے۔ اسے سہ ضربی بھی کر سکتے ہیں۔ لا الہ الا اللہ کو آسمان کی جانب رخ کر کے کہے پھر داہنے شانے پر سر لے جا کر ایک بار کہے

پھر بائیں شانے پر پھر الا اللہ کی ضرب دل پر لگائے۔ اسے چھ ضربی بھی کر سکتے ہیں۔ لا الہ ایک بار دائیں زانو پر کہے، دوسری بار دونوں زانو کے درمیان، تیسری بار بائیں زانو پر، چوتھی بار دائیں شانے پر، پانچویں بار بائیں شانے پر، چھٹی بار آسمان کی جانب رخ کر کے، ہر جگہ لا الہ کہے، اس کے بعد دل پر الا اللہ کی ضرب لگائے۔

جب بارہ مرتبہ نفی و اثبات کا ذکر کر لے تو اس کے بعد ”محمد رسول اللہ“ کہے۔ اس ذکر کو دونوں زانوں پر کھڑا ہو کر بھی کرتے ہیں۔ ایک بار دائیں زانو پر ضرب لگا کر لا الہ کہتا ہوا زانو پر کھڑا ہو جائے اور الا اللہ کی ضرب دل پر لگائے پھر سر کو دونوں زانو کے درمیان لے جا کر لا الہ کہتا ہوا زانو پر کھڑا ہو جائے اور سر دائیں شانے پر لے جا کر اپنے دل پر الا اللہ کی ضرب لگائے۔ اسی طرح سر کو بائیں زانو پر لے جا کر لا الہ کہتا ہوا زانو کے بل کھڑا ہو جائے اور سر کو بائیں شانے پر لے جا کر اپنے دل پر الا اللہ کی ضرب لگائے۔ فقیر (حضرت عینی) اس طرز ذکر کو بہت پسند کرتا ہے۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

ذکر حدادی آپ کا محبوب ترین عمل تھا۔ اس کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

”ذکر حدادی: دوزانو بیٹھ کر لا الہ کہتا ہوا دوزانو ہو جائے اور دونوں ہاتھ کو ملا کر آسمان کی جانب لے جائے اور وہاں سے دونوں ہاتھ سے الا اللہ کی ضرب دل پر یا سینے پر لگائے اور مٹھی کھول دے۔

فقیر (حضرت عینی) یہ ذکر کھڑے ہو کر اس طرح کرتا ہے کہ دونوں مٹھیاں بند کر کے منہ کے پاس لے جاتا ہے اور تھوڑا کج ہو کر لا الہ کہتا ہوا دونوں ہاتھ اوپر لے جا کر سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے اور ”الا اللہ“ کہتا ہوا دونوں ہاتھ سینے پر مارتا ہے اور ”لا مقصود“، ”لا مطلوب“، ”لا معبود“، ”لا موجود“ کا مفہوم نفی اور اثبات کی صورت میں دل میں رکھتا ہے اور پے در پے یہ عمل مسلسل کرتا جاتا ہے۔ یہ ذکر حضرت امام ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

حضرت عینی کا روحانی قد اتنا بلند تھا کہ بعض جدید طرز کے اذکار آپ کو کشف کے ذریعہ یا ایسی طریقے سے حاصل ہوئے۔ دعائے سمخ کی اجازت کے حصول کا ذکر ابھی ابھی گذرا۔ اذکار کی صفوں میں ”ذکر توحید“ ایسا ذکر ہے جو حضرت کو بطور کشف حاصل ہوا۔ اس کی تفصیل حضرت سے سنئے۔ رقم طراز ہیں:

”اللہ حاضری بحضوری“ کہے اور سر کو سینے پر پہنچائے۔ ”اللہ ناظری بصری“ اسی طرح سینے پر سر کو لے جائے۔ ”اللہ شاہدی بشہودی، اللہ معی بمعیتی“ کو اس طرح ادا کرے۔ ان تمام کلمات کو تین بار یا سات بار کہنے کے بعد کہے ”اللہ فی“ اور دل پر ضرب لگائے۔ پھر کہے ”اللہ لی“ اور دل پر ضرب لگائے، پھر کہے ”اللہ بی“ اور دل پر ضرب لگائے۔ چاہئے کہ یہ عمل آواز کے ساتھ کرے اور بغیر وقفے کے پے در پے مسلسل کرتا جائے تاکہ عالم کیتائی اس پر منکشف ہو جائے۔ یہ ذکر فقیر کو کشف کے ذریعہ حاصل ہوا۔ میرے والد ماجد قدس سرہ کے درویش شاہ شیدا اس ذکر کو اتنے اچھے انداز سے ادا کرتے تھے کہ سننے والے مست اور بے خود ہو جاتے۔ ان کی نغمگی شہرہ آفاق تھی۔ حکیم عطاء اللہ کہا کرتے تھے کہ قدرت نے شاہ شیدا کے گلے میں زہر اور قند دونوں کی آمیزش رکھی ہے۔ شاہ صاحب کھکھر قوم کے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

اے عزیز! مذکورہ اذکار میں سے ہر ذکر کا فائدہ عمل کے بعد خود ہی منکشف ہو جائے گا۔ اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت والد ماجد کی خانقاہ میں صفائے باطن اور جلائے قلب کے مقاصد سے بے نیاز ہو کر درویش ذکر خدا کرتے ہیں۔ حضرت والد ماجد بھی اس طرز کو پسند فرماتے ہیں۔ لیکن جب دوست کی رضا کے لئے دوست کا نام لو گے تو دوست کیسے نہ متوجہ ہوگا اور سارے فیوض تو اسی توجہ پر منحصر ہیں۔ فقیر کو اس جگہ بیٹھے ہوئے چونتیس سال کا عرصہ ہوتا ہے، مسجد اور حجرہ کی کوئی جگہ بھی یاد خدا سے خالی نہیں ہے۔

فالحمد للہ علیٰ ذلک۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

خانقاہ برکاتیہ میں نفل نمازوں اور اذکار و اشغال کے ساتھ مختلف صیغہ ہائے درود کاورد بھی جاری رہتا۔ حضرت عینی کے بیان کے مطابق:

”صیغہ ہائے درود میں یہاں درود مستغاث مروج ہے اور والد ماجد ربیع الاول شریف کے دنوں میں ہر ایک درویش کو درود تجنید پڑھنے کی بھی ہدایت فرماتے۔ بارہ ربیع الاول شریف سے لے کر اخیر مہینے تک بارہ سو مرتبہ ہر ایک کو پڑھنا ہوتا۔ نیز اکثر فقر بارہ مہینے ہر دن اس کا ورد رکھتے۔ رجب کے مہینے میں صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا حکم دیتے۔ اس مہینے کے علاوہ ایام میں بھی فقر اسے پڑھا کرتے۔ مہینہ نبوی یعنی ربیع الاول شریف میں دلائل الخیرات شریف بھی ورد میں رہتا۔ ہر دن ایک مرتبہ ختم فرماتے اور بطور ہفتہ حزب حزب بھی

پڑھا کرتے۔ فقیر (حضرت عینی) کبھی کبھی دس دس قسم کے درود کا وظیفہ رکھتا، خصوصاً ربیع الاول شریف میں پورا پورا دن درود کے ورد میں گذرتا جیسے درود کبریت احمر، درود شیخ اکبری، ثمرات الخیرات، درود مہمہ، درود نجوم منجیہ اور دوسرے ایسے درود جو عقلا کی مانند نایاب ہیں، سب کا ورد رکھتا اور ان کی برکتیں پاتا۔ (کاشف الاستار، قلمی)

ان صیغہ ہائے درود کے علاوہ حضرت عینی کو درود ایسی والد ماجد سے اور صلوة الختام شاہ محمد اکرم افغانی سے حاصل ہوئے اور ان دونوں بابرکت درودوں کے ورد سے حضرت عینی کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ حضرت عینی کی آپ بیتی خود ان کے قلم سے ملاحظہ کیجئے:

(فائدہ) جناب اقدس حضرت والد ماجد قدس سرہ جب کبھی ہم لوگوں کے ساتھ خصوصی عنایت فرماتے تو راز دارانہ حالات اور معاملات سے مطلع فرماتے۔ حضرت والا کی ایک مرتبہ خصوصی نوازش یہ ہوئی کہ آپ نے عشا کی نماز کے بعد یہ حکم دیا کہ میں غسل کر کے عطریات کی خوشبو میں خود کو بساؤں اور بخور اور اگر بتیاں سلگا کر صدق دل اور پوری توجہ کے ساتھ مذکورہ تعداد میں درود ایسی پڑھوں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی اسی شب حضور کے جمال جہاں آرا سے مشرف ہوا۔

(فائدہ) احمد شاہ درانی بادشاہ کے ہمراہ مولوی عمر چکنی پشاوری نقشبندی کے خلیفہ مولوی محمد اکرم افغانی سلمہ اللہ ۱۱۷۷ھ میں اپنے شیخ کے حکم سے ہندوستان آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس خاندان (خاندان برکات) کے متوسل ایک درویش شاہ عبد الہادی سے ملاقات کی اور بعض اشغال حاصل کئے اور انہوں نے خود شاہ عبد الہادی کو صلوة الختام کا تحفہ پیش کیا۔ جب وہ درود ہم تک پہنچا تو ہم نے اسے محفوظ کر لیا۔ دو تین دن بعد رات کے وقت میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور رسالت مآب ﷺ فرما رہے ہیں: اٹھ اور وہ درود پڑھ! پھر نیند کھل گئی، میں نے ارادہ کیا کہ صبح کے وقت اس کا ورد کروں گا، پھر فوراً سو گیا۔ دوبارہ سرکار کی زیارت سے مشرف ہوا اور اسی وقت حضور نے مجھے درود پڑھنے کی اجازت دی۔ میں بیدار ہو کر تیزی کے ساتھ اٹھا، غسل کر کے شمع جلائی، عطر لگایا، بخور سلگا ئے اور اس درود شریف کا ورد شروع کیا۔ حق تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضور کا جمال مبارک کبھی تو عکس کی صورت میں جلوہ گر ہوتا اور کبھی بعینہ نگاہوں کے سامنے موجود ہوتا۔ اس درود کے پڑھنے کے دوران تین مرتبہ ایسی حالت طاری ہوئی۔ فقیر پر خوب کیفیت

طاری ہوئی۔ بڑے اچھے لمحات گذرے، بہت بابرکت اوقات میسر آئے اور بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہو گئے جنہیں میں نے کہیں اور ملاحظہ نہیں کیا:

- ۱- اے رحمت عالمیں کجائی بیمار شد یم از جدائی
- ۲- دل طاقت ہجر تو ندارد تا کے بفراق دم برآرد
- ۳- از وصل خودم چورہ نمودی آرام زجان و دل ربودی
- ۴- بازم کننی ہجر دمساز اے سرور انبیاء سرفراز
- ۵- نخلت زدہ ام زکردہ خویش عاجز شدہ ام ز نفس بد کیش
- ۶- شیطان زدہ راہ نفسک شوم ایں بود نصیبہ گاہ مقصوم
- ۷- در ہر دوسرائے رو سیاہم برابر حال کن نگاہم
- ۸- امید بجز شفاعتہم نیست ہر چند ذرہ طاعتم نیست
- ۹- ز اندازہ بروں شدہ گناہم تاریک شبے است صبح گاہم
- ۱۰- اے سرور انبیاء ترحم تا خطرہ معصیت شود کم
- ۱- اے سارے جہاں کی رحمت آپ کہاں ہیں؟ میں آپ کی جدائی سے بیمار ہو گیا ہوں۔
- ۲- دل آپ کے ہجر کی تاب نہیں رکھتا۔ آپ کے فراق میں کب تک میری جان پر بن آتی رہے گی۔
- ۳- جب سے آپ نے اپنے وصل کی امید بندھائی ہے، جان و دل کا آرام رخصت ہو چکا ہے۔
- ۴- پھر آپ مجھے ہجر سے ہمکنار نہ کیجئے، اے سرور انبیاء! نوازش کیجئے۔
- ۵- میں تو اپنے کئے پر شرمندہ ہوں، بد خصلت نفس سے میں عاجز آچکا ہوں۔
- ۶- منحوس نفس کی شیطان نے راہ ماری ہے۔ یہی چیز میرے حصے میں آئی تھی۔
- ۷- میں تو دونوں جہاں میں تباہ حال ہو چکا ہوں۔ خدارا! میری حالت زار پر کرم فرمائیے۔
- ۸- آپ کی شفاعت کے سوا کوئی امید نظر نہیں آتی، اگرچہ میرے پاس نیکی کا ایک حصہ بھی نہیں۔
- ۹- میرے گناہ حد سے سوا ہو چکے ہیں، میری توجہ بھی شب کی مانند سیاہ معلوم ہوتی ہے۔
- ۱۰- اے نبیوں کے سر دار! مجھ بے چارے پر رحم فرمائیے تاکہ گناہ کا دغہ کم سے کم ہوتا جائے۔

ان اشعار کو پڑھتے پڑھتے تہجد کا وقت ہو چکا تھا۔ تہجد کی نماز ادا کرنے کے بعد پھر یہی اشعار میری زبان پر جاری تھے اور میں زار و قطار رو رہا تھا اور اس بے نام سے وجود کو یہ نوازش نصیب ہو رہی تھی۔ یہ سعادت ۹/رمزی الحجۃ ۱۷۱۷ھ کو حاصل ہوئی۔ (کاشف الاستار، قلمی)

ان بے شمار عظیم و کثیر شاق ریاضتوں کا اثر اور فضل الہی کا فیضان تھا کہ حضرت کی روحانی قوت درجہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ سارے سفلی اور علوی معاملات حضرت کے زیر اثر رہتے اور اجتہاد کا گروہ تابع فرمان تھا۔ تحدیثِ نعمت کے طور سے ایک جگہ خود تحریر فرماتے ہیں:

”تمہیں علم ہونا چاہئے کہ مشائخ جنات کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ کہتے یہ ہیں کہ وہ نفوسِ ناطقہ جو انسانی جسموں سے جدا ہوتے ہیں۔ اگر شریف ہیں تو ان پاکیزہ نفوس کی جو بدن سے متعلق ہوتے ہیں، مدد کرتے ہیں اور انہیں کو جنات کہتے ہیں اور اگر وہ نفوسِ ناطقہ شریر ہوں تو شریر نفوس کی مدد کرتے ہیں اور انہیں شیاطین کہتے ہیں۔ لیکن شیخ مقتول جنوں کے وجود کا قائل ہے۔ ”حکمتِ اشراق“ میں اس نے ذکر کیا ہے کہ در بند اور مدینہ کے باشندے جنہیں میانہ کہتے ہیں، اکثر و بیشتر جنوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ حضراتِ صوفیہ یہ کہتے ہیں کہ جنات باقوت و روحوں کا نام ہے جو ایسا لطیف جسم رکھتے ہیں جن پر آگ اور ہوا کا غلبہ رہتا ہے جیسے انسان کے جسم پر پانی اور مٹی غالب رہتی ہے۔ جنات جسموں کی لطافت اور روحوں کی قوت کے سبب مختلف شکلیں اختیار کرنے اور بشری قوت سے ماورا کاموں کو انجام دینے پر قدرت رکھتے ہیں۔ ان کی غذا متکلیف ہوا ہوتی ہے جیسے ہمارے لئے طعام۔ اس لئے جنات کے وجود کا انکار کرنے والے! تو اس بات کا یقین رکھ کہ تیرے اس انکار کو صحت سے دور کا بھی علاقہ نہیں۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ بعض لوگوں کو سواد کے غلبہ کی وجہ سے فاسد خیالات عارض ہوتے ہیں۔ اس بیماری کی وجہ سے مریض ایسی بکواسیں کرتا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پر جنات کا اثر ہو گیا ہے، حالانکہ ایسی بات نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں اس مریض کے سودا کا علاج کرنا چاہئے اور ایسی صورت حال اس زمانے میں اکثر پیش آتی ہے، لیکن جنات کا وجود اپنی جگہ مسلم ہے۔ حقیقت جن کی مفصل تحقیق اس فقیر (حضرت عینی) کی تصنیف ”فص الکلمات“ میں ”کلمہ جن“ کے ذیل میں دیکھنی چاہئے۔ اس جگہ اتنی وضاحت ہی کافی ہے۔

یہ فقیر جنوں کے گروہ سے گفتگو کرتا ہے اور اسماء وغیرہ کی دعوت کے وقت یہ گروہ

حاضر ہوتا ہے اور حکم کا مسخر ہو چکا ہے۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

حضرت عینی کے روحانی کمالات کا شہرہ دور دور تک پھیل چکا تھا اور ملک کے مختلف گوشے سے طالبانِ راہِ خدا حضرت کی فیضِ بارِ خدمت میں حاضر ہو کر منزلِ مقصود سے ہمکنار ہوتے۔ سیدنا شاہ محمد غوث شطاری گوالیاری قدس سرہ کے خاندانی فرد شاہ دیدار علی کا واقعہ گزر چکا ہے۔ (دیکھئے ”ادب و احترام“ کا ذیلی عنوان)

حضرت عینی کے عملِ سیفی کی خاصی شہرت تھی۔ بہت دور دور سے لوگ اس کی اجازت لینے کے لئے حاضر بارگاہ ہوتے اور حضرت کہیں تشریف لے جاتے تو وہاں لوگ آپ سے اس کی اجازتیں لیتے اور اس کے ورد کے طریقے سیکھتے۔ حضرت نے کاشف الاستار شریف میں خود ذکر فرمایا:

”ساٹھ سے زیادہ افراد کو تو اس فقیر نے اس دعا کی اجازت دی اور انہیں ماذون بنایا ہے“

حضرت میر شاہ لدھا بلگرامی قدس سرہ کے پوتے سید نوازش علی جیسے پیر زادے جو خود بلند شرف اور عالی عرفان رکھتے تھے، انہوں نے حضرت سے اصرار کر کے دعائے سیفی کی اجازت حاصل کی۔ حضرت عینی سید نوازش علی قدس سرہ کے حالات کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

”آپ بلند شرف اور عالی عرفان رکھتے تھے۔ اس فقیر کے ساتھ بہت التفات و کرم کے ساتھ پیش آتے۔ جب یہ فقیر ۱۱۵۷ھ میں اپنے وطن بلگرام گیا تھا تو ایک دن نماز جمعہ کے بعد فقیر کی قیامگاہ پر تشریف لائے اور فقیر سے دعائے یمانی طلب کی۔ میں نے بہت ٹال مٹول کی لیکن وہ نہ مانے، چارونا چار مجھے لے گئے اور عمل وغیرہ کی ترتیب دریافت فرمائی، میں نے بیان کر دی۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

اسی عرفانی قوت اور روحانی بلندی کا اثر تھا کہ مسلم تو خیر مسلم ٹھہرے، غیر مسلم بھی آپ سے فیض حاصل کرتے اور یہ سلسلہ فیض آپ کا پشتینی تھا۔

آپ کے جد امجد حضرت صاحب البرکات قدس سرہ کے فیض یافتہ برہمن کشن داس پیراگی نے جب اپنی سانس کا سلسلہ منقطع کرنا چاہا تو اس کی ترکیب حضرت عینی سے دریافت کرنے آیا۔ یہ جوگی جس دم اور آسن میں درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا۔

حضرت یعنی یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”۱۱۸۴ھ میں فقیر کے پاس حاضر ہو کر اس نے یہ عندیہ ظاہر کیا کہ ہم اپنے پران کو جسم سے جدا کر رہے ہیں، جس طریقے سے حکم ہو اسی طریقے سے میں باہر نکالوں۔ بالآخر یہ طے پایا کہ سر کی مانگ کی راہ سے سانس چھوڑنی چاہئے۔ پھر وہ چوپائے پر سوار ہو کر قصبہ سوروں چلا گیا جو مارہرہ مطہرہ سے آٹھ کوس کے فاصلے پر اتر کی جانب واقع ہے۔ سوروں، ہندوؤں کا متبرک مکان ہے جہاں گنگا بہتی ہے۔ کشن داس گنگا کے کنارے دریا میں گلے تک ڈوب کر بیٹھ گیا اور پھر فقیر نے جو جگہ بتائی تھی، اس نے اپنی سانس کو اسی جگہ سے چھوڑ دیا۔ ایک آواز نکلی اور ہڈی کے ٹکڑے کی مانند کوئی چیز سر سے گر پڑی۔ اس کے چیلوں نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا لیکن وہ تو اپنی زندگی کا سفر ختم کر چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔ وہ ہندو نہیں رہ گیا تھا، اس نے کلمہ پڑھ لیا تھا۔ خدا تعالیٰ کا عرفان رکھتا تھا اور کفر و اسلام کے معاملات سے فارغ تھا۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

غرض یہ سرور خاں نازچمن تھا اور سائے روحانیت کا درخشندہ آفتاب۔



کتب تصوف کے درمیان کاشف الاستار شریف ایک ممتاز مقام رکھتی ہے جس کی جلالت شان کا اعتراف ہر دور کے اکابر صوفیہ نے کیا اور اس کی نقلیں لیں۔ میں اس کے ممتاز گوشوں کا تعارف کرانے سے پہلے مناسب خیال کرتا ہوں کہ تصوف کی اجمالی تاریخ اور اس پر وارد کئے جانے والے شبہات کے چند اہم گوشوں کی وضاحت پیش کر دوں تاکہ کاشف الاستار شریف کے مقامات کے فہم میں سہولت ہو۔

تصوف، اسلام کی روح اور دین کا خلاصہ ہے جو خشیت الہی، صبر و رضا، اخلاص عمل اور کریمانہ اخلاق کے اہم گوشوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ امام عبد الوہاب شعرائی کے نزدیک احکام شریعت پر بندے کے عمل کا خلاصہ ہے تصوف۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن خفیف ضعی قدس سرہ، تصفیہ قلب اور اتباع رسول کو تصوف کہتے ہیں۔ (الطبقات الکبریٰ للشعرانی ص ۱۸۴)۔ حضرت رویم بن احمد قدس سرہ فرماتے ہیں: اپنے نفس کو اللہ کی مرضی کے مطابق رکھنے کا نام تصوف ہے۔ حضرت علی بن عبد الرحیم قتاد کے نزدیک: اپنے مقام و مرتبہ کو محبت الہی کے جذبے میں گم کر کے فنا سے کنارہ کش ہو کر دوام سے ہمکنار ہونے کو تصوف کہتے

ہیں۔ (اللمع فی التصوف ص ۵۶) حضرت امام غزالی کے نزدیک تصوف نام ہے دل کو خدا کے لئے خالی کرنے اور اس کے ماسوا کسی کو خاطر میں نہ لانے کا (احیاء العلوم ۲/۲۴۹) غرض جتنی بھی تعریف کی جائے، سب کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ اتباع شریعت اور تصفیہ قلب کے توسط سے محبوب حقیقی کی بارگاہ تک رسائی حاصل کرنے کا نام تصوف ہے۔ اسی لئے سرکار غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”اقرّب الطرق الی اللہ لزوم قانون العبودیۃ والاستمساک بعروة الشریعة“
”اللہ عزوجل کی بارگاہ تک رسائی کا سب سے قریب ترین راستہ یہ ہے کہ قانون بندگی کا التزام رکھے اور شریعت کی گرہ مضبوطی کے ساتھ تھامے رہے۔“ (ہجۃ الاسرار شریف ص ۵۰)
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ ”تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”عارف باللہ سید علامہ احمد برنی معروف بہ شیخ زروق رحمہ اللہ تعالیٰ ”کتاب الجمع بین الشریعة والحقیقة“ میں فرماتے ہیں کہ تصوف کی تقریباً دو ہزار تعریفیں اور تفسیریں کی گئی ہیں۔ ان سب کا حاصل اللہ تعالیٰ کی طرف سچی توجہ ہے۔ (تصوف کے بنیادی نکات یہ ہیں):

۱- اخلاق کی اصلاح۔ ۲- باطن کی صفائی۔ ۳- صفات کاملہ سے موصوف ہونا۔ ۴- اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے موصوف ہونا۔ ۵- راہ حق پر قائم رہنا۔ ۶- حقوق کا ادا کرنا۔ ۷- دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے مختص کر دینا۔ ۸- اس کے ماسوا سے بے رغبت ہونا۔ ۹- (مذموم) انسانی اوصاف کا فنا ہو جانا۔ ۱۰- دین کے بارے میں یقین حاصل کرنا۔ ۱۱- دنیا کا ترک کرنا۔ ۱۲- بے فائدہ کاموں سے گریز کرنا۔ ۱۳- تقویٰ کی پابندی اور مولائے کریم جل شانہ کی محبت“

(تعارف فقہ و تصوف۔ ترجمہ تحصیل التعرف۔ علامہ عبد الحکیم شرف قادری۔ مطبوعہ لاہور ص ۹۴-۹۵)
صفائے قلب، حسن خلق اور اتباع شرع کا مجموعہ تصوف، کوئی بعد کے زمانے کی چیز نہیں بلکہ اس کا نقطہ آغاز حرا کا پرسکون غار ہے جہاں نور ہدایت کی پہلی کرن نمودار ہوئی۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاں آداب ظاہر بتائے وہیں باطن کی تطہیر کا سامان بھی فرمایا۔ ”قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا“ (الشمس: ۹) (بے شک مراد کو پہنچا جس نے

اسے ستھرا کیا) (کنز الایمان) اس کی روشن دلیل ہے۔ خوف خدا، احساس بندگی، ذکر و فکر، زہد و تقویٰ، صبر و رضا، اخلاص عمل، شکر و امتنان، قناعت و توکل، جب دنیا سے بے نیازی جیسے پاکیزہ جذبوں کی ہدایات تو کتاب و سنت میں قدم قدم پر ملیں گی۔ آپ تفسیر وحدیث کے ذخیرے اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ انہیں جذبوں سے تو تصوف کا خیر تیار ہوتا ہے تو پھر اسے اسلام سے باہر کی چیز کہنا کیسے درست ہوگا؟۔ رہ گئے حضرات صوفیہ کے اپنے باطنی تجربات، ذاتی مشاہدات اور ربانی الہامات کی روشنی میں نت نئے طریقوں کے اضافے جن کی صراحت کتاب و سنت میں نہیں ملتی، وہ بھی کتاب و سنت کے اصول و آثار ہی سے ماخوذ ہیں۔ وضاحت آگے آتی ہے۔

اسی لئے مشہور مستشرق نکلسن جو پہلے تصوف کو عیسائیت کا تحفہ کہتے رہے، حقیقت آشکار ہونے پر برملا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”آج تک اسلامی تصوف کے آغاز اور نشو و نما کے بارے میں غلط اندازے لگائے گئے ہیں۔ یہ کہنا کہ تصوف اسلام میں باہر سے آیا، قطعاً قابل تسلیم نہیں بلکہ روز اول ہی سے مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ تھا جو تلاوت قرآن اور مطالعہ حدیث میں مشغول رہتا تھا اور ان کے تمام افکار و نظریات کا منبع قرآن و سنت کے سوا کچھ نہ تھا۔“

(انسائیکلو پیڈیا آف لی جن اینڈ اینٹیک۔ بحوالہ اہل سنت کی آواز۔ تصوف نمبر ص ۲۲۳) دوسرے مشہور مستشرق پروفیسر ماسینیون جو تصوف پر تنقیدی شہرت رکھتے ہیں، لکھتے ہیں:

”سچی بات تو یہ ہے کہ ہم ظہور اسلام کے وقت سے تصوف کا رنگ اور چاشنی مسلمانوں میں دیکھ رہے ہیں اور یہ چیز کہیں باہر سے نہیں آئی بلکہ قرآن و حدیث کی تلاوت و مطالعہ کا نتیجہ ہے۔“ (دائرة المعارف الاسلامیہ۔ مادہ ”تصوف“ بحوالہ تاریخ تصوف اسلام۔ پروفیسر رئیس احمد جعفری۔ مطبوعہ لاہور۔ ص ۴۹)

اور ایسا کیوں نہ ہو؟۔ جب کہ گروہ عرفا کا تذکرہ خود قرآن حکیم اور احادیث کریمہ میں موجود ہے۔ مشہور صاحب تصنیف عارف سیدی ابوالنصر سرّاج (م ۳۷۸ھ) فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم میں صادقین، قانتین، خاشعین، متقین، مخلصین، محسنین، خائفین، راجین، جلیین، عابدین، سائحین، صابرین، راضین، متوکلین، مجتہدین، اولیاء،

متقین، مصطفین، مجتہدین، ابرار، مقربین، صدیقین، مشاہدین، مطمئنین، مقتصدین، سارعین الی الخیرات، صالحین جیسے اوصاف کریمہ اسی گروہ عرفا کا تعارف بن کر وارد ہیں۔ اصحاب رسول میں سبھی ان اوصاف کریمانہ سے سرفراز اور مشکوٰۃ نبوت کی ضیاءوں سے مستعیر تھے۔ لیکن اسباب دنیا سے بے نیازی میں سب سے ممتاز اصحاب صُفّہ تھے جن کی تعداد خواجہ سہرورد کے ارشاد کے مطابق چار سو تھی۔

حضور نے متعدد احادیث طیبہ میں اس گروہ کی نشاندہی فرمائی اور ان کا قرب تلاش کرنے کی ترغیب بھی دی۔ سنن ترمذی کے کتاب المناقب میں یہ حدیث مذکور ہے:

”میری امت میں کئی ایسے بکھرے غبار آلود بالوں والے اشخاص موجود ہیں کہ اگر وہ کسی معاملے میں اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو سچا فرمادے۔“

تاریخ تصوف اسلام ص ۵۹ پر یہ حدیث منقول ہے:

”اللہ کے بندوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کا شمار نہ انبیاء میں ہے، نہ شہداء میں لیکن انبیاء اور شہداء ان پر بروز قیامت اللہ تعالیٰ کی عنایت دیکھ کر رشک کریں گے۔ کسی نے سوال کیا: وہ کون لوگ ہیں؟۔ بتایا جائے تاکہ ہم انہیں محبوب رکھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

”یہ وہ لوگ ہیں جن کے چہرے نورانی ہیں اور جب لوگ خوفزدہ ہوں گے تو یہ ذرا بھی ہراساں نہیں ہوں گے اور جب لوگ غمگین ہوں گے تو ان کے پاس غم پھٹنے بھی نہ پائے گا۔ پھر حضور نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: اَلَا اِنَّ اَوَّلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ“ (تاریخ تصوف اسلام ص ۵۹)

سیدی ابوالنصر سرّاج قدس سرہ نے بھی طرز صوفیہ کی مؤید کئی حدیثیں ذکر کی ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

”صوفیہ کے خصال میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اولیاء اللہ کے راستوں پر چلتے ہیں۔ اس کے بندگان خاص کی منزلوں کو پانے کی سعی کرتے ہیں اور حقوق کی اصلیت جاننے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ وہ روح کی مکمل توجہ، نفس کشی، اللہ کی راہ میں زندگی پر موت کو ترجیح دینے، عزت کے بجائے اللہ کی خاطر ذلت قبول کرنے کا ایثار، گوہر مراد پانے کے لئے آسائش کی جگہ تنگی اور ارادہ حق کو اپنا ارادہ تصور کرنے کے ساتھ

حاصل کرتے ہیں۔

مذکورہ تمام احوال و حقائق حقیقتِ حقوق کی وادیوں میں سے پہلی وادی ہے۔
 کیا تجھے معلوم نہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارثہ رضی اللہ
 عنہ سے پوچھا کہ ”ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟
 تو حضرت حارثہ نے جواباً عرض کیا: ”میں نے نفس کو دنیا سے کنارہ کش کر لیا، راتیں جاگتے
 بسر کیں اور دن پیا سے گزارے، اور (اب کیفیت یہ ہے کہ) میں عرشِ الہی کو صاف دیکھتا
 ہوں، اہل بہشت مجھے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے نظر آتے ہیں اور اہل جہنم کو آگ
 میں ہجوم کرتے ہوئے اپنے سامنے پاتا ہوں۔ حارثہ رضی اللہ عنہ کے اس بیان پر رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تو نے حقیقت کو پایا۔ بس اسی پر خود کو قائم رکھو۔ (اللمع فی التصوف ص ۴۰)

حضرت عینی نے خود حضور کے فقر اور درویشوں کا تذکرہ فرمایا۔ حضرت مغیرہ کے
 غلام تھے حضرت ہلال، بظاہر بے قدر سے۔ اصطلح کی رکھوالی ان کے ذمہ تھی۔ اچانک ان کا
 وصال ہو گیا۔ اس سے پہلے کوئی ان کے مقام عرفان سے آگاہ نہ تھا لیکن رب کائنات کا
 محبوب ان کا قدر داں تھا۔ حضور کی شیفتگی ملاحظہ کر کے حضرات صحابہ حضرت ہلال پر رشک کر
 رہے تھے۔ پورا واقعہ تو اصل کتاب میں ملاحظہ کریں یہاں اس کا صرف آخری اقتباس
 پیش کرتا ہوں جس میں گروہ صوفیہ کی عظمت بیان کرتی ہوئی حدیث موجود ہے۔ حضرت عینی
 رقم طراز ہیں:

”پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے مغیرہ! ہلال جہاں ہے، وہاں
 مجھے لے چلو۔ حضرت مغیرہ حضور اور ان کے اصحاب کو گھوڑوں کے اصطلح کے پاس لے
 گئے۔ ان حضرات نے دیکھا کہ ہلال گھوڑوں کے قدموں تلے پڑے ہوئے دنیا سے
 جا چکے ہیں۔ حضور آگے بڑھے، ان کے مبارک سر کو اپنی آغوش میں لے لیا اور آپ کی
 چشمان مبارک آنسوؤں میں ڈوب گئیں۔ آپ اسی حالت میں فرما رہے تھے: اے ہلال!
 بظاہر تو تم اس خاک میں پڑے ہو لیکن حقیقت میں تم پاکیزہ بارگاہ کے نایاب گوہر
 ہو۔ حضرات صحابہ نے کسی تعزیت میں حضور کی ایسی شیفتگی نہ دیکھی، اور انہوں نے خود کو اس
 دن سے زیادہ کبھی حسرت زدہ نہ پایا۔ سارے صدیقین اور قریش کے سردار اس دن آرزو

کر رہے تھے کہ کاش ہماری جان وہ خاک ہوتی جس پر ہلال نے اپنے قدم رکھے ہیں یا
 کاش ہمارے جسم کی کھال سے ہلال کے پیروں کی جوتیاں بنادی جاتیں۔ اخیر میں حضور
 نے فرمایا:

”بے شک ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کے سات بندے ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں
 کے وسیلے سے لوگوں کو نصرت خداوندی، بارش اور رزق ملا کرتا ہے۔ انہیں یہ مرتبہ نماز،
 روزے اور صدقات کی کثرت کی بنا پر نہیں ملتا بلکہ ان کے دلوں کی سلامتی اور جانوں کی
 سخاوت کا انعام ہوتا ہے یہ رتبہ اور ہلال ایسے خاصانِ خدا میں سب سے افضل تھا۔ قسم ہے
 اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، ہلال اللہ کے نزدیک ایسا مقبول
 ہے کہ اگر یہ اللہ کی قسم کھا لیتا: اے اللہ! دنیا کو یکبارگی ختم کر دے تو اس کی قسم سچ ہو جاتی اور
 دنیا کا ایک ذرہ بھی باقی نہ رہتا۔

اے بھائی! خدا کے ایسے بندے ہوتے ہیں کہ اللہ کی جلالی اور جمالی صفات کی
 تجلیوں میں ان کا پورا وجود گم ہو چکا ہوتا ہے اور وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں، جس کا ذکر
 اس حدیث میں ہوا ”افذا احببتک، کنت له سمعا و بصرا و یدا و لسانا“ جب میں
 کسی بندے کو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان، آنکھ، ہاتھ اور زبان ہو جاتا ہوں۔ ایسا
 بندہ جب کسی بیگانے پر نگاہ ڈالتا ہے تو وہ اپنا ہو جاتا ہے، گناہگار پر نگاہ ڈالتا ہے تو وہ پرہیز
 گار ہو جاتا ہے اور اگر کسی پرہیزگار پر نظر کرتا ہے تو اسے سخت ولایت پر بٹھا دیتا ہے۔“
 (کاشف الاستار شریف قلمی)

کتاب و سنت سے ماخوذ یہ تصوف علمی اور عملی دونوں سطح پر تو حضور کے زمانے
 سے رہا لیکن اسے ممتاز فن اور جدا گانہ گروہ کی حیثیت بعد میں ملی۔ رسالہ فشر یہ میں اس طبقے
 کی علاحدہ شناخت کی تاریخ یہ ملتی ہے:

”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کے سوا برگزیدہ مسلمانوں کا اور
 کوئی لقب قرار نہیں دیا گیا، کیونکہ شرف صحبت سے بڑھ کر اور کوئی شرف نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر
 جن لوگوں نے صحابہ کی صحبت پائی، ان کو تابعین کہا گیا۔ اس کے بعد لوگ تبع تابعین کے
 لقب سے پکارے گئے پھر لوگوں کے مختلف درجے ہوتے گئے۔ اس لئے جن بزرگوں کی
 توجہ دین کی طرف زیادہ ہوئی، ان کو زاہد و عابد کے لقب سے پکارا گیا۔ لیکن جب بدعات کا

ظہور ہوا اور مختلف فرقے پیدا ہو گئے تو ہر فریق نے یہ دعویٰ کیا کہ ان میں زہاد پائے جاتے ہیں۔ اس لئے خواص اہل سنت تصوف کے نام سے ممتاز ہوئے اور دوسری صدی سے پہلے ان بزرگوں نے اس نام سے شہرت پائی۔

(رسالہ نقشبندیہ۔ شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری نیشاپوری۔ مطبوعہ مصر ص ۹)
”عوارف المعارف“ میں اس علم شریف کے نقطہ آغاز کی وضاحت قدرے مفصل انداز میں ملتی ہے۔ سلسلہ سہروردیہ کے بانی شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی (وصال ۶۳۲ھ) علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں۔

”رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد مسعود ختم ہونے کے بعد جن حضرات نے صحابہ کرام سے تعلیم حاصل کی ان کو تابعی کے نام سے موسوم کیا گیا۔ لیکن جب عہد رسالت اور انقطاع جی کو مدت مدید گزر گئی اور نور مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم روپوش ہوئے ایک عرصہ ہو گیا۔ لوگ مختلف الآراء ہو گئے، ان کے راستے الگ الگ ہو گئے۔ ہر صاحب الرائے اپنی رائے میں خود رائے ہو گیا اور اس طرفہ خیالی و آ زاد روی کا نتیجہ یہ نکلا کہ نفسانی خواہشات نے علمی فضا کو مکر کر دیا، پرہیزگاروں کی بنیادیں ہل گئیں، زاہدوں کے ارادے متزلزل ہو گئے، جہالتوں نے غلبہ پالیا، اور اس کے کثیف پردے دلوں پر پڑ گئے، عادتیں بگڑ گئیں اور ارباب دنیا مخرفات دنیا میں گھر گئے، خطا کاریوں میں مبتلا ہو گئے۔ لوگ اعمال صالحہ کو چھوڑ بیٹھے، بد اعمالیوں میں گرفتار ہو گئے۔ نہ صدق عزیمت ان میں باقی رہی اور نہ قوت دینی اور یہ سب دنیا اور دنیا کی محبت میں پھنس گئے۔

ایسے ناشائستہ اور غیر صالح ماحول میں کچھ حضرات نے عزلت اور گوشہ نشینی کو غنیمت سمجھا اور زاویوں میں جا کر بیٹھ گئے۔ کبھی کبھار وہاں یہ لوگ جمع ہوتے اور پھر الگ ہو جاتے۔ ان میں اہل صفہ کا نمونہ موجود تھا۔ اسباب کو انہوں نے چھوڑ دیا اور ہمتن اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے نیک اعمال کے اچھے نتائج برآمد ہوئے اور اس ریاضت کے باعث ان میں صفائے قلب پیدا ہوئی اور علوم الہیہ کے قبول کرنے کے لائق بن گئے۔ اس طرح ان کو ظاہری زبان کے ساتھ باطنی زبان اور عرفان حاصل سے ایک اور نیا عرفان حاصل ہوا اور ایمان ظاہری کے ساتھ وہ ایمان باطنی سے بھی بہرہ ور

ہو گئے جیسا کہ حضرت حارث نے فرمایا: جب مجھے غیر معمولی ایمان کے مرتبہ کا کشف ہوا جو عام لوگ میں نہیں پایا جاتا، اس وقت میں حقیقی اور صحیح معنوں میں مومن بن گیا۔

ان علوم نے ان زاویہ نشینوں اور گوشہ نشینوں کو نئے علوم سے واقف کرایا۔ اور انہوں نے ان علوم جدیدہ کے لیے ایسی اصطلاحات وضع کیں جو ان کے خیالات کی ترجمانی کر سکیں اور ان کے وجدان اور باطنی کیفیات کو ظاہر کر سکیں۔ انہیں اصطلاحات اور انہیں علوم جدیدہ کو تعلیمات تصوف یا تصوف کہا جانے لگا اور پھر اخلاف نے اپنے اسلاف سے اس کی تعلیمات حاصل کرنا شروع کر دیں اور یہ سلسلہ جاری و ساری ہو گیا۔ یہاں تک کہ زمانہ مابعد میں اس نے ایک باقاعدہ علم و رسوم کی شکل اختیار کر لی اور اسی وقت سے یہ لفظ صوفی بھی ان میں رائج ہو گیا اور یہ حضرات خود بھی اسی نام سے موسوم ہو گئے۔

پس اس وقت سے یہ علم ان کی نشانی ہے اور علم الہی ان کی صفت ہے، عبادت الہی ان کا سراپا ہے، خشیت و تقویٰ ان کا لباس ہے، اور حقیقت الہیہ کے اسرار ان کے حقائق ہیں۔“

(ص ۲۰۵) عوارف المعارف، شیخ شہاب الدین سہروردی مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)
حضرت علامہ جامی کی صراحت کے مطابق لفظ صوفی کا سب سے پہلا استعمال حضرت شیخ ابوباشم کوفی (م ۱۵۰ھ) کے لئے ہوا۔ اس طبقے کو صوفی کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کے بارے میں مختلف توجیہات پیش کی گئی ہیں۔

”اللمع فی التصوف“ میں حضرت ابوبکر شبلی سے منقول ہے کہ صفائے باطن کی بنا پر حضرات صوفیہ کو اس نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کا باطن صاف ہو جاتا ہے، جس کی مناسبت سے ہی انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔ حضرات صوفیہ اصحاب صفہ کی یادگار ہیں۔۔۔۔۔ (اس توجیہ کی بنا پر) لفظ صوفی اصل میں صفوی تھا۔ ادائیگی میں ثقیل ہونے کے باعث صوفی کہا جانے لگا۔“ (ص ۵۸)

لیکن حضرت سرّاج کے نزدیک رائج توجیہ یہ ہے کہ ”صوفیا اپنے ظاہری لباس کی وجہ سے صوفی کہلائے۔ یہ اس لئے کہ بھٹروں کی اون کے کپڑے پہننا انبیاء، اولیاء، برگزیدہ ہستیوں کا نشان خاص ہے۔“ (اللمع فی التصوف ص ۲۱)

لیکن ناچیز کے نزدیک ان دونوں توجیہ میں کوئی زیادہ فاصلہ نہیں۔ اون کا کھر در لباس دنیا کی پر تکلف آرائش سے بے نیازی کی علامت ہے اور یہ علامت عموماً صفائے باطن کے اثر سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے دونوں توجیہیں بجا ہیں۔ ایک صوفی کے ظاہری پہلو کو واضح کرتی ہے اور دوسری، باطنی پہلو کو۔

حضرات صوفیہ خلاصہ کائنات ہیں۔ حضرات مشائخ نے ان کی جو تعریف فرمائی ہے، اس سے ذہن کے پردے پر ان پاکبازان خدا کی یہی تصویر ابھرتی ہے۔ سلسلہ واحدیہ کے تاجدار عبدالواحد بن زید قدس سرہ فرماتے ہیں:

”صوفیہ وہ ہیں جو اپنی عقلوں اور دلوں کو مصائب و آلام کے باوجود ثابت قدم رکھتے ہیں اور نفس کے ہر شعلہ شراکیز کو مرشد کامل کی اتباع سے سرگرد دیتے ہیں۔“

حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ فرماتے ہیں:

”جسے طلب تھکا نہ سکے اور سلب بے قرار نہ کرے، وہ صوفی ہے۔ صوفیہ ان لوگوں کا گروہ ہے جنہوں نے ہر شئی پر اللہ ہی کو غالب جانا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر چیز پر غلبہ عطا کیا۔“ (اللمع فی التصوف، ص ۵۶)

گیارہویں صدی کے ممتاز بزرگ، سندحققین حضرت میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ فرماتے ہیں:

”اب رہا صوفیہ کا گروہ تو وہ ان دونوں (محدثین و فقہاء) گروہوں سے ان کے عقیدوں اور ان کے علم کے ماننے میں ان سے متفق ہے اور ان کے آثار و روایات میں کوئی اختلاف نہیں رکھتا۔ مگر شرط یہ ہے کہ ان کے یہ معانی اور مطالب نفس کی پیروی سے دور اور صحابہ کی پیروی پر موقوف ہوں۔ چنانچہ وہ تمام احکام جن پر یہ دونوں گروہ ایک زبان ہیں، صوفیوں کا گروہ بھی ان کے ساتھ ہے اور جن مسئلوں میں یہ دونوں گروہ اختلاف رکھتے ہیں، گروہ صوفیانے اس میں سے بہتر اور برتر کو قبول کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”فَبَشِّرْ عِبَادِيَ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ“

”پس میرے ان بندوں کو خوش خبری دیجئے جو بات کو سنتے ہیں پھر اچھی بات پر عمل کرتے ہیں۔“

یہیں سے وہ کہاوت چلی ہے: الطريقة ہی لباب الشریعة لا ہی غیرہا۔ یعنی

طریقت باعتبار اصل شریعت ہی ہے، نہ کہ اس کا غیر۔ (سیح سنابل شریف۔ مترجم ص ۵۰) اسی لئے حضرت امام مالک کا یہ گرامی قول زبان زد خاص ہے:

”من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق ومن تصوف ولم يتفقه فقد تزندق ومن جمع بينهما فهو المومن الكامل“

”جس نے عالم شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ طرز صوفیا کی پیروی نہ کی، وہ بے عمل ٹھہرا اور جس نے صرف زہد اختیار کیا اور شریعت کے علم سے بے بہرہ رہا، اس کے ایمان کا بھی بھروسہ نہیں اور جس نے یہ دونوں خصوصیتیں اپنے اندر جمع کر لیں وہی باکمال مومن ہے۔“

اس پاکیزہ گروہ کا ممتاز سلسلہ عہد رسالت مآب سے لے کر اب تک چلا آتا ہے۔ حضرت امام عبدالرحمن سلیمی (م ۴۱۲ھ) نے طبقات الصوفیہ میں پانچویں صدی ہجری کے آغاز تک کے ممتاز مشائخ کا تذکرہ اور ان کے اقوال، محدثانہ سند کے انداز میں ذکر کئے ہیں۔ انہوں نے اپنے عہد تک کے صوفیوں کو پانچ طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان طبقات خمسہ کے چند ممتاز مشائخ اور بعد کے ناموران تصوف کے اسمائے گرامی درج کئے جاتے ہیں جنہوں نے اپنے نفسان سوختہ سے دلوں کو زندگی کی حرارتیں بخشیں۔

پہلا طبقہ: - امام حسن بصری (م ۱۱۰ھ)۔ حضرت مالک بن دینار۔ عبدالواحد بن زید (م ۱۷۷ھ)۔ حضرت اولیس قرنی۔ حضرت حبیب مجی۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ)۔ حضرت سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ)۔ عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ)۔ قاضی فضیل بن عیاض تمیمی (م ۱۸۷ھ)۔ حضرت ذوالنون بن ابراہیم مصری۔ حضرت بشر حافی۔ حضرت سری السقطی بن اسد (م ۲۵۳ھ)۔ حضرت حارث محاسبی (م ۲۳۳ھ)۔ حضرت شقیق بلخی۔ حضرت بایزید بسطامی۔ حضرت ابوسلیمان دارانی (م ۲۱۵ھ)۔ حضرت معروف کرخی (م ۲۰۰ھ)۔ حضرت حاتم اصم۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی۔ (م ۳۰۳ھ) حضرت ابوتراب خشعی۔

دوسرا طبقہ: - حضرت ابوالقاسم جنید۔ حضرت ابوالحسن نوری۔ حضرت ابو عثمان حیری نیشاپوری۔ حضرت رویم بن احمد بغدادی (م ۳۰۳ھ)۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری۔ حضرت ابوبکر وراق۔ حضرت ابوسعید خراز۔ حضرت ابوعلی جوزجانی۔ حضرت ابو عبد

اللہ سنخری۔

تیسرا طبقہ:- حضرت طاہر مقدسی۔ حضرت ابو عمرو دمشقی۔ حضرت ابو اسحاق ابراہیم خواص۔ حضرت عبداللہ بن محمد خراز رازی۔ حضرت ابو حمزہ بغدادی بزاز۔ حضرت ابو بکر واسطی۔ حضرت حسین بن منصور حلاج۔ حضرت ممشاد دینوری۔ حضرت ابو حمزہ خراسانی۔ حضرت ابو عبداللہ صلیحی۔

چوتھا طبقہ:- حضرت ابو بکر شبلی۔ حضرت ابو محمد مرعش۔ حضرت ابو علی رود باری۔ حضرت ابو بکر کتانی۔ حضرت ابو علی بن کاتب۔ حضرت ابو عبداللہ بن سالم بصری۔ حضرت محمد بن علیان نسوی۔

پانچواں طبقہ:- حضرت ابوسعید بن اعرابی۔ حضرت جعفر بن محمد غلدی۔ حضرت ابو عمرو اسماعیل بن نجید۔ حضرت ابو عبداللہ بن خفیف نضی۔ حضرت ابو العباس احمد بن محمد دینوری۔ حضرت ابو عثمان سعید بن سلام مغربی۔ حضرت ابو عبداللہ رود باری۔ حضرت ابو الحسن علی بن بندار صیرفی۔ حضرت ابو محمد عبداللہ بن محمد راسبی۔ (طبقات الصوفیہ۔ مطبوعہ مصر) ان کے علاوہ چند مشاہیر صوفیہ یہ ہیں:

چوتھی صدی ہجری کے چند مشاہیر صوفیہ: ۱- حضرت ابو الجباس عطا، ۲- ابو محمد جریری، ۳- ابو عمرو دمشقی، ۴- خیر نساج، ۵- ابو علی ثقفی، ۶- ابو یعقوب نہر جوری، ۷- ابو یعقوب قطع، ۸- یوسف بن حسین رازی، ۹- شیخ ابوسعید اعرابی، ۱۰- خواجہ ابو احمد ابدال چشتی، ۱۱- ابو الحسن حصری، ۱۲- ابو القاسم نصر آبادی، ۱۳- ابو عثمان مغربی، ۱۴- ابو الحسن بن سمعون، ۱۵- شیخ ابو اسحاق شامی، ۱۶- ابو نصر سراج، ۱۷- ابو طالب مکی، وغیرہم۔

پانچویں صدی کے مشاہیر صوفیہ:

۱- حضرت ابو علی دقاق، ۲- حضرت ابو الحسن خرقانی، ۳- شیخ ابو اسحاق گزرونی، ۴- ابو نعیم اصبہانی، ۵- سلطان ابوسعید ابوالخیر، ۶- شیخ ابو القاسم گرگانی، ۷- امام ابو القاسم قفیری، ۸- شیخ علی بن عثمان، الجویری، معروف بہ داتا گنج بخش، ۹- شیخ ابو اسماعیل عبداللہ انصاری الہروی، ۱۰- حجت الاسلام امام محمد غزالی (م ۵۵۰ھ)

چھٹی صدی کے ممتاز صوفیہ: ۱- شیخ ابو عسید مخزومی (۵۱۳ھ)، ۲- شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ)۔

ساتویں صدی کے ممتاز صوفیہ: ۱- شیخ مجد الدین بغدادی، ۲- شیخ نجم الدین کبریٰ، ۳- شیخ شہاب الدین سہروردی، ۴- خواجہ غریب نوار سید معین الدین حسن سنخری چشتی قدس سرہ، ۵- حضرت شمس الدین تبریزی، ۶- شیخ سعد الدین حموی، ۷- شیخ سیف الدین باخرزی، ۸- شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، ۹- خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، ۱۰- خواجہ حمید الدین ناگوری، ۱۱- مخدوم میر محمد دعوتہ الصغریٰ جد علی سادات بلگرام، (م ۶۲۵ھ) ۱۲- خواجہ گنج شکر، ۱۳- حضرت محبوب الہی نظام الدین اولیاء۔

ان حضرات کے علاوہ بیسیوں سلاسل خصوصاً سلاسل اربعہ قادریہ، چشتیہ سہروردیہ، نقشبندیہ کے ہزاروں مشائخ ہیں جن کے فیوض و برکات سے کائنات کے مختلف حصے فیضیاب ہیں۔ ان میں: ۱- حضرت امیر ابو العلاء، ۲- حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (م ۸۲۷ھ)، ۳- خواجہ بندہ گیسو دراز، ۴- مخدوم نور قطب عالم پنڈوی، ۵- مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی (م ۸۰۸ھ)، ۶- میر عبدالواحد بگرامی (م ۱۰۱۷ھ)، ۷- خواجہ باقی باللہ دہلوی، ۸- مجد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، ۹- شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ)، ۱۰- میر سید محمد کالپوی (م ۱۰۷۱ھ)، ۱۱- شیخ محمد افضل الہ آبادی، ۱۲- مخدوم شاہ برکت اللہ عشقی مارہروی (م ۱۱۴۲ھ)، ۱۳- مخدوم محمد منعم چشتی جیسے مشائخ سے باضابطہ سلاسل کی نامور شاخیں چلیں اور تصوف کی رونقیں عام ہوئیں۔

حضرات صوفیا کی صفیں بھی مختلف طبقات میں تقسیم ہیں۔ سراج السالکین سیدنا شاہ ابوالحسن احمد نوری قدس سرہ ”سراج العوارف فی الوصایا والمعارف“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”اولیاء اللہ کی قسموں کی تفصیل یہ ہے۔ ان میں پہلے چار ہزار کی تعداد میں ہیں اور یہ مخلوق سے پوشیدہ رہتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کو بھی نہیں پہچانتے بلکہ خود اپنے اعمال کی حالت نہیں جانتے اور اپنے تمام احوال میں خود اپنے آپ سے اور مخلوق سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ تین سو وہ ہیں جو انتظام میں لگے ہوتے ہیں اور دربار خداوندی میں نیکوکاروں کے سردار ہیں، انہیں اختیار کہا جاتا ہے۔ انہیں میں سے چالیس وہ اولیاء ہیں جو ابدال کہلاتے ہیں اور انہیں میں سے سات کو برابر اور انہیں میں سے چار کو اوتاد کہتے ہیں اور تین ان کے علاوہ ہیں، جنہیں نقبا کہتے ہیں۔ ان میں سے ایک قطب اور غوث ہوتے ہیں۔ یہ ایک

دوسرے کو پہچانتے ہیں اور اپنے کاموں میں ایک دوسرے کے حاجت مند ہوتے ہیں۔
 ”فتوحات مکیہ“ کے مصنف نے ایک سواٹھانویں باب کے اکتیسویں باب کی اکتیسویں فصل میں سات افراد کو ابدال کہا ہے اور وہ ہیں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو سات ولایتوں میں تقسیم کیا اور اپنے خاص بندوں میں سے سات بندوں کو منتخب کر کے انہیں ابدال کا مرتبہ دیا اور ان میں سے ہر ولایت کی ایک ابدال حفاظت کرتا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے حرم مکہ میں ان سے ملاقات کی اور انہیں سلام عرض کیا۔ ان حضرات نے میرے سلام کا جواب دیا، میں نے ان سے کچھ گفتگو بھی کی۔ میں نے ان سے زیادہ خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا، نہ ان سے زیادہ کسی کو حق میں مشغول پایا۔ پھر فرمایا کہ میں نے ان جیسا کہیں نہ دیکھا۔ ہاں قونیہ (ایک شہر کا نام) میں ایک شخص ضرور ایسا ملا۔ (سراج العوارف ص: ۱۱۳)



اسلام کے سرچشمہ حیات تصوف پر اس کی علمی تدوین کے بعد سے لے کر اب تک متعدد بار ناروا حملے کئے گئے، زمین دوز سبائی سازشیں رچی گئیں، الزامات تراشے گئے، ان کی مستند کتابوں میں تحریفیں کی گئیں۔ اکابر صوفیا کی جانب بے بنیاد اقوال منسوب کئے گئے بلکہ بعد کے زمانوں میں تو اسلام دشمنوں نے مستقل جعلی کتابیں لکھ لکھ کر بزرگوں کی طرف منسوب کر دیں۔ ان سب کا مقصد یہ رہا کہ ملت اسلامیہ اس بحر ہدایت کے شفاف دھاروں سے کٹ کر رہ جائے اور شوریدہ نفس اور ژولیدہ عقل کی بھول بھلیوں میں بھٹکتی رہے۔

کاشف الاستار شریف بنیادی طور پر تصوف کی کتاب ہے اور اکابر صوفیا کی کتابوں کی طرح اس میں بھی کچھ مباحث وہ ہیں جن پر ناقدین تصوف آسمان سر پر اٹھائے رہتے ہیں۔ اس لئے تصوف کے تعلق سے چند وضاحتیں پیش ہوتی ہیں۔

تصوف اور رہبانیت:

حضرات صوفیہ کی خلوت گزینی، علاقہ دنیا سے بے نیازی اور ریاضتوں کے لئے پہاڑوں اور صحراؤں میں بسیرے کی روش دیکھ کر نادان ناقدین اسے عیسائی رہبانیت، بودھ تبتل، ایرانی مزدکیت اور ہندی سنیا سے مستعار طرز حیات قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے طرز حیات کا تو اسلام حکم نہیں دیتا۔ ان ناقدین میں مغرب کے دانشور مستشرق بھی

ہیں اور مشرق کے نام نہاد اہل اسلام بھی۔ مغرب کے ہارٹن (Horton)، بلوشیٹ (Blochet)، فرانسیسی مستشرق ماسینون (Massignon)، گولڈزیہر (Goldziher)، اولیری (O'leary) اور مشرق کے وہابی، غیر مقلد اور مودودی طرز فکر کے دلدادہ صاحبان اس سلسلے میں پیش پیش ہیں۔

لیکن سچائی یہ ہے کہ رہبانیت دوسری چیز ہے اور صوفیانہ ریاضتیں الگ سی چیزیں ہیں۔ حضرات صوفیہ پورے طور سے پابند شرع، جادہ شریعت پر مستحکم اور سنن و مستحبات مصطفویٰ کو دل و نگاہ میں بسائے رہتے ہیں تو پھر ”لا رہبانیت فی الاسلام“ کا مسلم اسلامی اصول ہوتے ہوئے وہ اس غیر معتدل اور ناہموار وادی کا رخ کس طرح کر سکتے ہیں۔ وہ تو مکمل طور سے شریعت نبوی کے پیرو، خشیت الہی کے پیکر، مجسم محبت و شفقت، سراپا خدمت خلق، خوبیوں کے جامع، برائیوں سے دور دور، صبر و رضا کی تصویر، حقوق کے پاسدار اور محبت الہی و رسالت پناہی سے سرشار، ابراہیم راہب ہوتے ہیں۔

ان سب کے باوجود یہ بھی درست ہے کہ وہ ویرانوں کی راہ لیتے ہیں، اپنے نفس کو رام کرنے کے لئے اس پر سختیاں کرتے ہیں، صفائے قلب کے لئے پے در پے روزے رکھتے ہیں، نوافل و اذکار کی کثرت رکھتے ہیں، مراقبات و محاسبات اور اشغال و اعمال سے فکرو خیال کی یکسوئی کا سامان کرتے ہیں۔ علاقہ دنیا سے بے نیاز، جاہ و مال کی حرص سے بے پروا اور دنیا کی آرائشوں اور آلائشوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ لیکن ان تمام چیزوں کے باوصف اس طرز عمل کو عیسائی رہبانیت، بودھ تبتل اور ہندو سنیا سے دور کا بھی علاقہ نہیں۔

صفائے قلب، خیالات کی یکسوئی اور ذکر و فکر کی راہ سے قرب خدا حاصل کرنے کے لئے یہ خلوت نشینی، ریاضتیں، بھوک اور پیاس کی شدتیں برداشت کرنا سنت رسول ہے۔ غار حرا کی گوشہ نشینی اور اسلام میں اعتکاف کا استحسان اس کا واضح ثبوت ہے۔

سیدنا امام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا اچھے خوابوں سے ہوئی۔ حضور جو

خواب بھی دیکھتے، اس کی تعبیر صبح روشن کی طرح ظاہر ہوتی۔“ پھر فرماتی ہیں:

”پھر آپ کے دل میں خلوت نشینی کی محبت ڈال دی گئی اور آپ غار حرا میں

خلوت اختیار فرمانے لگے۔ آپ وہاں متعدد دنوں تک عبادت کرتے رہتے، جب تک

اپنے اہل کا اشتیاق نہ ہوتا۔ آپ اس کے لئے توشہ لے جاتے تھے پھر خدیجہ کے پاس تشریف لاتے اور اتنا ہی توشہ پھر لے جاتے۔ یہاں تک کہ آپ پر وحی آئی جب کہ آپ غار حرا ہی میں تھے۔“

ہمارے مشفق استاذ فقیہ اعظم ہند، شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ ”ثم حُبب اليه الخلاء“ کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”ثم“ ترتیب کے ساتھ تاخیر پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اس سے مستفاد ہوا کہ بذریعہ خواب وحی کی آمد کے کچھ بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں اس مخصوص خلوت نشینی کی محبت پیدا ہوئی۔ ”حُبب اليه الخلاء“ اس بات پر قرینہ ہے کہ اس کا القابذریعہ وحی ہی ہوا۔ اس لئے اس سے ثابت ہوا کہ اہل وعیال سے الگ تھلگ رہ کر پہاڑ کے غار میں یا کسی بھی جگہ خلوت نشینی سنت ہے۔ خلوت نشینی کو سادھو پن اور جوگی پن کہنا سنت پر طر ہے۔“ (نزہۃ القاری ۱/۱۸۴)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود صوم وصال رکھتے۔ حضرات صحابہ کو اس سے منع فرماتے لیکن صوم داؤدی (ایک دن وقفہ دے کر روزہ رکھنا) کی ترغیب دیتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور کا یہ خطاب کافی مشہور ہے:

”يا عائشة! اقرعى باب الجنة بالجوع“۔ اے عائشہ! بھوک رہا کرو، جنت سے قریب رہو گی۔ حضور کی اپنی ریاضتوں کا عالم یہ تھا کہ نوافل کی کثرت سے قدامان مبارک ورم کر جایا کرتے۔ اس راہ میں اتنی مشقتیں گوارہ فرمائیں کہ سورہ طہ کی یہ آیات کریمہ اتر پڑیں:

طه ۵ مَا نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ - اے محبوب! ہم نے تم پر یہ قرآن اس لئے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو (کنز الایمان)

اس لئے حضرات صوفیہ طرز محمدی سے بالکل قریں اور حضور کے قدم بہ قدم ہیں۔ اصل یہ ہے کہ تصوف کی بنیاد حدیث احسان ہے جس میں حضور نے حضرت جبریل کو اس کا مفہوم یہ بتایا:

”احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو یہ سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“

اس یکسوئی کا تعلق دل سے ہے جو پورے وجود پر حکمراں ہے۔ یہی وہ گوشہ وجود ہے جس کی صلاح سے شخصیت نکھرتی ہے، معاشرہ سنورتا ہے اور جس کے فساد سے ماحول تعفن زدہ ہو جاتا ہے۔ اسی کی جانب حدیث شریف کا یہ ارشاد ہدایت کرتا ہے:

”الا وان فى الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله وان فسدت فسد الجسد كله۔ الا وهى القلب۔“ (صحیح البخاری ۱/۱۳)

”سنو! بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہو جائے گا تو پورا بدن درست رہے گا اور جب وہ بگڑ جائے گا تو پورا بدن بگڑ جائے گا، اسے دل کہتے ہیں۔“ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دل کے معاملات ہی ملحوظ اور معتبر ہوتے ہیں۔

ان الله لا ينظر الى صوركم واموالكم ولكن ينظر الى قلوبكم واعمالكم الحديث۔ رواه مسلم عن ابى هريرة رضى الله عنه۔ ”اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا، اس کی نظر رحمت تمہارے دلوں اور اعمال کی جانب ہوتی ہے۔“

ایسی قلبی یکسوئی، تعلق باللہ اور تصور حضوری اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے، جب کہ انسان دل پر جسے غبار کو ریاضتوں کی جانکاہ بھٹی میں پگھلا کر کندن کرے اور نفس سرکش کو بھوک کی سولی پر چڑھا کر رام کر لے۔ گویا حضرات صوفیا کی یہ ریاضتیں صفائے باطن کا ایک شافی کورس ہوتی ہیں۔ جب یہ کورس مکمل ہو جاتا ہے تو پھر حضرات صوفیا مخلوق خدا سے کنارہ کش نہیں رہتے بلکہ خود بنفس نفیس آبادیوں کے ہجوم میں قدم رنجہ فرماتے ہیں اور اپنے قدوم میمنت لزوم کی برکتوں سے مخلوق خدا کو سرفراز کر کے فیض کے دریا بہاتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ کنارہ کشی مقصد حیات نہیں بلکہ حیات ابدی کا وسیلہ اور صفائے باطن کا ذریعہ ہے۔

جب مقصود حاصل ہو جاتا ہے تو پھر وہ حیات کی اسی طرز کہن پر پلٹ آتے ہیں۔ اپنا گھر بساتے ہیں، درس و افادہ کی بساط بچھاتے ہیں، وعظ و تصنیف سے شغول رکھتے ہیں، کار جہاں بنی میں صالح مشورے دیتے ہیں، ضرورت محسوس ہوتی ہے تو جہاد کرتے ہیں، عوام الناس کے دکھ، درد اور مصائب و آلام کا مداوا پیش کرتے ہیں، نفرتوں میں جھلستے افکار کو محبتوں کے چمن زار میں تبدیل کرتے ہیں، دلوں کو دنیا داریوں کے خاردار سے کھینچ کر دین داری کی شاداب وادیوں میں لے آتے ہیں، زرو مال اور منصب و جاہ کی محبت نکال کر اس کی جگہ اللہ

اور رسول کی محبت ڈالتے ہیں۔ اخلاق کی تربیت، افکار کی تطہیر، دلوں کا تزکیہ ان کی منہی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ ان کے نزدیک خلق خدا کی خدمت عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ حضرت شیخ مرتضیٰ کا قول ہے: ”التصوف حسن الخلق“ تصوف حسن اخلاق کا نام ہے۔ ان کا منشور ہے: ”الخلق کلہم عیال اللہ“ اس لئے ساری مخلوق انسانی ہمدردیوں کی مستحق ہے۔ یہ دلوں کو جوڑتے ہیں، توڑتے نہیں۔ ع۔ دل بدست آور کہ حج اکبر است۔

غرض اخلاق، رواداری اور حسن سلوک کے جتنے تقاضے ہو سکتے ہیں، یہ حضرات وہ سارے تقاضے پورے کرتے ہیں۔ کیا اب بھی انہیں رہبانیت کا خوگر، دنیا سے بے زار، وحشت پسند، سنیاں اور جوگ کا نقال کہا جائے گا؟ کیا ایسا کہنا انصاف کے تقاضے کے مطابق ہوگا؟ آج یورپی دنیا امن کے پیامیوں اور رفاہی کاموں کے دلدادگان کو بڑے ممتاز ایوارڈ سے نوازتی ہے۔ لیکن آج کے رفاہی ادارے اور امن پسند حضرات اپنی فکری اور عملی جھولیوں میں امن و محبت کے جتنے ننھے بھی رکھتے ہیں، وہ سب کے سب فقراء محمدی کے کشکول میں موجود ہیں اور ان درویشان بارگاہ صمدیت کے پاس جو اور انمول، کیا اثر نسخہ ہائے حیات ہیں، ان کی آج کے مدعیان اخلاق و دانش کو ہوا بھی نہیں لگی۔ سچ کہا اقبال نے۔

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی الہی! کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں نہ پوچھان خرقة پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو ید بیضاء لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں یہ یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم کے داعی گروہ ہیں جنہوں نے اپنے نفسان سوختہ سے بڑے عظیم انقلابات پیدا کئے۔ یہ تاریخ کے سنہرے باب ہیں جنہیں پڑھنے کی ضرورت ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک گوشہ نشین درویش تھے جو اکثر مسجد نبوی میں معتکف رہتے لیکن جب ضرورت پڑی تو مسند خلافت کو ایسی رونق بخشی کہ خلافت راشدہ کی یاد تازہ ہو گئی۔ حضرت سالار مسعود غازی کے بیشتر رفقا درویش تھے جنہوں نے کفرستان ہند میں اسلام کے پھریرے لہرائے۔ سادات مارہرہ و بلگرام کے جد اعلیٰ سیدنا میر محمد دعوتہ الصغریٰ نے لشکر اسلام کے ساتھ فوج کشی کی اور بلگرام کے ظالم ہندو بادشاہ کو زیر کر کے اس سرزمین پر اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی اور پھر آپ کے انوار سے اس کی فضا نئیں

ایسی جگہ گائیں کہ چار دانگ عالم میں اجالا کر ڈالا۔ بلگرامی فیض خواہ وہ علمی ہو یا روحانی، آج سارے عالم کو محیط ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی، سلطان نور الدین زنگی، سلطان عالمگیر اورنگ زیب، شیر شاہ جیسے فرماں روا یان اسلام دراصل درویش تھے جنہوں نے سلطانی کالبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ ورنہ ان کی راتیں مناجات میں اور دن میدان کارزار میں گزرتے تھے۔ سلطان زنگی کا شمار تو چالیس خاصان خدا میں ہوتا ہے اور سلطان ایوبی کا تین سو خاصان خدا میں۔

بلگرامی سادات کی مارہروی شاخ کا نقطہ آغاز ہیں سیدنا میر عبدالجلیل چشتی قدس سرہ۔ آپ نے بارہ سال تک صحرا نوردی فرمائی۔ جذب کا عالم، ستر پوشی کا بھی ہوش نہیں لیکن آپ جب حضرت خضر علیہ السلام کی نوازش پر ہوش میں آئے تو مارہرہ کی ولایت جاگیر میں ملی، آپ نے یہاں قدم جمائے، اسلام کی اشاعت کی، مارہرہ میں عقد ثانی فرمایا، بلگرامی حرم کو بھی بلا لیا اور اس اجاڑ ویرانے کو اپنے قدم مہینت لزوم سے ایسی رونق بخشی کہ ایک عالم اس کی جانب کھنچا چلا آتا ہے۔ حضرت صاحب البرکات اور سیدنا شاہ آل محمد اور خود حضرت عینی نے جو عظیم مجاہدات فرمائے، وہ اس کتاب میں ملاحظہ کیجئے۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے دنیا دار یوں کے سارے جائز آداب برتے اور کثیر خلق خدا کی حاجت روائی، دستگیری اور مسیحا کی فرمائی۔ فرماں روا یان عالم آپ حضرات سے راہنما یوں اور دعاؤں کی درخواست کرتے۔ اس لیے اس طبقہ پاکبازوں کی ریاضتوں کے سلسلے کو رہبانیت اور عالم بیزاری سے جوڑنا، ایک بے بنیاد الزام سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ حضرات دنیا بیزار نہیں تھے بلکہ دنیا کی آلائشوں، مکاریوں اور منافقتوں سے بیزار تھے اور حرص و ہوا سے متنفر۔ اسی لیے انہیں دنیا کے جھیلے اپنے خالق و معبود کی یاد سے غافل نہیں کرتے۔ ”رَجَالٌ لَا تُلْهِیْہُمْ تِجَارَةٌ وَ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ (النور: ۳۷)“ ”وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سود اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے“ (کنز الایمان)۔ انہیں کے گرامی اوصاف تو ہیں۔ خوب فرمایا: ”مرد وہ ہے جس کے ظاہری معاملات عام مخلوق خدا جیسے ہوں اور اس کا باطن مولیٰ کی یاد میں غرق“۔ (فرمان حضرت شاہ لدھا بلگرامی قدس سرہ) گیارہویں صدی کے سرگروہ صوفیہ حضرت میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ نے بڑی پیاری بات تحریر فرمائی۔ فرماتے ہیں:

”یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ دنیا اپنی ذات کے اعتبار سے بری نہیں، اس سے

تعلق اور محبت کرنا برا ہے کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی بنیاد ہے۔ دنیا اس کی قابلیت نہیں رکھتی کہ کبھی تو اعلیٰ ترین مقامات پر چڑھادے اور کبھی ادنیٰ ترین جگہوں پر گرادے۔ ہاں جو شخص دنیا کو دین کا آلہ بناتا اور اپنی جائز خواہشات نفسانیہ کے پورا کرنے کے لیے دنیا کو نظر میں رکھتا ہے اور وَمِمَّا رَزَقْنَهُمْ يُنْفِقُونَ، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اس میں سے خرچ کرتا ہے وہ بظاہر دنیا میں اور باطن ملاء اعلیٰ میں رہتا ہے کہ ”ان لله عباداً ابدانہم فی الدنیا و قلوبہم عند اللہ“۔ ”اللہ تعالیٰ کے چند خاص بندے وہ ہیں جن کے بدن دنیا اور دل اللہ کی طرف لگے رہتے ہیں“۔ وہ خدا کے لیے زندہ رہتا ہے، نہ کہ نفس کے لیے۔ تو البتہ دنیا اس کے لیے صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کے لیے ایک بھاری مددگار ثابت ہوتی ہے کہ نعم المال الصالح للرجل الصالح۔ اچھا مال اچھوں کے لیے بڑی خوب چیز ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے راستے میں صرف کرتا ہے۔

ہر چہ داری برائے او بگذار کز گدایاں، ظریف تر، ایثار
تم جو کچھ رکھتے ہو خدا کی راہ میں دے ڈالو کہ ایثار، ہوش مند درویشوں کو زیبا ہے۔
سلک السلوک میں لکھا ہے: لوگ کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری نے نزع کے وقت ایک تھیلی اپنی گدڑی میں سے نکالی جس میں ایک ہزار دینار تھے اور اپنے احباب کو دی کہ اسے صدقہ کر دو۔ لوگوں نے کہا کہ آپ تو ہر وقت روپیہ جمع کرنے کے لیے منع کرتے تھے، اپنے آپ اتنا مال رکھتے ہیں؟ فرمایا کہ میں نے اپنے دین کو شیطان سے اسی روپیہ کی بدولت بچایا ہے۔ یعنی وہ جب کبھی کوئی وسوسہ ڈالتا کہ آج کیا کھاؤ گے، آج کیا پہنو گے تو میں کہہ دیتا کہ دیکھ میرے پاس یہ روپیہ ہے۔ وہ مجھ سے مایوس ہو کر لوٹ جاتا اور اس سے یہ نہ ہوسکا کہ مجھے زید یا عمرو کے دروازہ پر لے جاسکے۔

امام احمد غزالی قدس سرہ نے خولجہ ابو سعید ابوالخیر قدس سرہ سے فرمایا کہ آپ روزانہ دنیا کی برائی کرتے اور لوگوں کو اس سے رشتہ توڑنے پر آمادہ کرتے رہتے ہیں مگر خود گھوڑوں و اونٹوں کے اتنے طویلے ریشم کی طنابوں اور سونے کی میخوں سے باندھے ہوئے ہیں۔؟ فرمایا: میں نے طویلے کی میخیں مٹی میں گاڑی ہیں، دل میں نہیں۔“ (سبع سنابل شریف)

اسی لیے سیدنا محبوب الہی قدس سرہ نے فرمایا:
”ترک دنیا کا یہ معنی نہیں کہ کوئی آدمی اپنے آپ کو برہنہ کرے اور لنگوٹ باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ ہمارے نزدیک ترک دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے، کھانا بھی کھائے اور حلال کی جو چیز دستیاب ہو، اسے استعمال بھی کرے۔ لیکن دولت کو جمع کرنے کی طرف راغب نہ ہو اور دل میں اس کو جگہ نہ دے۔“ (فوائد الفواد)

اس لیے تصوف کو غیروں کی خیرات کہنا اور صوفیہ کو اسلامی تعلیمات سے بیگانہ اور دنیا کے تقاضوں سے بے نیاز سمجھنا سراسر غلط فہمی یا کج فہمی ہے، جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

حضرات صوفیہ کا علمی ربط:

حضرات صوفیہ کو علم سے بے بہرہ اور کتاب و سنت کے ظاہری احکام سے لاپرواہ کہنے والوں کی بھی کمی نہیں۔ ان لوگوں کی نگاہ میں حضرات صوفیہ، نہ مفسر و محدث تھے، نہ مورخ و نقاد۔ ان کی فکریں تو بس احترام اور عقیدت کے غلاف میں لپیٹی رہیں۔

اس الزام کی تردید کے لیے تو خود زیر تبصرہ کتاب مستطاب کا شرف الاستار شریف کافی ہے۔ حضرت مصنف نے علوم و فنون کے ایسے گہرے آبدار نکھیرے ہیں کہ نگاہیں خیرہ ہوئی جاتی ہیں۔ کون سا علم رائج ہے جو اس میں نہیں ہے؟۔ نادر علوم اور خاندانی اسرار کے ذخیرے بھرے پڑے ہیں، نگاہ حقیقت میں ہو تو دیکھا کرے۔ علم شریعت کی واقفیت اس زمرہ پاکبازوں میں شمولیت کی اولین شرط ہے۔ حضرت محبوب الہی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں:

”پیر ایسا ہونا چاہیے جو شریعت، طریقت اور حقیقت کے احکام کا علم رکھتا ہو۔
اگر ایسا ہوگا تو وہ کسی ناجائز بات کے لیے نہ کہے گا۔“

مشہور عارف باللہ سیدنا عبدالعزیز دباغ قدس سرہ فرماتے ہیں:

”اذالم یکن علم لدیہ بظاہر ولا باطن فاضرب به لجاج البحر قال
الشیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرادہ بعلم الظاہر علم الفقہ والتوحید ائی القدر
الواجب منہما علی المکلف و مرادہ بعلم الباطن معرفۃ اللہ تعالیٰ۔“

”جب کسی شیخ طریقت کے پاس ظاہری اور باطنی علوم نہ ہوں تو اسے دریا برد کردو۔ ہمارے شیخ عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: علم ظاہر سے فقہ اور عقیدے کا واجبی علم مراد ہے اور علم باطن سے اللہ تعالیٰ کی معرفت۔“ ۱۲۰ ساحل خود حضرت مصنف نے مرشد طریقت کے لیے تین شرطیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اسے کسی شیخ سے اجازت صحیحہ حاصل ہو، ۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ شریعت پر مکمل طور سے عامل ہو (عمل بغیر علم کے نہیں ہو سکتا)۔ ۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ سنی صحیح العقیدہ ہو۔

جو طبقہ اتباع رسول کا ایسا شیفہ ہو کہ مرض الموت میں بھی سنن و مستحبات سے دستبردار نہ ہو۔ (حضرت شبلی نے نزاع کے عالم میں بھی وضو کے وقت داڑھی کا خلال تک نہ چھوڑا)، جو قبلہ مسجد کے آداب ترک کرنے والوں سے ملاقات پر آمادہ نہ ہو (ایک زاہد نے مسجد میں داخل ہوتے وقت قبلہ کی جانب تھوک دیا تھا تو حضرت بایزید بسطامی، جو انہیں سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے تھے، ان سے ملے بغیر لوٹ آئے) بھلا ایسا طبقہ حضور کے ایسے تاکید ارشاد سے کیسے غفلت برت سکتا ہے۔؟۔ طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ۔ ”علم (دین) کی طلب ہر بندہ مومن پر فرض ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔“ اس لیے حضرات صوفیہ کو علم سے کورا سمجھنا خود کو رد و قبیح کی دلیل ہے۔ یہ حضرات تو خلاصہ علماء اور راہنما فی العلم ہوتے ہیں۔

ابریر شریف میں مذکور ہے:

”کسی ولی کو اس وقت تک ولایت سپرد نہیں کی جاتی جب تک کہ اسے حروف متشابہات و مقطعات کے معانی نہیں بتادیئے جاتے۔“

اس کی تائید حضرت ابوبکر واسطی قدس سرہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ آپ ”وَمَا يَعْلَمُ تَابُ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ“ (آل عمران: ۱۸۰) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”ابوبکر واسطی علیہ الرحمہ نے فرمایا: والراسخون فی العلم سے مراد وہ لوگ ہیں جو غیب الغیب کی اتھاہ گہرائیوں میں اپنی روحوں کے ساتھ اتر گئے اور سر السر کو جان لیا۔ گویا ان کے رب کریم نے جو چاہا، انہیں بتادیا اور آیت کریمہ کا جو مفہوم و معنی انہیں عطا کیا،

وہ دوسروں کو نہیں دیا۔ اس طرح یہ بندگان خاص مزید کچھ حاصل کرنے کی غرض سے فہم کی روشنی لے کر بحر علم میں غوطہ زن ہو گئے، جس کے نتیجے میں ان پر بے بہا خزائن معرفت کے منہ کھول دیئے گئے۔ اور کلام اللہ کے ہر حرف و آیت میں پنہاں، متلاطم بحر معانی نے ان کا رخ کیا اور انہوں نے اس مقام پر پہنچ کر نص قرآنی سے بیش قیمت مطالب اخذ کئے اور نادرہ روزگار حکمتوں کا پتہ دینے لگے۔ بعض تو ان بندگان خدا میں سے ایسے بھی ہیں جن کے علمی مبلغ کے سامنے سمندروں کی حیثیت ایک قطرہ کے برابر ہے۔ بلاشبہ علم کی یہی وہ نادر قسم ہے جس سے خدائے علیم و خبیر نے انبیاء علیہم السلام، مقرب اولیائے کرام اور اصفا کو نوازا اور یہی وہ مقرب بندے ہیں جنہوں نے اپنے باطن کی صفائی ذکر خالص اور حضور قلب کے ساتھ بحر ادراک کی پنہائیاں سرکیں تو ایک جوہر نایاب کو پالیا اور انہیں یہ بھی علم ہو گیا کہ خود مصادر کلام کا سرچشمہ کہاں ہے، عرفان و آگہی کے اسی پر معنی سفر میں وہ ایک ایسے منبع تک پہنچ گئے جس نے انہیں بحث و تحقیق اور غور و فکر کے ذریعہ مطالب و معانی کے حصول سے آزاد کر دیا۔“ (اللمع فی التصوف ص ۱۳۱-۱۳۲)

حضرات صوفیاء کے سارے علوم و افکار کتاب و سنت کے روشن حوالوں سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ کتابی علم رکھنے والے تو صرف سطروں اور لکیروں کے گرد گھومتے رہتے ہیں لیکن حضرات صوفیہ ان کی تہوں کا بھی علم رکھتے ہیں اور ان علوم سے بھی واقف ہوتے ہیں جو علم لدنی اور علم سینہ کہلاتے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ وہ شریعت کے پاسدار اور طریقت کے راز دار ٹھہرے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے بجا تحریر فرمایا:

”اصل کام یہ ہے کہ عبادات اور طاعات پر عمل پیرا ہو، تاکہ دل کی صفائی اور باطن کا نور حاصل ہو اور حقیقت کے راز منکشف ہوں۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے جانے ہوئے احکام پر عمل کیا، اللہ تعالیٰ اسے انجانے علوم عطا فرماتا ہے۔“

دوسری جگہ رقمطراز ہیں:

”رہے مفسر اور محدث تو ان کا وہی حال ہے جو متکلم اور فقیہ کا ہے، ان سے الگ قسم نہیں ہیں۔ صوفی کو ان پر یہ فوقیت ہے کہ وہ اشارے کا متلاشی ہوتا ہے۔ وہ قرآن کریم کے بطن پر آگاہی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جس کی طرف نبی اکرم ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے کہ

قرآن کے لئے ایک ظہر ہے اور ایک لطن ہے اور ہر حد کے لیے اطلاع کی ایک جگہ ہے، جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعے میں، اسی طرح وادی مقدس، جوتے اتارنے، درخت اور آگ وغیرہ کے تذکرے میں اشارات پوشیدہ ہیں، پس صوفیہ کرام ظواہر آیات کو ثابت کرتے ہیں، اس کے باوجود ان کے بواطن کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔

اس جگہ تین قسم کے لوگ ہیں:

- ۱- وہ لوگ ہیں جو ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں، مجموعی طور پر معنی کی طرف توجہ نہیں کرتے، یہ لوگ جمود پسند ظاہر یہ ہیں۔
- ۲- وہ لوگ ہیں جو معنی کی طرف توجہ کرتے ہیں، جہاں تاویل کی ضرورت ہوتا ویل کرتے ہیں، جہاں تاویل کی ضرورت نہ ہو وہاں ظاہر پر اعتماد کرتے ہیں، یہ اہل تحقیق فقہاء ہیں۔
- ۳- وہ لوگ ہیں جو معانی کو ثابت کرتے ہیں، الفاظ کی تحقیق کرتے ہیں اور اشارات و حقائق حاصل کرتے ہیں، یہ محققین صوفیہ ہیں۔

رہے باطنیہ جو تمام آیات کو اشارات پر محمول کرتے ہیں، وہ نہ تو معانی کے قائل ہیں اور نہ ہی عبارات کے۔ وہ ظواہر کے قائل نہیں بلکہ باطن پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ احکام شرعیہ مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کو معانی باطن سے عبارت قرار دیتے ہیں، ان کے ظاہر کو نہیں مانتے، اور یہ کفر صریح اور زندہ بقیہ باطلہ ہے۔ ان کا فقہ یا تصوف سے تعلق کجا، ان کا دین اور شریعت ہی میں کوئی حصہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و رسوا کرے۔“

(تحصیل التعریف فی معرفۃ الفقہ والتصوف - ترجمہ عبدالحکیم شرف وقادری، لاہور ص ۱۳۰-۱۳۱)

حضرات صوفیہ نعمتوں اور زحماتوں، اعمال حسنہ اور اعمال سیئہ کے ظاہری اور باطنی دونوں پہلوؤں سے آگاہ ہوتے ہیں۔ جن کا اشارہ ان آیات کریمہ میں ملتا ہے:

- ۱- وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (لقمان : ۲۰) ”اور تمہیں بھرپور دیں اپنی نعمتیں ظاہر اور چھپی“
- ۲- وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ (الانعام : ۱۲) ”اور چھوڑ دو کھلا اور چھپا گناہ“
- ۳- وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الانعام : ۱۵۱) ”اور بے حیائیوں کے پاس نہ جاؤ جو ان میں کھلی ہیں اور جو چھپی (کنز الایمان)
- ۴- قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الاعراف : ۳۳) ”

تم فرماؤ! میرے رب نے تو بے حیائیاں حرام فرمائی ہیں جو ان میں کھلی ہیں اور جو چھپی۔“ (کنز الایمان)

حضرت شیخ نے انہیں آیات کی جانب اشارہ کیا ہے۔ اس لیے ان کے معانی کی پہلو داریاں جیسی کچھ حضرات صوفیہ کے علم میں ہوتی ہیں، وہ کسی اور کا نصیب نہیں ہوتیں۔ رہ گئے طریقت کے اشارات اور ذکر و فکر اور اشتغال و اعمال کے طریقے تو ان میں بیشتر آیات کریمہ اور احادیث طیبہ سے صراحتاً یا اشارتاً ماخوذ ہیں۔ کاشف الاستار شریف کے عملیات کا باب اس کا روشن ثبوت ہے۔ حرز ابودجانہ، دعائے سیفی، اسمائے ربیعین کی سندیں خود اسی کتاب میں درج ہیں۔ حضرت عینی رقم طراز ہیں:

”شیخ ابوالفضل کرمانی، طاہر بن محمد سے روایت کرتے ہیں، وہ تمیم ثقفی، وہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور، حضرت جبرئیل سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”جو شخص اس حرز کو پڑھے گا یا اپنے پاس محفوظ رکھے گا، کوئی دشمن، گزندہ، گزندہ، سحر و جادو، بد نظری وغیرہ اس پر اثر نہ کریں گے اور اس حرز کا عامل مخلوق خدا کے درمیان معزز و محترم رہے گا اور چالیس دن تک ہر دن چالیس مرتبہ پڑھتا رہے تو ولایت کا مرتبہ پالے گا اور اس کے بہت سارے دوسرے فائدے بھی ہیں جنہیں ”جواہر خمسہ“ وغیرہ دوسری بڑی کتابوں میں دیکھنا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث کے خادم ابوالفتح محمد بن ابوبکر بن منصور، عبد اللہ جعفر اور عبد اللہ عباس جیسے معتمد راویوں سے صحیح روایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب جبرئیل (علیہ السلام) یہ دعا لے کر میرے پاس آئے تو ان کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے جو اس کی عظمت کے اظہار کے لیے حاضر ہوئے تھے پھر حضور نے مجھے وہ دعا تعلیم فرمائی۔“

ذکر الجہر کے بارے میں کئی احادیث پیش فرمائی ہیں۔ لیکن خاص طرز صوفی کی رہنما حدیث بھی نقل فرمائی۔ گرچہ یہ حدیث ضعیف اصطلاحی ہے لیکن فضائل و مستحبات میں تو ایسی احادیث بلاشبہ مقبول ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں:

”ایک دن امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے وہ راستہ بتائیے جو اللہ کی بارگاہ کی رسائی کا سب سے قریب ترین ذریعہ، اللہ کی بارگاہ میں سب سے افضل اور اللہ کے بندوں پر نہایت آسان ہو۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم تنہائی میں اللہ کے ذکر کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں اللہ کا ذکر کیسے کروں؟ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اپنی آنکھیں بند کرو اور جو میں کہوں، اسے سنو۔ میں جب اسے تین بار کہہ لوں تب آنکھ کھولنا۔ پھر حضور نے آنکھیں بند کر کے بلند آواز سے ”لا الہ الا اللہ“ فرمایا اور حضرت علی سنتے رہے پھر حضرت علی نے بھی تین مرتبہ ”لا الہ الا اللہ“ فرمایا اور حضور سماعت فرماتے رہے پھر حضور نے حضرت مولائے کائنات کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ اس طریقہ ذکر کی دوسروں کو تلقین کریں، تو حضرت نے یہ طریقہ امام حسن بصری کو تلقین فرمایا۔ پھر اس طریقہ ذکر کی تلقین ۱۔ حضرت حبیب عجمی ۲۔ حضرت داؤد طائی ۳۔ حضرت معروف کرخی ۴۔ حضرت سرّی سقظی اور ۵۔ حضرت جنید بغدادی سے چلتا ہوا مختلف بزرگوں کے توسط سے ہم تک پہنچا۔ اگرچہ یہ سند فقہاء کے نزدیک معتبر نہیں لیکن حضرات صوفیاء کے نزدیک لائق اعتبار ہے۔“ (کاشف الاستار شریف، قلمی)

حضرات صوفیاء کی توجہ تشبیہی، فیض پہنچانے کا خاص طریقہ ہے۔ یہ بھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کریمہ ہے۔ ترغیب و ترہیب کے حوالے سے ملک العلماء حضرت مولانا شاہ ظفر الدین قادری رضوی قدس سرہ نے وہ حدیث اپنے فتاویٰ میں ذکر فرمائی ہے۔ ملک العلماء تحریر فرماتے ہیں:

”توجہ لینا اپنے پیرومرشد سے اور مرشدوں کا اپنے مریدین کو توجہ دینا جائز اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے۔ کتاب الترغیب والترہیب حافظ ذکی الدین عبد العظیم منذری مطبع فاروقی دہلی ص ۳۰۱ س ۹ پر ہے: ”و عن یعلیٰ ابن شداد قال حدثنی ابی شداد ابن اویس و عبادة بن الصامت حاضر یرصدّہ قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقط فقال هل فیکم غریب یعنی اهل الكتاب قلنا لا یا رسول اللہ! فامر بغلق الباب وقال ارفعوا ایدیکم و قولوا لا الہ الا اللہ۔ فرغنا ایدینا ساعة ثم قال الحمد لله اللهم انک

بعثتنی بهذه الكلمة و وعدتنی علیها الجنة و انت لا تخلف الميعاد ثم قال ابشروا فان الله قد غفر لکم۔

”یعنی مروی ہے یعلیٰ بن شداد سے، کہا مجھ سے بیان فرمایا میرے باپ حضرت شداد بن اویس نے اور حضرت عبادة بن صامت تشریف رکھتے تھے اور میرے باپ کی تصدیق فرماتے تھے۔ کہا، تھے ہم نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی یہودی یا نصرانی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس حضور نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر لا الہ الا اللہ کہو تو ایک ساعت تک ہم لوگوں نے ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر حضور نے دعا فرمائی کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ الہی! تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ بھیجا اور اس پر مجھے جنت کا وعدہ فرمایا اور تو وعدہ خلاف نہیں فرماتا۔ پھر فرمایا کہ خوش ہو کہ عز و جل نے تم کو بخش دیا۔ رواہ الامام احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرہما۔“

یہ خاص توجہ لینے اور دینے کا جزئیہ ہے ورنہ لا الہ الا اللہ کی تعلیم کو تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کی طرف بھیجے گئے۔ پھر اس پوچھنے کے کیا معنی تھے کہ ہل فیکم غریب تم میں کوئی اجنبی تو نہیں؟ پس اس پوچھنے ہی پر بس نہ فرمایا بلکہ دروازہ بند کرنے کا حکم دیا کہ غیر کا دخل نہ ہو؟ تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی خاص تلقین لا الہ الا اللہ تھی جس میں خاص ہی خاص حضرات کا حصہ ہے۔ اور یہ وہی توجہ ہے کہ مشائخ کرام اپنے مریدین کو دیتے ہیں۔ واللہ الحمد واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ ملک العلماء۔ مرتبہ ساحل شہسرامی، ص ۳۱۳)

علم شریعت کے اسی اہتمام اور علم طریقت کے اسی انضمام کی برکت ہے کہ حضرات صوفیاء دیگر صاحبان علم سے بہت ممتاز ہوتے ہیں۔ اسی لیے ”الرعاۃ لحقوق اللہ“ میں سلطان العلماء، شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام (م ۶۶۰ھ) فرماتے ہیں:

”سارے لوگ تو شریعت کے رسوم و نشانات پر ٹھہرے ہوئے ہیں مگر صوفیائے کرام شریعت کی ان بنیادوں پر قرار پذیر ہیں جو غیر متزلزل ہیں۔ اس کی تائید ان کرامات و خوارق سے بھی ہوتی ہے جو صوفیہ کے ہاتھوں پر رونما ہوتے ہیں اور کبھی کسی عالم کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہوتے، اگرچہ علم کی بڑی سے بڑی منزل پر پہنچ چکا ہو مگر یہ کہ وہ بھی ان کی راہ پر گامزن ہو۔“ (الیواقیت والجواہر ۲/۹۲)

جوگی وغیرہ کے اشغال سے استفادہ کیوں؟

حضرات صوفیہ نے ایرانی پارسیوں، ہندو جوگیوں، حکمائے یونان، حکمائے مغرب کے جائز علوم و افکار اور اشغال و اعمال کو بھی اپنے حرم علم و عمل میں آنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ شاید اسی بنیاد پر بعض مستشرقین اور جدید تعلیم یافتہ حضرات، اشغال صوفیہ کو بودھ مت، عیسائیت، یونانیت، ایرانیت اور ہندو مت کی روحانی تعلیمات کا ملغوبہ سمجھتے ہیں لیکن اس خیال کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ پہلے کی سطر میں ان بے بنیاد نظریات کی تردید کے لیے کافی ہیں۔

ہاں! یہ ضرور ہے کہ حضرات صوفیہ نے کتاب و سنت پر پوری استقامت کے ساتھ ساتھ غیروں کے افکار و اشغال کا بھی مطالعہ کیا ہے اور ان میں جو باتیں روحانی تربیت کی راہ میں مفید نظر آئیں اور وہ اسلامی نظریات سے متصادم نہیں تھیں، انہیں اپنانے اور اسلامی تبلیغ کا ذریعہ بنانے میں اس طبقہ پاکبازوں نے ہچکچاہٹ محسوس نہ کی۔ حضرات صوفیہ نے ویدوں اور انجیلوں کا مطالعہ کیا، جہاں تشریف لے گئے وہاں کی زبان اور تہذیب سے واقفیت پیدا کی اور اسی زبان میں اسی معیار سے اس جگہ کے باشندوں تک ہدایت ربانی کا پیغام پہنچایا۔ خود حضرت صاحب البرکات قدس سرہ نے ہندو اور بودھ فلسفے کا مطالعہ فرمایا اور برج بھاشا میں عارفانہ دوہے کہے جو خالص توحید و رسالت کا پیغامیہ تھے۔ آپ کا ہندی دیوان ”پیم پرکاش“ اس منہج سے خاص طور پر قابل مطالعہ ہے۔

حضرات صوفیہ نے جو اعمال تصفیہ غیروں سے اخذ کئے ہیں، ان میں آسن اور یوگ بھی ہے جو خیالات کو یکسو کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ حضرت عینی نے خود ایک جگہ اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ چنانچہ رقم طراز ہیں:

”حضرت شیخ کلیم اللہ چشتی جہاں آبادی قدس سرہ نے رسالہ لقنات میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرات مشائخ نے آسن کے اعمال جوگیوں سے اخذ کئے ہیں اور ان اعمال نشست کے جواب میں ہیں، وہ بہت اہتمام اور کمال کے ساتھ یہ عمل کرتے ہیں“۔ انتہی۔

جان لو! طرز نشست اور آسن کے طریقے ہندی جوگیوں کے ساتھ ہی خاص نہیں، فارس کے لوگ بھی یہ اعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ سلاطین فارس میں افراسیاب وغیرہ نے آسن

کا عمل اختیار کیا ہے۔

لیکن غیروں کے وہی اعمال اپنائے گئے ہیں جو اسلامی نظریات سے متصادم نہیں ہیں۔ حضرت عینی نے خود اس کی صراحت فرمائی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

”اب کچھ جوگیوں کے اشغال بھی لکھتا ہوں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے بزرگوں (قدست اسرار ہم) کی خانقاہ میں ہندوؤں کے وہ اشغال و اعمال بھی رائج تھے جو اسلام کے منافی نہ تھے۔ چنانچہ حضرات صوفیائے اسلام کے اشغال سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دوسرے بزرگوں کے دیدار گرامی، محویت، فنایت اور بے خودی حاصل ہوتی ہے، اسی طرح جوگیوں کے اشغال سے بھی کشن لعلہ اللہ علیہ وغیرہ کو دیکھا جاتا ہے۔“ (کاشف الاستار، ص: قلمی)

غیروں سے اس اخذ و استفادہ کے پس پشت کون سے اسباب کا فرما تھے، انہیں سمجھنے کے لئے ذیل کی چند وضاحتیں دیکھئے۔

☆ اسلام ایک کشادہ مشرب، وسیع الخیال، ہمہ جہت اور بسیط الفکر مذہب ہے۔ اس میں دیگر مذاہب کی طرح نہ اتنی تنگی ہے کہ فکریں گھٹ کر رہ جائیں اور نہ اتنی آزادی ہے کہ فکریں بے لگام ہو جائیں۔ یہ ایک متوازن نظام فکر اور معتدل لائحہ عمل رکھنے والا مذہب ہے۔ ”لا اکڑہ فی الدین“ الآیۃ اور ”الدین یسر“، الحدیث اس کی روشن دلیل ہیں۔ اسلام کی اسی کشادہ مشربی نے بہت کم مدت میں اسے بحرو کی وسعتوں میں پھیلا دیا۔ اس کی دعوت ہے: ”اطلبو العلم و لو کان بالصین“۔ علم حاصل کرو، اگرچہ تمہیں چین جانا پڑے۔ الحکمۃ ضالۃ المومن حیث وجد ہافہو احق بہا۔ حکمت کی باتیں مومن کی متاع گم شدہ ہیں۔ یہ جہاں مل جائیں، اسے حاصل کر لے کیونکہ یہ اوروں سے زیادہ اس کا مستحق ہے۔

اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب عرب، عجمی تمدن سے بغلیگر ہوا تو اس نے دوسرے ملکوں اور دوسری قوموں کی بہت ساری اچھی چیزیں اپنے اندر جذب کر لیں۔ ہاں! اس اخذ و انتخاب میں کسوٹی ہمیشہ کتاب و سنت رہے۔ اس راہ میں جہاں بے اعتدالی آئی، فوراً اسلام کے پاسبانوں نے کھرے کو کھوٹے سے الگ کر دیا، بے راہ روی پر زبردست قدغن کی اور اسلام کی عفت مآب سرحدوں میں ناجائز دراندازی کی کوئی گنجائش

باقی نہ رکھی۔ اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ خود حضرات صوفیہ نے جعلی صوفیوں پر زبردست نکیر فرمائی اور ان کی فکری اور عملی بے اعتدالیوں کو قطعاً نگاہ اعتبار سے نہ دیکھا۔

حضرت داتا گنج بخش مخدوم سید علی ہجویری قدس سرہ (م ۷۶۵ھ) ”کشف المحجوب“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”تصوف کے ماننے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک کو صوفی، دوسرے کو متصوف، اور تیسرے کو متصوف کہتے ہیں۔

صوفی وہ ہے جو خود کو فنا کر کے حق کے ساتھ مل جائے اور خواہشات نفسانیہ کو مار کر حقیقت سے پیوستہ ہو جائے۔ متصوف وہ ہے جو ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ اس مقام کو طلب کرے اور وہ اس مقام کی طلب و تحصیل میں صادق و راست باز رہے۔ متصوف وہ ہے جو دنیاوی عزت و منزلت اور حال و دولت کی طلب میں خود کو ایسا بنا لے اور اسے مذکورہ منازل و مقامات کی کچھ خبر نہ ہو۔ ایسے نقلی صوفیوں کے لیے عرفاء کا مقولہ ہے: ”المستصوف عند الصوفیۃ کالذباب، وعند غیر ہم کالذباب“۔ صوفیہ کے نزدیک نقلی صوفی کبھی کی مانند ذلیل و خوار ہے اور جو کرتا ہے محض خواہش نفس کے لئے کرتا ہے اور دوسروں کے نزدیک بھیڑیے کی مانند ہے۔ جس طرح بھیڑیا اپنی تمام قوت مردار کے حاصل کرنے میں صرف کرتا ہے، یہی حال اس نقلی صوفی کا ہے۔ گویا صوفی صاحب وصول ہے، متصوف صاحب اصول ہے اور متصوف صاحب نقول اور فضول ہے“۔ الخ

(۷۰-۶۹ کشف المحجوب از حضرت داتا گنج بخش لاہوری مطبوعہ کراچی)

☆ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانیاں سارے عالم میں قدم قدم پر بکھری ہوئی ہیں۔ نگاہ حق میں ہو تو دیکھا کرے۔ اسی لیے ائمہ متکلمین فرماتے ہیں کہ توحید کے ثبوت کے لیے انسان کا اپنا وجود اور اس کی عقل ہی کافی ہے۔ اس کے لیے کسی پیغمبر کی تشریف آوری اور تلقین ہدایت شرط نہیں۔ اگر کوئی انسان ایسی جگہ ہو جہاں کسی رسول مختتم کی دعوت نہ پہنچ سکی پھر بھی آخرت میں اسے توحید کے سلسلے میں معذور نہ سمجھا جائے گا۔ یہی سبب ہے کہ اللہ کا عرفان ہر خطے کی پاکیزہ روجوں کو مطلوب ہوتا ہے۔ محمدی اسلام کی تشریف آوری سے پہلے بہت سے ایسے غیر اسلامی مذہب تھے اور آج بھی ہیں جن کے یہاں تصور توحید مختلف شکلوں میں موجود ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عرفان، روجوں کے تصرفات اور عالم بالا کے

انکشافات، قلب کی پاکیزگی اور تصورات کی یکسوئی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ اسی لیے مختلف مذاہب میں دھیان گیان، تصورات و مراقبات، سانسوں پہ کنٹرول اور نفس کی تسخیر کے اعمال و اشغال رائج ہیں۔ عیسائی راہبوں، بودھ عابدوں، یہودی زاہدوں، پارسی جوگیوں اور ہندو سنیا سیوں کے دھیان گیان، آسن، دنیا بے زاریاں، تسخیر نفس کی ریاضتیں اور تسخیر روح کے لیے آسن وغیرہ کے طریقے رائج ہیں بلکہ طلسمات اور سحر کی تو پوری دنیا ہی خبیث روجوں کی تسخیر پر منحصر ہوتی ہے۔

اس لیے صفائے باطن، تزکیہ روح، جس نفس، عالم علوی کے اسرار کی دریافت اور ارواح کی تسخیر کی حد تک تو اسلامی صوفیہ اور غیر مسلم راہب اور جوگی مشترک ہیں لیکن آگے چل کر یہ دونوں گروہ ممتاز ہو جاتے ہیں۔ حضرات صوفیا اسلام کے نفیب اور راہ خدا کے داعی ٹھہرتے ہیں اور راہب اور جوگی بھڑکتے شعلوں کی نذر رہی ہوں گے۔ انہیں تزکیہ قلب، روح کی تسخیر اور علوی، سفلی تصرفات کچھ کام نہ دیں گے۔

یہاں قطب عالم سیدنا شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ [م ۹۴۵ھ] کا ایک واقعہ یاد آتا ہے۔

جس وقت آپ علوم باطنی کی تکمیل کے بعد گنگوہ تشریف لائے، اس زمانے میں وہاں ایک باکمال ہندو جوگی رہا کرتا تھا جس کا مٹھ نہایت وسیع اور پر فضا مقام پر تھا۔ آپ کو یہ جگہ بہت پسند آئی اور یہیں قیام کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ مٹھ کے اندر جا کر جوگی کے چیلوں سے آپ نے دریافت کیا کہ تمہارے گرو جی کہاں ہیں؟ وہ بولے کہ وہ تو گپکھا کے اندر گئے ہوئے ہیں۔ ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ ہوا کے لیے بس ایک سوراخ ہے۔ کس کی مجال ہے جو اس کے قریب جاسکے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس قدس سرہ اس رَوَزن کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔ آپ نے مراقبہ کیا تو اس جوگی کی حالت ہی عجیب دیکھی۔ پتہ چلا کہ وہ جس دم کئے بیٹھا ہے اور اپنے کام میں مصروف ہے۔ آخر کار آپ نے اپنی روحانی قوت سے اس کی روح کو حرکت دی۔ وہ فوراً ہوش میں آ گیا۔ اس نے پوچھا: تو کون ہے اور اندر کیسے آ گیا؟ آپ نے فرمایا: ہوتا کون ہوں، اللہ کا بندہ ہوں اور اس کی قدرت سے اس سوراخ کے اندر آ گیا ہوں۔ مگر تو بتا کہ تو کس حد تک ترقی کر چکا ہے۔؟ وہ بولا: بہت ترقی کر لی ہے۔ جو صورت چاہوں، اختیار کر سکتا ہوں۔ دیکھ ابھی پانی ہوتا ہوں۔ چنانچہ وہ اسی

وقت پانی ہو گیا۔ آپ نے فوراً اس پانی میں ایک کپڑا تر کر کے رکھ لیا۔ اس کے ہوش میں آتے ہی آپ نے فرمایا: لے دیکھ اب میں پانی ہوتا ہوں، تو اس میں ایک کپڑا تر کر کے رکھ لینا۔ اس کے بعد دونوں کپڑے سو نگھے گئے تو ایک میں بد بو تھی اور دوسرے میں خوشبو۔ ایک کی بد بو سے دماغ پریشان ہوا جاتا تھا اور دوسرے کی خوشبو سے معطر۔ جوگی بولا: میں تو اپنے فن اور ہنر میں کامل تھا، آپ بھی کامل نکلے۔ صرف خوشبو اور بد بو کا فرق رہا۔ آپ نے فرمایا: یہ کفر اور اسلام کا فرق ہے۔ چنانچہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا اور آپ کا مرید ہو کر جلد منازل سلوک کی تکمیل کر لی۔ اس کے تمام چیلے بھی مسلمان ہو گئے۔ اس جوگی کو جو آپ کے دست اقدس پر ایمان لے آیا، آپ نے صاحب ولایت بنا کر کسی مقام پر خدمت اسلام کے لیے روانہ فرما دیا [محفل اولیا، شاہ مراد سہروردی مارہروی، ص: ۴۳۰-۴۳۱، بحوالہ اقتباس الانوار]

☆ اسلام صرف اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے کا نام نہیں بلکہ حضور کی رسالت کا اقرار اس کا لازمی جزو ہے۔ جب تک ”محمد رسول اللہ“ دل کو تسلیم نہ ہوگا، ”لا الہ الا اللہ“ کا اعتقاد کچھ کام نہ دے گا۔

حضرات صوفیہ کے افکار و اعمال کا دو جزو ہے۔ ایک تصفیہ اور دوسرا اتباع رسول۔ سیدنا امام ابو عبد اللہ محمد بن خفیف ضعی قدس سرہ کا یہ ارشاد پہلے ذکر ہو چکا ہے:

”التصوف: تصفیۃ القلب و اتباع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الشریعة“ (الطبقات الکبریٰ للشعرانی)

تصوف، تصفیہ قلب اور اتباع رسول کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ شریعت محمدی سب کے لیے معیار ہے اور اس پاک باز گروہ کے نزدیک کچھ زیادہ ہی۔ اس لیے یہ تصفیہ کے لیے بھی صرف وہی راہ اپناتے ہیں جو مزاج شریعت کو برہم نہیں کرتی۔

تصفیہ کے اشغال ان کی روحانی تطہیر کا سامان اور باطن کی پاکیزگی کی دوائیں ہیں جو روح کو تروتازہ، شاداب اور شفاف بناتی ہیں اور نفس کی آلائش جو روحوں سے چٹ کے رہ جاتی ہے، اسے صاف کرتی ہیں۔ اس تصفیہ کی راہ میں اگر دوسرے مذاہب کے اسلام سے غیر متضاد طریقے اپنائے گئے تو اس میں کیا قباحت ہے؟۔ یہ تو اسلامی دعوت اور کشادہ فکری کے عین مطابق ہے اور قدرت کی فیاضیوں سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانا۔ اسے

یوں سمجھئے کہ جس طرح جسمانی امراض کا علاج یونانی، اینگلو، ہومیو اور آیورویدک طریقوں سے کیا جاتا ہے اور اس کے جائز طریقے اپنانے کی اجازت خود اسلام نے دے رکھی ہے، اسی طرح روحانی صحت کے لیے بھی مختلف طریقہ ہائے علاج کو اپنانے کی اجازت اسلام نے دی ہے۔ ”الا صل فی الاشیاء الا باحۃ“ شریعت اسلامیہ کا مسلم اصول ہے جو اسلام کی فکری وسعت اور مذہبی عظمت کی روشن دستاویز ہے۔

حرب و ضرب، حکومت و سیاست، تہذیب و تمدن، علم و فن اور فکر و تہذیب کی پوری تاریخ کھنگال ڈالئے۔ کہیں بھی اسلام نے صرف اپنا نظریہ تھوپنے کی کوشش نہیں کی۔ خود کو بالاضرور رکھا لیکن دوسروں کی اچھائیوں کی بھی خاطر خواہ حوصلہ افزائی فرمائی حتیٰ کہ اسے اپنانے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ نہیں کی۔ اسلام دراصل اچھائیوں کا حامی ہے۔ اچھائیاں جہاں بھی ہیں، وہ انہیں اپنی ہی چیز سمجھتا ہے اور انہیں اپنائیت کے ساتھ قریب آنے کی اجازت دیتا ہے۔ حقیقت کی نگاہ سے دیکھئے تو اسلام کی اس قدر وسیع نشر و اشاعت کا راز بھی یہی ہے۔

☆ حضرات صوفیہ، جو گیوں اور راہبوں کے غیر کفری اعمال سے واقفیت اس لیے بھی حاصل کرتے تھے کہ ان سے مقابلے کے وقت ان کے وار سے بچا جاسکے اور ان کی کاٹ کر کے انہیں کے قابل استعمال اسلحے سے انہیں زیر کر دیا جائے۔ جس طرح علمائے اہل سنت بد مذہبوں کے افکار و معتقدات کا مطالعہ کرتے ہیں تاکہ بروقت ان کے عقائد کی تردید کی جاسکے یا الزامی جوابات میں انہیں کے افکار پیش کر کے انہیں ساکت کیا جاسکے یا کوئی ہندو فیض حاصل کرنے آئے تو اسے اسی کے مذہب کے مطابق صفائے قلب کے طریقے بتائے جاسکیں۔ اس طرز تربیت سے بسا اوقات ان غیر مسلموں کے نہاں خانہ دل میں بھی ایمان کی شمع فروزاں ہو جایا کرتی تھی ورنہ کم از کم وہ انسان تو رہتے ہی تھے، حیوانیت اور درندگی سے دور دور، محبت اور آشتی کے متوالے۔

اس طور سے دیکھا جائے تو ان اشغال غیر کی تعلیم کا مقصد بھی اسلام کو غالب ظاہر کرنا اور اس کی دلکش ترویج و اشاعت نکلتا ہے۔ اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو اسی کا شرف الاستار شریف میں چین بیراگی، کشن داس بیراگی، شاہ سامی، جوگی بیکنٹھ، شاہ بیرنگ وغیرہ کے حالات دیکھئے۔ میں یہاں صرف ایک واقعہ نقل کرتا ہوں۔ حضرت عینی رقم طراز ہیں:

”جوگی بیکنٹھ: یہ ایک ریاضتی برہمن تھا، اپنے زمانے کا ممتاز پنڈت اور شاندار

دانشور۔ اس کی عمر پچاسی سال ہو چکی تھی۔ ساٹھ سال کی عمر سے چارفلوس کی مقدار پتلی کچھڑی ہی اس کی شبانہ روز کی خوراک تھی۔ اس کی پیشانی، باطنی تجلی سے چمکتی رہتی اور اس کی جبین معنوی دمک سے نمایاں رہتی۔ وہ ہندو مسلمان سبھی سے حضرت کے ارشاد و ہدایت کا شہرہ سن کر شہر متھرا سے حاضر بارگاہ ہوا اور باریابی کے شرف سے ممتاز ہوا اور راہ فقر کے آسن اور دھیان گیان کئے۔ حضرت نے اس راہ کی چند باتیں اسے بتائیں۔ اس نے حضرت کی باتیں سن کر سمجھ لیا کہ یہ کوئی عام سے درویش نہیں ہیں۔ وہ اٹھا اور دوسرے دن حاضر ہو کر حاضرین محفل کے سامنے ہی عرض کی کہ آپ ہر وقت مبارک درس دیتے رہتے ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تنہائی میں اپنے حالات اور واردات آپ سے بیان کروں۔ حضرت چونکہ جانتے تھے کہ اس عصری دانشور کی تحقیقات باطنی خود آسان نہیں ہیں۔ اس لئے خانقاہ سے باہر نکل کر بیرونی مکان کے اندر تشریف لے گئے۔ وہ وہاں حاضر ہوا اور اپنے عجیب و غریب حالات کی بہت ساری حکایتیں بیان کرنے کے بعد عرض کی کہ ان تمام ریاضتوں سے مقصود یہ تھا کہ کس طرح ”برہمنید“ یعنی ”دس دوا“ کے مقام تک رسائی ہو جائے، جواب تک حاصل نہ ہوئی۔ حضرت والا نے مسکرا کر فرمایا: اگر خدا کو منظور ہوا تو تم اسی وقت اس مقام تک پہنچ جاؤ گے۔ وہ چونکہ ہندوؤں کا مقتدا تھا، اس لئے حضرت کی اس گفتگو کو ہوائی قلعہ سمجھ رہا تھا۔ اس کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ بھلا مسلمانوں سے ہندوؤں کی باتیں اور جوگیوں کے اعمال کیسے انجام پاسکتے ہیں؟ حضرت نے آسن کا مخصوص ”دھیانی“ طریقہ اسے بتایا اور اسے درست کر کے باطنی تصرف کی جانب متوجہ ہوئے۔ اس کی ضعیف العمری کا خیال کرتے ہوئے فرمایا: ”اپنی سانس کو بطرز ”شغل پپیل“ گہرائی کے ساتھ کھینچو“ اور اپنے روبرو عمل کرا کے سمجھایا۔ مرشد کامل کے فضل و کرم سے اس کی سانس مقام ہویت میں معلق ہو کر دماغ تک پہنچی اور چشم زدن میں ہوش و حواس کھو بیٹھا اور گہری وارفتگی اس پر طاری ہو گئی۔ چونکہ اس کا جسم و مزاج ایک زمانے سے صفائے کامل رکھتا تھا اور اس کے قدم آسن کے عادی تھے۔ اس لئے اتنی اصلاح سے ہی اس کا مقصود حاصل ہو گیا۔ افاقہ ہونے کے بعد اسے بہت حیرت ہوئی۔ وہ کبھی آسمان کی طرف دیکھتا، کبھی زمین کی جانب پھر سر حضرت کے قدموں میں ڈال دیا۔ پھر اس کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ کیا اگر اپنی فکارانہ مہارت سے کسی کے سامنے زبردستی چاندی اور سونے کو صحیح کر کے دکھلا دیتا ہے لیکن جب وہ

شخص گھر جا کر تجربہ کرتا ہے تو کچھ نتیجہ برآ مد نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کیفیت کے اصلی حالات اپنے گھر جا کر دیکھنا چاہئے۔ حضرت والد ماجد اسے رخصت کر کے نماز عصر کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے اور بیکنٹھ جوگی اپنے گھر جا کر رات کے وقت اسی شغل میں مصروف ہوا اور جلد ہی اسی مقام کیف کو پہنچ گیا جہاں حضرت نے پہنچایا تھا۔ رات کا ایک پہر گزرنے کے بعد تجلیات وارد ہونا شروع ہوئیں اور اس کے کرشن جی مرلی کی صورت سامنے آ موجود ہوئی اور اس سے نواز شائدہ گفتگو کرنے لگی۔ بیکنٹھ جوگی یہ لہجہ کرشن سن کر عجیب و غریب بلند آواز چنچیں اور نعرے لگانے لگا۔ ایک پہر گزرنے کے بعد یہ صورت غائب ہو گئی۔ اس جوگی نے پوری رات سرمستی، مدہوشی اور پر کیف لذت میں گذاری اور حضرت والد ماجد کی شان میں اس نے اسی وقت چھ بکت کہہ ڈالیں۔ صبح کے وقت یہاں پہنچ کر خانقاہ عالیہ میں جا بیٹھتا ہے۔ جب اس فقیر (حضرت یعنی) نے اس کی مستانہ چال، نشی آ نکھیں اور عشق میں ڈوبا وجود دیکھا تو یہ جانا کہ اس نے شراب پی رکھی ہے اور یہ فعل شنیع اس نے رات میں کیا ہے۔ دل میں یہ شعر گونجتا تھا۔

چوں پیر شدی حافظ از میکدہ بیروں آ

رندی وہوسنا کی در عہد شباب اولیٰ

”میاں حافظ! جب بوڑھے ہو گئے تو میکدے سے نکل لو، رندی اور ہوسنا کی عہد

شباب میں اچھی معلوم ہوتی ہے۔“

چونکہ وہ وقت حضرت والد ماجد سے ملاقات کا نہیں تھا، اس لئے کہ حضرت کا دروازہ دن کا ایک پہر گزرنے کے بعد کھلتا تھا اور اس وقت حضرت اشغال و اوراد سے فارغ ہوتے تھے۔ جوگی حضرت کے دیدار کے واسطے بے چین تھا۔ جب حضرت کے تشریف لانے کا وقت قریب ہوا تو میں نے اس سے دریافت کر کے حضرت کی بارگاہ میں عرض کر دی کہ جو پنڈت کل آیا تھا، وہ آج بھی حاضر ہے اور حضرت کے جمال زیبا کا دیدار کرنے کے واسطے بے چین ہے لیکن ابھی وہ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے قابل نہیں، کیونکہ وہ شراب میں دھت ہے، اس کے چہرے کا رنگ اڑا اڑا سا اور عجیب عجیب سی باتیں کرتا ہے۔ اس قصے کو سن کر حضرت متبسم ہوئے اور ارشاد فرمایا: وہ شراب حقیقی سے سرشار ہے اور پھر کل کا واقعہ بیان فرمایا۔ میں بے حد خوش ہوا اور اسے بارگاہ عالی میں لے

گیا۔ میں نے اس کی عجیب کیفیت دیکھی۔ اس نے سر زمین پر ڈال رکھا ہے۔ کبھی سجدے میں جا کر اپنے بکت پڑھتا اور کبھی سجدے سے سر اٹھا کر حضرت کے جمالِ زینا کا مشاہدہ کرتا اور پھر سجدے میں چلا جاتا۔ ایک مرتبہ وارفتہ ہوش ہو کر اٹھا اور حضرت پر پروانہ وار نثار ہونے لگا۔ سات مرتبہ نثار ہوا اور حضرت کی مدح و ثناء میں اس نے بکت پڑھے اور زمین پر گر کر ڈنڈوت کی اور عرض کرنے لگا: اب مجھے مکتی حاصل ہوگئی اور آواگون کے چکر سے یقیناً مجھے آزادی مل گئی۔ حضرت والا نے اسے رخصت کیا، اس نے بندرا بن جا کر اپنا مقصود حاصل کیا۔ اسے اس راہ کی عظیم کامیابی، مکتی اور آزادی حاصل ہوئی اور اطراف و جوانب میں اس کی خاصی شہرت ہوگئی اور اس کی طرف مخلوق کا بے مثل رجحان بڑھنے لگا لیکن اس نے اپنے گوشہ عافیت سے قدم باہر نہ نکالا اور دو تین سال بعد اسی جگہ جان، جان آفریں کے سپرد کردی۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

وحدت الوجود:

تصوف پر دار و گیر کرنے والے وحدت الوجود کے صوفیانہ نظریے کو اپنا خاص ہدف بناتے ہیں اور اسی کے توسط سے تصوف کو اسلام سے باہر کی چیز ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ کاشف الاستار میں بھی اس کی خاص بحث موجود ہے اور کئی مکاتیب میں بھی یہ جزئیاتی طور سے مباحث کا حصہ ہے۔ اس لیے اس کی بھی تھوڑی سی وضاحت ضروری ہے تاکہ قارئین کسی قسم کی الجھن کا شکار نہ ہوں۔

معاندین تصوف وحدت الوجود کی جو تعبیر پیش کرتے ہیں، اس کا حضرات صوفیہ کے صالح افکار سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ وہ ایک باطل فرقہ حولیہ کی فکری تعبیر ہے اور جس وحدت الوجود کو حضرات صوفیا اپناتے ہیں، وہ توحید کی اعلیٰ قسم ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لیے آئیے پہلے وحدت الوجود کا تعارف لیتے ہیں پھر اسے تمثیلات کی روشنی میں سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ایک کشفی اور قلبی مسئلہ ہے، اس کی توضیح بس تقریبی مثالوں سے ہی پیش کی جاسکتی ہے۔

سراج العارفین سیدنا شاہ ابوالحسن احمد نوری قدس سرہ وحدت وجود اور وحدت شہود کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وحدت کی دو قسمیں ہیں: ایک وجودی، دوسری شہودی۔ وجودی کے معنی یہ ہیں کہ سالک کے علم اور نظر دونوں سے اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے، اس کا شعور ختم ہو جائے اور اس کی نظر و علم میں اللہ کے سوا سب کچھ فنا ہونے کے بعد ذات باری تعالیٰ باقی رہے۔ یہی سالک کے مقام کی انتہا ہے۔ اس مقام پر آنے کے بعد سالک ولی ہو جاتا ہے۔ سیر الی اللہ کے ختم ہونے کے یہی معنی ہیں اور اسی کو مقام لاہوت کہتے ہیں۔ سیر و سلوک قادر یہ میں یہ چوتھا مقام ہے اس کے بعد سیر فی اللہ ہے کہ اس سے مراد ذاتِ تحت باری تعالیٰ میں جس کی کوئی حد نہیں، اس میں ترقی حاصل کرنا شروع ہوتا ہے اور حدیث ماعرفناک حق معر فنک (ہم نے جیسا کہ تیرا حق تھا، تجھے نہ پہچانا) اسی سیر کی خبر دیتی ہے۔ قادر یہ، چشتیہ و سہروردیہ وغیرہم تمام اولیاء اللہ کا یہی مسلک ہے۔ ایک قلیل تعداد وحدت شہودی کی طرف گئی ہے اور اس کو سالک کا ابتدائی مقام جانتے ہیں۔ وحدت شہودی کے بھی یہی معنی ہیں لیکن اس میں موجودات کا انکار صرف سالک کی نظر سے ہوتا ہے، اس کے علم سے نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا تمام موجودات اس کے علم میں تو باقی رہتے ہیں، صرف نظر سے ختم ہو جاتے ہیں۔ نظر میں صرف ذات باری باقی رہتی ہے، باقی سب نظر سے ہلاک اور فانی ہو جاتے ہیں، مگر سالک کے علم میں باقی رہتے ہیں جیسے سورج نکلنے پر ستارے، کہ سب ستارے نظر سے غائب ہو جاتے ہیں، نظر کے سامنے صرف سورج ہوتا ہے لیکن وہ جانتا ہے کہ ستاروں کا وجود ویسے ہی باقی ہے، بس نظر سے چھپ گیا ہے۔ لامحالہ اس میں توحید میں نقص باقی رہتا ہے اور وہ نقص یہ ہے کہ سالک کے علم میں موجودات باقی رہ جاتے ہیں۔ یہ بات فنائے مطلق کے منافی ہے۔ ایک قلیل گروہ توحید شہودی کا قائل ہے۔ حضرات صوفیانہ کرام میں سے جیسے شیخ علاء الدولہ سمنانی اور شیخ روز بہان بقلی وغیرہ اور بعد والوں میں سے شیخ احمد صاحب سرہندی (مجدد صاحب) اور ان کے ماننے والے جو نقشبندی مجددی ہوتے ہیں، وحدت شہودی کی طرف گئے ہیں۔ ان حضرات میں سے کچھ وحدت وجودی کے قائل ہیں جیسے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے کہ نقشبندی مجددی ہونے کے باوجود چند خطوط اسی مسئلہ سے متعلق شائع کئے جو شیخ احمد سرہندی نے وحدت شہود کے سلسلے میں اپنے مکاتیب میں لکھے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے، شیخ احمد سرہندی کے کلام کی تاویلات کیں۔ شاہ ولی اللہ کے مکاتیب کا رد مولوی غلام یحییٰ صاحب نقشبندی مجددی نے کیا جو مرزا مظہر جان

جاناں کے مرید تھے۔ ان کے ردکار دمولوی رفیع الدین ولد شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب ”دفع الباطل“ میں شائع کیا۔ نظر انصاف سے دیکھنا چاہیے کہ توحید و جود اور توحید شہودی میں کسے ترجیح ہے۔ صوفیائے کرام کے مقالات سے توحید و جود ہی ثابت ہوتی ہے۔“

(سراج العوارف ص: ۶۴-۶۵)

اس نوری تشریح میں کہیں بھی حلول و اتحاد جیسے اسلام مخالف نظریات کا ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ملتا بلکہ وحدت و جود کا نظریہ بندے کی جہت سے شان عبودیت کا نہایت عاجزانہ اعلیٰ ترین اقرار ہے اور اپنے معبود کے حضور اس کی توحید کا اعلیٰ ترین اعتراف۔ یہاں بندہ، بندہ ہی رہتا ہے اور معبود، معبود ہی۔ لیکن بندے کی شان بندگی اس پنج سے ظہور کرتی ہے کہ اس کی نگاہ اور علم سے اس کے وجود کا ظلماتی حجاب اٹھ جاتا ہے اور وہ خود کو اپنے معبود کے حضور بے وجود دیکھتا، جانتا اور سمجھتا ہے۔ اسے ہر سمت اسی حسن ازل کی جلوہ آرائی نظر آتی ہے۔ توحید کی اعلیٰ ترین صنف یہی ہے۔ چند اکابرین اسلام کی تصریحات دیکھئے۔

حضرت رویم بن احمد بن یزید بغدادی قدس سرہ فرماتے ہیں:

”توحید، آثار بشریت کے مٹنے اور صرف الوہیت کے باقی رہ جانے کو کہتے ہیں“

(اللمع فی التصوف ص ۶۴)

حضرت ابو نصر سراج قدس سرہ ایک اور عارف کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

”وحدانیت، حق کے سوا سب کچھ فنا کر دینے اور صرف اس (حق) کے باقی رہنے کا نام ہے۔“

حضرت ابوسعید احمد بن عیسیٰ خراز قدس سرہ فرماتے ہیں:

”مقام اولین اسی کو حاصل ہوتا ہے جو علم توحید کو پالیتا ہے اور اس کی مدد سے تمام اشیاء کو اللہ کے ذکر تک کو قلب سے منفی کر کے فقط اللہ کی یکتائی کو جان لیتا ہے۔“

(اللمع ص ۶۶)

توحید کی یہ اعلیٰ ترین منزل حضرات صدیقین کا مقام ہے۔ حضرت امام غزالی

فرماتے ہیں:

”عالم موجودات میں صرف ایک کو دیکھے اور یہی صدیقین کا مشاہدہ ہے۔ اس حالت کو صوفیہ فنا فی التوحید کہتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ صرف ایک کو دیکھتا ہے، یہاں تک کہ

خود کو بھی نہیں دیکھتا۔“

اس غزالی عبارت نے تو بالکل متعین کر دیا کہ وحدت و جود، توحید کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔ اس کا حلیوں کے باطل نظریات سے دور کا بھی واسطہ نہیں جو (معاذ اللہ) حلول و اتحاد کی راہ سے لاکھوں معبودان باطل فرض کر لیتے ہیں۔

عارف باللہ، عبقری فقیہ، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے توحید کے مدارج اپنی تحریروں میں خوب واضح فرمادیئے ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں:

”فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ کے گمان میں حدیث مذکورام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا“

ینادی منادمین تحت العرش یا اهل التوحید“ الحدیث۔ میں اہل توحید سے یہی محبوبان خدامراد ہیں کہ توحید خالص تام کامل، ہر گونہ شرک خفی و اظہی سے پاک و منزہ انہیں کا حصہ ہے۔ بخلاف اہل دنیا جنہیں عبدالدینار، عبدالرہم، عبدطیغ، عبدھوی، عبد رغب فرمایا گیا و قال تعالیٰ: ”أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ“۔ اور بے شک بے حصول معرفت الہی، اطاعت ہوائے نفس سے باہر آنا سخت دشوار۔ یہ بندگان خدا نہ صرف عبادت بلکہ طلب واردات بلکہ خود اصل ہستی و وجود میں اپنے رب جل مجدہ کی توحید کرتے ہیں۔ لا الہ الا اللہ کا معنی عوام کے نزدیک لامعبود الا اللہ، خواص کے نزدیک لامقصود الا اللہ، اہل ہدایت کے نزدیک لامشہود الا اللہ، ان اخص الخواص ارباب نہایت کے نزدیک لاموجود الا اللہ تو اہل توحید کا سچا نام انہیں (اخص الخواص) کو زیبا۔ ولہذا ان کے علم کو علم توحید کہتے ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ۔ کتاب الخطر والاباحۃ، جلد ۷ ص ۷۸-۷۹)

اب اس توضیح کے بعد کسی کو اس خالص اور اعلیٰ ترین توحید میں بھی شرک کے کیڑے نظر آئیں تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

ناچیز نے وحدت و جود کے موضوع پر بہت سی موافق مخالف تحریریں دیکھیں۔ معاندین کے سارے نظریاتی دلائل کا سرچشمہ دو چیزیں نظر آئیں:

- ۱- وحدت الوجود کو حلیوں کی نظر سے کام مائل بلکہ عین فرض کر لینا۔
 - ۲- وحدانیت اور یونانی افکار سے وحدۃ الوجودی نظریات کی اتفاقی مطابقت۔
- الطاف احمد اعظمی کی تالیف ”وحدت الوجود۔ ایک غیر اسلامی نظریہ“ کی پوری

بحث انہیں دوسری نقطوں کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔

اسلام کے کسی نظریے کا دوسرے مذاہب کے افکار سے اتفاقی طور سے مطابق ہونا، اس کی حلت و حرمت کی پہچان نہیں۔ اصل معیار تو کتاب و سنت اور اسلام کے نظریات ہیں۔ اگر اتفاقی مطابقت کی وجہ سے قدغن کی جانے لگی تو پھر امان اٹھ جائے گا۔ ہم بھی روزہ رکھتے ہیں اور ہندو بھی اپاس رہتے ہیں، ہم بھی حج و زیارت کے لیے جاتے ہیں، غیروں کے بھی تیرتھ استھان ہیں، ہم بھی آب زمزم سے برکتیں لیتے ہیں، اوروں کو بھی گنگا جل کی پوترتا سے فیض یاب ہوتے دیکھا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ کیا ان اتفاقی مطابقتوں کی وجہ سے ہم اپنے شعائر سے ہاتھ دھولیں؟ اس کی کچھ وضاحت ”جوگی وغیرہ کے اعمال سے استفادہ کیوں؟“ کے عنوان میں بھی ہو چکی ہے۔

رہ گیا وحدت وجود کو حلول و اتحاد کا ہم معنی قرار دینا تو یہ سراسر زیادتی ہے اور حضرات صوفیہ پر بے بنیاد اتہام۔ آپ پہلے اس نظریے کے تعلق سے معاندین کی توضیحی عبارتیں دیکھیں اور پھر سرکار نور کی توضیح سے ان کا موازنہ کریں۔ خود ہی سمجھ میں آ جائے گا کہ اس توضیح سے حضرات صوفیہ کے وحدت الوجود کے نظریہ کا کتنا تعلق ہے۔؟

الطاف احمد لکھتے ہیں:

”اسے سادہ طور پر یوں سمجھیں کہ وجود حقیقی فی الواقع ایک ہے۔ اس کے سوا جو وجود بھی نظر آتا ہے، وہ باعتبار ظاہر جداگانہ وجود معلوم ہوتا ہے لیکن باعتبار باطن وجود حقیقی ہی کی ایک نمود ہے۔ وجود کی اس تعبیر سے صوفیہ اس نتیجہ تک پہنچے کہ موجودات ہی کا دوسرا نام خدا ہے یعنی خدا نے موجودات کی صورت میں خود کو ظاہر کیا ہے۔“

(وحدت الوجود۔ ایک غیر اسلامی نظریہ۔ قاضی پبلشرز۔ نئی دہلی۔ ص ۵۱)

بہیڑی میں چند سال پہلے تصوف مخالف سیمینار ہوا تھا۔ اس کے کلیدی خطبے میں تحریر تھا:

”وحدت الوجود کا نظریہ جس میں سالک کو ہر چیز میں خالق کا جلوہ نظر آتا ہے۔ انسان خود بھی ذات مطلق کا ایک حصہ یا ایک جزء ہے۔ انسان اپنی تخلیق سے پہلے ذات مطلق کا جزء تھا۔ دنیا میں انسان کا وجود گویا کل سے علیحدگی ہے۔ ہر شئی میں خدا کو دیکھنے لگے اور ہر شئی انہیں معبود نظر آنے لگی۔ ظاہر ہے اس طرح تصوف کا اسلام سے کوئی

تعلق نہ رہا۔“

یہ دونوں عبارتیں بھی کہتی ہیں کہ وحدت الوجودی حضرات (معاذ اللہ) بندے کو بلکہ ساری موجودات کو خدا کا جز یا خدا مانتے ہیں جو سراسر حلولیوں کا باطل قول ہے۔ حضرات صوفیہ اس الزام سے بالکل بری ہیں۔

شہرہ آفاق عارف، سیدی ابوالنصر سراج قدس سرہ و اشکاف انداز میں حلولیوں کی تردید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”وہ اجسام جو اللہ نے منتخب فرمائے، وہ اس کے اولیا و اصفیائے کرام کے اجسام ہیں، جنہیں اس نے اپنی طاعت و خدمت کے لیے چن لیا۔ انہیں اپنی ہدایت سے آراستہ فرمایا اور خلق پر ان کو فضیلت دی اور اللہ تعالیٰ اسی صفت سے موصوف ہے جیسا کہ اس نے خود اپنی صفت بیان فرمائی ہے، کوئی شئی اس کی طرح نہیں۔ وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

حلولیوں نے یہ غلطی بھی کی کہ اوصاف حق اور اوصاف خلق میں امتیاز باقی نہیں رکھا۔ اللہ تعالیٰ قلوب میں حلول نہیں فرماتا بلکہ قلوب میں ایمان باللہ، تصدیق، توحید اور معرفت الہی حلول کرتی ہے اور یہ تمام چیزیں اللہ کی مصنوعات کی صفات ہیں جو ان میں اللہ کی صنعت کے طور پر موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات یا صفات کے ساتھ قلوب میں حلول نہیں فرماتا۔ تعالیٰ اللہ عز و جل عن ذلك علواً کبیراً“۔ (اللمع ص ۷۴)

ملک العلماء بحر العلوم مولانا عبدالعلی فرنگی محلی علیہ الرحمہ (۱۱۴۳ھ-۱۲۲۵ھ) نے

بھی اس موضوع پر عربی میں ایک رسالہ ”وحدة الوجود وشهود الحق فی کل موجود“ لکھا تھا۔ پھر نواب انور الدین خان بہادر کی فرمائش پر اسے فارسی میں لکھا۔ شاہ ابوالحسن زید فاروقی نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا اور مکتوبات مجدد الف ثانی سے اخذ کرتے ہوئے متعدد حواشی بھی لکھے۔ یہ ترجمہ پہلی بار غالباً ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء میں شائع ہوا۔ مسلک وحدۃ الوجود کی توضیح و تفہیم کے لیے اس سے بھی کچھ اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ بحر العلوم فرماتے ہیں:

”وجود سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وجود اس کی حقیقت کا عین ہے۔ اور یہ وجود، مصدری وجود نہیں کیوں کہ مصدری وجود ایک انتزاعی امر ہے جس کا معنی ”ہونا“ ہے۔ ایسے انتزاعی مفہوم سے اللہ تعالیٰ بالا و برتر ہے بلکہ وجود سے مراد وہ حقیقت ہے جو

مصدری وجود کا مصداق ہے جو نفس وجود ہے، وہ اپنے مرتبہ ذات میں کثرت سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے وہ عالم شیونات و تعینات ہے۔ تمام شیونات و تعینات اس کے مظاہر ہیں اور وہ ان میں ظاہر و ساری ہے، اس کی سرایت وہ نہیں جس کے حلول کی قائل ہیں یا جس کا بیان اتحادی کرتے ہیں بلکہ یہ سر بیان مثل اس سر بیان کے ہے جو گنتی کے اعداد میں ایک کا ہے۔ گنتی کے تمام اعداد بجز اکائیوں کے اور کچھ نہیں۔ عالم میں ایک ہی عین یعنی ایک ہی ذات کا ظہور ہے۔ کثرت میں وہی ظاہر ہے۔ اپنی ذات سے کثرت کا وجود نہیں۔ اللہ کی ذات سے اس کا ظہور ہوا۔ اللہ ہی کی ذات اس کثرت میں ظاہر ہے۔ اللہ ہی اول ہے۔ اللہ ہی آخر ہے۔ اللہ ہی ظاہر ہے۔ اللہ ہی باطن ہے۔ اللہ ان کے شریک بنانے سے پاک ہے۔ [وحدة الوجود، بحر العلوم مولانا عبدالحی فرنگی محلی، ص ۱۸-۲۱]

یہاں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ صوفیہ واجب اور ممکن میں اتحاد کے قائل ہیں، واجب کو عین ممکن اور ممکن کو عین واجب جانتے ہیں اور ”ہمہ اوست“ کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن صوفیہ کا دامن اس الزام سے بری ہے۔ وہ ممکن کو ظل، عکس، پرتو، مظہر کہتے ہیں اور ظل بہر حال اصل سے جدا اور اصل کا غیر ہوتا ہے۔ ظلیت کی صراحت کے باوجود ان کے کلام سے عینیت ثابت کرنا غلط ہے، اگر کسی سے کوئی ایسی عبارت منقول ہے تو اس کی تاویل ضروری ہے کیوں کہ حلول و اتحاد کی نفی میں صوفیہ کرام کی صریح عبارات موجود ہیں۔ شیخ عبد الوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ یہ بات ملحدین نے شیخ اکبر کے خلاف پھیلائی ہے۔ امام شعرانی نے شیخ اکبر کی کتابوں سے ان کا مذہب اور حلول و اتحاد کی نفی نقل کر کے واضح کیا ہے کہ شیخ اس خیال باطل سے بلاشبہ بری ہیں۔ چند عبارتیں یہاں بھی پیش کی جاتی ہیں۔

شیخ اکبر فرماتے ہیں: جو حلول کا قائل ہے وہ بیمار ہے کیوں کہ حلول کا قول ایک لا علاج مرض ہے اور اتحاد کے قائل اہل الحاد ہیں جیسے حلول کے قائل اہل جہل و فضول ہیں۔ (فتوحات۔ باب الاسرار)

حادث حوادث سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اگر قدیم کا حلول حادث میں ہو تو مجسمہ کی بات درست ہو جائے۔ قدیم نہ حلول کرنے والا ہے، نہ اس میں کوئی شی حلول کرنے والی ہے۔ عاشق جب کہتا ہے ”انا من اھوی و من اھوی انا“، تو یہ زبان عشق و محبت کا کلام ہے۔ زبان علم و تحقیق کا کلام نہیں۔ اسی لیے ایسا قائل جب سکر سے صحو میں آتا ہے تو اپنے

قول سے رجوع کرتا ہے۔ (فتوحات۔ باب الاسرار)
اگر یہ صحیح ہے کہ انسان، انسانیت سے اور ملک، ملکیت سے ترقی کر کے خالق جل و علا سے متحد ہو جائے اور خلق، حق ہو جائے تو کسی کو کسی علم پر اعتماد نہ رہے اور محال واجب ہو جائے جب کہ قلب حقائق کی کوئی راہ نہیں۔ (فتوحات باب ۳۱۴)
خلقت کبھی مرتبہ حق عزوجل میں نہیں ہو سکتی، جیسے معلول کبھی مرتبہ علت میں نہیں ہو سکتا۔ (فتوحات باب ۴۸)

کمال عرفان یہ ہے کہ عبد اور رب دونوں کا مشاہدہ ہو، جو عارف کسی بھی وقت مشاہدہ عبد کی نفی کرے، وہ عارف نہیں۔ اس وقت وہ صاحب حال ہے اور صاحب حال سکر والا ہے جسے تحقیق نہیں ہوتی۔ (لواخ الانوار)

فتوحات باب ۳۶۷ میں لکھتے ہیں: ”بعض مکاشفات میں میری روح کی ملاقات حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آپ نے یہ کیسے کہا ”فلا تشمت بی الاعداء“ (مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسا) وہ اعدا کون ہیں جن کا آپ مشاہدہ کر رہے ہیں۔ جب کہ ہم لوگوں میں سے سالک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کا مشاہدہ نہیں کرتا۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب دیا۔ تم نے جو کہا تمہارے مشاہدے کے لحاظ سے صحیح ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ جب تم خدا کے سوا کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کرتے تو کیا اس وقت نفس الامر سے عالم زائل ہو گیا، جیسا کہ تمہارے مشاہدے میں زائل ہے یا نفس الامر میں عالم باقی اور غیر زائل ہے۔ صرف تم اس کے مشاہدے سے محبوب ہو، اس لئے کہ ایک ایسی عظیم نخلی تمہارے قلوب پر واقع ہوئی جس نے عالم کو تمہارے شہود سے روپوش کر دیا؟ میں نے عرض کیا: نفس الامر میں عالم، باقی وغیرہ زائل ہے۔ صرف ہم اس کے مشاہدے سے محبوب ہو گئے۔ فرمایا: اس شہود میں خدا سے متعلق تمہارے عرفان میں کمی ہے جس قدر کہ مشاہدہ عالم میں کمی ہے۔ اس لیے کہ سارا عالم اللہ کی نشانی ہے۔ اس جواب سے حضرت ہارون علیہ السلام نے مجھے ایسی معرفت کا افادہ فرمایا جو مجھے پہلے حاصل نہ تھی۔ انتہی۔ سیدی علی بن وفارحمہ اللہ فرماتے کہ اگر کلام قوم میں کہیں اتحاد کا ذکر آیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بندے کی مراد، حق کی مراد میں فنا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں میں اتحاد ہے، جب ہر ایک دوسرے کے منشا کے مطابق کام کرتا ہے۔“ [الہوایق و الجواہر

فی بیان عقائد الاکابر، امام عبدالوہاب شعرانی، ۱/۶۳-۶۵]

ان اقتباسات سے واضح ہے کہ حلول واتحاد کے قول سے صوفیہ کرام کس قدر دور ہیں اور ان کی جانب اس خیال باطل کا انتساب کتنا غلط اور گمراہ کن ہے۔

شہرہ آفاق فقیہ، عارف باللہ، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے تو بہت واضح انداز میں وحدت الوجودی حضرات اور حلولیوں کے درمیان خط امتیاز کھینچ دیا ہے۔ آپ رقم طراز ہیں:

”یہاں تین چیزیں ہیں، توحید، وحدت، اتحاد..... توحید مدار ایمان ہے اور اس میں شک کفر اور وحدت وجود حق ہے۔ قرآن عظیم و احادیث و ارشادات اکابرین سے ثابت اور اس کے قائلوں کو کافر کہنا، خود شنیع خمیث کلمہ کفر ہے۔ رہا اتحاد وہ بیشک زندہ و الحاد اور اس کا قائل ضرور کافر اور وحدت وجود کہ وہ صرف موجود واحد، باقی سب ظلال و عکوس ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهُ۔“

صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اصدق کلمۃ قالہا الشاعر کلمۃ لبید ”الا کُلُّ شَیْءٍ مَا خِلا اللہ باطل“۔ سب میں سچی بات جو کسی شاعر نے کہی لبید کی بات ہے کہ سن لو! اللہ عز و جل کے سوا ہر چیز اپنی ذات میں محض بے حقیقت ہے۔

کتب کثیرہ مفصلہ اصابہ نیز مسند میں ہے۔ سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی:

فاشهد ان اللہ لا شَیْءَ غَیْرُہُ و انک مامون علی کل غائب۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ موجود نہیں اور حضور جمیع غیوب پر امین ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا ”(فتاویٰ رضویہ ص ۱۳۲، ۱۳۳ ج ۶) بات اصل یہ ہے کہ چیزیں تین طرح کی ہوتی ہیں: ۱- بدیہی، ۲- نظری،

۳- کشفی، بدیہی تو دود و جار کی طرح سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ نظری چیزیں غور و فکر کی محتاج ہوتی ہیں اور دلائل سے ان کی تفہیم ہوتی ہے۔ کشفی چیزیں نظر و فکر کے معیار سے بھی اونچی ہوتی

ہیں۔ انہیں صرف صفائے باطن، انشراح صدر اور کشف کے ذریعہ ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ وحدت الوجود کے مسائل اور مغایم بھی کشفی علوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی لیے عرفانے انہیں عوام کے درمیان بیان کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ خواص کی چیزیں ہیں، ہر ایک کی عقل اس تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی۔

عارف اسرار طریقت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ فرماتے ہیں:

”وحدت الوجود وحقائق و دقایق تصوف جس طرح صوفیہ صادقہ مانتے ہیں، نہ وہ جسے متصوفہ زندہ جانتے ہیں، ضرور حق و حقیقت ہے مگر اس میں اکثر ذوق ہے کہ اُن مقامات عالیہ پر وصول کے بعد منکشف ہوتا ہے، زبانی تعلیم و تعلیم سے تعلق نہیں رکھتا اور بہت وہ ہے جسے عوام تو عوام آجکل کے بہت مولوی کہلانے والے بھی نہیں سمجھ سکتے اور خود اکثر یہ جو پیر و مشائخ سے بنتے ہیں، طوطے کی طرح چند لفظ یاد کر لینے کے سوا معانی کی ہوا سے بھی مس نہیں رکھتے۔“ (فتاویٰ رضویہ۔ کتاب الخضر والا باحۃ ۱۰/۲۴۱)

ہاں! حضرات صوفیہ خصوصاً متاخرین نے عقول متوسطہ کی تفہیم کے لیے اس کشفی مسئلہ کی تقریبی تمثیلوں سے وضاحت فرمائی ہے۔ اس کی تعبیر میں جب کچھ زیادہ ہی پیچیدگی پیدا ہونے لگی تو حضرات ائمہ نے متوسط عقولوں کے لیے وحدت شہود کی تعبیر پیش فرمائی۔ حضرات متکلمین نے اعتزال کے ماحول میں جس طرح عقائد کی تفہیم کے لیے علم کلام کو فلسفے کے متوازی خطوط پر پیش فرمایا، اسی طرح منطق کے عروجی دور میں اس کشفی مسئلے کو معقولی انداز میں پیش کیا گیا۔ علم و فضل، عقل و نقل اور زہد و عرفان کے امام حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ نے پہلی بار وحدت الوجود کو عقلی سطح پر بہت ممتاز اور واضح انداز میں پیش فرمایا۔ آپ کی تصنیف ”الروض الجود فی تحقیق حقیقۃ الوجود“ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

وحدت الوجود کی تفہیم میں الجھن تب پیدا ہوتی ہے جب امتیازی مراتب کا خیال نگاہ سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد

اگر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

حضرت عینی نے فرق مراتب کی بہت دلکش مثال پیش فرمائی۔ رقم طراز ہیں:

”میرے کرم فرما! سلامت رہو! میں اس جگہ اس کی دوسری واضح مثال پیش کرتا

ہوں۔ دیکھو! بیج سے درخت کی جڑ نمودار ہوتی ہے پھر اس کے مختلف مراتب۔ تنہ، شاخیں، چھال، کانٹے، پتی، شگوفہ، کچا پھل اور جڑ لیکن یہ ساری چیزیں ٹھیک اسی بیج کا کرشمہ ہیں جو اس جگہ نمودار ہوا۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ یہ تنہ اور کانٹا بعینہ وہی بیج ہے تو یہ بات قابل تسلیم ہے کیونکہ وہ سچ کہتا ہے۔

بر نقش خود است فتنہ نقاش

کس نیست دریں میاں تو خوش باش

مصور خود اپنی تصویر پر فدا ہے۔ تم خوش رہو (تمہیں مرثدہ ہو)۔ یہاں درمیان میں کوئی دوسرا موجود نہیں۔

اس شعر کے پہلے مصرعہ ”ع بر نقش خود است فتنہ نقاش“ میں لفظ فتنہ کا استعمال عجب لطف رکھتا ہے۔ اور اگر دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ تخم کی صورت اور مقدار شاخ و برگ میں موجود نہیں اس لیے یہ ساری چیزیں تخم سے علیحدہ وجود رکھتی ہیں تو اس کا کہنا بھی صحیح ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص تخم اور اس کے مختلف مراتب کو ایک سمجھ کر اس کی کھر در ی چھال، یا شاخ یا کانٹے کھالے تو یہ اس کی حماقت اور نادانی ہوگی اور کانٹے اس کے منہ اور بدن کو زخم زخم کر ڈالیں گے۔ اسی طرح حضرت شاعر کے بیان فرمودہ احکامات جیسے زنا، شراب نوشی، خون ریزی وغیرہ کی حرمت کا معاملہ اگر کوئی شخص ان جرائم کا مرتکب ہوگا تو وعید کا تازیانہ اور کوڑے اس کے بدن کو چھیل ڈالیں گے۔ اس لیے اس صورت میں شریعت کے احکام کو شریعت پر محمول کرنا چاہیے اور طریقت کے معاملات کو طریقت پر۔ ہر ایک کے مرتبے کا لحاظ ضروری ہے۔“ (ایک کو دوسرے پر محمول نہیں کر سکتے۔) (کاشف الاستار، ص: ۴۶)

خاندان برکات کے فیض یافتہ، امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ سے اس باریک مسئلے کی دلکش تفہیم مثالوں کے ذریعہ ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت رضا تحریر فرماتے ہیں:

”مثلاً روشنی بالذات آفتاب و چراغ میں ہے۔ زمین و مکان اپنی ذات میں بے نور ہیں۔ مگر بالعرض آفتاب کی وجہ سے تمام دنیا منور اور چراغ سے سارا گھر روشن ہوتا ہے۔ ان کی روشنی انہیں کی روشنی ہے۔ ان کی روشنی ان سے اٹھالی جائے، وہ بھی تاریک محض رہ جائیں گے۔

بلاشبہ آئینہ میں جو اپنی صورت دیکھتے ہو، کیا اس میں کوئی صورت ہے؟ نہیں بلکہ شعاع بصری آئینہ پر پڑ کر واپس آتی ہے اور اس رجوع میں اپنے آپ کو دیکھتی ہے۔ لہذا وہی جانب بائیں اور بائیں جانب دہنی معلوم ہوتی ہے تو آئینہ تمہارا عین نہیں مگر دکھایا اس نے تمہیں کو، ظلال اپنی ذات میں معدوم ہیں کہ کسی کی ذات حقیقی وجود نہیں کل شئیء ہالک الا وجهہ، مگر وجود عطائی سے ضرور موجود ہیں۔ اسلام کا پہلا عقیدہ ہے کہ حقائق الاشیاء ثابتہ نظر سے ساقط ہونا، واقع سے عدم نہیں کہ نہ ناظر رہے، نہ نظر، فی الواقع اس مشاہدہ میں خود اپنی ذات بھی ان کی نگاہ میں نہیں ہوتی۔“ (الملفوظ ص: ۱)

دوسرے مقام پر اس سے بھی دلکش اور واضح تمثیل پیش فرماتے ہیں:

”ایک بادشاہ اعلیٰ جاہ آئینہ خانہ میں جلوہ فرما ہے جس میں تمام مختلف اقسام و اوصاف کے آئینے نصب ہیں۔ آئینوں کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک ہی شئی کا عکس کس قدر مختلف طوروں پر متجلی ہوتا ہے۔ بعض میں صورت خلاف نظر آتی ہے، بعض میں دھندلی، کسی میں سیدھی، کسی میں لٹی، ایک میں بڑی، ایک میں چھوٹی، بعض میں پتلی، بعض میں چوڑی، کسی میں خوشنما، کسی میں بھونڈی، یہ اختلاف ان کی قابلیت کا ہوتا ہے۔ ورنہ وہ صورت جس کا اس میں عکس ہے، خود واحد ہے۔ ان میں جو حالتیں پیدا ہوئیں، متجلی ان سے منترہ ہے ان کے اٹنے، بھونڈے، دھندلے ہونے سے اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا و لہذا المثل الاعلیٰ۔

اب اسی آئینہ خانے کو دیکھنے والے تین قسم ہوئے:

اول۔ نا سمجھ بچے: انھوں نے گمان کیا کہ جس طرح بادشاہ موجود ہے، یہ سب عکس بھی موجود ہیں کہ یہ بھی تو ہمیں ایسے نظر آ رہے ہیں جیسے کہ وہ۔ ہاں ضرور ہے کہ یہ اس کے تابع ہیں۔ جب وہ اٹھتا ہے، یہ سب کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ چلتا ہے یہ سب چلنے لگتے ہیں، وہ بیٹھتا ہے یہ سب بیٹھ جاتے ہیں تو عین یہ بھی اور وہ بھی، مگر وہ حاکم ہے یہ سب محکوم اور اپنی نادانی سے نہ سمجھا کہ وہاں تو بادشاہ ہی بادشاہ ہے، یہ سب اس کے عکس ہیں۔ اگر اس سے حجاب ہو جائے تو یہ سب صفحہ ہستی سے معدوم محض ہو جائیں گے، ہو کیا جائیں گے اب بھی تو حقیقی وجود سے کوئی حصہ ان میں نہیں، حقیقتہً بادشاہ ہی موجود ہے، باقی سب پر تو کی نمود ہے۔

دوم۔ اہل نظر و عقل کامل: وہ اس حقیقت کو پہنچے اور اعتقاد بنائے کہ بیشک وجود ایک بادشاہ کے لئے ہے، موجود ایک ہی ہے، یہ سب ظل و عکس ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود نہیں رکھتے۔ اس تجلی سے قطع نظر کر کے دیکھو کہ پھر ان میں کچھ رہتا ہے؟ حاشا عدم محض کے سوا کچھ نہیں اور جب یہ اپنی ذات میں معدوم و فانی ہیں اور بادشاہ موجود، یہ اس نمود و وجود میں اسی کے محتاج ہیں اور وہ سب سے غنی۔ یہ ناقص وہ تام، یہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں اور وہ سلطنت کا مالک، یہ کوئی کمال نہیں رکھتے، حیات، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ، کلام سب سے خالی ہیں اور وہ سب کا جامع تو یہ اس کا عین کیونکر ہو سکتے ہیں، لاجرم یہ نہیں کہ یہ سب وہی ہیں بلکہ وہی وہ ہے اور یہ صرف اس تجلی کی نمود۔ یہی حق و حقیقت ہے اور یہی وحدۃ الوجود۔

سوم۔ عقل کے اندھے، سمجھ کے اوندھے: ان ناسمجھ بچوں سے بھی گئے گذرے، انھوں نے دیکھا کہ جو صورت بادشاہ کی ہے وہی ان کی، جو حرکت وہ کرتا ہے یہ سب بھی، تاج جیسا کہ اس کے سر پر ہے بعینہ ان کے سروں پر بھی، انھوں نے عقل و دانش کو پیٹھ دے کر بکنا شروع کیا کہ یہ سب بادشاہ ہیں اور اپنی سفاہت سے وہ تمام عیوب و نقائص تو اہل کے باوجود ان میں تھی خود بادشاہ کو ان کا مورد کر دیا کہ جب وہ وہی ہیں تو ناقص، عاجز محتاج، الٹے، بھونڈے، بد نما، دھندلے کا جو عین ہے، قطعاً انھیں ذمائم سے متصف ہے تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔

انسان عکس ڈالنے میں آئینہ کا محتاج ہے اور وجود حقیقی احتیاج سے پاک۔ وہاں جسے آئینہ کہیے، وہ خود بھی ایک ظل ہے۔ پھر آئینے میں انسان کی صرف سطح مقابل کا عکس ہوتا ہے جس میں انسان کے صفات مثل کلام و سمع و بصر و علم و ارادہ و حیات و قدرت سے اصلاً نام کو بھی کچھ نہیں آتا لیکن وجود حقیقی عزّ جلالہ کی تجلی نے اپنے بہت ظلال پر نفس ہستی کے سوا ان صفات کا بھی پرتو ڈالا، یہ وجہ اور بھی ان بچوں کی ناہمی اور ان اندھوں کی گمراہی کی باعث ہوئیں اور جن کو ہدایت حق ہوئی، وہ سمجھ لئے کہ۔

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجائی نگری انجمنے ساختہ اند

انھوں نے ان صفات اور خود وجود کی دو قسمیں کیں:
۱۔ حقیقی، ذاتی کہ متجلی کے لئے خاص ہے۔ ۲۔ اور ظلی عطائی کہ ظلال کے لئے ہے اور حاشا یہ تقسیم اشتراک معنی نہیں بلکہ محض موافقت فی اللفظ۔ یہ ہے حق حقیقت و عین معرفت۔ وللّٰہ الحمد، (فتاویٰ رضویہ ص ۱۳۳-۱۳۴ ج ۱ سنی ارالاشاعت)
حضرت عینی نے کاشف الاستار شریف میں بہت مفصل انداز سے وحدت وجود کے مسئلہ کو روشن کیا ہے اور حلو یوں کے باطل نظریات سے وحدت وجود کو اتنا ممتاز کر دیا ہے کہ نگاہ حق میں دیکھا کرے۔

حضرت عینی کی تشریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ وحدت وجود ایک کشفی رمز ہے جو صرف اہل کے سپرد ہوتا ہے۔ اس راز الہی کو زبان و بیان کے ذریعہ عالم آشکار کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ یہی حضرات مشائخ کا طرز رہا ہے۔ زبان سے صرف اتنی ہی بات کہی جاسکتی ہے جس کی اجازت شریعت دیتی ہے۔

پوری بحث تو اصل کتاب میں ملاحظہ کیجئے۔ میں یہاں صرف اسی کا دو مختصر اقتباس پیش کرتا ہوں۔ اسد العارفین سیدنا شاہ محمد حمزہ عینی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:
”ایک شخص نے ایک بزرگ سے سوال کیا کہ ایک طبقہ ”ہمداوست“ (وحدت وجود) کا قائل ہے اور دوسرا ”ہمدازوست“ (وحدت شہود) کا۔ میں کسے اختیار کروں۔؟“
بزرگ نے فرمایا: تم دونوں کے قائل رہو۔ زبان سے ”ہمدازوست“ کا اقرار کرو اور دل سے ”ہمداوست“ کا۔ ظاہر کو ظاہر پر رکھو اور باطن کو باطن پر محمول کرو۔ صاحب فصوص الحکم حضرت ابن عربی فرماتے ہیں کہ حضرات اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، کافروں، منافقوں کی کیفیت رکھتے ہیں۔ یعنی کسی چیز سے واقف ہوتے ہیں لیکن مصلحت کی وجہ سے اسے پوشیدہ رکھتے ہیں، کہتے نہیں۔

نیست غیرے وجود در موجود
خواہ ایں، خواہ آں بود مشہود
حقیقت میں اس ایک کے سوا کسی کا وجود نہیں۔ دیکھنے میں بھلے ہی تمہیں مختلف جلوئے نظر آئیں۔“

بحث کے اخیر میں رقم طراز ہیں:
اے بھائی! وحدت الوجود کے دلائل سے موحدین کی کتابیں بھری پڑی ہیں جو

غیروں کی نگاہ سے محفوظ ہیں۔ اس جگہ اس ذیل میں اتنی گفتگو ہی کافی ہے۔

رہ گیا صوفیا کا یہ فرمانا کہ حقیقت کی نگاہ میں تو مشہود و موجد دونوں ایک ہی ہیں، اس جگہ شریعت کو کیا کرنا چاہیے۔؟ میرے کرم فرما: شریعت عین طریقت ہے اور طریقت عین شریعت۔ اگر تجھ سے دریافت کریں کہ شریعت و طریقت کے درمیان کیا فرق ہے تو بتا دینا کہ شریعت بال ہے اور طریقت مانگ، کیونکہ طریقت شریعت کا مغز ہے۔ ذرا دیکھو اسلام کی خشت اول کلمہ تو حید ہے لا الہ الا اللہ۔ اس کا شریعتی معنی تو خود ہی ظاہر ہے اور طریقت کی روشنی میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ سارے معبود معدوم، صرف واحد حقیقی موجود ہے۔ تم صرف اسی کی پرستش کرو۔ پس یہ کلمہ تو حید جو شرائع اسلامی کی بنیاد اور اس کا خلاصہ ہے، شریعت اور طریقت دونوں میں یکساں مفہوم رکھتا ہے لیکن تقیدات کے گھیرے اور اطلاق کے تجرد کے سبب اس یکسانیت تک فہم قاصر کی رسائی نہیں ہو پاتی۔“

(کاشف الاستار شریف، قلمی)

اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ حضرات مشائخ قادر بہ خالص وحدت الوجودی ہونے کے باوجود زبان سے اس کے رمز آشکار کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ سیدنا شاہ آل محمد قدس سرہ کے تذکرے میں یہ بات آچکی ہے کہ حضرت والا کی مجلس میں شطیحات جیسی چیزوں کے اظہار کی قطعاً اجازت نہ تھی۔ حضرات مشائخ اس سلسلے میں اس قدر محتاط تھے کہ عالم سکر میں ان کی پاک زبانوں سے کبھی یہ اسرار الہی آشکار ہو جاتے تو آپ حضرات قطعاً اس پر رضا مندی کا اظہار نہ فرماتے بلکہ کبیدہ خاطر ہو جاتے۔ کیونکہ اس افشائے راز سے امان اٹھ جانے اور نادانوں کی فتنہ انگیزی کا اندیشہ تھا۔

لیکن حضرات صوفیہ جو خلاصہ کائنات ہیں، خود ان کا اپنا حال یہ تھا کہ سرتاپا انوار الہی میں ڈوبے رہتے اور اپنے وجود سے دوئی کا حجاب اُتار کر فنائے الہی کے سمندر میں ڈوب جاتے۔ ان کے ہر بن و موم سے اسی محبوب لم یزل کی یادوں کا آواز بلند ہوتا رہتا۔ اس جگہ سیدنا میر سید محمد ترمذی کا لپوی قدس سرہ کا ایک واقعہ یاد آ رہا ہے جسے حضرت عینی نے حضرت کے حالات کے ذیل میں ذکر فرمایا ہے۔ رقم طراز ہیں:

”حضرت میر سید محمد ترمذی کا لپوی قدس سرہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ ایک دن حضرت نماز جمعہ کے لیے غسل فرما کر ریش مبارک میں لنگھی کر رہے تھے۔ ریش مبارک

کا ایک بال ٹوٹ کر حضرت کے فیض بارشانی پر گر پڑا۔ حضرت کے نامور خلیفہ شاہ محمد افضل الہ آبادی نے پیچھے سے آ کر عرض کی کہ اگر حضرت کی اجازت ہو تو میں اس بال کو اٹھا لوں؟ فرمایا: ٹھیک ہے۔ حضرت شاہ افضل نے وہ موئے مبارک اپنے ہاتھ میں لے کر حاضرین کو آواز دی۔ سب جمع ہو گئے اور پوری جماعت نے موئے مبارک سے اسم ذات کی آواز سماعت کی۔ حاضرین پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ سب حضرت کے قدموں میں گر پڑے۔“ (کاشف الاستار، قلمی)

شطیحات صوفیہ:

حضرات صوفیہ کے شطیحات بھی معاندین تصوف کو ان پاک جانوں پر زبان درازی کا حوصلہ دیتے ہیں۔ لیکن یہ کلمات شط، الہی تجلیات کی فراوانی کے سبب بے خودی کی کیفیت میں صادر ہوتے ہیں۔ اس لیے ان پر نکیر و انہیں لیکن ان سرمست جانوں کی اتباع کی کسی عامی یا ہوش مند کو اجازت نہیں دی جاسکتی۔ یہاں تو عالم یہ ہے کہ جن اکابر صوفیہ سے یہ شطیحات سرزد ہوئے، وہ خود جب اس بے خودی کے حصار سے باہر نکلتے ہیں تو ان کلمات کے سرزد ہونے پر راضی نہیں ہوتے تو بھلا دوسروں کو کیسے ان الہی اسرار کے برملا اعلان کی اجازت دی جاسکتی ہے۔؟

سیدنا خواجہ بایزید بسطامی قدس سرہ کا واقعہ شکر کافی شہرت رکھتا ہے۔ ”جب حضرت خواجہ بایزید بسطامی سے کہا گیا کہ یہ کیسی باتیں ہیں جو کبھی کبھی آپ کی زبان سے ہمارے کانوں میں آتی ہیں۔ فرمایا: بایزید نے ہرگز یہ کلمے نہیں کہے اور وہ ہر گز نہیں کہہ سکتا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے ہی فرمائے ہیں۔ فرمایا: اگر تم اب یہ کلمے سنو تو میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ مجھے خنجر سے ختم کر دینا۔ لوگوں نے خنجروں پر دھار چڑھوا کر رکھ لیا، یہاں تک کہ حضرت پر وہ حالت پھر طاری ہوئی اور آپ نے سبحانی ماعظم شانی کہنا شروع کیا تو لوگوں نے آپ کے حکم کے مطابق آپ پر خنجر چلائے۔ جو شخص آپ کو خنجر مارتا اس کا زخم خود اس کے بدن پر اسی جگہ آ جاتا اور حضرت کے جسم پر کوئی نشان بھی نہ پڑتا۔ فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ وہ بایزید نہیں کہتا، وہی فرماتا ہے جسے یہ کہنا زیبائے۔“ (سراج العوارف فی الوصایا والمعارف ص ۱۰۷)

آئیے شطیحات صوفیہ پر گفتگو سے پہلے شطح کا مفہوم سمجھتے ہیں پھر اس کی صوفیانہ توضیح دیکھیں گے۔ عارف باللہ سیدی ابونصر سراج قدس سرہ شطح کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”شطح کی جمع شطیحات ہے۔ اور شطح سے مراد وہ عجیب و غریب عبارات ہیں جو صوفیہ کرام سے وجد و مستی کی انتہائی کیفیت میں صادر ہوتی ہیں۔

لغت عرب میں شطح کا معنی حرکت ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: شطح یشطح یعنی حرکت کرنا اور آٹے کے گودام کو مشطاح کہتے ہیں۔ آٹے کے گودام کو مشطاح اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں آٹے کو چھاننے کے لیے کثرت سے ہلاتے رہتے ہیں اور بعض اوقات آٹا چھانتے وقت پہلوؤں سے آٹا گرتا بھی رہتا ہے۔ لہذا لفظ شطح حرکت سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ شطح واجدین کے قوی وجد کی حالت میں ان کے اسرار کی حرکت کے نتیجے میں صادر ہونے والے اس کلام کو کہتے ہیں جو سننے والے کو بظاہر عجیب سا لگتا ہے۔ شطح میں بیان کی گئی بات کا انکار کرنے والا پاس پر اعتراض کرنے والا مفتون و ہلاکت میں پڑنے والا ہے اور جو اسے سن کر کسی ایسے شخص سے رجوع کرے جو اس کا علم رکھتا ہو اور اس طرح وہ انکار اور اس پر بحث کرنے کو ہی ختم کر دے تو ایسا شخص بلاشبہ نجات پانے والا اور صالح ہے۔

شطح کی کیفیت تو ایسی ہوتی ہے جیسے کہ کسی تنگ نہر میں جب پانی چھوڑ دیا جائے تو پانی اس کے کناروں سے باہر نکل پڑے تو ایسے میں کہا جاتا ہے: شطح الماء فی النہر اسی طرح ایک مبتدی صوفی جو بحالت وجد اپنے وجود کو اس قدر قوی پاتا ہے کہ وہ اپنے قلب پر وارد ہونے والے انوار حقائق کے غلبہ کا متحمل نہیں ہو سکتا تو یہ انوار اس کی زبان پر پھیل جاتے ہیں اور وہ ان کے بارے میں ایسی عجیب و غریب اور پیچیدہ گفتگو کرتا ہے جو سننے والے کی سمجھ سے بالا ہوتی ہے۔ ہاں وہ لوگ اسے سمجھتے ہیں جو اس کا علم رکھتے ہیں۔ اسی بنا پر ایسا کلام اہل اصطلاح کے ہاں شطح کہلایا جانے لگا۔“ (اللمع فی التصوف ص ۶۲۵)

ان شطیحات کے بارے میں حضرات صوفیہ نے دو معقول توجیہیں پیش کی ہیں:

۱۔ یہ کلمات حالت سکر میں اضطراری طور پر ادا ہوتے ہیں۔ اس وقت حضرات صوفیہ مجذوب یا مجنون کی مانند شریعت کے مکلف نہیں ہوتے بلکہ شرعاً معذور ہوتے ہیں، اس لیے ان کے کلام پر نکیر جائز نہیں۔

۲۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ کلمات بظاہر ان پاکبازان خدا کی زبان سے ادا ہوتے

ہیں لیکن درحقیقت ان کی زبانوں پر وہ کلام فرماتا ہے جسے ان کلمات کا ادا کرنا زیبا ہے۔ دوسرے صاحبان ان مقامات کے عارف نہیں ہوتے، اس لیے ان کی فہم سے یہ باتیں ماورا ہوتی ہیں۔ شطیحات تو شطیحات رہے، جو کلمات عارفانہ حالت صحو میں ادا ہوتے ہیں، ان کا فہم بھی ان کی فکروں سے بالاتر ہوتا ہے۔ حضرت عینی نے اس مقام پر بڑی دلکش تمثیل نقل فرمائی ہے جسے پڑھنے کے بعد ان شاء اللہ بہت سی ژولیدہ فکروں کا شافی علاج ہو جائے گا۔ حضرت عینی رقم طراز ہیں:

”معلوم ہونا چاہیے کہ حضرات اولیائے کرام کے اسرار کی زبان سمجھنا ہر کامل طریقت کے بس کی بات بھی نہیں چہ جائیکہ جو ابھی ناقص ہو۔

تو چہ دانی زبان مرغان را

کہ نہ دیدی گہے سلیمان را

تم پرندوں کی زبان کیا جانو۔؟ تم نے تو کبھی حضرت سلیمان کو بھی نہیں دیکھا۔ ہم جیسے ناکاروں کی کیا مجال جو ان حضرات کے کلام کی باریکیوں تک پہنچ سکیں، خاص طور سے ایسی بات جو معمہ کے انداز میں ان حضرات کی زبان سے سرزد ہو۔ ان کی زبان تو اللہ کی زبان اور ان کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔

۱۔ بے شک آں آواز خود از شہ بود گر چہ از حلقوم عبد اللہ بود

۲۔ زیں سبب قل گفتہ دریا بود گر چہ احمد گفت احد گویا بود

۱۔ یقیناً وہ آواز شہنشاہ حقیقی کی ہوتی ہے گرچہ اللہ کے بندے کے گلے سے برآمد ہوتی ہے۔

۲۔ ”یا“ والی آیات میں رب تعالیٰ نے حضور کو ”قل“ سے اسی سبب سے مخاطب فرمایا کہ گرچہ یہ فرمان احمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی زبان مبارک سے ادا ہوتا ہے لیکن آپ کی زبان پر ”اللہ احد“ گویا ہوتا ہے۔

محبت یقینی نواب علی قلی خاں مرحوم نے کیا خوب فرمایا جن کا تخلص ”والہ“ تھا کہ میں ایک دن عالم پناہ سلطان محمد شاہ (اللہ اس کا ٹھکانہ جنت کرے) کے پاس کھڑا تھا کہ اس شعر پر گفتگو ہونے لگی:

من چہ پروائے مصطفیٰ دارم

نچہ در پنجرہ خدا دارم

میں تو خدا کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہوں، مجھے حضرت محمد مصطفیٰ کی کیا فکر؟۔
کچھ امراء نے اسے مسعود بک کا شعر کہا، کچھ لوگوں نے ملا شاہ کا اور کچھ لوگوں نے دوسرے کا۔ لیکن اس شعر کے قائل کے کافر ہونے پر متفق تھے۔ بندہ بقاضائے ادب خاموش تھا۔ جب قائل شعر پر گفتگو میں بے مروتی حد سے گزرنے لگی اور حضرات اولیائے حق کی غیرت نے میرے دل کا گریبان تھام لیا تو میں نے عرض کی: تخت شاہی کے پاس موجود حضرات میں سے اگر کوئی فرد وحشی جانور اور پرندوں کی زبان جانتا ہے تو بتائے، مجھے ان سے ایک بات دریافت کرنی ہے۔ سبھی لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ کوئی بھی انسان وحشیوں اور پرندوں کی زبان کیسے جان سکتا ہے؟ میں نے عرض کی: وحش و طیور تو حیوانوں میں سب سے کم رتبہ ہیں اور خدا کے محبوب بندے حضرات اولیا تو حضرات انبیاء کے بعد ساری کائنات میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ جب وحشیوں اور پرندوں کی جیسی کترین مخلوق کی زبان نہیں سمجھی جاسکتی تو اولیائے حق کی زبان اتنی آسانی کے ساتھ کیسے سمجھی جاسکتی ہے۔ انصاف پسند بادشاہ اور دوسرے امرانے اس گفتگو کی بہت تعریف کی اور اس شعر پر کفر کا حکم لگانے اور نکیر کرنے سے باز رہے۔

حاصل یہ کہ جب حضرات اولیا کے کشف کا پرندہ معانی طریقت کی فضا میں پرواز کرتا ہے تو فہم و عقل کے پرندے اس جگہ پر بھی نہیں مار سکتے۔“ (کشف الاستار، قلمی)
اب شطیحات صوفیہ کے بارے میں حضرت عینی ہی کے گھرانے کے ایک جلیل الشان فرد، کمالات اسلاف کے عطر مجموعہ سیدنا شاہ ابوالحسن احمد نوری قدس سرہ (م ۱۳۲۴ھ) کی تصنیف لطیف ”سراج العوارف فی الوصایا والمعارف“ کا ایک طویل اقتباس پیش کرتا ہوں جو اس ذیل کے سارے شبہات کا شافی جواب رکھتا ہے۔ سرکار نور رقم طراز ہیں:

”جب سالک سیرالی اللہ سے فارغ ہو کر سیر فی اللہ میں قدم رکھتا ہے اور اپنے درجوں میں ترقی حاصل کرتا ہے تو ان میں بعض اس مقام کی تجلیوں کے وارد ہونے سے ساکت اور خاموش ہو کر دم سادھ لیتے ہیں اور ان کا ظرف اتنا بلند ہوتا ہے کہ پہاڑوں اور دریاؤں جیسے بڑے بڑے بھید کو بھی ضبط کر لیتے ہیں اور اسے ظاہر نہیں ہونے دیتے اور ان میں بعض ضبط نہیں کر پاتے اور زبان سے کہہ دیتے ہیں جیسے سبحانی ما اعظم شانی (میں پاک ہوں اور میری شان کیسی بلند ہے) اور لیس فی جبتی سوی اللہ

(میرے جبہ میں خدا کے سوا کچھ نہیں) تو اس قسم کی باتوں سے ان پر کوئی عذاب اور وبال نہیں آتا۔ کیونکہ وہ ضبط کی طاقت اور اس کی حفاظت کی قدرت نہیں پاتے۔ لہذا معذور و مجبور ہیں۔ اولیائے کرام اور علمائے عظام نے ان باتوں کو سلجھانے اور عوام کو سمجھانے اور تسکین دینے کے لیے اس معاملے میں بہت سی مثالیں دی ہیں۔ حالانکہ کسی مثال سے بھی اس حقیقت کو سمجھنا ممکن نہیں۔

جیسے جنات کی گفتگو، جو انسان کے بدن میں حلول کر جائے کہ بظاہر وہ انسان کی زبان ہے اور حقیقتاً جن کا کلام۔ جتنی بدن اس شخص کی زبان سے بولتا ہے، اس کے ہاتھوں سے کام کرتا ہے، اس کے پیروں سے چلتا ہے اور اس کے منہ سے کھاتا ہے۔
یہ میری آنکھوں کا دیکھا ہوا واقعہ ہے کہ ایک چھوٹی سی لڑکی کو آ سیب کا خلل ہو گیا۔ ایک وقت میں وہ نو سیر پکا ہوا کھانا کھا لیتی تھی، میں نے اس کا علاج کیا اور وہ تندرست ہو گئی۔ تو کیا تمہارا خیال ہے کہ وہ چند برس کی چھوٹی بچی جو آدھ پاؤں سے زیادہ نہیں کھا سکتی، ایک دم نو سیر کھا جائے اور اسے ہضم بھی کر لے۔ ظاہر ہے کہ وہ جی کھاتا تھا اور اس لڑکی کے منہ سے کھاتا تھا اور دیکھنے والے یہی سمجھتے کہ یہ لڑکی ہی کھا رہی ہے۔

آ سیبی قدرت کو حضرت حق تعالیٰ کی قدرت سے کیا نسبت! اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کو اپنے کلام کا مظہر بنا دے اور اس کی زبان سے کلام فرمائے تو کیا تعجب ہے تو وہ جو تم انا الحق اور سبحانی ما اعظم شانی سنتے ہو تو یہ وہی کہتا ہے جسے یہ کہنا زیبا ہے، حالانکہ تم نے یہ بات بایزید اور حسین منصور کی زبان سے سنی۔

اس سے زیادہ روشن اور واضح بلکہ یوں کہا جائے کہ بالکل واقعہ کے مطابق وہ آواز ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے سنی کہ ”انسی انا اللہ، لا الہ الا انا اے موسیٰ میں ہی اللہ ہوں تمام عالم کا پروردگار۔“ تو کیا یہ اس درخت نے کہا تھا؟ اللہ کی قسم یہ درخت نے نہیں کہا بلکہ رب العالمین نے فرمایا تھا، اگرچہ سنا درخت سے گیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اگر انسانی گلے سے، جو درخت سے زیادہ شرافت رکھتا ہے، کلام فرمائے اور لوگوں کو انسانی گلے سے وہ آواز سنائی دے تو کیا تعجب ہے۔ ان کا کہا ہوا، اللہ کا فرمایا ہوا ہے اگرچہ وہ انسان کے گلے سے ہی سنائی دے رہا ہے۔

بظاہر اس کلام کا کہنے والا انسان ہے لیکن درحقیقت یہ اسی کلام کرنے والے کا کلام ہے اور انسان نے اس کی صفت کلیسی سے حصہ پایا اور اس کا کلام حقیقی ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ یہاں اس ظاہری متکلم (انسان) نے خود کو فنا کر کے اس متکلم حقیقی (اللہ تعالیٰ) کے کہلانے سے وہ بات کہی ہے کہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ اس نے اپنے نفس کے فریب سے کہی ہے۔ جیسے فرعون بے سامان کا کہنا انار بکم الاعلیٰ (میں تمہارا بڑا پروردگار ہوں) تو اس نے یہ بات اپنی خودی سے کہی اور یہ اولیائے کرام اپنی خودی سے گزر کر کہتے ہیں کہ وہ متکلم حقیقی ان سے کہلواتا ہے اور یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ لہذا یہ اولیائے کرام مقبول ہوئے اور وہ فرعون مردود اور یہی فرق فرعون اور حسین منصور کے مقولے میں ہے کہ منصور کا مقولہ ان کی خودی سے نہ تھا۔ انہوں نے اپنی ہستی کو فنا کرنے کے بعد کہا تھا اور فرعون کا مقولہ خودی پر قائم تھا۔

جب اولیاء اللہ پر حال کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ بے قابو ہو جاتے ہیں تو وہ یہ راز ظاہر کر دیتے ہیں اور اس حال کو ”حالت سکر“ کہتے ہیں۔ سکر اور صحو دو مقام ہیں۔ اگر سالک کا شعور اللہ تعالیٰ کی تجلیات وارد ہوتے وقت برقرار رہے تو یہ صحو ہے ورنہ سکر ہے۔ حالت سکر کا نہ کوئی اعتبار کیا جاتا ہے اور نہ اہل سکر سے باز پرس ہے جیسے مجنونوں سے۔

بعض اولیاء اللہ اپنی تمام عمر اسی حالت میں ڈوبے رہتے ہیں جیسے منصور قدس سرہ اور بعض سے تمام عمر ظاہر نہیں ہوتے اور یہ لوگ ضبط کرنے والوں کے بڑوں اور حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص وارثوں میں شمار ہوتے ہیں جیسے حضرات خلفائے راشدین، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین اور تمام صحابہ کرام اور حضور غوث اعظم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور بعض کی حالت مختلف ہوتی ہے۔ کبھی ضبط کی طاقت نہ پا کر راز کھول بیٹھتے ہیں اور جب انھیں افاقہ ہوتا ہے تو فوراً توبہ کرتے ہیں اور رجوع کرتے ہیں اور یہی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ یہ حضرات حالت صحو میں ایسے حکموں کے صادر ہونے پر راضی نہیں ہوتے اور ان کے ظاہر ہو جانے پر اپنی طرف نسبت کئے جانے کو حق نہیں سمجھتے ورنہ توبہ اور ندامت کیوں کرتے، وہ کریں بھی کیا؟ وہ کلام نہ خود ان کی طرف سے ہوتا ہے، نہ ان کے حواس کی سلامتی کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔“

(سراج العوارف فی الوصایا والمعارف ص ۱۰۴ تا ۱۰۷ مطبوعہ کراچی)

اوراد معکوس کی توجیہ:

معمولات صوفیہ پر ایک شبہ یہ بھی وارد کیا جاتا ہے کہ ان کے یہاں ایسے اوراد بھی ملتے ہیں جو مزاج شریعت سے بظاہر میل نہیں کھاتے۔ جیسے سورتوں کا معکوس ورد، نماز کی معکوس ترکیب وغیرہ وغیرہ۔

بلاشبہ یہ بات صحیح ہے کہ آیات کریمہ کی ترتیب بدل کر پڑھنا بھی ماثور طریقے کے خلاف ہے، چہ جائیکہ ان کے حروف کی ترتیب ہی الٹ دی جائے۔ تو پھر حضرات صوفیہ جو حد درجہ اتباع شریعت ملحوظ رکھتے ہیں، وہ اس قسم کے اوراد کیسے روار کھتے ہیں۔؟ اس کی کئی تو جیہات احقر کے پیش نظر ہیں جنہیں حضرت مصنف قدس سرہ کے روحانی فیضان کا اثر کہئے۔ ☆ آیات کریمہ کا معکوس ورد، آیات کی حیثیت سے نہیں ہوتا بلکہ انہیں صرف حرفی ورد کی حیثیت سے پڑھا جاتا ہے۔ البتہ آیات کریمہ کے حروف سے برکتیں ضرور لی جاتی ہیں اور الٹی قرأت ضرر پہونچانے کا استعارہ ہوتی ہے۔ آیت کریمہ کو جب ورد کی حیثیت سے پڑھا جائے گا تو اس کے احکام وہ نہیں ہوں گے جو آیات کی تلاوت کی حیثیت سے قاری پر عائد ہوتے ہیں اور نہ وہ قرأت کے آداب کا پابند ہوگا۔ مثلاً حائضہ کو قرآن حکیم کی تلاوت جائز نہیں لیکن اگر وہ معلّمہ ہے اور قرآن پڑھاتی ہے تو آیات کو حروف مقطعات کی صورت میں حرف حرف الگ کر کے تعلیم دے سکتی ہے، اسے حروف کی قرأت کا حکم دیا جائے گا، آیات کی تلاوت کا نہیں، اسی طرح اگر وہ الحمد شریف یا آیت الکرسی کا ورد رکھتی ہے تو اسے ورد کی نیت سے ان آیات کی قرأت کی اجازت ہے، آیات کریمہ کی حیثیت سے نہیں۔

حنفی فقیہ، اہل سنت کے امام، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

”جب کو آیات دعا و ثنا، نہ بہ نیت قرآن بلکہ بہ نیت ذکر و دعا پڑھنا جائز ہے۔“

فی الدر المختار: ”لو قصد الدعاء و الثناء أو افتتاح أمر حل فی الاصح حتیٰ لو قصد بالفتاح و الثناء الجنازة لم یکره الخ“

(فتاویٰ رضویہ ۵۲/۱۰، کتاب الخطر والا باحتہ)

دوسری جگہ اور وضاحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں:

”یہ معلوم رہے کہ قرآن کریم کی وہ آیات جو ذکر و ثنا و مناجات و دعا ہوں اگرچہ پوری آیت ہو جیسے آیت الکرسی، متعدد آیات کاملہ جیسے سورہ حشر کی اخیر تین آیتیں، ھُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّہَادَۃِ سے آخر سورہ تک۔ بلکہ پوری سورہ جیسے الحمد شریف، بنیت ذکر و دعا بے نیت تلاوت پڑھنا جب و حائض و نفساء سب کو جائز ہے۔ اسی لیے کھانے یا سبق کی ابتداء میں، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، کہہ سکتے ہیں اگرچہ یہ ایک آیت مستقلہ ہے کہ اس سے مقصود تبرک و استفتاح ہی ہوتا ہے، نہ تلاوت، تو حسبنا اللہ و نعم الوکیل، اور انا للہ و انا الیہ راجعون، کہ کسی مہم یا مصیبت پر بہ نیت ذکر و دعا، نہ بہ نیت تلاوت پڑھے جاتے ہیں، اگر پوری آیت بھی ہوئی تو مضائقہ نہ تھا۔ جس طرح کسی چیز کے گمنے پر عسی ربنا ان ید لنا خیرا منها انا الی ربنا راغبون، کہنا۔“

اسی طرح صلوٰۃ معکوس بھی نام کی صلوٰۃ ہوتی ہے۔ ورنہ وہ ایک مخصوص عمل ہوتا ہے جس کا تجربہ حضرات صوفیہ کے کشف اور مشاہدے کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ اسے صلوٰۃ صرف اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں وہی اور الٰہی ترتیب سے پڑھے جاتے ہیں جو نماز مسنون کا جزو ہوتے ہیں۔ اس لیے ان پر نماز کا شرعی حکم اور اس کے آداب ہی لازم نہیں ہوتے چہ جائیکہ اس پر مخالفت شرع کا حکم لگایا جاسکے۔

☆ حضرات صوفیہ خلاصہ کائنات اور مقربین بارگاہ صمدیت ہیں۔ اللہ کے ان محبوبوں کی شان ہی نرالی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہ ایسا گروہ ہے جو اگر اللہ تعالیٰ پر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم سچ فرما دیتا ہے۔ دوسری حدیث پاک میں ہے: ”جس نے میرے کسی محبوب بندے سے دشمنی مول لی تو اسے میری جانب سے اعلان جنگ ہے۔“ اس کریم بارگاہ عالی جاہ میں جن نفوس قدسیہ کی شان محبوبی ایسی ہو، ان کی قبولیت کا کیا کہنا۔ ان کی زبان سے جو نکل جاتا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں کلمات محبوباں میں بے پناہ تاثیر رکھ دیتا ہے۔

سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ واقعہ کافی شہرت رکھتا ہے کہ آپ علاقہ حبش کی سکونت کی وجہ سے شین کا صحیح تلفظ نہ کر پاتے جس سے بظاہر کلمہ شہادت کا مفہوم

ہی بدل جاتا ہے۔ حضرات صحابہ نے یہ بات سرکار کے گوش گزار کی۔ حضور نے فرمایا: مجھے تمہارے شین سے زیادہ بلال کا سین پسند ہے۔ خوب فرمایا شہزادہ احسن العلماء سید محمد اشرف قادری دام ظلہ نے۔

صحابہ کچھ سوچ کر ہنسے تھے، اذان کے بعد آقا بولے تمہارے شینوں سے بھی زیادہ بلال کے سین سے خوشی ہے اسی طرح حضرات صوفیہ کے بہت سے اشعار، دوہے، کلمات اور جملے بہت سے مصائب کو دور کرنے اور بہت سے مکارم کو حاصل کرنے کے لیے بطور ورد پڑھے جاتے ہیں۔ جذب و کشف کی حالت میں بزرگوں کی زبان سے جو نکل جاتا ہے، اس میں بے پناہ تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کے مشاہداتی تجربات عجب اثر انگیز ہوتے ہیں۔ ان میں یہ تاثیر ہی بارگاہ الہی میں قبولیت کی واضح دلیل ہوتی ہے۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد جلالت ہے:

اسمی کا لاسم الا عظم۔ ”میرے نام کی تاثیر اللہ کے اسم اعظم کا اثر رکھتی ہے۔“
گم شدہ چیز کی دریافت کے لیے خاندان برکات کا ایک مخصوص عمل ہے جو جذب کی حالت میں ایک بزرگ کی زبان مبارک سے ادا ہوا تھا: ”اُذْکُرْ بِکَ یَا نَصِیْرُ۔“۔ عربی قواعد کے اعتبار سے یہ عبارت صحیح نہیں لیکن اسے صحیح کر کے پڑھا جائے تو اثر نہ ہوگا۔

اس طور سے اور اد معکوس کو ان بزرگوں کا روحانی عطیہ سمجھئے جو بارگاہ الہی میں مقبول ہیں اور اسی جناب کا عطا کردہ ہیں۔

☆ تیسری توجیہ خود سیدنا شاہ محمد حمزہ عینی قدس سرہ کے مبارک قلم سے ملاحظہ فرمائیں: ”نماز معکوس وغیرہ جیسے خاص اعمال کے مراتب کی تفصیل میں جاؤں تو قصہ ذرا دراز ہو جائے گا جس سے مقصود کے حصول میں خلل پیدا ہوگا۔

مسلمانوں میں دو ممتاز فرقے ہیں۔ پہلا گروہ فقہائے اہل سنت کا ہے جس کی ایک شاخ اشاعرہ ہیں۔ اور دوسرا فرقہ علمائے شیعہ کا ہے جس سے بقول بعض، معتزلہ کی شاخ نکلی ہے اور علمائے ذی انصاف کے نزدیک ان دونوں فرقوں کے مسلک اعتدال پر حضرات صوفیہ صافیہ ہیں۔ حضرات صوفیہ ان دونوں مقلد فرقوں کو ان کے اپنے حال پر

رکھتے ہوئے یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ ہمارا طرز عمل سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باطنی تعلیمات سے ماخوذ ہے۔ یہ حضرات کوشاں رہتے ہیں اور کسی بیٹا صاحبِ دل کی طناب سے خود کو وابستہ کر کے اس کے تعاون سے فنائی سبیل اللہ کا راستہ طے کرتے ہیں اور مقامِ تقلید سے چند قدم اور آگے بڑھ کر حضراتِ انبیاء و اولیاء کے مکاشفات تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ پہنچ گئے ہوں۔ یہاں پہنچ کر ان میں بھی دو گروہ ہو جاتے ہیں۔ ایک فریقِ جلوہ حق کو عیاں دیکھنے کا دعویٰ دار ہونے کے باوجود وحدتِ شہود کا قائل ہے اور دوسرا فریق وحدتِ الوجود کو عین اسلام ٹھہراتے ہوئے فرماتا ہے۔

مطلوب صد سکندر و جم در سبوئے ماست

آب حیات تشنہ لبی آرزوئے ماست

سیکڑوں سکندر و جمشید کا مقصود ہمارے سبب کے اندر موجود ہے۔ اس تشنہ لبی کے لیے آب حیات کی جستجو ہی ہماری آرزو ہے۔

بہر صورت! گروہِ صوفیہ خلاصہ کائنات اور انسانوں میں انتخاب ہے۔ اسی لیے اس راہ کے صحرا نور کو ان کی اتباع کے سوا کوئی سبیل نہیں اور ان مشاہدِ حق کے عقیدے پر ایمان لانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

میرا آفتاب، میرا خدا، میرا عشق اور میری آرزو (سب تو ہے)۔ اے میرے حق نواز! میں نے تجھی سے حق تعالیٰ کی بارگاہ تک رسائی حاصل کی ہے۔ صحیح معنوں میں نماز ان کی نماز ہے اور اوراد، ان کے نام۔“ (کاشف الاستار شریف، قلمی) حضراتِ صوفیہ کے مدارج نہایت عالی اور ان کی فکریں نہایت روشن ہیں، جن تک ہر کہ و مہ کی رسائی نہیں ہوتی۔ کوتاہ نظر ان کے افکار و اعمال پر اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔ جبکہ حضراتِ مشائخ کی نصیحت یہ ہوتی ہے:

”فقیر صورت سے الجھنا نہیں اور بے شرع دیکھنا تو ملنا نہیں۔ یعنی اگر کسی فقیر صورت کو لباس یا وضع وغیرہ کسی چیز میں خلاف شرع دیکھو تو اس سے نہ ملو، نہ الجھو، تمہیں کیا معلوم کہ اس کی گدڑی کے نیچے کیا ہے؟۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کی صحبت برا پھل لائے گی اور اگر سچا ہے تو اس سے لڑائی جھگڑا نقصان پہنچائے گا۔“ (سراج العوارف، ص: ۶۹)

حضراتِ صوفیہ کے معاملات ظاہر میں بھلے ہی کچھ الگ سے دکھائی دیں

لیکن حقیقت میں ان کی نوعیت کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ اس لیے ان پر اعتراض روا نہیں، البتہ ایسے منفرد معاملات میں دوسروں کو ان کی اتباع بھی جائز نہیں۔ سرکارِ نور نے ”سراج العوارف“ میں خود اپنا ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے۔ اسے آپ بھی ملاحظہ کیجئے۔ درویشوں کے تعلق سے پیدا ہونے والے بہت سے شبہات کو دور کرنے میں اس سے مدد ملے گی۔ سرکارِ نور رقم طراز ہیں:

”میں نے اپنے شیخ (سید شاہ آل رسول) رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ بعض درویشوں کو بارہا حرام اور مردار کھاتے دیکھا گیا ہے۔ کئی بار دیکھا گیا کہ انہوں نے مرے ہوئے جانور کے گوشت اور چربی کو استعمال کیا اور بظاہر وہ مجزوب و مجنون کی صورت بھی نہیں رکھتے بلکہ کبھی کبھی تو وہ دوسروں کو بھی اس میں سے کچھ دیدیتے ہیں۔ جب ہم نے دیکھا تو وہ حلوہ نکلا۔ یہ کیا راز ہے؟۔ ارشاد فرمایا: کن فیکون یہ باری تعالیٰ کی صفت ہے۔ جب بندہ فانی محض ہو کر اس صفت کا مظہر بن جاتا ہے تو اسے یہ قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ چیزوں کی حقیقت بدل دے۔ تو وہ اگر مردے کو زندہ کہدے تو وہ زندہ ہو جائے اور زندہ کو مردہ کہدے تو مردہ ہو جائے۔ اگر وہ مردار کے گوشت کو حلوہ کہدے تو حلوہ ہو جائے اور حلوے کو اگر فضلہ کہدے تو فضلہ ہو جائے۔ وہ زہر ہلا بل کو تریاق اور تریاق کو زہر ہلا بل کر دے، چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے زہر کھالینے کا واقعہ مشہور ہے۔ تو جب اسے اس صفت سے حصہ مل گیا اور وہ فضلہ کو حلوہ سمجھ کر کھائے تو تعجب کی کیا بات ہے کہ وہ اس کی قوت کرامت سے حلوہ ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ جب ماہیت بدل جاتی ہے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔ مثلاً انگوری شراب نخس العین اور حرام ہے۔ اگر وہ سرکہ ہو جائے تو اس کا کھانا حلال ہے۔ یہی حال تمام چیزوں کا ہے اور اب اس میں کوئی خطرہ نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور اب میری دل تسکین ہوگئی۔“ (سراج العوارف، ص: ۸۵)

اب اخیر میں یہاں سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ اور سیدنا امام غزالی قدس سرہ کا ایک قول نقل کر کے اس موضوع کو ختم کرتا ہوں۔ اہل انصاف کو غور کرنا چاہیے کہ امت کے ایسے اکابر اور شریعت کے ایسے جلیل پاسبان گروہ عرفاء کے بارے میں ایسے پاکیزہ خیالات رکھتے ہیں تو ہمیں بھی ان کی اتباع

کر کے اپنی سعادتوں کا سامان کرنا چاہیے۔

ابن ابیمن نے اپنے رسالے میں امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ (م ۲۴۱ھ) سے متعلق نقل کیا ہے کہ ”وہ شروع شروع میں اپنے فرزند کو صوفیہ کے پاس بیٹھنے سے منع کرتے تھے۔ ایک بار ان کے پاس رات کے وقت فضا سے ایک جماعت اتری۔ ان لوگوں نے امام احمد سے شرعی مسائل پوچھنا شروع کیا، جن کے جواب سے امام عاجز رہے۔ پھر وہ ہوا میں پرواز کر گئے۔ اس وقت سے وہ اپنے فرزند کو تائید فرمانے لگے کہ صوفیہ کی ہم نشینی اختیار کرو، اس لیے کہ انہیں خدا کی خشیت اور شریعت کے وہ اسرار حاصل ہیں جو ہمیں حاصل نہیں۔ جب کسی مسئلہ کے حل سے قاصر ہو جاتے تو شیخ ابو حمزہ بغدادی سے فرماتے: اے صوفی! اس مسئلے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟۔ وہ جوتاتے، حضرت امام احمد اسے اختیار کر لیتے۔“ (الیواقیت والجوہر فی عقائد الاکابر ص ۹۴)

حجتہ الاسلام امام محمد غزالی (م ۵۰۵ھ) ”المعتز من الضلال“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”مجھے اس بات کا علم قطعی و یقینی حاصل ہو گیا کہ صرف صوفیہ ہی وہ ہیں جو راہ خدا پر گامزن ہیں۔ ان کا راستہ سب سے زیادہ صحیح اور ان کے اخلاق سب سے پاکیزہ ہیں۔ اگر تمام عقلا کی عقل، حکما کی حکمت اور اسرار شریعت سے آگاہ علما کا علم جمع ہو کر بھی ان کے اخلاق و کردار اور سیرت و روش کو بدلنے اور اس سے بہتر بنانے کی سعی کرے تو نہ ہو سکے، اس لئے کہ ان کی ظاہری و باطنی ہر روش اور ہر حرکت و سکون مشکاکہ نبوت کے نور سے حاصل شدہ ہے اور روئے زمین پر نور نبوت کے سوا کوئی ایسا نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے۔

کہنے والا اُس طریقے کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہے جس کی پہلی شرط یہ ہے کہ قلب کو پورے طور پر ماسوی اللہ سے پاک کیا جائے اور نماز کی کلید تکبیر تحریمہ کی طرح اس مشرب کی کلید یہ ہے کہ دل یا دالہی میں مستغرق ہو اور آخری درجہ یہ ہے کہ خدا کی ذات میں بالکلیہ فنا ہو جائے۔ یہ مقام تمام اختیاری درجات کی بہ نسبت سب سے اعلیٰ و اقویٰ ہے۔“

(المعتز من الضلال (عربی) ص ۱۰۶-۱۰۷- دارالاندلس بیروت)



تصوف کی تدوین:

دوسری صدی ہجری کے آغاز تک عقائد، فقہ اور تصوف ایک ہی علمی دائرے کے تین متوازی ضلع تھے۔ علامہ محبت اللہ بہاری ”مسلم الثبوت“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”ان الفقہ فی الزمان القدیم کان متنا ولا لعلم الحقیقۃ وہی الالہیات من مباحث الذات و الصفات و علم الطریقۃ وہی المنجیات و المہلکات و علم الشریعۃ الظاہرۃ“

”زمانہ قدیم میں علم فقہ، علم حقیقت کے مباحث پر مشتمل ہوتا تھا جسے علم الہیات کہتے ہیں اور جس میں خدائے تعالیٰ کی ذات و صفات سے بحث ہوتی ہے۔ یونہی نجات بخش اور ہلاکت آمیز چیزوں کے علم، علم طریقت اور شریعت مطہرہ کے ظاہری علوم بھی اس علم کے دائرے میں آتے تھے۔“

لیکن جب حضرات صوفیہ کی ممتاز شناخت منظر عام پر آ گئی اور عقائد و نظریات اور مختلف فقہی مکاتب کے پیروکاروں کے درمیان معرکہ آرائیاں شروع ہو گئیں تو ہر طبقے نے اپنے صالح نظریات اور اراق کے سینوں پر محفوظ کرنا شروع کر دیئے۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کی باضابطہ تدوین کا آغاز جس دور میں ہوتا ہے، اسی دور میں ائمہ صوفیہ کے تلامذہ نے تصوف کے صالح افکار کی شیرازہ بندی بھی شروع کر دی۔

تاریخ کے جھروکے سے یہی سراغ ملتا ہے کہ تصوف کی اولین کتاب شیخ حارث محاسبی قدس سرہ (م ۲۴۳ھ) کی ”الرعاۃ لِحقوق اللہ“ ہے جس میں تصوف کا بھرپور جائزہ پیش کیا گیا ہے اور محاسبہ نفس پر خاص زور دیا گیا ہے۔

(أردود دائرۃ معارف اسلامیہ، لاہور ۶/۲۳۲)

اس کے بعد اس موضوع پر اعلیٰ قسم کی مختلف کتابیں تصنیف ہوئیں۔ پھر آگے چل کر حضرت امام غزالی اور سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی گرانقدر تصانیف میں اسے باضابطہ اخلاقی اور روحانی فن کی حیثیت دیدی اور یہ واضح فرمایا کہ تصوف کا سرچشمہ قرآن حکیم اور احادیث طیبہ ہیں اور اسلام کے اس سرچشمہ

حیات کو شفاف کر کے اسلام دشمن عناصر کی سازشیں ناکام کر دیں۔
حضرات صوفیہ کی تعلیمات کے تین بنیادی اصول تھے:

- ۱- ہر صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے اجتناب۔
 - ۲- ہر مشکل اور آسان فرض کی ادائیگی۔
 - ۳- دنیا کو اہل دنیا کے لیے چھوڑ دیا جائے تھوڑی ہو یا زیادہ۔ بس اسی قدر پر اکتفا کی جائے جتنی ایک مومن کے لیے ضروری ہو۔ (اللمع فی التصوف - ص ۶۶)
- اس فن کی چند اہم اور مستند کتابیں یہ ہیں:

- ۱- الرعاۃ لحقوق اللہ - شیخ حارث بن اسد محاسبی - ۲- اللمع فی التصوف - ابو نصر عبد اللہ بن علی سراج طوسی (م ۳۷۸ھ) - ۳- التعرف لمذہب اہل التصوف - شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم بخاری کلاباذی (م ۳۹۰ھ) - ۴- قوت القلوب - شیخ ابوطالب مکی - ۵- طبقات الصوفیہ - شیخ ابوعبدالرحمن محمد بن حسین سلمی نیشاپوری (م ۴۱۲ھ) - ۶- حلیۃ الاولیاء (۱۰ جلدیں) - شیخ ابونعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی - ۷- رسالہ قشیریہ - ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری نیشاپوری - (ت ۴۳۷ھ) - ۸- کشف المحجوب - حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری (م ۴۶۵ھ) - ۹- احیاء علوم الدین - ۱۰- کیمیائے سعادت - ۱۱- مکاشفۃ القلوب - امام ابو حامد محمد غزالی (م ۵۰۵ھ) - ۱۲- فتوح الغیب - ۱۳- الفتح الربانی - ۱۴- غنیۃ الطالبین - سرکار غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) - ۱۵- آداب المریدین - شیخ ابوالنجیب سہروردی - ۱۶- فتوحات مکیہ - ۱۷- فصوص الحکم - شیخ اکبر محمد بن الدین ابن عربی - ۱۸- مرصاد العباد - شیخ نجم الدین رازی معروف بہ نجم دایہ - ۱۹- فیہ مافیہ - جلال الدین رومی - ۲۰- لمعات - شیخ فخر الدین عراقی - ۲۱- مصباح الہدایہ - شیخ عز الدین محمود بن علی کاشانی - ۲۲- عوارف المعارف - شیخ شہاب الدین سہروردی - ۲۳- مکتوبات صدی - ۲۴- مکتوبات دو صدی - ۲۵- خوان پر نعمت - مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری - ۲۶- نجات الانس - علامہ عبد الرحمن جامی - ۲۷- الطبقات الکبریٰ - امام عبد الوہاب شعرانی - ۲۸- تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف - شیخ عبدالحق محدث دہلوی - ۲۹- سبع سنابل شریف - میر عبد الواحد بلگرامی - ۳۰- مقال عرفا باعزاز شرع وعلما۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہم۔

متحدہ ہندوستان کی سرزمین علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں بھی ہمیشہ زرخیز رہی۔ اس خطہ ارضی پر اسلام کی اشاعت میں بیشتر حصہ حضرات صوفیہ کا ہے۔ یہاں کی فضاؤں میں ان کے پرسوز نالے، ذکر و فکر کی خوشبوئیں، درس و افادات کے آوازے اور تصنیف و تالیف کے ہمے گونجتے رہے۔ مطالعہ اور مراقبہ اس طبقے کا محبوب شغل رہے۔

تاجدار سلسلہ برکات تہ سلطان العاشقین صاحب البرکات سیدنا شاہ برکت اللہ عتیقی مارہروی قدس سرہ کی عام کریمانہ ہدایت تھی:

”ہمیشہ یاد الہی میں مشغول رہیں اور فقہ و سلوک کی کتابیں دیکھنے سے الفت رکھیں اور ان کے موافق عمل کریں۔“

یہی سبب ہے کہ عہد قدیم کی ہر خانقاہ کے ساتھ مسجد اور دارالعلوم کا الحاقیہ ضرور نظر آتا ہے۔ علامہ جامی کا یہ شعر بھی اس کا گواہ ہے۔

خوشا مسجد و مدرسہ، خانقاہ ہے

کہ دروے بود قیل و قال محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

ہندوستان کی صوفیانہ تصانیف کو چار خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- ۱- متقدمین صوفیہ کی کتابوں کی شرحیں اور حاشیے۔
- ۲- ملفوظات و مکتوبات مشائخ کے مجموعے۔
- ۳- اوراد و اذکار کے مجموعے۔
- ۴- مستقل تصانیف۔

ہر ایک موضوع پر بہتری کتابیں مل جائیں گی۔ ”اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں“ کے اندر اس ذیل کی سینکڑوں کتابوں کی فہرست موجود ہے لیکن اس طوالت کے باوجود وہ بہت تشنہ ہے۔ ان سبھی اصناف کی کتابوں میں کاشف الاستار شریف ایک نرالی شان کی جامع العلوم صوفیانہ تصنیف ہے۔ اس ایک تصنیف میں ایسی جامعیت ہے کہ چاروں خانے اس کے دائرے میں سمٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس میں کتب متقدمین کی تشریحات بھی ہیں، مشائخ کے ملفوظات بھی، گرانقدر مکاتیب بھی

ہیں اور ذاتی تحقیقات بھی اور اذکار و اشغال کا تو خاص ذخیرہ ہے۔ ان سب کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ سماجی اور خاندانی تاریخ، بزرگوں کے حالات، ذاتی تجربات، طبی نسخہ جات، حتیٰ کہ طبخانی کے نمونے بھی درج ہیں۔ ایسی دلچسپ، مختصر، جامع، ہمہ جہت اور معلوماتی کتاب، کتب تصوف کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ذخائر میں کم از کم ناچیز کی نگاہ سے تو نہیں گذری۔

اس گرامی تصنیف کے خصائص و امتیازات پر بہت کچھ لکھا جائے گا۔ کتاب منظر عام پر آ رہی ہے۔ اہل نظر اس کے مطالعہ سے اپنے ذوق کو تازگی بخشیں گے اور اس کی خوبیوں کا اعتراف بھی فرمائیں گے۔ احقر تو بے بضاعت اور معمولی نوشت و خواند کا انسان ہے لیکن پھر بھی اس کوتاہ نظر کو اس تصنیف میں جو جمالیاتی پہلو نظر آئے، جو خوبیاں محسوس ہوئیں، ان کے اجمالی تعارف سے یکسر قلم کشاں گزر جانا بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اس لیے کچھ تعارفی گوشے سامنے رکھتا ہوں۔

کاشف الاستار شریف۔ کمالات و محاسن کا گلستاں:

سیدنا شاہ محمد حمزہ عینی قدس سرہ نے اس کتاب کی تصنیف کی تمہید مولانا سید سعد الدین علیہ الرحمہ کے چند سوالات کے توسط سے اٹھائی ہے۔ سعدی استفسارات نے بھی معمولی نہیں بڑے پیچیدہ اور گہرے گہرے گوشے اٹھائے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا سید سعد الدین بھی اعلیٰ عرفانی ذوق رکھتے تھے۔ بہت اعلیٰ صوفیانہ نکات پر مشتمل جوابات کے بعد حضرت عینی نے اپنے جد بزرگوار سندحققین سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ کی حیات طیبہ اور تصانیف کا تعارف پیش کیا ہے، پھر قدرے تفصیل کے ساتھ اپنے جد کریم حضور صاحب البرکات، والد ماجد برہان الموحدین سیدنا شاہ آل محمد اور ان کے درویشوں اور مستفیدین (قدست اسرارہم) کے کوائف بیان فرمائے ہیں۔ یہ سوانحی حصہ خاندان برکات کے بہت سے قیمتی اور نادر تاریخ گوشے رکھتا ہے جو خواص کی نگاہوں سے بھی شاید پوشیدہ ہوں۔ یہ گوشہ اس نہج سے خاصا اہمیت کا حامل ہے اور خانقاہ عالیہ برکاتیہ کی تاریخی عظمتوں کی روشن دستاویز۔ حضرت عینی نے والد ماجد برہان الموحدین سیدنا شاہ آل محمد قدس سرہ کے

حالات کے ذیل میں حضرت کے زیر استعمال رہنے والے نسخہ جات پھر عملیات کی تفصیل پیش فرمائی ہے۔

غرض مختلف الجہات موضوعات اور متنوع مضامین کو اس خوبصورتی کے ساتھ سمیٹا ہے کہ سارے مضامین ایک دوسرے سے منسلک نظر آتے ہیں۔ کہیں بھی کسی قسم کی بے ربطی اور ناہمواری کا قطعاً احساس نہیں ہوتا۔ ترتیب کا یہ حسن اور مشمولات کی یہ جاذبیت ہی ہے جو قاری کو ہر قدم پر ساتھ لیے رہتی ہے۔ ترتیب کا یہ حسن اپنی جگہ لیکن بیان کی سلاست اور مضامین کی ندرت اور تنوع نے اسے انفرادیت کی جیسی دیدہ زیبی بخشی ہے، وہ اسے کتب تصوف کی صفوں میں بہت ممتاز کر دیتی ہے۔ بیان کی سلاست ایسی ہے کہ دقیق سے دقیق معانی پانی ہوئے جاتے ہیں۔ کہیں بھی الفاظ کی تہیں مفہوم کو دہرائی ہوئی محسوس نہیں ہوتیں، عبارتوں کے پیچ و خم میں معانی گم ہوتے نہیں دکھائی دیتے۔ جو کچھ ہے وہ کھلا کھلا اور دھلا دھلا سا ہے۔ اسلوب اتنا دلنشین ہے کہ باتیں دل میں اترتی چلی جاتی ہیں۔ سادگی، سلاست اور انسیت سے معمور لب و لہجہ حضرات صوفیہ کی پہچان ہے اور یہ پہچان یہاں کچھ اور گہری معلوم ہوتی ہے۔

اس تصنیف میں حضرت عینی کے عہد اور سماج کا ایک اچھا تاریخی نقشہ سامنے آتا ہے، خصوصاً نوابان بخش کی تاریخ مرتب کرنے والے اس تصنیف لطیف میں اپنے موضوع سے متعلق خاصا مواد پائیں گے۔ اس کتاب مستطاب کے مطالعے سے خاندان برکات کے روحانی فیوض، اسلامی مرکزیت اور اعلیٰ مدارج سلوک کا بھی علم ہوتا ہے خصوصاً عملیات کے باب میں ایک ایک عمل کے جن کثیر در کثیر طریقوں کا ذکر ملتا ہے، اس سے برکاتی خاندان کی روحانی عظمت کا نقش کچھ اور گہرا ہو جاتا ہے۔

حضرت عینی عمل سورہ یٰسین کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

”معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے یہاں سورہ یٰس کے عمل کے بیس سے زیادہ طریقے، سورہ مزمل کے سترہ، حرزیمانی کے سات طریقے اور دو اور طریقے ہیں۔ نادعلی کا عمل گیارہ طریقے کا ہے، سورہ فاتحہ کا عمل سولہ سے زیادہ طریقوں سے ہمارے پاس موجود ہے۔ یہاں پر صرف وہ طریقہ ہائے عمل درج کئے گئے جنہیں والد ماجد قدس سرہ نے رائج فرمایا اور مقصد کے حصول کے لیے ہر ایک کو اجازت مرحمت فرمائی۔

دوسرے ہر قسم کے اعمال درویشوں کو چلے میں مرحمت فرماتے۔ چونکہ ان سورتوں میں موکلات بھی شامل ہیں اس لیے جلالی اور جمالی پرہیز کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔“
(کاشف الاستار، قلمی)

اسم ”یادوح“ کے بارے میں فرماتے ہیں:

”تمہیں علم ہونا چاہیے کہ اس اسم جلالت کا ہمارے یہاں تقریباً تین سو عمل محفوظ ہے۔ ابھی بس اسی قدر لکھتا ہوں کیونکہ اس کتاب میں راہ اطناب مسدود ہے“
لطف کی بات یہ ہے کہ یہ کثیر در کثیر، متنوع اور ہمہ جہت معانی کے گراں بہا ذخیرے حضرت نے کمال اختصار اور حسن ایجاز کے ساتھ مختصر صفحات میں سمو دیئے ہیں۔ سوائے دو تین بحثوں (ذکر بالجہر، وحدت الوجود وغیرہ) کے کہیں بھی مفصل انداز بیان نہیں ملتا۔

اس تصنیف لطیف کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں نادر فوائد، اچھوتے مضامین کا انبار نظر آتا ہے۔ کم لفظوں میں بڑے قیمتی افادات درج فرمائے ہیں جن سے مقامات تصوف کے فہم میں کافی مدد ملتی ہے اور ان کی برکت سے اس کے رخ زیبا پر غیروں کے اڑائے ہوئے غبار دھلتے چلے جاتے ہیں۔

شریعت اور طریقت دونوں ایک ہیں، لفظ الہ کا مفہوم، عرفاء کا کلام سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، قضا اور قدر کی تشریح، نماز معکوس کی توجیہ، مریدی کی حقیقت، مجاذیب سے دور رہنا چاہیے، حالت صحو و افگی کی کیفیت سے افضل ہے، دل کے امراض کی صالح تدبیر، عجیب و غریب اسرار، نماز کے آداب کی رعایت سب سے بڑی ریاضت ہے، اصل مقصود اللہ ہے اشغال واذکار صرف ذرائع ہیں، ذکر کے آداب جیسے ذیلی عناوین اور افادات دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں یہاں صرف ایک اقتباس نقل کرتا ہوں جسے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے بھی کاشف الاستار شریف کے حوالے سے اپنے فتاویٰ میں نقل فرمایا ہے۔ حضرت عینی رقم طراز ہیں:

” (فائدہ) حضرت والد ماجد فرمایا کرتے: لوگ ریاضت اور چلے کی ہوس کرتے ہیں نماز کے آداب و ارکان کی رعایت سے بڑھ کر نہ کوئی ریاضت ہے، نہ کوئی مجاہدہ۔ فرض اور سنت نمازوں کو فرمان رسالت کے مطابق ادا کرنا بہت مشکل ہے۔

پنچوقتہ نمازیں جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنا اور زیادہ دشوار ہے۔ صرف ان لوگوں پر دشوار نہیں جو ساری عمر اس کا مکمل اہتمام کرتے رہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا لَکَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ۔

حضرت یہ بھی فرمایا کرتے: بہت سے مرتاض افراد دیکھے گئے جو ریاضت اور اس کے آداب کا تو خوب اہتمام کرتے ہیں لیکن آداب نماز کی رعایت میں غفلت کرتے ہیں۔ ایسوں کی ریاضت محض ریاکاری اور خود نمائی کیلئے ہوتی ہے۔ فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُرَاؤُونَ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ“
غرض ایک جہان معانی ان گراں بہا صفحات میں سمٹا ہوا ہے۔ یہ تصنیف لطیف علوم و فنون اور معانی و مفاہیم کی ایسی تھیں کھولتی نظر آتی ہے جو بہتیری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔ یہاں اسرار دروں کے حجابات اٹھتے ہیں اور اس کے بطن سے باطنی اور ظاہری علوم کا ایک خوبصورت جہان نمودار ہوتا ہے۔

حضرت مصنف نے اس تصنیف کا آغاز پینیسٹھ سال کی عمر (۱۱۹۶ھ) میں فرمایا اور وصال (۱۱۹۸ھ) سے ذرا پہلے اس کی تکمیل ہوئی۔ یہ عجب اتفاق ہے کہ حضرت عینی اور حضرت حقانی دونوں حضرات نے اپنی عمر کے اس حصے میں تصنیف کا قلمدان سنبھالا جس میں انسان آلام روزگار اور ضعف و نقاہت سے تھک کر بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن بزرگوں کے معاملات عام انسانوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ عمر کے انحطاط کے ساتھ ساتھ ان حضرات کی روحانی توانائیاں اور بڑھتی رہتی ہیں۔ اور ایسے کام تو ایمان اور روح کی توانائیوں کے سہارے ہی انجام پاتے ہیں۔

کاشف الاستار شریف، تکمیل کا مرحلہ طے کرتے ہی خصوصی قبولیت سے سرفراز ہوئی۔ خاندانی بزرگ اور خانقاہ کے فقرا اسے حرز جاں بنائے رہتے۔ سبع سنابل شریف اور کاشف الاستار شریف اس خاندان عالی شان کے دستور العمل میں شمار ہوتی ہیں اور راہ سلوک کی راہنما۔ سرکار نور نے خود اس کی وصیت فرمائی ہے۔ چنانچہ ”سراج العوارف“ میں فرماتے ہیں:

”اس فقیر کے خاندان والوں میں اگر کسی کو توفیق الہی نصیب ہو اور اسے راہ سلوک پر چلنے کا شوق ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے سلسلے اور خاندان میں، جو بحمدہ تعالیٰ نجات

وکامیابی کا صحیح اور درست مسلک ہے، داخل ہو کر اپنی تعلیم کے لیے حضرت میر سید محمد کاپوٹی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالہ ”عمل معمول“ پر عمل کرے اور یوں ہی جد بزرگوار سیدنا شاہ حمزہ نور اللہ مرقدہ کی کتاب مستطاب ”کاشف الاستار شریف“ اور حضور صاحب البرکات قدس سرہ کے رسالہ ”چہار انواع“ اور ”عوارف ہندی“ وغیرہ اور حضور سیدنا آل احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہ کا رسالہ مبارکہ ”تر بیت مریداں“ کا مطالعہ کرے اور راہ سلوک میں ان کے مطابق عمل کرے۔ بفضلہ تعالیٰ علم باطنی سے کافی حصہ پائے گا اور کسی اور شیخ کی تلاش کی اسے حاجت نہ ہوگی۔ فقیر کی نصیحتوں میں سے یہ نصیحت بھی یاد رکھنے کے لائق ہے، اسے بیکار نہ سمجھیں۔“ (سراج العوارف)

خانقاہ برکاتیہ سے روحانی اور عملیاتی فیض اٹھانے والے سبھی حضرات اس کی نقلیں اپنے پاس رکھتے اور آج بھی رکھتے ہیں۔ اس کے مختلف خطی نسخے لائبریریوں میں بھی ملتے ہیں۔ مولانا آزاد لائبریری کے احسن کلکشن میں بھی اس کا خطی نسخہ موجود ہے۔ زیر مطالعہ نسخہ حضرت سید شاہ غلام محی الدین امیر عالم قدس سرہ (۱۲۲۳ھ-۱۲۸۶ھ) کا تحریر فرمودہ ہے۔ اس پر سال نقل تحریر نہیں۔ البتہ حضرت کے منجملہ شاہزادے سید نور الحسن کی یہ تحریر اخیر میں مہر کے ساتھ ملتی ہے:

”سید نور الحسن المعروف بہ منجملہ صاحب دوازدہم شہر جمادی الاخریٰ ۱۲۶۳ھ“ اس دستخط سے اتنی بات متعین ہوگئی کہ یہ مخطوطہ ۱۲۶۳ھ سے پہلے کا ہے۔ ابتدائی صفحات میں یہ جملے ملتے ہیں:

”ہذا الكتاب المستطاب من ملک احقر زمن سید نور الحسن خلف حضرت سید شاہ غلام محی الدین الخطاب بہ سید امیر عالم حسین قدس اللہ سرہ العزیز۔ نسخہ کاشف الاستار در سال ۱۲۶۰ھ در دار السلطنت لکھنؤ بجلد رسید۔“

اس تحریر سے معلوم ہوا کہ یہ مخطوطہ ۱۲۶۰ھ سے پہلے تحریر کیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے حضرت امیر عالم قدس سرہ نے عہد شہاب میں اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا، جب آپ کی عمر شریف میں پینتیس سال رہی ہوگی۔ یہ مخطوطہ بہت خوش خط اور صاف ہے اور روشنائی نیلی اور سرخ استعمال کی گئی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ نقلی تصامحات سے یہ مخطوطہ بہت حد تک پاک ہے۔

یہ نسخہ حضرت ناقل کے خلف اوسط حضرت سید نور الحسن منجملہ صاحب علیہ الرحمہ کے توسط سے سرکار نور سیدنا شاہ ابوالحسنین احمد نوری قدس سرہ کے دست کرم میں آیا۔ سرکار نور کی یہ عبارت اولین صفحے پر تحریر ہے:

”بار دیگر این کتاب کاشف الاستار در سال ۱۲۸۷ھ در بدایوں مجلد کرانده شد، معرفت فقیر ابوالحسنین احمد نوری عرف میاں صاحب۔“

پھر حضرت تاج العلماء سے سنبھالے رہے۔ حضرت کا یہ دستخط اس کا گواہ ہے: ”اس کتاب مبارک کاشف الاستار ملک محمد میاں قادری عفی عنہ ۸ شعبان ۱۳۶۳ھ“ حضرت تاج العلماء کے وصال کے بعد ان کے سارے علمی اور دیگر تبرکات احسن العلماء، افضل الاصفا سید شاہ مصطفیٰ حید حسن قادری برکاتی قدس سرہ کے حصے میں آئے، اسی میں کاشف الاستار کا مذکور نسخہ بھی تھا۔ حضرت نے ابتدا کے اضافی صفحات میں یہ تحریر اپنے دست مبارک سے رقم کی:

”بسم الله الرحمن الرحيم“

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم والہ واصحابہ وعلینا معہم کتاب مستطاب کاشف الاستار شریف مصنفہ جد اعلیٰ حضور سید شاہ حمزہ عینی قادری برکاتی چشتی بلگرامی مارہروی قدس سرہ العزیز کہ جد گرامی اس فقیر است، ملکیت (فانی) اس کتاب بایں فقیر برکاتی سید مصطفیٰ حید حسن عفی عنہ ساکن مارہرہ تعلق می دارد۔ کہے کہ دعویٰ ملکیت کند، باطل گردد۔

کتاب مستطاب بہ شہر علی گڑھ بجلد رسید بسعہ برخوردار سید محمد امین برکاتی ولی عہد سجادہ برکاتیہ مارہرہ ضلع ایٹہ مجلد گشت ۱۹۸۱ء

سید حسن عفی عنہ بقلم خود

یکم جنوری ۱۹۸۲ء

اب یہ علمی اثاثہ حضرت امین ملت پروفیسر سید محمد امین قادری برکاتی دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف کی ملکیت ہے۔



فص الکلمات شریف:

اسد العارفین سیدنا شاہ محمد حمزہ عینی قدس سرہ کی یہ مبارک تصنیف دو جلدوں پر مشتمل ہے جو ابھی تک قلمی صورت میں خاندان برکات کے ذاتی ذخیرہ کتب میں محفوظ ہے۔ کاشف الاستار شریف کی طرح اس میں بھی تصوف کے حقائق و دقائق کا قدرے مفصل بیان ہے۔ حضرت عینی نے کاشف الاستار میں کئی مقام پر مذکورہ مسئلہ کی تحقیق کو فن الکلمات شریف کے حوالے کر دیا ہے۔ جیسا کہ جنات کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اس مسئلہ کو فص الکلمات کے کلمہ جن کے ذیل میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ کاشف الاستار شریف میں صوفیانہ مسائل کی تشریحات بھی ہیں، اور ادواذکار اور تعویذات و اعمال کا خاصا ذخیرہ ہے، خاندانی حالات بھی ہیں، بزرگوں کے احوال و کوائف بھی لیکن فص الکلمات (کلمات کا گنبد) میں ”کلمہ“ کے عنوان سے مختلف صوفیانہ اصطلاحات وغیرہ پر تحقیق اور مفصل گفتگو موجود ہے۔ کتاب ابھی پیش نگاہ نہیں، اس لئے مندرجات کا تفصیلی تعارف پیش نہیں ہو سکتا۔ دستیابی کے بعد اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی سعادت حاصل کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔



مثنوی اتفایہ

اسد العارفین سیدنا شاہ محمد حمزہ عینی مارہروی قدس سرہ

ترجمہ: ساحل شہسرامی (علیگ)

حضرت عینی کی طویل مثنوی اتفایہ تین قسم کے مضامین تصور کا احاطہ کرتی ہے۔ (۱) فنا فی الشیخ (۲) عشق حقیقی (۳) عظمت مصطفوی۔ یہ تینوں مضامین آپ کو تصوف کی ہر کتاب میں قریب قریب مل جائیں گے۔ لیکن حضرت عینی کی شاداب فکر نے جو بیانیہ طور اختیار فرمایا ہے، اس کی اٹھان ہی جدا گانہ ہے۔ پہلے آپ نے مخدوم جہاں کے ایک مایہ ناز مرید مراد نوشہرہ تو حید حضرت شمس الدین مظفر بلخی کی اپنے شیخ میں فنایت کا واقعہ

بیان فرمایا ہے پھر عشق حقیقی کی ماہیت بیان کی ہے۔ اس میں جو انداز بیان اختیار فرمایا ہے، وہ ظاہر بینوں کے سارے شبہات ختم کر دیتا ہے۔ پھر حضرات صوفیہ کی توصیف میں آپ کا ہزار قلم زمرہ منہج ہوتا ہے۔ پھر سرکار کائنات سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے مثل و بے مثال مدحت رقم فرمائی ہے۔ ساری کائنات، سرکار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں میں جھکی ہے اور ایک مداح رسول، اپنے جد کریم اور مقدس رسول کی عظمتوں کے گن گاتا جا رہا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ خانقاہ برکاتیہ کے اکابرین کو حاصل شدہ سارے سلاسل اور سلسلہ قادریہ برکاتیہ کے سارے شاخ کا ذکر جمیل بھی اسی مدحت رسول کے جلو میں آتا چلا جاتا ہے، یوں یہ نعت مصطفیٰ بھی ہے اور شجرہ عالیہ قادریہ برکاتیہ بھی۔ زبان و بیان کی آب و تاب اپنی جگہ۔ پڑھئے اور داد دیتے جائیے ۱۲ ساحل

- ۱- شیخ شمس الدین مظفر بلخی است پیش نورش شمس دنیا سلخی است
- ۲- بیعت اورا ہست باشرف جہاں آں شرف یحییٰ منیری بے گماں
- ۳- غرق بد در بحر عشق شیخ خویش کہ نہ اورا فکر پس بود ونہ پیش
- ۴- از قضا آں شمس در دریا فتاد غوطہ خورد ونا امید از جان شاد
- ۵- در ہماں حالت رسول مصطفیٰ دست خود داد از رہ لطف و شفا
- ۶- تا بروں آرد ز گرداب عمیق دست پیغمبر نہ گرفت آں غریق
- ۷- ہم چنین دو مرتبہ آں دست گیر دست خود سولیش رساند از روئے پیر
- ۸- او نا سنجیدہ نہ دیدہ سوئے کس ہم چناں غوطہ خوراں در جوئے بس
- ۹- تاکہ آمد شیخ او شرف زماں داد دست خود گرفت از قعر آں
- ۱۰- پس بگفت آں دم کہ اے شمس شرف چوں ندادی دست در دست شرف
- ۱۱- مارمیت از رمیت شصت اوست آں ید اللہ فوق ایدی دست اوست
- ۱۲- جاں ہی دادی تو در بحر فنا ایں چہ بد ہوش وتمیز اے آشنا
- ۱۳- پس بگفتا من ندانم از الست ہیچ دستے جز یدت باللہ دست

۱۴- روزِ محشر چوں نماید حق جمال من نہ بینم سوئے او در ہیج حال
۱۵- روئے تو بینم، نہ بینم سوئے او کوئے تو خواہم نہ خواہم کوئے او
۱۶- رویت حق زیں سبب شد در نقاب رویت پیرست این جا بے حجاب
۱۷- رویت او رویت حق داں نہ غیر خواہ در مسجد بین و خواہ دیر
۱۸- یوم بعثت گر شفاعت خواہ من جز تو کس دیگر باشد آہ من
۱۹- من نمی خواہم شفاعت ہیج کس ما سوئے تو شفیع خویش بس
۲۰- اللہ اللہ حالت سودائیاں ہیں بیا و بنگر این جا در عیاں
۲۱- چیست این عشق و محبت این کلام سرزد از شمس شرف از اہتمام
۲۲- این سر و سودا بجان اعتقاد عاشقان را بیش باد و کم مباد
۲۳- وائے صدوائے از کسان ناکساں چیست آل خرقہ پوشان زماں
۲۴- یک دل و یک عشق، یک پیرت بس است اعتقادت بس اگر پیرت خس است
آری فقیر در اں مثنوی چیزے در نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نوشتہ و تشبیہ و مخلص آں را بنوعی ادا کردہ شدہ کہ دیگر جاکم اتفاق افتادہ باشد۔

۲۵- یک قلندر راہ ہیں بس خوب گفت در سوال معرفت لولو بسفت
۲۶- معرفت حق چیست گفتا جان من آں نتیجہ داں زبے کاری تن
۲۷- کار بے کاراں بود عرفاں بداں پس رہ عرفاں بہل چوں دیگر اں
۲۸- کار خود کن راہ بے کاری مرو آنچہ کاری عاقبت باشد دو
۲۹- در تلاش حق گمراہاں آسیا ایں بود فعل عبث اے آشنا
۳۰- طلب حق بگذار و جست و جو کن بے طلب شو تا نہ باشی در محن
۳۱- راہ خود پیش آر و فکر ناں بکن باش با اہلان و فرزندان و زن
۳۲- آں نماز و روزہ کن چوں زاہداں بانگ گوصلن و سلم خواں ہماں
۳۳- از خدا خائف باش و از رسول جرم خود را در نظر دار از اصول
۳۴- وقت خود را صرف کن در نحو صرف تا بدانی صیغہ و ترکیب حرف
۳۵- علم تفسیر و حدیث و فقہ خواں مسئلہ وضو و تہذیب را بخواں

۳۶- با فتاویٰ شغل خود دار اے فتی از قدوری منیہ برگو مسئلہ ہا
۳۷- جائے خود اکثر در مسجد بکن در امور شرع جہد وجد بکن
۳۸- لقمہ خود از حلال وجہ جو گندم از گندم بروید جو ز جو
۳۹- پس دعائے قدح و عکاشہ بخواں پنج سورہ نیز ورد خود بداں
۴۰- بر سر قبر بزرگاں با نیاز نیت خود صاف کن از حرص و آرز
۴۱- فی سبیل اللہ و راہ شرع رو بے خطر ہست ایں طریق اے راہ رو
۴۲- ایں روش صافست و پچا پچ نیست طرز صوفی کث مثر است و ہیج نیست
۴۳- ایں طریق ار خوش بخاطر نایدت باش بر وضع کہ دل می خواہدت
۴۴- عاقلان را در صف سودائیاں کے روا باشد جلوس ہر زماں
۴۵- بازی ایشاں مخور گر عاقلے جانب ایشاں برو گر جاہلے
۴۶- کار شاں جملہ دعا و مکر داں نقد تاں گیرند جملہ بے گماں
۴۷- می ربایند ہستیت از حرص و آرز ہم چناں باشد دہن ایشاں فراز
۴۸- در فریب خلق یکتائے زماں گم رہی آمد شعار ذات شاں
۴۹- راہ ایشاں منحرف از جاہدہ ہا جام شاں بے رنگ داں از بادہ ہا
۵۰- آنچہ نزدت خوب باشد اے بصیر نزد شاں بالعکس باشد خو پذیر
۵۱- ہر چہ محسوس است نزدت را اینگاں پیش شاں مفعول باشد جاوداں
۵۲- پیش ایشاں در کجی بس راستی است راستی را در کجی بس آشتی است
۵۳- صد ہزاراں نزد ایشاں یک ہزار باز باشد یک ہزارت صد ہزار
۵۴- پیش ایں زمرہ قلیل آمد کثیر در لطیف آمد کثیف دل پذیر
۵۵- قطرہ را گویند بحر بے کنار ذرہ را گویند شمس تاب دار
۵۶- چوں پرسی از طریق انتہا باز گویند انتہایم ابتدا
۵۷- زشت را گویند ایں نیک است داں پشت را گویند ایں روئے عیاں
۵۸- وصل ایشاں بعد و ہجران و فراق ہجر ایشاں وصل داں بے اشتیاق
۵۹- خلق را گویند ایں حق بے نشان حق را خلقے بداں چوں اہلبہاں

۶۰- زہرِ ایشاں شہد باشد خوش نعیم
 ۶۱- نزدِ شاں اعیان نقد در لبس و دل
 ۶۲- باز اعیان پیشِ شاں بگر عیاں
 ۶۳- آنچہ پیدا یست پنہاں گفتم اند
 ۶۴- نزدِ ایشاں نور در تاریکی است
 ۶۵- راستی گویند در خلوت نبین
 ۶۶- بے نشان را در نشان گویند حق
 ۶۷- پیشِ ایشاں حق بود باطل بداں
 ۶۸- ایں طرف را آن طرف، ہم آن ایں
 ۶۹- منقلب طرزان مکارانِ دہر
 ۷۰- حاصلِ ایں قوم دانستی چنین
 ۷۱- چند گوئی قدح و ہجو ایں فریق
 ۷۲- تاکے از قدحِ گروہِ صوفیاں
 ۷۳- در نگر سوئے جنید و بابزید
 ۷۴- ادہم و کرتی فضیل و بوترب
 ۷۵- ہم رویم و نورسی و خراز داں
 ۷۶- حچم دیں کبریٰ و آن شوخِ عرب
 ۷۷- غوثِ اعظم و اں معینِ کمالاں
 ۷۸- و اں بہاء الدین محمد نقشبند
 ۷۹- نامِ ایشاں تا کجا آرم بیاں
 ۸۰- رحمتِ حق باد بر ارواحِ شاں
 ۸۱- غرض از ایجادِ عالم ایں فریق
 ۸۲- خاصہٴ عالم، خلاصہٴ انس و جاں
 ۸۳- بارگاہِ شاں مطافِ آسمان

زنجبین آنہا ست کافور اے حکیم
 بلکہ اعیان نا شمشیدہ بوئے خلق
 نے حق و نے ممکن و نے ایں و آن
 و آنچہ پنہاست پیدا خواندہ اند
 لیلِ ایشاں روزِ ایں تاریکی است
 کذب را خوانند در جلوت یقین
 لا مکاں را در مکاں دانند حق
 باز باطل حق بود تو کثرِ مخواں
 دینِ شاں کفر است ہم کفرست دیں
 منکرِ اطواران طرارانِ دہر
 راہِ ایشاں ایں سخن ایں طور ایں
 از رہِ انصاف مگذر اے رفیق
 بہر خاطر ہائے پوچ کوفیاں
 شبلی و ذوالنون و رومی و فرید
 آں سرتی سقسی و رازی و قصاب
 خرقاتی ہم شفیق آمد عیاں
 تستری و بوسعید پر طرب
 سہوردی آں شہابِ آسمان
 یاقعی و شاذلی دل پسند
 بے شماراں ہم عیان و ہم نہاں
 و ملائک ہم صلوةٴ جاوداں
 عرضِ کونین است پیشِ ایں شفیق
 بہر ایشاں ایں ہمہ کون و مکاں
 بر سرِ شاں دورہٴ روحانیاں

۸۴- جاے ایشاں سجدہٴ افلاکیاں
 ۸۵- دائما قائم مقام حق بداں
 ۸۶- مکرِ ایشاں مکرِ حق داں بالیقین
 ۸۷- طمطراق و آن او با شانِ حق
 ۸۸- شانِ ایشاں کل یوم فیہ شان
 ۸۹- خانہٴ بردوش اند و عالم خان و ماں
 ۹۰- مہربان و مشفق، غمِ خوار گاں
 ۹۱- رہبرانِ گربان و عاصیاں
 ۹۲- حارسانِ حق زدام ممکنات
 ۹۳- سیدانِ قوم، مولائے ہمہ
 ۹۴- ایں ہمہ شور و فغان و ایں شکوہ
 ۹۵- بہر ایشاں ایں سما وارض ہست
 ۹۶- بہر ایناں ایں فسون و غلغلہ
 ۹۷- بہر ایشاں بہر ایشاں ایں غلو
 ۹۸- ایں ہمہ زمرہ کہ شانِ شاں بیاں
 ۹۹- بر درِ یک خانہٴ محتاج وار
 ۱۰۰- ایں گدایانِ درِ یک بادشاہ
 ۱۰۱- بچو حیدر از سلح دارانِ او
 ۱۰۲- زین و باقر غاشیہ دارانِ وے
 ۱۱۰۳- آں رضا معروف از دربانیش
 ۱۰۴- آں جنید از سلسلہٴ دارانِ وے
 ۱۰۵- بے قرارانِ رہش شبلی بداں
 ۱۰۶- بوالفرح بوالحسن پیشش در سجود
 ۱۰۷- غوثِ اعظم باوجودِ عزّ و جاہ

نامِ ایشاں سجدہٴ ملاکیاں
 نے غلط بازوے حق داں بے گماں
 نائبِ اللہ خیر الماکریں
 گر بینی جلوہٴ آید شانِ حق
 جانِ ایشاں جانِ جانانِ جہان
 حلقہٴ درگوش اند فرماں شاں رواں
 شاہِ شاہاں، چارہٴ بے چارگاں
 در شبِ یلداے چوں ماہِ عیاں
 وارثانِ دید احمد عینِ ذات
 مہترانِ شہر، طبائے ہمہ
 ویں ہمہ غوغا برائے ایں گروہ
 بہر ایناں ایں بیانِ عرض ہست
 ہست ایں ہنگامہ و ایں ولولہ
 بہر ایناں بہر ایناں ایں جلو
 کردم اندر سطرِ ایں کاغذ عیاں
 بسےٴ فتراکِ یک عالی شکار
 فرشِ راہِ خانہٴ یک خانقاہ
 و اں حسین از خانہٴ زادانِ ہمو
 جعفر و کاظم ز سرشارانِ وے
 آں سرتی محکومِ حکمِ رانیش
 تابعِ یک حکم و در فرمانِ وے
 ہست واحد بر درش از ساکلاں
 بوسعید پیش او باشد جمود
 پیشِ دہلیز ویش جویاں پناہ

۱۰۸- آں رزاق از مہترین کہتراں
 ۱۰۹- ہم علی موسیٰ بسویش در نماز
 ۱۱۰- آں بہائے ایرجی یک شمعہ اش
 ۱۱۱- آں جمال از عاجزان درگش
 ۱۱۲- ہست فضل اللہ محتاج وگدا
 ۱۱۳- عاشق آں کوئے برکات الہ
 ۱۱۴- سید آل محمد از ولا
 ۱۱۵- دیگرے ہم ایں روش بر آستان
 ۱۱۶- سلسلہ جنبان او باشد مدام
 ۱۱۷- خاک لیس کوئے او ہر صبح و شام
 ۱۱۸- ایں ہمہ یک شجرہ از باغ وے
 ۱۱۹- ہم چنیں بشنو بیان دیگران
 ۱۲۰- ہست صدیق از جلو داران آں
 ۱۲۱- بہلہ دارانش بود عثمان غنی
 ۱۲۲- آہ حسن بصری براہش خرقتہ پوش
 ۱۲۳- بود ادہم سلطنت برباد داد
 ۱۲۴- بایزیدا از یزک داران وے
 ۱۲۵- واں معین الدین ترانہ گوئے او
 ۱۲۶- آں بہاء الدین خولجہ نقشبند
 ۱۲۷- آں عبید اللہ ز ایشک باشیاں
 ۱۲۸- نقش نعلینش شہاب الدین بود
 ۱۲۹- داں بدیع الدین سیہ پوشان او
 ۱۳۰- شیخ محی الدین عربی ہم بدام
 ۱۳۱- بندہ او میر عبد الواحد است
 صالح و بونصر ہم از کمتران
 آں حسن احمد بکولیش در نیاز
 آں بھکاری وجیا یک لمہ اش
 آں محمد احمد خاک درش
 پیش باب او بود قائم بپا
 نام احمد ورد او شام و پگاہ
 در رہ او کردہ جان و دل فدا
 انتظار لطف آل وے بدان
 دست در جبل المتین زلف دامن
 لائے خوار بادہ شرب المدام
 ایں بود یک قطرہ از راغ وے
 اسمہائے مہتران و مہتران
 بد عمر از درہ داران ہماں
 بے ولائے او ندارد روشنی
 داں حبیب اعجمی حلقہ بگوش
 تا بگیرد از گدائانش رشاد
 خرقاتی خود مطیع آں وے
 جبہ سایاں در بیان کوئے او
 خاک بوسان درش آں درد مند
 باغلامان در او ماشیاں
 خاک پایش آں جلال الدین بود
 بردر او مست و مدہوشان او
 آں فصوص از حکم او باشد تمام
 ہم جلیل از بندگان واحد است

۱۳۲- ہم فدائے او اولیس از دل بدان
 ۱۳۳- جبریل با کمال قرب وجاہ
 ۱۳۴- جملہ مرسل ز ابتدا تا انتہا
 ۱۳۵- روز محشر زیر علمش در پناہ
 ۱۳۶- غوث و نجبا صوبہ داران ویند
 ۱۳۷- از سفیرانش بدان ابدالہا
 ۱۳۸- ایں ہمہ طغرہ کش فرمان او
 ۱۳۹- بے شماران ایں چنیں بافر وجاہ
 ۱۴۰- چوں کہ ایں محفل بیاں کردی بگو
 ۱۴۱- آں کدام است وچہ باشد رسم او
 ۱۴۲- کایں چنیں شاہاں بدرگاہش گدا
 ۱۴۳- آں کدماں دل ربا باشد بگو
 ۱۴۴- چوں بیاں کردی بمن از شان او
 ۱۴۵- چوں شنیدی نام نچیراں عیاں
 ۱۴۶- بد فقیرے مضجع او بوریا
 ۱۴۷- بود درویشے کہ مازاغ البصر
 ۱۴۸- بد گدائے کہ نشد از نان جو
 ۱۴۹- بود مسکین بر در مسکینیاں
 ۱۵۰- بود محتاجے کہ بہر قرص جو
 ۱۵۱- بر در ہر پیر زن رفتے نزار
 ۱۵۲- آں سریر آرائے ملک لا یزال
 ۱۵۳- آں محمد کو رسول مطلق است
 ۱۵۴- آں اولوالعزمے کہ نامش احمد است
 ۱۵۵- آں موحد کہ احد با میم سفت
 نام پاکش ورد ایں جملہ شہاں
 پیک او باشد بریں قرآن گواہ
 آدم و عیسیٰ بدان تا خالدا
 سایہ اش جویند بہر عز وجاہ
 قطب و نقبا ذلہ خواران ویند
 گرز دارانش بہ فہم اوتاد را
 صد ہزاراں ہمچنیں قربان او
 بر درش افتادہ داں بر خاک راہ
 میر محفل را عیاں ساز اے نکو
 قول و فعلش را بگو وز اسم او
 ہمچنیں خاصاں براہش بے نوا
 کہ ربود از جملہ دلہا را ہمو
 در عیاں آور بمن از آں او
 بشنو اے جاں! حال صیاد جہاں
 فقر فخری افتخار آں شہا
 سوئے گنج مال و سوئے کان زر
 سیر ہرگز در تمامی عمر او
 داشت مسکن با سکون دل و جاں
 نزد بو شحمہ زرہ کرد او گرو
 کالے عجوزہ در دعاہا یاد آر
 آں شہنشاہ جہان بے زوال
 آں رسول کو نمی حق حق است
 صاحب دینے کہ دینش سرمد است
 باز احمد را بلا میم است گفت

۱۵۶- آں محقق بُد کہ تحقیق جہاں
 ۱۵۷- او خدا گم گشتہ را پیدا نمود
 ۱۵۸- او خدایانِ شما را خورد و برد
 ۱۵۹- یک تنہ زد بر صفوفِ مشرکاں
 ۱۶۰- یا خدا یک جاں دو قالب بود او
 ۱۶۱- گنجِ مخفی را نمایاں کرد او
 ۱۶۲- من رانی قد را الحق خواب او
 ۱۶۳- ماضی و مستقبل اورا حال بود
 ۱۶۴- پیشوا او، پس روانش اولیا
 ۱۶۵- صوفیاں را ہیں قطار اندر قطار
 ۱۶۶- ایں جنود اللہ یک انجم سپاہ
 ۱۶۷- قادریاں یک صفِ عالی جناب
 ۱۶۸- لشکرِ ہنگامہ سازِ چشتیاں
 ۱۶۹- نشقندیان ز یکسو با حشم
 ۱۷۰- سہروردیانِ حزبِ باصفا
 ۱۷۱- خود مداریاں صفِ دیوان گان
 ۱۷۲- حیدریاں ہم گروہِ سخت حرب
 ۱۷۳- اہم چنیں عیاضیاں طیفوریاں
 ۱۷۴- سقطیان و طوسیاں فردوسیاں
 ۱۷۵- فوج فوج صوفیان بے شمار
 ۱۷۶- پیش و پس جملہ دواں در راہ او
 ۱۷۷- قافلہ بر قافلہ پویاں ہیں
 ۱۷۸- تا ابد یکساں رواں ایں کارواں
 ۱۷۹- انبیا ہم پیروانِ وے بدان
 ہست از وے در بیان و در عیاں
 در ہمہ آفاق و انفس و نمود
 جملہ معبودانِ عالم را سترد
 کاں چناں اللہ وحدہ شد عیاں
 نے غلط قالب مقلب بود او
 سرّ پنہاں را عیاں آورد او
 من اذانی قد اذی الحق تاب او
 ہم ازل داں ہم ابد یک حال بود
 صف در صف از صفوفِ اصفیا
 عارفاں را ہیں مہار اندر مہار
 پے بہ پے تازاں پئے آں شاہ راہ
 شوکتِ ایشاں نیاید در حساب
 دف زناں، نقارہ کوہاں، نغمہ خواں
 باوقار و با تمکّن محتشم
 زمزمہ خواناں ہمہ مست ولا
 عاشقاں ژولیدہ مویاں دمدماں
 جانِ صاف روئے صاف و چار ضرب
 ادہمیاں زیدیان و کرخیاں
 نوریان شطاریان و عشقیاں
 خیل خیل واصلان ئے صد ہزار
 ناصیہ ایشاں بدستِ ماہ رو
 راہِ ایشاں رحمۃ للعالمین
 در فضائے احمدی روشن رواں
 عسکرِ با حشمت و مکنّت دواں

۱۸۰- گر شماری لشکرِ خاقان چیں
 ۱۸۱- صد چوں قیصر تاج بر کف کاسہ وار
 ۱۸۲- بادشاہانِ جہاں درویش او
 ۱۸۳- ویں ہمہ را یان ہند اندر صدا
 ۱۸۴- پنجہیں حالِ نصاریٰ و یہود
 ۱۸۵- ہندواں ہم شبِ روانِ وے بدان
 ۱۸۶- آں ارسطوئے معلم پیش ہیں
 ۱۸۷- آں بلیسا ہم بود یک شانِ وے
 ۱۸۸- چوں جہاں بہر وے آمد در وجود
 ۱۸۹- نزد طاہر شد یکے درویش راہ
 ۱۹۰- یک سگے می رفت آنجا ناگہاں
 ۱۹۱- ایں حقیقت احمدی باشد رواں
 ۱۹۲- گفت طاہر راست ائمائے ادب
 ۱۹۳- نور احمد چوں کہ از نورِ خداست
 ۱۹۴- چوں کہ خلق از نورش آمد در ظہور
 ۱۹۵- لیک چوں حفظِ مراتب کمالی است
 ۱۹۶- چوں حقیقت دوست ساری در فضا است
 ۱۹۷- ایں روش می رو ترا کار آیدت
 ۱۹۸- گر روی رہ از برائے ترس دار
 ۱۹۹- الغرض احمد عجب سوداگریست
 ۲۰۰- وصف او از من نیاید در بیاں
 ۲۰۱- چوں خدا اورا بود باد فروش
 ہم چنیں فقہور را اسپاہ ہیں
 چوں گدایاں سائلاں زار و نزار
 ترک خانائے پیش او بے خویش او
 تم ہو داتا مہر سے دیکھو صدا
 کن قیاس و دامنم بگذار زود
 کافراں را ہم زوے فارغ مدان
 پیشِ علمِ خادمانِ او جنیں
 واں ابو جہلا ہم اندر آن وے
 ہرچہ در عالم بود پیشش سجود
 بعد سلیم بر نشست آں جایگاہ
 گفت درویشے کہ اے سلطانِ جاں
 در شبیہ سگ بہ رمزِ عارفاں
 حرف بے اندازہ باشد خارِ لب
 ایں نمائش جملہ از نورش بہا ست
 پس سگ و گربہ مدان ہیروں ز نور
 با ادب رو غیر ازیں رہ جاہلی است
 پس تعین بہل کن کاں خوشنا است
 ورنہ می داں دار در دار آیدت
 خوشنا ناید برو با صدقِ کار
 جنسِ ہر شے در دکانش در خوریست
 قاصر است از مدح او جملہ جہاں
 توچہ خواہی گفت در حقش خموش



ترجمہ:

- ۱- شیخ شمس الدین مظفر بلخی جن کے نور باطن کے سامنے دنیا کا آفتاب بھی بے نور معلوم ہوتا ہے۔
- ۲- انہیں شرف جہاں، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔
- ۳- وہ اپنے شیخ کے سمندر عشق میں ڈوبے ہوئے تھے، انہیں دوسری چیزوں کی فکر ہی نہ تھی۔
- ۴- قضا کے ہاتھوں شمس دریا میں گر پڑے، غوطہ کھانے کے بعد جان سے مایوس ہو گئے۔
- ۵- عین اسی حالت میں رسول مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے ازراہ لطف و کرم اپنے دست کرم سے سہارا دینا چاہا۔
- ۶- تاکہ انہیں گہرے بھنور سے باہر نکال لیں، لیکن اس ڈوبتے انسان نے پیغمبر کا ہاتھ نہ تھاما۔
- ۷- اسی طرح دستگیر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست گرامی دوبار اُن کی جانب بڑھائے۔
- ۸- اس وحشت زدہ انسان نے کسی کی جانب نگاہ اٹھا کے بھی نہ دیکھا، اسی طرح دریا میں غوطہ کھاتے رہے۔
- ۹- یہاں تک کہ ان کے شیخ شرف الدین تشریف لائے اور اپنا ہاتھ بڑھایا، انہوں نے سمندر کی گہرائی سے اپنے شیخ کا ہاتھ تھام لیا۔
- ۱۰- اس وقت حضرت شیخ شرف الدین نے ان سے فرمایا: اے شرف کے شمس! تو نے حضور کے دست کرم میں ہاتھ کیوں نہ دیا۔
- ۱۱- جب کہ ”مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ“ (الانفال: ۱۷) (اور اے محبوب! وہ خاک جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی)۔ آپ کا سو فار ہے۔ ”یَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِي“ (میرے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے) کا اعزاز آپ کے دست کرم کو حاصل ہے
- ۱۲- تو نے سمندر میں اپنی جان ہلاکت میں ڈال دی۔ اے عزیز! یہ کون سی دانشمندی تھی؟

- ۱۳- تب حضرت شمس الدین مظفر بلخی نے عرض کی: میں تو آپ کے ہاتھ کے سوا بخدا روز ازل سے کسی دوسرے ہاتھ کو جانتا ہی نہیں۔
- ۱۴- قیامت کے دن جب حق تعالیٰ اپنا جمال زیبا دکھلائے گا تو میں کسی صورت اس کی جانب نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھوں گا۔
- ۱۵- میں تو بس آپ کے چہرہ زیبا کی زیارت کروں گا۔ مجھے تو بس آپ کا کوچہ مطلوب ہے۔
- ۱۶- دنیا میں دیدار الہی اسی لئے نگاہوں سے اوجھل ہے کہ یہاں پیر کا دیدار بے حجاب میسر ہے۔
- ۱۷- پیر کے دیدار کو حق تعالیٰ کا دیدار ہی سمجھ، چاہے اسے مسجد میں دیکھے یا بت خانے میں۔
- ۱۸- قیامت کے دن آہ! آپ کے سوا میرا کون شفیع ہوگا؟
- ۱۹- میں تو کسی سے شفاعت کی درخواست نہیں کروں گا، مجھے آپ کے سوا اپنا کوئی شفیع درکار ہی نہیں۔
- ۲۰- اللہ! اللہ! عاشقوں کا حال دیکھنا ہو تو کھلتی آنکھوں سے یہاں آ کر دیکھو۔
- ۲۱- یہ کیسا عشق ہے، کیسی وارفتگی ہے، کیسی گفتگو ہے جو حضرت شیخ شرف الدین کے عاشق زار سے کس اہتمام کے ساتھ ادا ہوئی۔
- ۲۲- اس اعتقاد کے ساتھ ایسی وارفتگی اور شیفنگی خدا کرے عاشقوں میں بڑھتی رہے، کبھی کم نہ ہو۔
- ۲۳- نااہلوں کی حالت پر صد افسوس! دور حاضر کے خرقہ پوشوں کی کیسی حالت ہے۔
- ۲۴- ایک دل، ایک عشق، ایک پیر کافی ہے۔ اگر تیرا پیر نااہل ہو پھر بھی تجھے تیرا اعتقاد کافی ہے۔
- اس مثنوی میں فقیر نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت شریف اور تشبیب و گریز کی صنعت اس طرز سے استعمال کی ہے کہ اس کی نظیر کم دیکھنے کو ملے گی۔
- ۲۵- ایک واقف راہ قلندر نے ایک عارفانہ سوال کے جواب میں بڑی اچھی بات کہی۔ بات کیا کہی ہے گویا نگینہ جڑ دیا ہے۔

- ۲۶- کسی نے پوچھا، حق کی معرفت کیا ہے؟ فرمایا: جان من! اسے اپنے وجود کو بیکار کر دینے کا پھل سمجھو۔
- ۲۷- عرفان بیکاروں کا کام ہے۔ اس لئے دوسروں کی طرح عرفان کا راستہ چھوڑ دو۔
- ۲۸- اپنا کام کرو، بیکاری کے راستے پر نہ پڑو۔ کام وہ کرو جس کا کوئی انجام بھی ہو۔
- ۲۹- تم تلاش حق کے چکر میں نہ پڑو۔ میرے عزیز! یہ ایک فضول کام ہے۔
- ۳۰- حق کی طلب چھوڑ دو اور جستجو مت کرو، تم بے طلب رہو تا کہ مشقت میں نہ پڑو۔
- ۳۱- اپنا راستہ دیکھو اور روزی روٹی کی فکر کرو اور اہل وعیال، بال بچوں کے ساتھ زندگی گزارو۔
- ۳۲- زاہدوں کی طرح نماز پڑھو، روزے رکھو اور درود شریف کا ورد رکھو۔
- ۳۳- خدا اور رسول کا خوف رکھو اور اصول شرع کی پابندی کرتے ہوئے اپنے گناہوں پر نظر رکھو۔
- ۳۴- اپنے اوقات نحو و صرف کی تعلیم میں مصروف رکھو تا کہ صیغوں اور حروف کی ترکیب کا علم ہو سکے۔
- ۳۵- تفسیر، حدیث اور فقہ کے علوم حاصل کرو۔ وضو اور غسل کے مسائل سیکھو۔
- ۳۶- اے جوان! افتانویسی کو اپنا مشغلہ بنا، قدوری اور منیہ سے مسائل بتا۔
- ۳۷- مسجد میں اکثر اوقات رہا کر، شرعی امور کا پوری کوشش سے اہتمام کر۔
- ۳۸- اپنے لقمے حلال طریقے سے تلاش کر، گےہوں کو گےہوں اور جو کو جو کے بدلے حاصل کر۔
- ۳۹- پھر کھانے کی دعا اور دعائے عکاشہ پڑھ اور پنج سورہ بھی اپنے ورد میں رکھ۔
- ۴۰- بزرگوں کی قبر پر نیاز مندی کے ساتھ حاضر ہوا اور حرص و ہوس سے اپنی نیت صاف کر لے۔
- ۴۱- جہاد کر اور شریعت کا راستہ اختیار کر۔ اے مسافر! یہ راستہ محفوظ ہے۔
- ۴۲- یہ روش سیدھی اور صاف ہے، اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ حضرات صوفیا کی روش پیچیدہ اور تلخ ہے اور اس کا کوئی نتیجہ نہیں۔
- ۴۳- اگر یہ راستہ تجھے پسند نہ آئے تو تیرے دل کو جو طریقہ پسند آئے، اسی پر چل۔
- ۴۴- دیوانوں کی صف میں عقلمندوں کا ہر وقت موجود رہنا کب روا ہوگا؟

- ۴۵- اگر تو عقل مند ہے تو ان کا کھیل مت کھیل۔ ہاں اگر تو نادان ہے تو ان کی جانب قدم اٹھا۔
- ۴۶- ان کے اعمال کو مکر و فریب سمجھ۔ وہ سارے کاموں کے نقد و دام وصول کر لیتے ہیں۔
- ۴۷- حرص و طمع سے تیرا جو دا چک لیں گے۔ ان کے منہ اسی طرح کھلے رہتے ہیں۔
- ۴۸- خلق کو فریب دینے میں یکتائے زماں ہیں۔ ان کی ذات کا شعار ہی گمراہ کرنا ہے۔
- ۴۹- ان کا راستہ دوسرے راستوں سے الگ ہے اور ان کا جام شرابوں کے رنگ سے خالی۔
- ۵۰- اے دانا و بینا انسان! تیرے نزدیک جو چیز اچھی ہوگی، وہ ان کے نزدیک بری ہوگی۔
- ۵۱- جو چیز تجھے بیکار محسوس ہوگی، ان کے نزدیک ہمیشہ کارآمد ٹھہرے گی۔
- ۵۲- ان کے نزدیک تو ٹیڑھے پن میں خوب سیدھا پن موجود ہے اور راستی و کجی میں گاڑھی چھپتی ہے۔
- ۵۳- ان کے نزدیک لاکھوں ایک ہزار کی مانند ہیں۔ اور تمہارے ایک ہزار پھر لاکھ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔
- ۵۴- اس گروہ کے نزدیک قلیل بھی کثیر ہوتے ہیں اور انہیں لطیف میں بھی خوشگوار کشافت محسوس ہوتی ہے۔
- ۵۵- یہ قطرے کو بے کنار سمندر کہتے ہیں، اور ذرے کو دمکتا آفتاب۔
- ۵۶- جب تو راستے کی انتہا کے بارے میں ان سے دریافت کرے گا تو یہ کہیں گے ہماری انتہا بھی ابتدا ہے۔
- ۵۷- یہ کہتے ہیں کہ برے کو اچھا جانو اور یہ پیٹھ کو کھلا چہرہ بتاتے ہیں۔
- ۵۸- ان کا وصال دراصل دوری اور ہجر و فراق کا نام ہے اور ان کا ہجر بے اشتیاق و صل۔
- ۵۹- یہ خلق کو بے تکلف حق کہتے ہیں اور احمقوں کی مانند حق کو خلق سمجھتے ہیں۔
- ۶۰- اے دانشمند! ان کے لئے زہر بھی شہد کی مانند خوشگوار ہوتا ہے۔ اے حکیم! ان کا زنجبیل (سونٹھ) بھی کافور کی مانند ہوتا ہے۔
- ۶۱- ان کے نزدیک رؤسائے طریقت لباس اور گدڑی میں نہیں ہوتے بلکہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے خلق کی بوجھ نہیں سونگھی۔

- ۶۲- ان کے پاس خارجی چیزوں کو کھلی نگاہ سے دیکھو گے تو نہ تمہیں حق واجب نظر آئے گا نہ ممکن، نہ یہ نہ وہ۔
- ۶۳- یہ کھلی چیزوں کو پوشیدہ کہتے ہیں اور پوشیدہ کو نمایاں۔
- ۶۴- ان کے نزدیک نور تاریکی کے اندر موجود ہے اور ان کی راتیں دن کی مانند روشن ہوتی ہیں۔ یہ عجیب باریک رمز ہے۔
- ۶۵- کہتے ہیں: سچائی کو خلوت میں دیکھو اور جلوت میں جھوٹ پر یقین رکھتے ہیں۔
- ۶۶- بے نشان کو حقیقت میں نشان زدہ سمجھتے ہیں اور مکان میں لامکاں ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔
- ۶۷- ان کے نزدیک حق، باطل ٹھہرتا ہے اور باطل، حق۔
- ۶۸- وہ اس سمت کو مقابل سمت ٹھہراتے ہیں اور وہ کو یہ۔ ان کا دین کفر ہے اور کفر دین۔
- ۶۹- یہ زمانے کے مکاروں کے طرز لوٹ دیتے ہیں اور زمانے کے چوروں کے طور طریقے قبول نہیں کرتے۔
- ۷۰- پس اس قوم کا حاصل یہ سمجھو۔ ان کا راستہ، ان کی گفتگو اور ان کا طور طریقہ یہی ہے۔

حضرات صوفیہ کی توصیف:

- ۷۱- اے دوست! انصاف کی راہ مت چھوڑ۔ اس گروہ صوفیہ پر اس قدر طعنہ زنی مت کر۔
- ۷۲- نالائق کو فیوں کی دلداری کے لئے گروہ صوفیہ کی ہجو کب تک؟
- ۷۳- ذرا حضرت جنید، بایزید، شبلی، ذوالنون مصری، رومی اور فرید الدین عطار جیسے مقربان بارگاہ صمدیت پر تو ایک نگاہ ڈال لے۔
- ۷۴- ان میں ابراہیم بن ادہم، حضرت کرخی، فضیل بن عیاض، سری سقطی، رازی اور قصاب بھی تو ہیں۔
- ۷۵- رویم، نوری، خراز، خرقانی، شقیق بلخی بھی اس گروہ کے نمایاں روشن نام ہیں۔
- ۷۶- حضرت نجم الدین کبریٰ، اور وہ عرب کا محبوب سہل بن عبد اللہ تستری، اور سرمست بزرگ ابوسعید مخزومی بھی تو ہیں۔

- ۷۷- حضرت غوث اعظم اور حضرات کاملین کے معین خواجہ ہند، وہ خواجہ سہروردی جو آسمان معرفت کے روشن ستارے ہیں۔
- ۷۸- حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند، حضرت امام یافعی، شاذلی جیسے محبوبان بارگاہ بھی ان میں ہیں۔
- ۷۹- میں کہاں تک ان کے نام گناؤں؟ ان کے گروہ میں بہت سے روشن نام ہیں، کچھ عیاں اور کچھ پوشیدہ۔
- ۸۰- ان سبھی حضرات کی ارواح طیبات پر حق تعالیٰ کی رحمت ہو اور حضرات ملائکہ کے دائمی درود بھی نازل ہوتے رہیں۔
- ۸۱- یہ طبقہ اس کائنات کی تخلیق کا مقصود ہے۔ اس مہربان گروہ کے سامنے دونوں جہان کی وسعتیں سر بہ خم ہیں۔
- ۸۲- یہ کائنات کے خواص اور جن وانس کا حاصل ہیں۔ سارے کون و مکان انہیں کی خاطر بنائے گئے ہیں۔
- ۸۳- آسمان ان کی بارگاہ کا طواف کرتا ہے اور فرشتے اور جن ان کے حضور مسلسل حاضر ہوتے رہتے ہیں۔
- ۸۴- ان کے مقامات افلاکیوں کی سجدہ گاہ اور ان کے نام ملائکہ کے ورد زبان۔
- ۸۵- انہیں حق تعالیٰ کا نائب سمجھنا۔ انہیں کبھی راہ گم اور حق سے پرے مت خیال کرنا۔
- ۸۶- ان کی تدبیر کو حق کی تدبیر اور ”اللہ خیر الما کرین“ (آل عمران: ۵۴) الانفال: ۳۰) اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔ (کنز الایمان) کا یقینی پرتو سمجھنا۔
- ۸۷- شان حق تعالیٰ کے جلو میں ان کا کروفر جلوہ گر ہوتا ہے۔ کس کی نگاہ میں تاب ہے کہ شان حق کا جلوہ دیکھے۔
- ۸۸- ان کی شان ہر دن ایک نئے انداز سے جلوہ گر ہوتی ہے، ان کی جان، کائنات کے محبوبوں کی روح ہے۔
- ۸۹- یہ بظاہر خانہ بدوش ہوتے ہیں لیکن ساری کائنات ان کی ملکیت ہے۔ بظاہر حلقہ گوش اور تابعدار دکھائی دیتے ہیں لیکن ساری کائنات میں ان کا حکم جاری ہے۔

- ۹۰- یہ مہربان، شفیق، غمخوار، بادشاہوں کے بادشاہ اور بے کسوں کے مددگار ہیں۔
- ۹۱- گمراہوں اور گناہگاروں کے راہنما اور شب تاریک میں ماہتاب کی مانند روشن۔
- ۹۲- ممکنات کے جال سے حق کے پاسبان اور احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشاہدہ حق کے وارث و جانشین ہیں۔
- ۹۳- قوم کے سردار، سب کے آقا، شہر کے رئیس، سب کی پناہ گاہ ہیں۔
- ۹۴- یہ شور و فغاں، یہ شکوہ، یہ سارے غوغائے اسی گروہ کی خاطر ہیں۔
- ۹۵- یہ آسمان و زمین اور یہ بیان اور عرض داشت سب انہیں کے لئے ہے۔
- ۹۶- یہ فسوں کاری، یہ غلغلہ، یہ ہنگامے اور جوش سب کچھ انہیں کی خاطر ہے۔
- ۹۷- یہ غلو اور اضافہ اور یہ سارے جلوے انہیں کے لئے ہیں۔

نعت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

- ۹۸- یہ سارے گروہ جن کی شان والا کا بر ملا تذکرہ گذشتہ صفحات میں ہوا۔
- ۹۹- سب کے سب ایک آستانے پر محتاج کی مانند ایک عالی حوصلہ کے شکار کے جال میں بندھے پڑے ہیں۔
- ۱۰۰- یہ سب ایک بادشاہ کے در کے گدا ہیں اور ایک خانقاہ کے فقیر۔
- ۱۰۱- حضرت حیدر کرار جیسے اس کے ہتھیار بند سپاہی ہیں، حضرت امام حسین اس کے خانہ زاد غلام۔
- ۱۰۲- حضرت امام زین العابدین اور امام باقر اس کے زین بردار، حضرت امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم اس کے فداکار۔
- ۱۰۳- حضرت امام علی رضا اور حضرت معروف کرخی اس کے دربان ہیں اور حضرت سری سقطی اس کے محکوم ہیں جو اس کا حکم دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔
- ۱۰۴- وہ جنید جو سید الطائفہ ہیں اس کے تابع فرمان ہیں۔
- ۱۰۵- حضرت شبلی اس کی راہ کے بے قراروں میں ہیں اور حضرت عبدالواحد اس کے سائل۔
- ۱۰۶- حضرت ابوالفرح طرطوسی اور ابوالحسن اس کے حضور سجدے میں پڑے ہیں

- اور حضرت ابوسعید خدری اس کے سامنے بالکل جامد و ساکت۔
- ۱۰۷- عظمت و وقار اور جاہ و جلال کے باوجود حضرت غوث اعظم اس کی دہلیز کی پناہ ڈھونڈتے ہیں۔
- ۱۰۸- حضرت سید عبدالرزاق اس کے بزرگ خادم، حضرت ابوصالح اور حضرت ابونصر بھی اس کے خدام ہیں۔
- ۱۰۹- حضرت علی اور حضرت موسیٰ بھی اس کے حضور نماز میں مصروف اور حضرت حسن اور حضرت احمد بھی اس کے کوچے میں تجدد نیاز لٹاتے ہیں۔
- ۱۱۰- حضرت بہاء الدین امیر جی بھی اس کا ایک چمکتا ذرہ اور حضرت بھکاری اور حضرت جیاس کے کوچے کی روشن خاک ہیں۔
- ۱۱۱- حضرت جمال اولیا اس کی بارگاہ کے عاجز بندے اور حضرت میر محمد، میر احمد اس کے در کی خاک۔
- ۱۱۲- حضرت میر فضل اللہ اس کے محتاج بے نوا فقیر ہیں جو اس کے آستانے کے سامنے قدموں کے بل کھڑے ہیں۔
- ۱۱۳- حضرت شاہ برکت اللہ اسی کوچے کے عاشق ہیں جن کا شبانہ روز و وظیفہ اسم احمد ہے۔
- ۱۱۴- حضرت سید آل محمد عشق کے مارے اس کے کوچے میں جان و دل فدا کر آئے۔
- ۱۱۵- دوسرے بھی اسی طریقے سے اس کے آستانے پر لطف و کرم کے انتظار میں کھڑے ہیں۔
- ۱۱۶- اس کے آستانے کی زنجیر ہلانے والے ہمیشہ اپنے ہاتھوں کو زلف کی مانند مضبوط رسی (قرآن حکیم) سے وابستہ رکھتے ہیں۔
- ۱۱۷- ہر صبح و شام اس کے کوچے کی خاک چاٹتے ہیں اور ہمیشہ اس کے شراب کی تلچھٹ پیتے ہیں۔
- ۱۱۸- یہ سب اسی کے باغ کا ایک درخت ہیں اور اس کے سبزہ زار کا ایک قطرہ۔
- ۱۱۹- اسی طرح دوسروں کا بیان اور بزرگوں، بڑوں کے نام سنو۔
- ۱۲۰- حضرت صدیق اکبر اس کے شہسوار ہیں، حضرت عمر اس کے ڈرہ دار۔
- ۱۲۱- حضرت عثمان غنی اس کے بہلہ دار تھے جن کی محبت کے بغیر ایمان کی روشنی

- میسر نہیں آ سکتی۔
- ۱۲۲- حضرت حسن بصری اس کی راہ کے خرقہ پوش ہیں اور حضرت حبیب عجمی اس کے حلقہ بگوش۔
- ۱۲۳- حضرت ابراہیم ابن ادہم نے حکومت پر اس لئے لات ماری تاکہ اُس بارگاہ کے فقیروں سے ہدایت حاصل کریں۔
- ۱۲۴- حضرت بایزید اس کی فوج کے سردار ہیں اور حضرت خرقانی اس کے فرمانبردار۔
- ۱۲۵- حضرت خواجہ معین الدین اس کے نغمہ سنج بلبل ہیں اور اس کے کوچے میں جبہ سائی کرتے ہیں۔
- ۱۲۶- حضرت خواجہ بہاء الدین شقیند اس کے دردمند آستانہ بوس ہیں۔
- ۱۲۷- سرداروں کے پیشوا حضرت عبید اللہ اس در کے غلاموں کے ساتھ قدم ملا کر چلتے ہیں۔
- ۱۲۸- اس کے نعلین کی تصویر تھے حضرت شہاب الدین اور حضرت جلال الدین اس کی خاک پا۔
- ۱۲۹- اس کے سپہ پوش بدیع الدین اس کے در کے مست و سرشار لوگوں میں ہیں۔
- ۱۳۰- حضرت شیخ محی الدین ابن عربی بھی اس کے دام عشق میں گرفتار ہیں، جن کی حکمتوں سے فصوص الحکم بھری پڑی ہے۔
- ۱۳۱- حضرت میر عبد الواحد اور میر عبد الجلیل بھی اس کے خاص بندے ہیں۔
- ۱۳۲- حضرت میراویس بھی اس پر جان و دل سے فدا ہیں، اس کا نام ان تمام شاہوں کے ورد زبان رہتا ہے۔
- ۱۳۳- حضرت جبریل کمال قرب اور اعلیٰ منصبی کے باوجود اس کے قاصد ہیں۔ اس بات پر قرآن شاہد ہے۔
- ۱۳۴- ابتدا سے لے کر اخیر تک سارے رسولان عظام حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ سب اس کے تابع ہیں۔
- ۱۳۵- قیامت کے دن اس کے پرچم تلے اس کی پناہ میں ہوں گے اور اپنے اکرام اور منصب کے وسیلے سے اس کا سایہ کرم ڈھونڈ رہے ہوں گے۔

- ۱۳۶- غوث اور نجاس کے صوبہ دار ہیں اور قطب و نقبا اس کے وظیفہ خوار۔
- ۱۳۷- حضرات ابدال کو اس کا سفیر سمجھو اور حضرات اوتاد کو گرزدار۔
- ۱۳۸- یہ سب کے سب اس کے قاصد ہیں جو اس کا پیغام اوروں تک پہنچاتے ہیں۔ اس طرح کے لاکھوں افراد اس پر قربان۔
- ۱۳۹- کروفر اور جاہ و منصب کے باوجود اس طرح کے بے شمار بندے اس کی خاک در پر پڑے ہوئے ہیں۔
- ۱۴۰- پیارے! جب تو نے اس محفل کا ذکر چھیڑا ہے تو میر محفل کو بھی سامنے لا۔
- ۱۴۱- وہ کون ہے، اس کی عادتیں کیا ہیں؟ اس کے اقوال و افعال اور نام بھی بتاتا چل۔
- ۱۴۲- وہ کون ہے جس کی بارگاہ عالی کے گدا ایسے عالی شان بادشاہ ہیں اور ایسے مقرب اور خاص لوگ اس کی راہ میں بے سرو سامان پڑے ہیں۔
- ۱۴۳- وہ دلربا کون ہے جو سارے دل لے اڑا؟ ذرا بتا تو دے۔
- ۱۴۴- جب تو نے مجھ سے اس کی شان بیان کی تو اس کی ہستی کو بھی میرے سامنے بے نقاب کر دے۔
- ۱۴۵- جب تو نے اس کے سارے شکاروں کے نام واضح طور پر سن لئے تو پیارے! اب سارے جہان کے شکاری کا بھی حال سن لے۔
- ۱۴۶- وہ ایک فقیر تھا جس کی خوابگاہ ایک بوریاتی اور ’الفقر فخری‘ اس شہنشاہ کا سرمایہ افتخار۔
- ۱۴۷- وہ ایسا درویش تھا جس کی نگاہ کسی مال کے خزانے اور کسی سونے کی کان کی طرف نہ اٹھی۔
- ۱۴۸- وہ ایسا گدا تھا جو پوری زندگی جو کی روٹی سے بھی کبھی شکم سیر نہ ہو سکا۔
- ۱۴۹- وہ ایسا مسکین تھا جو مسکینوں کے در پر بڑے قلبی اطمینان کے ساتھ قیام فرماتا۔
- ۱۵۰- وہ ایسا محتاج تھا جس نے ایک قرض خواہ کی خاطر اپنی زرہ ابو شحمہ کے نزدیک گروی رکھ دی تھی۔
- ۱۵۱- وہ ہر بوڑھی عورت کے پاس عجز کے ساتھ تشریف لے جاتا اور فرماتا: اے بوڑھی عورت! مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔

- ۱۵۲- وہ جولازوال ملک کا تخت نشین اور دائمی کائنات کا بادشاہ ہے۔
- ۱۵۳- وہ محمد عربی جو رسول مطلق ہیں، وہ رسول جو حق تعالیٰ کے نبی برحق ہیں۔
- ۱۵۴- وہ اولوالعزم رسول جن کا نام نامی احمد مجتبیٰ ہے جو سرمدی دین لے کر تشریف لائے۔
- ۱۵۵- وہ مودعہ رسول جس نے احد میں میم کا گینہ جڑا پھر خود کو احمد بے میم فرمایا۔
- ۱۵۶- وہ ایسا محقق تھا کہ ساری کائنات کی دریافت اسی کے وسیلے سے منظر عام پر آئی۔
- ۱۵۷- اس نے بھولے ہوئے خدا کو سارے نفس و آفاق میں ہویدا کر دیا۔
- ۱۵۸- اس نے تمہارے جھوٹے خداؤں کو ریزہ ریزہ کر دیا اور دنیا کے سارے معبودان باطل ختم کر ڈالے۔
- ۱۵۹- وہ یکبارگی مشرکوں کی صفوں پر اس طرح ٹوٹ پڑا کہ اللہ وحدہ لا شریک کی وحدانیت عیاں ہو گئی۔
- ۱۶۰- وہ خدا کے حضور اتنا مقرب ہے جیسے ایک جان دو قالب۔ نہیں، میں نے غلط کہا بلکہ قالب اور روح دونوں خود وہی تھا۔
- ۱۶۱- اس نے پوشیدہ خزانہ نمایاں کیا اور چھپے راز آشکار کئے۔
- ۱۶۲- ”من رانی قد رأى الحق“ (جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا) اس کی خوابیدہ جلوہ گری ہے۔
- ۱۶۳- ”من اذانى فقد اذنى الحق“ (جس نے مجھے اذیت دی اس نے حق تعالیٰ کو اذیت پہنچائی) اس کی توانائی ہے۔
- ۱۶۴- اس کے سامنے ماضی اور مستقبل حال کی مانند روشن ہیں، ازل سے ابد تک کے معاملات اس کے سامنے ایک تل کی مانند ہیں۔
- ۱۶۵- وہ پیشوا ہے اور حضرات اولیا اور اصفیا صف در صف اس کے مقتدی ہیں۔
- ۱۶۶- اس کے حضور تمہیں حضرات صوفیا اور عارفان حق کے بے شمار گردہ نظر آئیں گے۔
- ۱۶۷- یہ ایک اللہ کا لشکر ہے جس کے سپاہی اس شاہراہ پر مسلسل تاحد نگاہ ستاروں کی مانند پھیلے ہوئے ہیں۔
- ۱۶۸- قادر یوں کی ایک عالیشان صف ہے جس کی شان و شوکت کا شمار نہیں۔
- ۱۶۹- چشتیوں کا ہنگامہ خیر لشکر بھی ہے جو دف اور نقارہ بجاتے ہوئے نغمہ زن ہے۔

- ۱۷۰- نقشبندی پورے وقار و تمکنت، جاہ و حشم کے ساتھ یکسو ہیں۔
- ۱۷۱- سہروردیوں کا باصفا گردہ عشق کی سرمستی میں ڈوب کر زمزمہ خواں ہے۔
- ۱۷۲- بدیعوں کی صف دیوانوں کی صف ہے، جو الجھے بالوں اور شور شرابے میں ڈوبے ہوئے عاشق ہیں۔
- ۱۷۳- حیدریوں کا بھی بڑا جنگجو گردہ ہے، جن کی روح پاکیزہ، چہرہ شفاف اور جن کا وجود جنگ کی تدبیر ہے۔
- ۱۷۴- اسی طرح عیاضیوں، طیفوریوں، ادھمیوں، زیدیوں، کرخیوں، سقطیوں، طوسیوں، فردوسیوں، نوریوں، شطاریوں اور عشقیوں کے گردہ...
- ۱۷۵- صوفیہ فوج در فوج بے شمار ہیں، ان میں واصلین کے شہسوار نولاکھ ہیں۔
- ۱۷۶- اس کی راہ میں آگے پیچھے سبھی رواں دواں ہیں، ان کی پیشانی ایک ماہ رو محبوب کے دست کرم میں ہے۔
- ۱۷۷- دیکھو! یہ قافلہ در قافلہ رواں دواں ہیں، ان کی شاہراہ کی منزل رحمۃ للعالمین ہیں۔
- ۱۷۸- ابد تک احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشن فضا میں یہ کارواں تسلسل کے ساتھ رواں دواں رہے گا۔
- ۱۷۹- حضرات انبیاء علیہم السلام بھی آپ کے پیروکار ہیں جن کے باشوکت اور توانا لشکر بھی آپ کی سمت رواں ہیں۔
- ۱۸۰- اگر تم چین کے خاقان اور غفور کے لشکر و سپاہ کا شمار کرو۔
- ۱۸۱- تو یہ سب اور سیٹروں قیصر روم تاج کو کاسہ بنا کر عاجز و در ماندہ سائل اور گدا گر بن کر ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔
- ۱۸۲- کائنات کے سلاطین اس کے درویش اور ترک کے بادشاہ اس کے حضور خود سے بیگانہ نظر آتے ہیں۔
- ۱۸۳- ہندوستان کے سارے دانشور یہ صدا لگاتے پھرتے ہیں: ”تم ہو داتا مہر سے دیکھو سدا“
- ۱۸۴- اسی طرح نصاریٰ اور یہود کے حالات بھی سمجھ لو اور اب میرا دامن جلد چھوڑ دو۔

- ۱۸۵- ہندوؤں کو بھی ان کی فکر میں سرگرداں جانو اور کافروں کو بھی ان کے خیال سے فارغ نہ سمجھو۔
- ۱۸۶- معلم اول ارسطوان کے خادموں کے علم کے سامنے طفل شیرخوار نظر آئے گا۔
- ۱۸۷- اہلیس کا معاملہ بھی ان کی شان کا ایک ظہور اور ابوجہل بھی ان کی شوکت کے سامنے سرنگوں۔
- ۱۸۸- چونکہ ساری کائنات ان کی خاطر وجود میں آئی، اس لئے ساری کائنات کی چیزیں ان کے سامنے نیاز مندانہ سرنگوں ہیں۔
- ۱۸۹- طاہر کے پاس ایک راستہ چلتا درویش حاضر ہوا، سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ایک مقام پر آ کر بیٹھ گیا۔
- ۱۹۰- اچانک اس جگہ سے ایک کتا گذرا۔ اس درویش نے کہا اے جان کے بادشاہ!
- ۱۹۱- سامنے حقیقت احمدی سگ کی صورت میں عارفوں کو اشارہ کرتے ہوئے جا رہی ہے؟
- ۱۹۲- اس پاکباز نے جواب دیا: ہاں یہ بات درست ہے لیکن بے ادب! بے سلیقہ الفاظ لبوں کے لئے خار بن جاتے ہیں۔
- ۱۹۳- چونکہ نور احمدی نور خدا سے ماخوذ ہے، اسی لئے یہ ساری بارونق نمائش اسی کے نور سے عیاں ہے۔
- ۱۹۴- چونکہ ساری مخلوق حضور کے نور سے معرض ظہور میں آئی ہے، اس لئے کتے اور بلی بھی اس کے دائرہ نور سے خارج نہیں۔
- ۱۹۵- لیکن مراتب کا پاس رکھنا ہی کمال طریقت ہے۔ اس لئے ہمیشہ ادب کا معاملہ رکھ۔ اس کے سوا دوسرا طرز سر اسر نادانی ہے۔
- ۱۹۶- چونکہ محبوب کی حقیقت ساری فضائے کائنات میں جاری و ساری ہے، اس لئے تعین چھوڑ! مرتبہ اطلاق ہی خوشنما لگتا ہے۔
- ۱۹۷- یہ محتاط روش ہی تیرے لئے کارآمد ہوگی ورنہ تیرے حصے میں دار و رسن کی منزلیں ہوں گی۔
- ۱۹۸- اگر تو اس راہ میں قدم اٹھاتا ہے تو ذرا محتاط قدم اٹھا۔ ورنہ بات سچی ہونے

- کے باوجود بھلی معلوم نہ ہوگی۔
- ۱۹۹- الغرض حضرت احمد مجتبیٰ عجب سوداگر ہیں جن کی دکان میں ہر جنس بازار کی پوچھ ہے۔
- ۲۰۰- ان کی توصیف مجھ سے بیان نہیں ہو سکتی بلکہ ساری کائنات ان کی مدح نگاری سے قاصر ہے۔
- ۲۰۱- جب خدا تعالیٰ ان کا ناز بردار ہے تو تیرے لئے سوائے خموشی کے گفتگو کی کہاں گنجائش؟

حضرت سید شاہ محمد حمزہ یعنی قدس سرہ کے چھوٹے بھائی عالم ربانی حضرت علامہ سید شاہ محمد حقانی معروف بہ برکات ثانی قدس سرہ

ولادت مبارکہ

مارہرہ مطہرہ کی خانقاہ برکاتیہ کے نورانی ماحول میں مفسر قرآنی سید شاہ محمد حقانی قدس سرہ ۱۱۴۵ھ کی کسی مبارک صبح کو عالم رنگ و بو میں تشریف لائے۔ حضرت کے والد ماجد سیدنا شاہ آل محمد قدس سرہ اپنے والد ماجد حضور صاحب البرکات قدس سرہ کے وصال شریف کے بعد مسند سجادگی پر رونق افروز تھے اور ایک عالم آپ کے روحانی فیوض و برکات سے سرفراز ہو رہا تھا۔

حضرت حقانی کی تعلیم و تربیت

سیدنا شاہ محمد حقانی قدس سرہ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی، وہ خانقاہی برکتوں سے مالا مال تھا۔ خاندانی روایت کے مطابق چار سال چار مہینے چار دن پورا ہونے کے بعد بسملہ خوانی کی رسم ادا کی گئی۔ والد ماجد سید شاہ آل محمد، والدہ ماجدہ سید غنیمت بی بی اور برادر گرامی سید شاہ محمد حمزہ کی صورت میں علوم ظاہر و باطن کے سمندر پاس ہی موجود تھے تو کہیں اور جانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ قرآن حکیم، تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول

حدیث، فقہ، اصول فقہ اور لغت و ادب جملہ مروج فنون کی تعلیم ان خاندانی بزرگوں سے پائی لیکن تربیت میں سب سے زیادہ حصہ والدہ ماجدہ کا رہا۔

کتابوں کے مطالعے کا ذوق ورثہ میں پایا تھا جس کی تسکین کے لیے بھائی صاحب سید شاہ حمزہ کا کتب خانہ گھر میں ہی موجود تھا۔ اس میں مختلف علوم و فنون کی سولہ ہزار کتابیں تھیں۔ والد ماجد کا وصال آپ کی ابتدائی عمر میں ہی ہو گیا تھا اس وقت آپ ۲۰ برس کے تھے۔ اس لیے علمی استفادے زیادہ تر بھائی صاحب حضرت حمزہ سے ہی رہے۔ آپ اس نسبت علمی کا بہت پاس رکھتے اور ایک استاد اور مرشد کی مانند حضرت حمزہ کا ادب ملحوظ رکھتے۔ آپ نے کس حسن ادب کے تفسیر سے آغاز میں حضرت حمزہ کا تذکرہ فرمایا ہے:

”کتب خانہ استادی مرشدی حضرت بھائی صاحب و قبلہ حضرت سید شاہ حمزہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے سے تفسیر زاہدی، بحر مواج الخ“

حضرت سید حمزہ عینی قدس سرہ بھی اس دو ہری نیاز مندی کے بہت قدردان تھے۔ کاشف الاستار شریف میں تحریر فرماتے ہیں:

”بائیں فقیر بسیار بہ نیاز مندانہ پیش می آید و اجازت دعائے یمانی و دیگر اور ادا از فقیر سند نموده است [کاشف الاستار شریف، قلمی، ص ۱۴۹]

”اس فقیر کے ساتھ (برادر عزیز شاہ حقانی) بہت نیاز مندانہ پیش آتے ہیں اور دعائے یمانی اور دیگر اور ادکی فقیر سے اجازت لے رکھی ہے“

عائلی زندگی

حضرت سید شاہ محمد حقانی قدس سرہ سے آپ کی چچا زاد بہن منسوب تھیں لیکن عقد نہ ہو سکا اور آپ نے پوری زندگی تجردانہ گزاری۔

حضرت تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت (شاہ نجات اللہ) کا عقد سید لطف اللہ ابن سید کافی کی تیسری لڑکی سے ہوا جس سے آپ کے دو صاحبزادے سید شاہ سید امام عرف شاہ گد اصاحب اور سید شاہ مقبول عالم عرف شاہ سوندھا صاحب اور ایک صاحبزادی ابو صاحب ہوئیں جو اپنے

بڑے چچا کے صاحبزادہ شاہ حقانی صاحب سے نامزد تھیں مگر عقد کی نوبت نہ آئی اور سن رسیدہ ہو کر انتقال کیا۔ [تاریخ خاندان برکات، تاج العلماء سید محمد میاں قادری، ص ۸۶]

مشاغل حیات

حضرت حقانی قدس سرہ خانقاہی نظام سے وابستہ تھے اس لیے اوراد و وظائف کے پابند اور خانقاہی اصولوں کے پاسدار تھے۔ یاد الٰہی سے جو اوقات بچتے وہ خولیش و اقارب کی خبر گیری، خاندانی معاملات کی نگہبانی، مطالعہ کتب اور افادہ عام کی نذر ہوتے۔ صائب الرائے تھے اس لیے معاشرتی سطح پر آپ مرجع انام تھے۔ خانقاہی امور جیسے اوقاف کی دیکھ بھال، آمد و خرچ کی نگہداشت، تعمیرات کی نگرانی آپ کے ذمے تھی۔ ابتدائی دور میں تصنیف و تالیف سے شغف نہ تھا۔ اخیر عمر میں دو قیمتی تصنیفی سرمایے چھوڑ گئے جو تفسیر اور حدیث سے متعلق ہیں۔ ذریعہ معاش کیا تھا؟۔ اس کا علم نہ ہو سکا۔

اخلاق کریمہ:

آپ نے بزرگوں کے اخلاق پائے تھے۔ بذل و سخا، جود و کرم، کشادہ روئی خندہ پیشانی، حاجت روائی، بڑوں کا ادب، چھوٹوں پہ شفقت، تواضع و انکساری، حلم و مروت، عفو و درگزر، اخلاص نیت اور قول و عمل کی وحدت آپ کے کریمانہ اخلاق کے دلکش پہلو ہیں انہیں اخلاق فاضلہ کی برکت تھی کہ آپ ہر دل کا سرور تھے۔

آپ کے برادر گرامی سید شاہ محمد حمزہ عینی قدس سرہ آپ کے اخلاق فاضلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”بدانکہ برادر اعیانی اس فقیر مستی بہ شاہ حقانی الملقب بہ برکات ثانی سلمہ اللہ تعالیٰ از فقیر چہارہ سال خورد است۔ در وقت رحلت جناب ابوی بیست سالہ بود صاحب خلق کریم و باہر آحاد الناس خدمت اعمیم آنچہ از جناب عالی از اعمال و اشغال رسیدہ براں مستقیم و بقیاضی خلایق مقیم۔ بائیں فقیر بسیار بہ نیاز مندانہ پیش می آید و اجازت دعائے یمانی و دیگر اوراد از فقیر سند نموده است۔ نواب احمد خاں مرحوم بسیار با او محبت می کرد و از خود وادار جدائی او نبودہ است و از فرخ آباد سواری فرستادہ طلب او نمود (کاشف الاستار شریف، ص ۱۴۹)

”اس فقیر کا حقیقی بھائی شاہ حقانی ملقب بہ برکات ثانی سلمہ اللہ تعالیٰ، فقیر سے

چودہ سال چھوٹا ہے۔ حضرت والد ماجد کے وصال کے وقت اس کی عمر بیس سال تھی۔ کریم الاخلاق ہے اور ہر شخص کی خدمت کا جذبہ رکھتا ہے۔ حضرت والد ماجد سے اسے جن اعمال و اشغال کی اجازت ہے ان پر پابندی سے عمل کرتا ہے اور مخلوق خدا کے ساتھ جو دوستی کا معاملہ کرتا رہتا ہے۔

اس فقیر سے بہت نیاز مندانہ پیش آتا ہے اور حرز یمانی اور دیگر اوراد کی اجازت فقیر سے لے رکھی ہے۔ نواب احمد خان مرحوم اس سے بہت محبت کرتے تھے اور خود سے جدا کرنے کے روادار نہ ہوتے، یہاں تک کہ فرخ آباد سے سواری بھیج کر اسے طلب کرتے۔“

اخلاص عمل

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اخلاص کا پیکر بنایا تھا۔ آپ ان بندگان خدا میں تھے جن کی ہر سانس رضائے الہی اور فکر آخرت کی طلب کے لیے وقف ہوتی ہے۔ ہم نے حضرت کی تفسیر اور ترجمہ حدیث دونوں تصنیفیں مطالعہ کیں، سطر سطر میں خلوص و رضا کی خوشبو رچی بسی ملی۔ خالق بے نیاز کے اس نیاز مند بندے نے دنیا کی رنگینیاں تج کر حسن ازل کی رضا کو اپنا محور زندگی رکھا اور اسی کی تلاش میں ہر لمحہ بے قرار رہا۔

صرف دو اقتباس پیش خدمت ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اسے پڑھنے کے بعد آپ بھی ہمارے ہم خیال ہوں گے۔

حضرت حقانی اپنی تفسیر (عنایت رسول کی) کے مقدمہ کے اخیر میں لکھتے ہیں:

”اب درگاہ ارحم الراحمین کے سے یہ عاصی امیدوار ہے کہ فضل و کرم اپنے سے پڑھنے کی توفیق عالم کو بخشے اور سمجھنے کا نور دلوں پر روشن فرماوے کہ اس تفسیر کو پڑھیں سمجھیں اور لذت اس کی پا کر اور خوشی بشارت ایمان والوں کی اور ڈر، برائی کافروں کی دریافت کر کے اوپر کرنے نیک کاموں کے ساتھ ثابت و ایمان کی محکم اور مضبوط ہوویں اور حق میں اس عاصی فانی کے جناب و اہب العطیات کے سے دعا عاقبت بخیر کی چاہیں۔ البتہ جو اپنے دلوں کی رضا مندی سے ساتھ عجز اور نیاز کے دعا خیر کرنے کے وہ بے نیاز مجیب الدعوات ہی قبولیت فرماوے گا بحق محمد والہ و اصحابہ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

اور یہ عاصی پروردگار کو کہ سمیع، بصیر، علیم، خبیر ہے، حاضر ناظر جان کر کہتا ہے کہ کہنا

اس تفسیر کا واسطے فلاح نجات اپنی دونوں جہان کے ہے، نہ واسطے خوش نمائی مخلوق کے کہ یہ فانی بھی تفسیر کہنے والوں میں داخل ہووے یا خلقت اپنی زبان سے تعریف کرے کہ فلا نے کیا خوب تفسیر کہی ہے اور اس بات کی بڑائی دیویں..... مگر امیدوار زبان خلق کے سے سوائے اس کے کہ دعائے خیر سے یاد کریں اور کچھ منظور نہیں“ [عنایت رسول کی، قلمی، ص ۵۴]

اپنی دوسری تصنیف ”نعت رسول کی“ کے آغاز میں تحریر فرماتے ہیں:

احوال یہ ہے جو ایک بزرگ نے بڑی بڑی کتابوں حدیثوں کی سے، فرمائی ہوئی حدیثیں اس جناب کی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر طرح کے حکم احکام میں منتخب کر کے چار سو حدیث، چالیس باب کر کے زبان عربی میں اس کی شرح کری تھی، ”لباب الاخبار“ اس کا نانور کھا تھا۔ دوسری مرتبہ اور ایک عالم فاضل نے زبان فارسی میں شرح کری۔ اس عاصی گنہگار، لاچار بے مقدار خوار فقیر فانی حقانی نے واسطے اپنی رفاہیت عاقبت کے زبان ہندی میں ان حدیثوں کے معنیوں کو موافق اپنی عقل، وقوف ناقص کے تجویز کر کے لکھا تو کہ پڑھنے والے سننے والے اس کے فائدہ اٹھائیں اور عبرت پا کر آئین دین میں درست ہو ویں اور یہ وسیلہ اس عاجز کے انجام بخیر ہونے کا ہووے۔ [نعت رسول کی، قلمی، ص ۱]

شان تواضع

حضرت سید شاہ محمد حقانی قدس سرہ میں تواضع اور انکساری کے جذبات فراوانی کے ساتھ موجود تھے۔ خاندان کے اکابرین ہوں یا دوسرے، چھوٹا ہو یا بڑا، عامی ہو یا خاص، ادب اور تواضع کا معاملہ ہر ایک کے ساتھ رہتا۔ اسی لیے مولیٰ تعالیٰ نے اس کی برکت سے آپ کو نعمتیں بھی عطا کی تھیں جو تواضع کا انعام ہوتی ہیں۔ آپ کی زندگی کے تفصیلی حالات زمانے کی تہوں میں دبے ہوئے ہیں اس لیے کوئی تفصیلی تبصرہ تو نہیں کیا جاسکتا البتہ تصانیف کے حوالے سے چند زاویے ضرور پیش کئے جاسکتے ہیں۔

حضرت حقانی اپنی تفسیر کے آغاز میں لکھتے ہیں:

”یہ عاصی گنہگار، لاچار بے مقدار، بے مایہ و خوار، پڑھنے والوں، سمجھنے والوں صاحبوں سے ہاتھ جوڑ کر منت عاجزی کر کر یہ عرض کرتا ہے کہ واسطے خدائے تعالیٰ کے اور واسطے اس کے حبیب کے (صلوٰۃ علیہ والہ و اصحابہ و ازواجہ) اس کے حق میں دعا خیر فرماویں

کہ یہ دعا وسیلہ فلاح نجات عاقبت کا ہووے آمین آمین آمین! اور ایک سوال اس عاصی کا صاحب طبعوں سے یہ ہے، جو کسی حرف یا آیت کے معنیوں میں تفاوت نظر آوے یا کچھ کمی بیشی ہووے، بخیلی نہ کریں، اس کو اصلاح فرماویں، درست کریں۔ کس واسطے؟ کہ معانی کلام شریف کا سمجھنا، پڑھنا فیض ہے دین دنیا کا۔ اور بر تقدیر جو اس میں کچھ تفاوت ہو۔ تو اس فیض میں کمی ہوئی۔ پھر جو صاحب طبع اس کو درست کرے گا ثواب پاوے گا اور احسان اس عاصی کے اوپر ہوگا اور جو کوئی بغیر خطا کی تقصیر دیکھے، برا کہے، نفریں کرے یا غلطی بتاوانے میں چشم پوشی کرے، اس فانی کی طرف سے اس کے حق میں یہ دعا ہے کہ پروردگار اس کا دونوں جہان میں بھلا کرے اور کوئی طرح کا ایذا نہ پاوے [عنایت رسول کی، قلمی، سید شاہ محمد حقانی، ص ۵۴]

تواضع کی یہ شان اور مدح و قدح سے یہ بے نیازی صرف خاص توفیق الہی ہے جو ہر کہ و مہ کو عطا نہیں ہوتی۔

زُہد

حضرت سید شاہ محمد حقانی قدس سرہ نے اپنے جدا مجد حضور صاحب البرکات (متوفی ۱۱۴۲ھ) کا زمانہ نہ پایا۔ والد ماجد حضرت سید شاہ آل محمد قدس سرہ متوفی ۱۱۶۳ھ کی حیات مبارکہ کے بھی تھوڑے ہی لمحات میسر آئے لیکن برادر گرامی اسد العارفین سیدنا شاہ محمد حمزہ عینی مارہروی قدس سرہ متوفی ۱۱۹۸ھ کے ساتھ ان کی اخیر عمر تک رفاقت رہی اس لیے فیض صحبت بھی انہیں کا پایا۔ حضرت عینی آپ کے مرشد تربیت و اجازت بھی تھے، اس لیے عینی فیضان آپ پر ٹوٹ کے برسا، سلوک کے اعلیٰ مدارج بھی آپ نے بھائی صاحب کی راہنمائی میں طے کئے اور اعمال و اشغال اور خاندانی سلاسل کی اجازت بھی انہیں سے پائی۔ ایسے شیران خدا کے پروردہ کے زُہد و اتقا کا کیا پوچھنا۔؟ خدا ترسی، حقوق کی رعایت، دلوں کا احترام، غیبت سے احتراز، استہزا اور طعنے سے مکمل گریز، فرائض و واجبات کے ساتھ سنن و مستحبات کا التزام، مصیبتوں پہ صبر اور نعمتوں پہ شکر، یاد خدا میں سرمستی، راضی برضائے الہی رہنے والا یہ مرد خدا، اور درویش بے گلیم زہد و ورع کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھا۔ صلہ کی طلب اور داد کی پرواہ سے بے نیاز ہو کر آپ نے یہ تصنیفی خدمات انجام

دیں۔ عائلی دلچسپیوں اور خانگی الجھیروں سے کنارہ کش ہو کر پوری زندگی آپ نے یاد مولیٰ میں سرمستانہ گزاری اور خانقاہ عالیہ اور اہل خاندان کی خدمت کو ہی سب کچھ سمجھا۔ یہ آپ کے زاہدانہ سرمست جذبات کی دلیل ہی تو ہے۔

احساس ذمہ داری

خانقاہ عالیہ برکاتیہ کے جملہ انتظامی معاملات آپ کے سپرد رہتے خصوصاً تعمیرات کا باب تو آپ ہی کے ساتھ خاص تھا۔ آپ ان امور کو نہایت ذمہ دارانہ دیانت سے نبھاتے۔ برادر گرامی حضرت سید شاہ محمد حمزہ برکاتی قدس سرہ کو حضرت حقانی کی ان ذمہ دارانہ خدمات کی وجہ سے بہت فراغ اور اطمینان تھا۔ آپ یکسو ہو کر مسترشدین کی تربیت اور سالکین کا تزکیہ فرماتے اور تصنیف و تالیف سے شغل رکھتے۔

معاملات کو فیصل کرنے، خاندانی قضیوں میں اعتدال کی راہ اپنانے، صلہ رحمی اور ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری میں آپ منفرد تھے اس لیے خویش واقارب بھی آپ کی اس ذمہ دارانہ دیانت کی وجہ سے آپ پر مکمل اعتماد کرتے۔ حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے حضرت حقانی کا ایک فارسی اقرار نامہ اصح التواضع میں نقل کیا ہے جس میں اس عنوان کے تعلق سے کچھ باتیں مل جاتی ہیں نیز یہ حضرت حقانی کے دست مبارک کی ایک تحریر ہے اس لیے ہم حضرت تاج العلماء کے حوالے سے وہ تحریر من و عن پیش کرتے ہیں۔

حضرت تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی قدس سرہ رقم طراز ہیں: ”ایک باضابطہ پرانی نقل اقرار نامہ سے جس پر قاضی شرع کی مہر اصلی ہے، یہ واضح ہوتا ہے کہ ہمارے دادا حضرت سید شاہ حقانی قدس سرہ نے اپنی طرف سے اصالتاً اور اپنی والدہ ماجدہ بنت حضرت سید شاہ عظمت اللہ اور اخ اعظم حضرت سید شاہ حمزہ قدس سرہ کی طرف سے وکالتاً سید آیت اللہ صاحب کا حصہ شرعی بحیثیت وارث سید شاہ رحمت اللہ صاحب موضع حضرت پور (حضرت نگر) متروکہ سید شاہ اولیس قدس سرہ میں تسلیم کر کے ان کے اطمینان کے لیے ان کے حق میں یہ دستاویز لکھ دی تھی۔ ہم اس دستاویز کو بغرض حفاظت یہاں مکمل درج کرتے ہیں۔

از رضا شہد خادم شرع نبی
شیخ بزم مصطفیٰ روشن علی

(نقل مطابق اصل)

باعث تحریر این سطور در معنی آنکہ بابا آنکہ شاہ حقانی ولد میر سید آل محمد ابن میر سید برکت اللہ بنائے میر سید اولیس فرزند ان میر عبد الجلیل قدس اللہ سرہ العزیز اصیل است از خود وکیل است از فیکل مادر خود مسماة غنیمت بی بی بنت سید عظمت اللہ مرحوم ولد میر سید اولیس مذکور و برادر کلاں شاہ حمزہ ولد میر سید آل محمد ابنائے میر پیر مرحومین مرقوم الصدر، در حالت صحت نفس و ثبات عقل طائعاً و راعباً بے کرہ و بے جبر بر این معنی کہ حصہ سیومی کہ نصفہ نزد مقرین مذکورین است و نصفہ نزد چچا صاحب شاہ میاں است منجملہ متاع مشترک میان ہر سہ پسران (سید شاہ اولیس) از آباء واجد دست پس ثابت شد حق و ملک میر سید آیت اللہ ولد میر سید رحمت اللہ ابن میر سید اولیس مرحومین مغفورین از مدت بسبب بعضی شراکت موقوف ماندہ بود آں را بطوع و رغبت خود ہا از موضع حضرت پور موافق تقسیم صحیحہ شرعیہ بحضور اکابر و اصاغر محلہ سلہڑہ و ہم برادران شہر قصبہ بلگرام از موضع مذکور کہ در قصبہ مارہرہ سرکار کول واقع است، فیصل شدہ من بعد ازاں میان مایاں و فرزند ان یاں خرخشہ و مناقشہ نماںد، حیائاً اگر کسے ازین نوشتہ برگرد عند الشرع و عاقبت باطل و نامسموع است بنا براں این چند کلمہ بطریق سند نوشتہ دادہ شد کہ ثانیاً حال بکا را آید۔

تحریر فی تاریخ دوم جمادی الاول ۱۲۹۹ھ من ہجرۃ النبوة صلی اللہ علیہ وسلم۔

العبد

شاہ حقانی ۱۱۶۵ھ

[اصح التواریخ، تاج العلماء سید محمد میاں قادری برکاتی، ص ۵۵۶-۵۵۷]

”ان سطور کے لکھنے کا سبب یہ ہے کہ ہم شاہ حقانی (ولد میر سید آل محمد ابن میر سید برکت اللہ ابن سید اولیس بن میر عبد الجلیل قدس سرہ العزیز) جو اپنی جانب سے اصیل ہیں اور اپنی والدہ ماجدہ غنیمت بی بی (بنت سید عظمت اللہ مرحوم ولد میر سید اولیس مذکور) اور برادر گرامی شاہ حمزہ (ولد میر سید آل محمد ابن میر سید برکت اللہ بن میر سید اولیس) کی جانب سے وکیل ہیں، صحت جان در ستائی عقل کی حالت میں بے جبر و اکراہ خوشی خوشی اس بات کا

اقرار کرتے ہیں کہ حصہ ثلث جس کا آدھا ہمارے پاس ہے اور آدھا چچا صاحب شاہ میاں کے پاس، یہ بھی اس مشترک جانداد میں شامل ہے جو آباء واجداد سے سید شاہ اولیس کے تینوں صاحبزادوں (سید شاہ برکت اللہ، سید شاہ عظمت اللہ، سید شاہ رحمت اللہ) کو ملی ہے۔ اس لیے اس میں میر سید آیت اللہ ولد میر سید رحمت اللہ ابن میر سید اولیس کا حق ملکیت بھی ثابت ہے۔

کسی سبب سے ایک مدت سے ان کی شراکت موقوف تھی۔ ہم تقسیم شرعی کے مطابق سلہڑہ اور بلگرام کے چھوٹے بڑے بھائیوں کی موجودگی میں موضع حضرت پور میں جو ضلع کول (علی گڑھ) کے قصبہ مارہرہ میں واقع ہے، اپنی رضا و رغبت سے ان (میر سید آیت اللہ) کا حق تسلیم کرتے ہیں۔

یہ بات سب کی موجودگی میں فیصل ہو گئی۔ اس کے بعد ہمارے درمیان یا ہمارے بچوں کے درمیان اس معاملے میں کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کبھی کوئی اس تحریر سے پھر جائے تو اس کی بات ہرگز نہ سنی جائے گی۔ یہ شرعاً باطل ہے اسی مقصد کے لیے بطور سند یہ چند کلمات لکھ دیئے گئے تاکہ پھر کبھی کام آئے۔ یہ تحریر ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۹ھ کو لکھی گئی۔ شاہ حقانی“

تعمیری شوق

حضرت شاہ حقانی قدس سرہ کو بارگاہ کریم سے ذوق و شوق کی اعلیٰ قدریں ارزاں ہوئی تھیں۔ جذبہ شوق تو محبوب لم یزل کے ساتھ خاص تھا لیکن آپ کے جمالیاتی ذوق کی نمودن تعمیر، چمن بندی اور شاعری میں ہو جاتی تھی۔ آپ نے فنون لطیفہ کی ان شاخوں میں بھرپور شائستگی اور ندرت کا مظاہرہ کیا۔ بقول شرف ملت:

”حضرت حقانی، خاندان برکات کے شاہجہاں تھے۔“

حضرت عینی اپنے برادر عزیز کے اس ذوق کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”با عمارت و آبادی باغ بسیار شائق است۔ باغ کلاں با احاطہ پختہ تیار ساختہ کہ از ہر جنس میوہ دران وافر پیدا می شود۔ گنار پیوندی شیریں بوزن چہار فلوں یک عدد دران جار سیدہ و احاطہ سرانے این جا پختہ بنا نموده۔ او سبحانہ دائم و قائم دارد“ [کاشف الاستار

شریف، قلمی، ص ۱۴۹]

”برادر عزیز شاہ حقانی کو عمارت بنانے اور باغ لگانے کا بے حد شوق ہے۔ باغ کلاں کو پختہ احاطہ کے ساتھ تعمیر کرایا جس میں ہر قسم کے میوے بہت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں پیوندی بیر نہایت میٹھی اور چار چار پیسے کے وزن کی پیدا ہوتی ہے۔ شاہ حقانی نے اس جگہ کی سرائے کا احاطہ بھی پختہ تعمیر کرایا۔ اللہ تعالیٰ اسے قائم و دائم رکھے۔“

خانقاہ برکاتیہ کی اکثر قدیم عمارتیں حضرت ہی کے ذوق تعمیر کا منہ بولتا شاہکار ہیں۔ حصار پختہ، دیوان خانہ، حویلی سجادگی، حصار باغ پختہ، حمام وغیرہ آپ نے ہی فطری ذوق و شوق سے اپنی نگرانی میں تعمیر کرائے۔

حضرت تاج العلماء قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت شاہ حقانی کو عمارت اور باغ کا بہت شوق تھا۔ حصار پختہ، جو ہر چہار طرف بستی پیر زادگان کے ہے، آپ ہی کا بنایا ہوا ہے۔ ایک عالی شان دیوان خانہ خانقاہ سرکار کلاں میں بھی آپ کا تعمیر کیا ہوا تھا جس کو اب میرے جد امجد نے از سر نو تعمیر کرایا ہے جس میں اب میرے والد ماجد کا زنان خانہ ہے۔ حویلی سجادہ نشینی میرے والد ماجد اور سید مہدی صاحب کی جس کے درمیان میں اب ایک دیوار حد فاصل پختہ میرے والد ماجد نے بنائی ہے اور جس کا ہماری طرف والا حصہ بھی تقریباً کلیئہ اب میرے جد امجد و والد ماجد کا تعمیر کرایا ہوا ہے، یہ بھی حضرت حقانی صاحب کی بنائی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ کئی مکان پختہ بنائے تھے اور حصار باغ پختہ بھی مع امکانہ و حتام وغیرہ بنایا ہوا شاہ حقانی صاحب کا ہے۔“ [تاریخ خاندان برکات، تاج العلماء سید محمد میاں قادری، ص ۱۹]

علمی مدارج

حضرت سید شاہ محمد حقانی قدس سرہ علم و فن کے شناور تھے اور فضل و کمال کے امین۔ آپ نے پوری زندگی تہلہ نہ گزار دی۔ دنیا سے بے نیازی اور آرائش دنیا سے زاہدی نے آپ کو تصنیفی شہرت اور علمی غلغلے کی طلب سے بھی ہمیشہ دور رکھا، اس لیے آپ کے تذکرے قرطاس و قلم کی زینت نہ بن سکے۔ آپ کے تفصیلی حالات تو کجا اجمالی حالات زندگی بھی محفوظ نہ کئے جاسکے اور نہ ہی آپ کے علمی اور دینی کارناموں کی روداد مرتب ہوسکی،

اس لیے آپ کی حیات گرامی کا یہ پہلو اور تشنہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن آپ نے جو قلمی یادگاریں چھوڑی ہیں ان کے گہرے گہرے نقوش نے آپ کو بالکل پس پردہ بھی نہ جانے دیا۔

امام احمد رضا نے خوب فرمایا۔

بے نشانوں کا نشان مٹتا نہیں

مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

آپ کی تفسیر ”عنایت رسول کی“ آپ کے فکر و فن، جودت طبع، ذہن درخشاں، قلب روشن اور استحضار علم کی بہترین دستاویز ہے۔ ساٹھ سال کی عمر، صرف چار مہینے پانچ دن کی مدت، اور باریک قلم سے نو سو صفحات پر نئے ماحول، نئی زبان اور نئے طرز میں مفہیم قرآن کو سجادینا۔ کیا یہ کوئی معمولی کارنامہ ہے۔؟ نہیں! اسے خرق عادت کہیے اور مصنف کی علمی کرامت۔ ایسے کارنامے وہی شخص انجام دے سکتا ہے جسے فکر و فن کی حریم تک رسائی ہو اور جو علم و ادب کا دانائے راز ہو۔ اسے علم و فن کی زندگی ہی تو کہیں گے کہ قصبہ کا ایک گوشہ نشین درویش، عمر کا انحطاط اور بدن کی نقاہت، ساٹھ سال کی پیرانہ سالی، ذہنی امتغیوں سمجھی سمجھی سی، فکری جولانیاں جواب دیتی ہوئی لیکن وہ ایک گوشہ خمولی میں بیٹھ کے قرطاس و قلم سنبھالتا ہے اور علم و فن کو اپنے قلم کی روشنائی سے نئی درخشاںیاں دے جاتا ہے۔ نہ اس کے پاس دانشکدوں کی محفلیں ہیں نہ محققین کا جھٹھا، نہ تلامذہ کی ٹیمیں ہیں نہ مستفیدین کی قطار، نہ ہمہ علم کی گرما گرمی ہے نہ حوصلوں اور جذبول کی ترنگ جن سے اس کے جوش علم کو ابھار مل سکے۔ لیکن اسے سہارا دیتی ہے فکر آخرت، اسے تقویت بخشتا ہے جذبہ دین، اسے ابھارتا ہے قرآن حکیم سے شیفۃ پین، اسے آمادہ عمل کرتا ہے ذوق جنوں اور پھر اس کی کانپتی انگلیوں میں ڈولتے قلم کی جنبشیں، اُس کی بزم آخرت کو سجاتی چلی جاتی ہیں۔

حضرت سید شاہ محمد حقانی قدس سرہ کا یہ تفسیری کارنامہ آپ کے اعلیٰ مراتب علم کی تعین کے لیے کافی ہے کیونکہ فن تفسیر ایک سمندر ہے جس کی شناوری کے لیے بہت گہری صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

مفسر قرآن امام جلیل علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے ”الاتقان فی علوم القرآن“ میں تحریر فرمایا ہے کہ جماعت علماء کے نزدیک قرآن حکیم کی تفسیر اسی عالم دین کے لیے جائز ہوگی جو ان پندرہ علوم و فنون کا جامع ہو۔

۱۔ علم لغت ۲۔ علم نحو ۳۔ علم صرف ۴۔ علم اشتقاق ۵۔ علم معانی ۶۔ علم بیان ۷۔ علم بدیع ۸۔ علم قراءت ۹۔ علم کلام ۱۰۔ اصول فقہ ۱۱۔ اسباب نزول و قصص ۱۲۔ علم نسخ و منسوخ ۱۳۔ قرآن کے مجمل و مبہم کو بیان کرنے والی احادیث، ۱۴۔ علم فقہ ۱۵۔ ان علوم کے ساتھ خاص عطیہ ربانی بھی ہونا چاہیے جسے علم وہی کہتے ہیں کیونکہ اس کریم کی نوازش بے کراں کے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا پھر علم تفسیر تو علم تفسیر ہے۔

تفسیر حقانی کو ملاحظہ کرنے کے بعد ہر ذی علم اس اعتراف پر مجبور ہوگا کہ حضرت حقانی ان تمام علوم سے بہرہ مند تھے۔ ہم یہاں تفسیر حقانی کی علمی بحثوں اور امتیازی نشانات کو نہیں پیش کرنا چاہتے اس لیے کہ اس کی خاطر مکمل ایک کتاب مختص ہے۔ آپ اس کا ورق الٹیں، خود ہی مصنف کی علمی جودتیں آپ کی فکروں کا احاطہ کر لیں گی۔ ایک غیر مسلم فاضل رائے ہر پرشاد کے ایک قطعہ کو پیش کر کے یہ عنوان ختم کرتے ہیں جس میں حضرت حقانی کے علمی مدارج کا سچا اور بلیغ اعتراف موجود ہے۔

پرشاد کہتا ہے:

مہر سخنوری و مہر برج سروری
شاہ شہنشاہان جہانگیر ہندوی

کہتے ہیں جس کو ہند میں حقانی زماں
تفسیر کی ہے جس نے بہ تقریر ہندوی

تاریخ تھخہ پائی ہے یہ اس کی شان میں

پرشاد نے ”قرآن کی تفسیر ہندوی“ (۱۲۰۶ھ)

[عنایت رسول، قلمی، ص ۹۵۲]

تصنیفی کارنامے

حضرت حقانی کی تین قلمی یادگاریں محفوظ ہیں:

- ۱۔ تفسیر ”عنایت رسول کی“
- ۲۔ ”نعت رسول کی“ احادیث کریمہ کے انتخاب کا ترجمہ
- ۳۔ اور ذاتی بیاض جس میں امید ہے آپ کی شعری یادگاریں بھی ہوں گی۔

لیکن باضابطہ تصنیف کا نام تو صرف ان دو ہی کو دیا جاسکتا ہے:

۱۔ ”عنایت رسول کی“ ۲۔ اور ”نعت رسول کی“

تفسیر کے تعارف کے لیے تو چھ سو صفحات پر مشتمل ایک مکمل کتاب شائع ہو چکی ہے جو مخدوم گرامی پروفیسر سید محمد امین قادری برکاتی اور ناچیز ساحل شہسرامی (علیگ) کی مشترکہ کوششوں کی بدولت منظر عام پر آ چکی ہے۔ اس تفسیر حقانی کا مکمل جائزہ اس کتاب میں ملاحظہ کیجئے۔ اس لیے ہم یہاں صرف ”نعت رسول کی“ کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں۔

ترغیب و ترہیب کی احادیث کا ایک مشہور مختصر انتخاب ہے ”لباب الاخبار“ جسے حضرت نے مرتب فرمایا ہے۔ اس کتاب میں چالیس ابواب کے اندر چار سو احادیث جمع ہیں۔ چونکہ یہ مختصر مجموعہ عوام کے لیے مفید نظر آیا اس لیے حضرت شاہ حقانی قدس سرہ نے چاہا کہ اسے ہندوستان کی عوامی زبان ویدی جائے تاکہ ہر خاص و عام اس سے یکساں طور پر مستفید ہو سکے۔

بڑے سائز کے پچاس صفحات پر پھیلی ہوئی اس تصنیف میں ان چالیس عنوانات پر حدیثیں موجود ہیں:

- ۱۔ فضیلت علما، ۲۔ کلمہ طیبہ کے فضائل، ۳۔ بسم اللہ شریف کے فضائل،
- ۴۔ فضائل درود شریف، ۵۔ ایمان کے فضائل، ۶۔ اذان کے فضائل، ۷۔ مسواک اور خلال کی فضیلت، ۸۔ وضو کی فضیلت، ۹۔ نماز باجماعت کی فضیلت، ۱۰۔ جمعہ کے فضائل،
- ۱۱۔ مسجد کے فضائل و آداب، ۱۲۔ عمامہ کی فضیلت، ۱۳۔ روزہ کی فضیلت، ۱۴۔ فرض نمازوں کی فضیلت، ۱۵۔ سنت نمازوں کی فضیلت، ۱۶۔ زکوٰۃ کی فضیلت، ۱۷۔ صدقہ کی فضیلت،
- ۱۸۔ سلام کی فضیلت، ۱۹۔ دعا کی فضیلت، ۲۰۔ استغفار کی فضیلت، ۲۱۔ ذکر خدا کی فضیلت، ۲۲۔ تسبیح کی فضیلت، ۲۳۔ توبہ کی فضیلت، ۲۴۔ فقر و درویشی کی فضیلت،
- ۲۵۔ نکاح کی فضیلت، ۲۶۔ زنا کا عذاب، ۲۷۔ اغلام کا عذاب، ۲۸۔ شراب نوشی کا عذاب، ۲۹۔ تیر اندازی کی فضیلت، ۳۰۔ ماں باپ کے حقوق، ۳۱۔ بچوں کے حقوق،
- ۳۲۔ تواضع کی فضیلت، ۳۳۔ خاموش رہنے کی فضیلت، ۳۴۔ زیادہ کھانے کی مذمت،
- ۳۵۔ زیادہ ہنسنے کی ممانعت، ۳۶۔ عیادت کی فضیلت، ۳۷۔ موت کو یاد کرنے کی فضیلت،
- ۳۸۔ قبر کو یاد کرنے کی فضیلت، ۳۹۔ نوحہ اور ماتم کرنے کا عذاب، ۴۰۔ صبر کی فضیلت۔

اس مبارک رسالہ کی ابتدا ان کلمات سے ہوتی ہے:

”حمد اور ثناء پروردگار کی، ایسا پروردگار کہ اپنے حبیب کا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پاس سے زمین میں واسطے شفاعت کرنے اٹھارہ ہزار عالم کی بھیجا۔ کیا مقدور ہے دونوں جہان کے رہنے والوں کو کہ کچھ اس کا حمد ثناء بیان کر سکیں یا ایک نکتہ کسی طرح سے لکھیں اور وہ حبیب اس کا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جس کے آنے سے دنیا میں اور اس کے قدم کی برکت سے سارا جہان اور جہان کے رہنے والے نتاری کئے اور طرح طرح کے عذاب کہ پہلی امتوں کے اوپر سبب کفر شرک کے ہوتے آئے تھے، ان سب بلاؤں سے بچے اور بے شک شبہ امیدوار ہیں کہ عاقبت کو جو گناہ کہ چھوٹے بڑے کرے ہیں، بخشے جاویں اور داخل بہشت کے ہوویں۔ نعت اس کی اور منقبت اس خاوند کے آل اور اصحاب کی، فرشتوں اور پیغمبروں سے نہیں ہو سکی۔ پھر اور آدمی کا کیا حوصلہ ہے، جو کچھ کہے یا لکھے بیان کرے۔

احوال یہ ہے۔ جو ایک بزرگ نے بڑی بڑی کتابوں حدیثوں کی سے فرمائی ہوئیں حدیثیں اس جناب کی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر طرح کے حکم احکام میں منتخب کر کے چار سو حدیث، چالیس باب کر کے زبان عربی میں اس کی شرح کری تھی۔ ”لباب الاخبار“ اُس کا نا نور رکھا تھا۔ دوسری مرتبہ اور ایک عالم فاضل نے زبان فارسی میں شرح کری۔ اس عاصی گنہگار، لاچار، بے مقدار، خوار، فقیر فانی حقانی نے واسطے اپنی رفاہیت عاقبت کے زبان ہندی میں ان حدیثوں کے معنیوں کو موافق اپنی عقل، وقوف ناقص کے تجویز کر کے لکھا تو کہ پڑھنے والے سننے والے اس کے فائدہ اٹھادیں اور عبرت پا کر آئین دین میں درست ہوویں اور یہ وسیلہ اس عاجز کے انجام بخیر ہونے کا ہووے۔ نا نواس کا ”نعت رسول کی“ مقرر کیا۔ وقت اس کے لکھنے کا مہینہ جمادی الاول کا، سن بارہ سے نو ہجری النبوی (۱۲۰۹ھ) کی ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

یہ عاجز بے مایہ پڑھنے والوں کی خدمت میں یہ عرض رکھتا ہے جو کہ حرف کے معنیوں میں کچھ تفاوت نظر آوے یا کمی بیشی ہووے، نظر انصاف کے سے توجہ کر کے درست کریں، بناویں اور دعا خیر سے یا دفرماویں کہ یہ دعا سبب بھلائی اس کے دین دنیا کا ہووے بحر مہ النبی و آلہ و أصحابہ و ازواجہ و عترتہ الطاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین برحمتک یا أرحم الراحمین [نعت رسول کی، قلمی، ص ۱]

چالیسویں باب کے اختتام کے بعد اخیر میں اخلاق نبوت کو بیان کرتی ہوئی اس ترغیبی حدیث کو پیش کر کے رسالہ مبارکہ مکمل فرمادیتے ہیں:

”روایت کرتے ہیں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ:

عن اخلاق سید البشر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یعلف البعیر و یقمر البیت و یخصف النعل و یرقع الثوب و یحلب الشاة و یخدم و یاکل مع الخادم و ینظر اذا عیاء کان لا یمنعه الحیاء ان یحمل بضاعة من السوق الی اہله و کان یصافح الغنی و الفقیر و یسلم مبتدئاً و لا یخفی من ادعی له و لو الی حسف التمر و کان خلایق الوجه، یشاء مامن غیر منوس، متواضعاً من غیر ذلّة، جواداً من غیر مُسْرِف و کان رفیق القلب، رحیماً بکل مسلم، یحافظ من شیع و لم یمد یدہ من طمع۔

(معنی) ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں خلقوں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سے کہ حضرت اونٹوں کو اپنے ہاتھ چار دیتے اور چراغ گھر میں روشن کرتے تھے اور جو جوتا غلام کا ٹوٹ جاتا بناسی دیتے اور سیٹے پیوند کرتے کپڑے اپنے کو اور دودھ دہتے بکریوں اپنی کا اور ساتھ لونڈیوں کے خدمت گھر کی کرتے اور کھانا کھاتے ساتھ خادموں کے اور نظر میں رکھتے جس وقت کہ ماندہ دیکھتے لونڈی کو یعنی وقت پینے ناج کے مدٹ (مدد) کرتے اس کی، اور یہ کہ نہ منع کرتی ان کو شرم یہ کہ اٹھا کر لاوتے اسباب کو بازار سے طرف گھر کے لوگوں اپنے کے اور تھے کہ مصافحہ کرتے تھے دولت مند کو اور فقیر کو اور سلام کرتے آگو (پہلے) آنے والے کو اور نہ جی چھپاتے جو کہ مہمانی کو بلاتا ان کو اور اگر چہ کھانے کو نا کارہ سڑا ایک چھہارا کیوں نہ ہوتا اور تھے کشادہ پیشانی ہنستے ہوئے، چاہتے غیر الفت کرنے والوں کو، تواضع کرنے والے نہ ذلیل خوار کرنے والے، بخشے والے غیر حرج کے اور تھے رفیق دل کے یعنی دل کی بات کو پہنچانے والے، رحم کرنے والے ہر ایک مسلمان کو، محافظت کرتے بہت پیٹ بھر کر کھانے سے اور نہ لنبا ہوتا تھا ان کا طرف لالچ کے۔ یعنی ان سب باتوں کے کرنے سے ایک آدمی شرم کرتا ہے، جی چھپاتا ہے، مزاج مبارک میں ہر گز ایسے کاموں کے کرنے سے سوچ اندیشہ دل میں نہ تھا اور مغروری اور تکبری نہ فرماتے تھے۔ صلوات اللہ علیہ و آلہ و أصحابہ و ازواجہ و عترتہ الطاہرین و سلم کثیراً کثیراً برحمتک یا أرحم

الراحمین۔ [نعت رسول کی، قلمی، ص ۵۰]

اس کتاب کے دو قلمی نسخے پیش نظر ہیں۔ ایک تو خود حضرت مصنف کا تحریر فرمودہ، جس کی صراحت خود اخیر میں ان لفظوں میں موجود ہے:

”از دست فقیر حقیر عاصی فانی حقانی با تمام رسید“

اور دوسرا نسخہ شیخ محمد مراد نے لکھا ہے جس کے اخیر میں خود لکھتے ہیں:

”یہ رسالہ کہ نام اس کا ”نعت رسول کی“ ہے۔ ہاتھ محمد نامور عرف شیخ محمد مراد روشن کے، دن پیر کے، تاریخ ستائیسویں جمادی الثانی کی بارہ سے نو بجری میں لکھا گیا، تمام ہوا۔ پہلی نقل اصل سے اس بندہ عاصی کے ہاتھ سے ہوئی ہے۔ امیدوار ہے پڑھنے والوں سے جو خطا لکھنے میں ہوئی ہو معاف کریں، اصلاح فرماویں اور دعا خیر سے یاد کریں۔“ [نعت رسول کی، قلمی، ص ۵۰]

شاعری

حضرت سید شاہ محمد حقانی قدس سرہ کو شاعری کا فطری ذوق قدرت کی جانب سے عطا ہوا تھا۔ میر کے ہم عصر تھے اس لیے لب و لہجہ اسی دور کی شاعری کا عکاس ہے۔ آپ کی ذاتی بیاض ہاتھ نہ آسکی ورنہ آپ کی شاعری یہ مفصل تبصرہ ہوتا۔ آپ کی تفسیر ”عنایت رسول کی“ میں چند اشعار ضمنی طور سے نظر آئے۔ انہیں کی پیش کش پناکتفا ہوتی ہے۔

حمد باری میں فرماتے ہیں:

کون کر سکتا ہے اس خلاق اکبر کی ثنا

نارسا ہے شان میں جس کی پیمبر کی ثنا

پھر حبیب اس کے کی طاقت نعت کی ہے کس تئیں

نعت کی اللہ نے آپ ہی سرا سر جس کے تئیں

پھر مناقب آل کے اصحاب و اہل بیت کے

کس زبان سے کوئی کرے انجیل یا توریت کے

تواضع اور مدح و قدح سے بے نیازی کے ترجمان یہ اشعار ہیں:

کہنے سے نیک و بد کے کسو کے نہ کام ہے

ایک حرف گر قبول ہو، مقصد تمام ہے

تحسین سے کسی کے مجھے نفع کچھ نہیں

نفرین کا ضرر نہ میرا ننگ و نام ہے

میں نیں وسیلہ آیتوں قرآن کا لیا

میری حمایت ان کے تئیں مثل دام ہے

بال ہما سے معنی قرآن کا ہما

ہے بس بلند، میں نے بچھایا یہ دام ہے

گھٹن کھائے دانہ جو یہ عبارت ہے ہندوی

لیکن یہ دام دانہ ہما کا مقام ہے

امید ہے طفیل پیمبر کے ہو قبول

الفاظ گر رکیک، عبارت یہ خام ہے

حقانی فانی کا ہے کو مضطر ہے اس قدر

آخر تو اہل بیت کا کم تر غلام ہے

[عنایت رسول کی، قلمی، ص ۵۴-۵۵]





اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ

دین و دنیا کے مجھے برکات دے برکات سے
عشق حق دے عشقی عشق انہما کے واسطے
حب اہل بیت دے آل محمد کے لیے
کرشہید عشق حمزہ پیشوا کے واسطے
دل کو اچھا، تن کو ستھرا، جان کو پُر نور کر
اچھے پیارے شمس دیں بدرالعلیٰ کے واسطے
دو جہاں میں خادم آل رسول اللہ کو
حضرت آل رسول مقتدا کے واسطے



شاہ برکات و برکاتِ پشینیاں
نوبہارِ طریقت پہ لاکھوں سلام

سید آل محمد امام الرشید
گلِ روضِ ریاضت پہ لاکھوں سلام
حضرت حمزہ شیرِ خدا و رسول
زینتِ قادریت پہ لاکھوں سلام
نام و کام و تن و جان و حال و مقال
سب میں اچھے کی صورت پہ لاکھوں سلام
نورِ جاں، عطرِ مجموعہ، آل رسول
میرے آقائے نعمت پہ لاکھوں سلام



محمد عارف بلگرامی علیہ الرحمہ

تاریخ وصال برہان الموحدین سید شاہ آل محمد قادری برکاتی قدس سرہ

- ۱- سعید زمرہ سادات، کامل برحق کہ بود آل محمد بخاص و عام بیاں
 - ۲- بشیر عالم لاہوت و واقف جبروت زدست بیعت اوفیض بردہ عالم جاں
 - ۳- رسید ہر کہ بدر گاہ عالیش بہ نیاز بخویش یافتہ ہر مطلب عیاں و نہاں
 - ۴- بردوز شانزد ہم شہر صوم زیں عالم بسوئے دار بقارفتہ است جلوہ کنان
 - ۵- ز سال مغفرت اوچہ پرسی از عارف ”بخشر آل محمد بود شفیق جہاں“
- اخیر کے پورے مصرعے سے تاریخ برآمد ہوتی ہے۔ نیز محمد عارف موصوف نے صنعت دائرہ میں بھی بہترین تاریخ کہی ہے اور بہت کوشش سے یہ تاریخیں لکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ اسی طرح قاضی سید محمد مطلب رضوی نے ایک تاریخی قطعہ لکھا ہے جس کا تاریخی مصرع یہ ہے ع
- ”شاہ دین آل محمد بودہ قطب اتقیا“ (۱۱۶۴ھ)

شیخ عبدالسبحان نے بھی یہ تاریخ کہی:

- ۱- شاہ آل محمد از دنیا نقل فرمود سوئے دار جنناں
 - ۲- گفت تاریخ وصل او ہاتف ”شمس گردید زیر ابر نہاں“ (۱۱۶۴ھ)
- (کاشف الاستار شریف)



مولانا قاضی غلام شہر برکاتی حسرت بدایونی

ہوا ہو، نام لوں گر صبح دم آل محمد کا
ادب رکھتی ہے یہ شام الم آل محمد کا
درد دولت ہے مرجع بادشاہوں کا فقیروں کا
فلک سے پوچھئے جاہ و حشم آ محمد کا
مئے بغدادی و ساقی حجازی، میکدہ ہندی
دکھلائیں تجھے دربار ہم آل محمد کا
خدا کا خاص بندہ حاکم و وارث خدائی کا
عرب آل محمد کا عجم آل محمد کا
وہی مارہرہ ہے تو نے سنا منصور کا قصہ
حصار امن ہے یہ فوج غم آل محمد کا
خدا بندہ نواز و رحمت عالم پیہر ہے
کرم ہے غوث اعظم کا کرم آل محمد کا
دم آخر خدا یا جب مری آنکھوں میں دم آئے
دہن سے نام نکلے دمبدم آل محمد کا

شمس مارہرہ

مولانا اسید الحق عاصم القادری، خانقاہ قادریہ، بدایوں



منظہر غوث اعظم ابوالفضل شمس الدین

سید شاہ آل احمد اچھے میاں قادری قدس سرہ

ولادت باسعادت:

قبلہ جسم و جاں شمس الدین ابوالفضل آل احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہ کی ولادت باسعادت ۲۸ رمضان المبارک ۱۱۶۰ھ کو مارہرہ مطہرہ میں ہوئی، تاریخی نام ”سلطان مشائخ جہاں“ ہے۔

لقب اور عرفیت:

آپ کو ”شمس مارہرہ“ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے جو آپ پر من کل الوجوہ صادق آتا ہے، اچھے میاں عرفیت ہے۔

والد ماجد:

آپ کے والد ماجد اور پیرو مرشد اسد العارفین سید اکاملین سیدنا شاہ حمزہ ابن شاہ آل محمد مارہروی قدس سرہ ہیں۔

صاحب البرکات کی بشارت:

حضور صاحب البرکات سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی قدس سرہ نے بشارت دی تھی کہ ”ہماری اولاد میں ایک صاحبزادے ہوں گے جن سے رونق خاندان دو چند ہو جائے گی“، اور اپنا ایک خرچہ اپنی بیٹی اور بہو والدہ حضرت سیدنا شاہ حمزہ کو عنایت فرما کر حکم دیا تھا کہ یہ ان صاحبزادے کے واسطے ہے۔ شمس مارہرہ کے جد امجد حضرت سیدنا شاہ آل محمد

قدس سرہ نے جس وقت شمس مارہرہ کی عمر شریف چار سال کی تھی اپنی گود میں بٹھا کر ارشاد فرمایا کہ ”وہ صاحبزادے یہی ہیں جن کی حضور والد ماجد نے بشارت دی تھی“۔

آگے جا کر زمانے نے دیکھا کہ حضور صاحب البرکات کی زبان فیض ترجمان سے نکلا ہوا یہ جملہ کیسا صادق آیا کہ حضور شمس مارہرہ کی ذات والا صفات سے خانوادہ برکاتیہ کی رونق دو چند ہوئی، فیضان برکاتیت آپ کے ذریعہ عرب و عجم میں عام ہوا اور فیض غوثیت مآب کے دریا سے حضور شمس مارہرہ کے غلام سیراب ہوئے اور ایک جہاں کو سیراب کیا۔

تعلیم و تربیت اور بیعت:

آپ نے علوم ظاہری اور باطنی کے تمام تر فیوض اپنے والد ماجد حضور اسد العارفین سے حاصل کیے، اس کے علاوہ فن طب علمائے اور عملاً حکیم نصر اللہ مارہروی صاحب سے حاصل کیا، آپ کی روحانی تعلیم و تربیت براہ راست بارگاہ غوثیت سے ہوئی، اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ آپ کے روحانی معلم و استاذ خود جناب غوث الثقلین ہیں۔ والد ماجد سے شرف بیعت حاصل کیا اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔

سجادہ نشینی:

والد ماجد حضور اسد العارفین سیدنا شاہ حمزہ قدس سرہ کے وصال (۱۱۹۸ھ) کے بعد آپ خاندانی دستور کے مطابق مسند نشین سجادہ برکاتیہ ہوئے اور اپنے وصال ۱۲۳۵ھ تک کامل ۳۷ برس اس مسند زریں کو زینت و رونق بخشی، ان ۳۷ برسوں میں خانقاہ برکاتیہ کے تمام معمولات کو بحسن و خوبی انجام دیا، ایک عالم آپ کے چشمہ صافی سے فیض یاب ہوا۔ ہزاروں گم کردہ راہ آپ کی ایک نگاہ ارشاد سے صراط مستقیم پر گامزن ہوئے، اور سیکڑوں تاریک دلوں کو نور عرفان سے منور کیا۔

عقد مسعود اور اولاد امجاد:

حضور شمس مارہرہ کا عقد مسعود سیدنا شاہ غلام علی بگرامی کی صاحبزادی سے ہوا۔ آپ سے ایک صاحبزادے حضرت سائیں میاں اور ایک صاحبزادی تولد ہوئیں، ان دونوں نے عہد طفولیت ہی میں پردہ فرمایا، حضرت سائیں میاں مادر زاد ولی تھیں، جو زبان سے نکل جاتا

پورا ہوتا، آپ کا وصال ۱۳ ربیع الاول ۱۱۹۶ھ کو ہوا اور آپ کے صرف ۲۸ روز بعد ۱۱ ربیع الثانی ۱۱۹۶ھ کو شہزادی صاحبہ رخصت ہو گئیں۔

حضور شمس مارہرہ کے والد ماجد اسد العارفین سیدنا شاہ حمزہ قدس سرہ نے ان حضرات کی وفات کے موقع پر مفتی اودھ کے نام ایک مکتوب تحریر فرمایا تھا، اس طویل مکتوب گرامی میں اولاد کی وفات پر جس انداز میں صبر و ضبط اور راضی برضا ہونے کی تعلیم دی گئی ہے وہ خاصہ کی چیز ہے۔ اس مکتوب کو مولانا غلام شبر صاحب نے مدائح حضور نور میں نقل کر کے محفوظ کر دیا ہے۔ اس کی ایک نقل کتب خانہ قادریہ بدایوں میں بھی محفوظ ہے جو ۱۲۷۰ھ میں نقل کی گئی ہے۔

برادران گرامی:

حضور شمس مارہرہ حضرت اسد العارفین کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ سے چھوٹے تین صاحبزادگان گرامی وقار اور تھے، حضرت سید شاہ آل برکات سحرے میاں (ولادت ۱۱۶۳ھ وصال ۱۲۵۱ھ)، حضرت سید شاہ آل حسین سچے میاں (ولادت ۱۱۷۷ھ وصال ۱۲۳۵ھ) حضرت سید علی صاحب (وفات ۱۲۹۶ھ) آخر الذکر کا وصال سن طفولیت میں ہو گیا تھا۔ اول الذکر دونوں حضرات ظاہر و باطن میں اپنے اجداد کے وارث تھے اور انھیں دونوں حضرات سے خاندان برکات کی نسل کا سلسلہ آگے بڑھا۔

عادات و معمولات:

حضور شمس مارہرہ مقام غوثیت پر فائز تھے اور حضور غوث اعظم کا مظہر اتم تھے۔ آپ کے شبانہ روز کے معمولات ویسے ہی تھے جو غوث اعظم کے ایک مظہر اتم کے ہونا چاہیے۔ دن مخلوق خدا کی خدمت و خیر خواہی، طالبان و ساکان کی رہنمائی، مریدین و مسترشدین کی اصلاح و تربیت اور علوم ظاہر و باطن کے افاضہ و اشاعت میں گزرتا اور رات اپنے رب کے حضور سجدہ بندگی میں۔ مولوی مجاہد الدین ذاکر بدایونی نے تنبیہ المخلوق میں اپنے پیر و مرشد خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی کی زبانی آپ کے معمولات روز و شب کا ایک خاکہ بیان کیا ہے جس کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پوری زندگی عبادت و ریاضت، ارشاد و ہدایت اور اصلاح و تربیت سے عبارت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

حضرت پیر و مرشد (خاتم الاکابر) کی زبانی سنا ہے کہ حضرت مرشد اعلیٰ (شمس مارہرہ) شب آخر میں اٹھ کر بیت الخلاء سے فارغ ہوتے، بعدہ وضو فرما کر نماز تہجد ادا فرماتے تھے، بعد نماز صبح تک اوراد و اشغال میں مشغول رہتے تھے قریب صبح صادق کے مسجد میں تشریف لاتے تھے اور آتے ہی تحیۃ المسجد پڑھ کر فجر کی سنت پڑھتے تھے، قریب سحر فجر کی نماز باجماعت ادا فرماتے تھے، بعد فراغ نماز دست حق پرست اٹھا کر باواز بلند ترقی دین اور بخشش مومنین کی دعا فرماتے تھے، جب حضور دعا سے فارغ ہوتے تھے فقرا گیارہ بار ذکر کلمہ شریف باواز بلند کرتے، بعدہ حضور خانقاہ کو تشریف لے جاتے تھے، اور پھر دن چڑھنے تک اوراد و اشغال میں مصروف رہتے تھے، اس وقت دروازہ بند ہو جاتا تھا کوئی اس خلوت میں باریاب نہیں ہو سکتا تھا، وظائف سے فراغت کے بعد محل سرا میں تشریف لے جاتے، اور گھر میں سب کی خیریت دریافت فرما کر واپس آتے اور خانقاہ میں جلوہ فرما ہوتے اور درویشوں کو طلب فرما کر استفسار و امداد شہینہ فرماتے اور حال مشغولی کا سن کر ان کی اصلاح فرماتے، پھر وضو فرماتے اور درگاہ معلیٰ تشریف لے جاتے، فقر آگے آگے چلتے، ایک خادم جزدان وظیفہ اور مصلیٰ لے کر پہلے چلا جاتا اور معمول کی جگہ پر قبلہ رو مصلیٰ بچھا دیتا تھا، حضرت درگاہ میں داخل ہو کر پہلے اپنے والد ماجد کے مزار پر فاتحہ و قدم بوسی کے لیے حاضر ہوتے اور پھر والدہ ماجدہ، جد امجد، عم کرم کے مزارات پر فاتحہ خوانی کرتے، فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد درگاہ کے دروازے بند کر دیے جاتے آپ مصلے پر بیٹھ کر وظیفہ پڑھتے اور فقرایرون درگاہ والاں میں بیٹھ کر ختم قادریہ پڑھتے تھے، تھوڑی دیر بعد درگاہ سے برآمد ہوتے تھے اور خانقاہ کو تشریف لے جاتے تھے۔ اکثر اوقات برائے تفریح طبع پائیں باغ میں تشریف لے جاتے اور جامن کے درخت کے نیچے دری چکھا کر جلوہ افروز ہوتے، وہاں سے اٹھ کر خانقاہ تشریف لے جاتے، اس وقت دربار عام ہوتا، ہر ایک اپنا مطلب عرض کرتا، حضرت ہر فرد بشر پر عنایت فرماتے تھے اور ہر ایک کے دامن مقصود کو درمطلب سے بھر دیتے تھے، دو پہر تک یہ جلسہ رہتا تھا، اس محفل کے برخواست ہونے کے بعد کھانا طلب فرماتے، خادم گھر سے کھانا لاتا تھا، اس وقت سب لوگ چلے جاتے تھے، جس کو روک لیتے تھے وہ ٹھہر جاتا تھا، گیارہوں کی دو یا تین ہلکی چپائیاں شور بہ یا مونگ کی دال کے ساتھ تناول فرماتے، پھر قیلولہ فرماتے، بعدہ ظہر کی نماز مسجد میں ادا فرماتے، ظہر کے بعد تلاوت کلام

پاک میں مشغول ہوتے، پھر خانقاہ میں جلوہ افروز ہو کر درود پاک کا وظیفہ پڑھتے، پھر نماز عصر مسجد میں پڑھ کر خانقاہ میں رونق افروز ہوتے، مغرب کی نماز مسجد میں باجماعت ادا فرماتے، بعد مغرب فقرا ختم خواجگان کرتے اس کے بعد پھر آپ خانقاہ میں رونق افروز ہوتے، سجادہ پر رونق افروز ہو کر تسبیح پڑھتے، پھر سب لوگ اپنا اپنا مطلب عرض کرتے تھے حضرت سب کی تسلی و تشفی فرماتے جاتے تھے، پھر دولت خانے میں تشریف لے جاتے تھے، پھر عشا کی اذان کے وقت مسجد میں تشریف لا کر عشا کی نماز باجماعت ادا فرماتے، اس کے بعد خانقاہ میں تشریف لے جاتے اور خانقاہ کا دروازہ بند ہو جاتا مگر بعض بعض خواص کو باریابی کی اجازت تھی۔ (باختصار و تلخیص از تنبیہ الخلق قلمی، ص: ۲۵، ۲۶، ۲۷)

وصال مبارک:

آپ کا وصال ۱۷ ربیع الاول شریف ۱۲۳۵ھ بروز جمعرات بوقت چاشت ہوا، اس وقت آپ کی عمر شریف ۷۵ سال تھی، درگاہ برکاتیہ مارہرہ شریف کے گنبد میں حضور صاحب البرکات کے پہلو میں آپ کا مزار اقدس مرجع انام اور فیض بخش خاص وعام ہے۔

شمس مارہرہ کا عہد:

شمس مارہرہ کا عہد مبارک (از ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۷۷ء تا ۱۲۳۵ھ/ ۱۸۱۹ء) میں مسلمانوں کی سیاسی شان و شوکت اگر چہ اپنے آخری عہد میں تھی مگر علم و فضل اور فقر و تصوف کے میدان میں ایسی ایسی عظیم المرتبت ہستیاں موجود تھیں کہ اس عہد کو برصغیر کے چند زریں عہد میں سے ایک کہا جاسکتا ہے۔ سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے بھائیوں شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اور شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے ساتھ مدرسہ رحیمیہ دہلی کی مسند درس پر جلوہ افروز تھے، بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) اور حضرت شاہ احمد انوار الحق فرنگی محلی (م ۱۲۳۶ھ) ظاہر و باطن دونوں میں فیض کے دریا بہا رہے تھے، دہلی میں مولانا فضل امام خیر آبادی (م ۱۲۳۳ھ) لکھنؤ میں ملازمین لکھنؤی (م ۱۲۲۵ھ) اور بدایوں میں بحر العلوم ملا محمد علی عثمانی (م ۱۱۹۷ھ) کی درس گاہیں شمع علم کے پروانوں سے آباد تھیں۔ دہلی کی حکومت کمزور تھی اور دن بدن کمزور تر ہوتی جا رہی تھی، شمس مارہرہ کے عہد میں دہلی کے تخت کو بادشاہوں نے زینت بخشی، احمد شاہ (از ۱۱۶۱ھ تا ۱۱۶۷ھ)، عالمگیر ثانی (از ۱۱۶۷ھ تا

۱۱۷۳ھ) شاہ عالم ثانی (از ۱۱۷۳ تا ۱۲۲۱ھ) اور اکبر شاہ ثانی (از ۱۲۲۱ تا ۱۲۵۳ھ)۔ ان میں سے شاہ عالم ثانی کے بارے میں سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ آپ کا معتقد تھا اور اس نے والی اودھ نواب آصف الدولہ کے ذریعہ چند دیہات ۱۱۹۸ھ میں بطور جاگیر آپ کو نذر کیے تھے۔ آپ کے عہد میں جیسا کہ عرض کیا گیا مسلمانوں کی حکومت کمزور سے کمزور تر ہوتی جا رہی تھی اور رفتہ رفتہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا اثر و نفوذ بڑھتا جا رہا تھا۔ فرنگیوں نے ۱۷۵۱ء میں ارکاٹ (صوبہ کرناٹک) پر قبضہ کیا۔ یہ ہندوستان پر انگریزوں کی پہلی فتح تھی۔ ۱۷۵۲ء میں ترچنا پللی فتح کیا، اسی زمانہ میں نظام دکن انگریزوں کا دوست بن گیا جس کے ذریعہ انگریزوں کو دکن میں بھی کامل اقتدار حاصل ہو گیا۔ جنوب ہند میں اقتدار مستحکم کرنے کے بعد انگریزوں کو بنگال، بہار، اڑیسہ کی فکر ہوئی، ۱۷۵۶ء میں کلکتہ کے قلعہ پر حملہ کیا اور اس کے ایک سال بعد ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ ہوئی، نواب سراج الدولہ کو میر جعفر کی غداری کے سبب شکست ہوئی، ۱۷۶۴ء میں بکسر کے میدان میں ہندوستانی فوج کو شکست ہوئی، جس کے بعد اودھ پر انگریزوں کا اقتدار مستحکم ہو گیا۔ ۱۷۶۵ء میں مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی انگریزوں کے فریب میں آ گیا اور تقریباً ایک تہائی ہندوستان فرنگیوں کے حوالے کر دیا۔ ۱۷۹۹ء میں شیر میسور ٹیپو سلطان کو شکست ہوئی۔ انگریزوں کی فتوحات اور ہندوستانیوں کی شکست و ریخت کا یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی لڑی گئی جس کو غدر کا نام دیا گیا اور اس میں انگریزوں کی فتح کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ختم کر کے ہندوستان کا اقتدار براہ راست ملکہ وکٹوریہ کے زیر فرمان ہو گیا۔

نسبت غوث اعظم:

غوث اعظم کی ذات سے آپ کو جو مضبوط اور مستحکم نسبت تھی وہ اپنے اندر ایک خاص شان رکھتی ہے، جب غوث الاعظم میں سرشاری کی کیفیت جو آپ کے یہاں نظر آتی ہے وہ بہت کم دیکھنے میں آتی ہے، مریدوں کے نام اپنے وصیت نامہ میں آپ نے جن الفاظ میں اس نسبت کا قدریت کا اظہار فرمایا ہے وہ قابل ملاحظہ ہیں آپ فرماتے ہیں کہ ”یہ خاندان برکاتِ حمزویہ سات پشت سے خالص حضور غوث اعظم کا نمک پروردہ ہے لہذا غوث اعظم کی غلامی ہرگز نہ چھوڑو کہ سلامتی دارین اسی میں ہے“۔

فنائی الغوثیت کی یہ شان تھی کہ اپنے بھتیجے حضرت شاہ غلام محی الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے نام مبارک کی وجہ سے غایت محبت فرماتے تھے، ہر کھانے کی چیز میں سب سے پہلے حضرت صاحبزادے صاحب کو کھلاتے پھر خود تناول فرماتے۔

(مدائح حضور نور، ص: ۶۲)

اسی فنائیت و محویت کا نتیجہ تھا کہ دوام حضوری سرکار غوثیت مآب سے سرفراز ہوئے اور حضور غوث اعظم نے اپنا نائب مطلق اور مظہر اتم بنایا۔

غوث اعظم کی خاص عنایت:

حضرت شمس مارہرہ کے حالات میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں کہ حضور غوث اعظم نے مختلف لوگوں کو خواب میں حضور شمس مارہرہ سے بیعت ہونے کا اشارہ فرمایا یا اخذ فیض کا حکم دیا، یہی نہیں بلکہ غوث اعظم نے خود بغداد معلیٰ سے اپنے شہزادے کو تکمیل باطنی کے لیے حضور شمس مارہرہ کی خدمت میں بھیج کر اس بات کا اشارہ دے دیا کہ اپنے وقت میں آپ غوث اعظم کے نائب مطلق ہیں، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شمس مارہرہ پر حضور غوث اعظم کی کیسی نگاہ خاص تھی۔ تنبیہ المخلوق میں لکھا ہے کہ ”ایک بزرگوار اولاد جناب غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور اقدس میں حاضر ہوئے، ملاقات کے بعد عرض کیا کہ میں کئی مرتبہ عقدہ باطن کی کشود کی خاطر اپنے دادا حضور غوث اعظم کے روضہ مبارک کے قریب چلے کش ہوا، مگر کشود نہ ہوتی تھی، ایک دن ناگاہ رویاے صالحہ میں حضرت جد امجد نے فرمایا کہ میرا فرزند سید آل احمد قادری دیار ہند میں بمقام مارہرہ امامت گزریں ہے اس کے پاس جاؤ کا میاب ہو گے“، لہذا میں حاضر ہوا ہوں۔ حضرت نے کمال احترام سے ان کو خانقاہ میں ٹھہرا کر تعلیم فرمائی تھوڑے عرصہ میں ان کا عقدہ لاخیل حل ہو گیا، حضرت نے دوسروں پر یہ حضور غوث پاک کی نذران کو دے کر بغداد شریف رخصت کیا“۔ (تنبیہ المخلوق، ص: ۱۱۷)

مولوی اکرام اللہ محشر بدایونی کے بارے میں صاحب ہدایت المخلوق نے لکھا ہے کہ ”خواب میں حضور غوث اعظم نے ان کا ہاتھ حضور شمس مارہرہ کے ہاتھ میں دے دیا اس کے بعد وہ مارہرہ شریف حاضر ہو کر داخل سلسلہ ہوئے“۔

سرور کائنات (ﷺ) کی نظر خاص:

بحرالعلوم ملا محمد علی عثمانی کے صاحبزادے مولانا فخر الدین عثمانی بدایونی حضور شمس مارہرہ کے معتقد تھے۔ ایک دن کسی خاص شغل کی اجازت چاہی، حضرت نے ایک شغل مع شرائط و فوائد ارشاد فرمادیا، انھوں نے ایک مدت تک اس پر عمل کیا مگر کچھ خاص اثر نظر نہیں آیا جس کی وجہ سے منحرف اور برگشتہ ہو گئے اور کسی دوسرے اہل اللہ کے متلاشی ہوئے۔ اس زمانے میں حضرت مولانا فخر الدین چشتی دہلوی کی بزرگی اور فیض رسانی کا بڑا شہرہ تھا، آپ نے دہلی جا کر ان کے دامن سے وابستہ ہونے کا ارادہ کیا۔ جب اس ارادہ کا تذکرہ چند احباب سے کیا تو وہ بھی دہلی جانے کو تیار ہو گئے، مؤلف ہدایت المخلوق مولوی محمد افضل بدایونی مارہرہ شریف جا رہے تھے، حضور اچھے صاحب کے مرید و خلیفہ حضرت محمد رفعت عرف شاہ بے فکر صاحب نے ان سے کہا کہ مارہرہ جا رہے ہو حضرت سے عرض کرنا کہ مولوی فخر الدین صاحب کے ساتھ میں بھی دہلی جانے کا ارادہ رکھتا ہوں اگر حضرت اجازت دیدیں تو چلا جاؤں، مولوی محمد افضل صاحب مارہرہ شریف پہنچے، اور موقع دیکھ کر حضرت شمس مارہرہ سے عرض کیا، آپ نے فرمایا کہ دہلی کون کون جا رہا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ مولوی فخر الدین صاحب، شاہ بے فکر، عبدالقادر آتش باز اور اسلام شاہ، حضرت نے فرمایا کہ مولوی فخر الدین تو بیعت کے لیے جا رہے ہیں باقی لوگ سیر و تفریح کے لیے جا رہے ہیں مگر شاہ بے فکر کیوں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ مولوی محمد افضل صاحب نے عرض کیا کہ مزارات کی زیارت کو جانا چاہتے ہیں۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ ”شاہ بے فکر کو دہلی جانے سے منع کر دو، ان کے معمولات میں خلل واقع ہوگا، اگر ان کو مزارات کی زیارت کا زیادہ ہی شوق ہو تو حضرت دادا صاحب کے مزار کی زیارت کر لیں ان کو یہی کافی ہوگا اور فخر الدین کو ہرگز منع نہ کرنا، جانے دینا جہاں کہیں جائیں گے پشیمان ہو کر واپس آئیں گے اور فخر الدین اسی خاندان میں داخل سلسلہ ہوں گے، عنقریب یہ معاملہ ظاہر ہوگا، مگر ابھی اس راز کو افشا نہ کرنا۔“

ادھر مولوی فخر الدین صاحب جب بھی دہلی جانے کا عزم کرتے تھے کوئی نہ کوئی رکاوٹ حائل ہو جاتی تھی، اسی طرح چند ماہ گزر گئے، ۲۷ جمادی الثانی ۱۲۱۰ھ کی رات میں

انھوں نے خواب دیکھا کہ دہلی کو جا رہے ہیں اور راستہ بھٹک کر مارہرہ شریف جا پہنچے۔ خواب سے بیدار ہوئے اور توبہ کرتے ہوئے بولے کہ اب کوئی اہل اللہ نہ رہا، مارہرہ تو ہرگز نہ جاؤں گا، یہ کہہ کر پھر سو گئے۔ اب طالع بیدار ہوا خواب میں دیکھا کہ ایک وسیع صحرا ہے جس میں دور ایک بلند و بالا عمارت ہے، جب اس کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت باغ ہے اور اس کے دروازے پر دو نورانی چہروں والے پہرہ دار کھڑے ہیں، انھوں نے اندر جانا چاہا تو پہرہ داروں نے روکا انھوں نے کہا کہ باغ کے مالک سے میرے بارے میں بتاؤ اور وہ جو حکم دے ویسا کرو، پہرہ دار اندر گئے اور واپس آ کر بتایا کہ تمہیں اندر طلب کیا جا رہا ہے، یہ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ پورا باغ انوار و تجلیات سے معمور ہے، ایک بلند مقام پر سرور کائنات ﷺ مسند پر جلوہ افروز ہیں، یہ دیکھتے ہی حضور کے قدموں پر گر گئے، جب سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضور علیہ السلام کے روبرو شمس مارہرہ ادب کے ساتھ دوزانو بیٹھے ہیں۔ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ”آل احمد فخر الدین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لو“، حضرت شمس مارہرہ نے عرض کیا کہ ”حضور اپنے دست مبارک سے فخر الدین کا ہاتھ مرے ہاتھ میں دیں“، حضور اکرم نے مولوی فخر الدین کا ہاتھ اپنے دست مبارک سے پکڑ کر حضور شمس مارہرہ کے ہاتھ میں دے دیا، حضور شمس مارہرہ ان کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے اٹھے اور ایک غلام گردش میں لائے اور مولوی فخر الدین سے فرمایا ”فخر الدین ویسے نہ آئے اس طرح آئے“ یہ خواب سے بیدار ہوئے، اپنے سابقہ خیال سے تائب ہوئے۔ علی الصبح مارہرہ شریف جانے کا ارادہ کیا، مولوی محمد افضل (اس واقعہ کے راوی) شاہ عین الحق عبدالمجید بدایونی اور شاہ بے فکر صاحب ساتھ ہوئے۔ مارہرہ شریف پہنچ کر حضور شمس مارہرہ کے قدموں پر گر گئے، آپ نے شفقت فرمائی، داخل سلسلہ فرمایا پھر تو ایسے وابستہ ہوئے کہ خلافت و اجازت سے بھی سرفراز کیے گئے۔ (تنبیہ المخلوق، ص: ۵۱)

مرجع اکابر:

اپنے عہد کے اکابر و مشائخ میں آپ کو جو ممتاز مقام حاصل تھا اس نے آپ کو مرجع خلائق بنا دیا تھا، بڑے بڑے اکابر اور اولیا مسائل حال و قال میں آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے، صاحب آثار احمدی نے لکھا ہے کہ ایک صاحب نے بغداد شریف میں نقیب

الاشرف صاحب سجادہ غوثیہ سے عرض کیا کہ مجھے مسئلہ وحدت الوجود میں کچھ اشکال ہے وہ دور فرمادیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہندوستان میں ہمارے گھر کی دولت تقسیم ہو رہی ہے وہاں جاؤ، حسب الارشاد یہ ہندوستان آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دہلی میں سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا شمس فضل و کمال عروج پر تھا اور ہر جگہ آپ کے فیضان علمی کا ڈنکا بج رہا تھا، یہ صاحب شاہ صاحب کی بارگاہ میں حاضر ہوئے مدعا عرض کیا، شاہ صاحب نے مسئلہ سمجھا یا مگر ان کی تشفی نہ ہوئی، شاہ صاحب سمجھ گئے کہ یہ مسئلہ قال سے نہیں بلکہ کسی صاحب حال سے حل ہوگا، آپ نے فرمایا کہ مارہرہ چلے جاؤ وہاں ہمارے بھائی اچھے میاں ہیں وہ تمہاری تسکین کر دیں گے، یہ مارہرہ شریف حاضر ہوئے، جس وقت یہ پہنچے اس وقت حضرت درگاہ سے خانقاہ کی طرف جارہے تھے راستہ میں انھوں نے قدم بوسی کی، آپ وہیں ٹھہر گئے اور ان کا حال دریافت کیا انھوں نے مختصراً اپنے آنے کا مقصد اور مسئلہ کے سلسلہ میں اپنے اشکال عرض کیے، وہیں قریب میں ایک پھولس کا چھپر تھا حضرت نے اس پر سے کچھ تنکے اٹھائے اور ان کو توڑتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے اشکالات ایسے ہی ہیں جیسے یہ تنکے، پھر ایک ایسی نگاہ توجہ ڈالی کہ اسی وقت ان پر اس مسئلہ کی حقیقت منکشف ہو گئی۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز جیسے جامع شریعت و طریقت کا کسی شخص کو حضور اچھے صاحب کی بارگاہ میں تسکین باطنی کے لیے بھیجنا کوئی معمولی بات نہیں ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکابر زمانہ کی نظر میں آپ کا کیا مقام تھا۔

مجدد سلسلہ نظامیہ فخر پاک حضرت مولانا خواجہ فخر دہلوی کے ایک مرید کسی وجہ سے گرفتار ہو گئے اور جائیداد بھی ضبط کر لی گئی، بہت پریشان تھے، اپنے مرشد گرامی کی طرف لو لگائی، شب کو خواب میں آپ نے خواجہ فخر پاک کو دیکھا کہ انھوں نے نواب صاحب کا ہاتھ ایک بزرگ کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا میں تمہیں ان کو سونپتا ہوں جو مشکل پیش آئے ان سے رجوع کرنا، نواب صاحب نے عرض کیا کہ حضور یہ کون ہیں اور کہاں ہیں؟ فرمایا کہ یہ سید آل احمد قادری ہیں اور مارہرہ میں جلوہ افروز ہیں۔ یہ خواب سے بیدار ہوئے اور قاصد کو مارہرہ شریف روانہ کیا کچھ ہی عرصہ میں حضرت شمس مارہرہ کی دعا سے رہائی نصیب ہوئی، (تنبیہ الخلق، ص: ۵۵)

ان دونوں واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف شاہ عبدالعزیز محدث

دہلوی جیسا محدث و عالم مسائل کے حل کے لیے لوگوں کو شمس مارہرہ کی طرف رجوع ہونے کی ہدایت کر رہا ہے تو دوسری طرف حضرت خواجہ فخر پاک جیسا ولی کامل اور صاحب تصرف مشکلات کے دفعیہ کے لیے اپنے مرید کو حضرت شمس مارہرہ کے سپرد کر کے ان کی طرف رجوع کا حکم فرما رہا ہے۔ ان کے علاوہ آپ کے حالات میں بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں کہ بغداد شریف، بخاری، شام اور ہندوستان کے دور دراز مقامات سے علما و صوفیاء سفر کر کے آپ کی بارگاہ میں اپنے مسائل کی گتھی سلجھانے کے لیے حاضر ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ غوث اعظم کی مظہریت تامہ نے آپ کو مرجع عوام و خواص بنا دیا تھا۔

مخدوم زادے کی آمد:

کالپی شریف مارہرہ مطہرہ کا پیر خانہ ہے، حضور صاحب البرکات کو سیدنا شاہ فضل اللہ کالپی نے اجازت و خلافت عطا فرمائی اگرچہ صاحب البرکات اپنے قدیم آبائی سلسلہ میں بیعت و اجازت رکھتے تھے مگر آپ نے وہی فیضان قادریت عام فرمایا جو کالپی شریف سے آپ کو عطا ہوا تھا اور آج بھی سلسلہ جاری ہے مگر حضور شمس مارہرہ کی یہ شان ہے کہ آپ سے کالپی شریف کے سجادہ نشین اور سیدنا شاہ فضل اللہ کے نبیرہ حضرت سید خیرات علی صاحب قادری قدس سرہ نے بیعت و اجازت حاصل کی۔

آپ مارہرہ شریف تشریف لائے حضرت شمس مارہرہ نے ان کو نہایت تعظیم سے ٹھہرایا، بعد ملاقات انھوں نے نیاز مندانہ گزارش کی کہ والد ماجد کے انتقال کے بعد صغریٰ کے سبب میں نعمت باطنی سے محروم رہا، آپ کے جد امجد میرے جد امجد سے نعمت باطنی کلی لائے تھے اس وقت اُس نعمت عظمیٰ کے تمام و کمال وارث و حامل آپ ہیں، لہذا خدمت عالی میں آیا ہوں آپ مجھ کو پیر زادہ نہ تصور کیجیے بلکہ طالب سمجھ کر محروم واپس نہ کیجیے اور اپنے ارادت مندوں میں شامل فرما لیجیے۔ حضرت نے ان کی خاطر داری فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ”یہاں جو کچھ ہے وہ آپ کا ہی ہے“، تین مہینہ اعمال و اوراد میں مشغول فرما کر اجازت و خلافت دی۔ دوسو روپیہ خود اور سو روپیہ دیگر اشخاص سے نذر کروا کر کالپی شریف رخصت کیا۔

طریقہ ہدایت و اصلاح:

اہل اللہ کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہ حضرات ”مخلوق باخلاق اللہ“ ہوتے ہیں،

مخلوق خدا سے محبت، رحمت و شفقت اور خیر خواہی ان کا خاص وصف ہوتا ہے۔ ان کا طریقہ ارشاد و اصلاح بھی علمائے ظاہر کے مقابلے میں جدا ہوتا ہے۔ یہ بندوں کی عیب پوشی فرماتے ہوئے اس مشفقانہ انداز میں اصلاح احوال کرتے ہیں کہ آدمی اپنی غلطی کا احساس کر کے اس پر نادم ہوتا ہے۔ حضرت شمس مارہرہ کا بھی وہی طریقہ تھا ایک مرتبہ بدایوں کے حاجی کمال الدین صدیقی متولی کے ماموں شیخ خلق محمد صاحب مارہرہ شریف حاضر ہو کر شمس مارہرہ کے مہمان ہوئے۔ اس دن آپ کے کاشانہ اقدس میں رساؤل (وہ بیٹھا جو گنے کے رس اور چاول سے تیار کیا جاتا ہے) پکی تھی، یہی رساؤل ان کو بھی بھیج دی گئی۔ شیخ موصوف رساؤل نہیں کھاتے تھے، چنانچہ انھوں نے اس کو ہاتھ نہ لگایا اور دل میں خیال کیا کہ آج حضرت نے بھوکا مار دیا، ہر چند احباب نے سمجھایا کہ جو کچھ کاشانہ اقدس سے بھیجا گیا ہے اسی کو کھا لو مگر انھوں نے نہیں کھایا۔ اس کے بعد حضرت کی محفل میں حاضر ہوئے، ابھی بیٹھے ہی تھے کہ حضرت نے اپنے ایک خادم سے فرمایا کہ شیخ خلق محمد بھوکے ہیں ان کے لیے کھانا لاؤ۔ اس بار ان کے لیے گوشت روٹی آئی اور انھوں نے شکم سیر ہو کر کھایا۔ دو تین روز بعد شیخ موصوف نے رخصت کی اجازت چاہی، شمس مارہرہ نے پوچھا کس راستہ سے جاؤ گے، عرض کیا موضع سہاور ہوتا ہوا بدایوں جاؤں گا وہاں شاہ رمضان مرحوم کے صاحبزادے سے ملنا ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا اچھا جاؤ اجازت ہے مگر وہاں جو کچھ حاضر ہو کھا لینا انکار نہ کرنا، رساؤل کی طرح کبھی کسی چیز کو یہ نہ کہنا کہ میں نہیں کھاتا ہوں، خدا کی نعمت کا شکر نہیں کرتے ناشکری کرتے ہو، یہاں بعنایت الہی ہر چیز موجود ہے تم نے رساؤل نہیں کھائی تو میں نے روٹی کھلا دی، سہاور میں بھی اگر اسی طرح کسی کھانے سے انکار کیا تو وہ غریب فوراً تمہارا پسندیدہ کھانا کہاں سے لائے گا؟

آپ کی زبان فیض ترجمان سے نکلی ہوئی بظاہر عام الفاظ کی اس نصیحت کا ایسا اثر ہوا کہ اس دن سے شیخ صاحب موصوف نے توبہ کی اور پھر کبھی کسی کھانے کو یہ نہیں کہا کہ میں نہیں کھاتا ہوں جو کچھ سامنے آیا خدا کا شکر کر کے کھالیا۔ (برکات مارہرہ ص: ۷۳)

ستر حال:

اولیائے کبار اور مقررین بارگاہ کی طرح حضور شمس مارہرہ کو بھی اخفاے حال کا بڑا پاس

تھا، اپنے مقام بلند، سلوک، طریقت اور خوارق عادات کا حد درجہ اخفا فرماتے، جو بھی خوارق عادات ظاہر ہوتے ان پر مختلف طریقوں سے پردہ ڈال دیتے۔

مولانا غلام شہر قادری لکھتے ہیں:

آپ نے فن طب باقاعدہ حکیم نصر اللہ مارہروی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل فرمایا تھا لیکن اس سے سوائے ستر تصرفات کام نہ لیا جاتا، بظاہر مریض کو معمولی دوا یا کسی درخت کے پتے تجویز فرماتے اور حقیقتاً خود چارہ سازی فرماتے۔ (مدائح حضور نور، ص: ۶۷)

بعض وقت اپنی کرامت کو اپنے خدام اور خلفا کی جانب منسوب کر کے اپنے حال کا اخفا فرماتے۔

مولوی مجاہد الدین ذاکر آل رسولی بدایونی نے اپنے والد مولوی مبارز الدین کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مولوی مبارز الدین اپنے والد وہاب الدین کے ہمراہ مارہرہ شریف میں حاضر تھے کہ اچانک ان کی آنکھوں میں شدید درد شروع ہو گیا۔ رات کو درد کی شدت کا یہ حال ہوا کہ وہ تکلیف سے چیخنے لگے، آگے کا واقعہ انھیں کی زبانی ملاحظہ کریں:

اس وقت مولانا عبد المجید صاحب کو میرا حال معلوم ہوا انھوں نے جا کر حضور (شمس مارہرہ) سے عرض کیا، حضور نے فرمایا ہماری صراحی سے پانی لے جاؤ اور اس سے آنکھیں دھو، اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔ مولوی صاحب حسب الارشاد پانی لائے اور اپنے دست شریف سے آنکھیں دھوئیں، فوراً درد جاتا رہا اور تمام رات آرام سویا، جب صبح ہوئی ہمراہ والد ماجد کے حضور میں حاضر ہوا۔ حضرت (شمس مارہرہ) نے فرمایا مبارز الدین کیا حال ہے، میں نے عرض کیا اب تو بالکل اچھا ہوں۔ جناب والد ماجد نے عرض کیا جو حضور سے پانی عطا ہوا تھا اس کے دھونے سے بالکل درد جاتا رہا تمام رات چین سے سویا۔ حضرت مرشد اعلیٰ (شمس مارہرہ) نے فرمایا ”بھائی وہاب الدین پانی میں کچھ برکت نہیں تھی مولوی عبد المجید کے ہاتھ کی برکت ہوئی۔ مولوی صاحب کے ہاتھ میں بڑی تاثیر ہے“۔ (تنبیہ المخلوق قلمی، ص: ۹۹)

اسی طرح اپنے تصرفات و خوارق کی مختلف انداز میں پردہ پوشی فرماتے۔

ایک مرتبہ نواب فیض اللہ بیگ تحصیل دار خلف نواب قاسم جنگ دہلوی کسی وجہ سے گرفتار ہو گئے اور کارخانہ وغیرہ ضبط ہو گیا۔ آپ نے شمس مارہرہ کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا، جس وقت ان کا قاصد مارہرہ شریف پہنچا تو حضور شمس مارہرہ کی محفل میں دیگر

لوگوں کے علاوہ آپ کے خاص مرید مولوی غلام معین الدین صاحب بھی حاضر تھے۔ حضرت نے نواب صاحب کا عریضہ ملاحظہ فرمایا اور فرمایا انشاء اللہ رہائی ہوگی، مولوی غلام معین الدین صاحب نے عرض کیا کہ حضور والا کی توجہ ہوگی تو یقیناً رہائی ہو جائے گی۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا تم بھی دعا کرو کہ نواب صاحب کو رہائی ہو، کچھ روز بعد حضرت نماز عصر سے فارغ ہو کر مسجد کی سیڑھیوں سے اتر رہے تھے کہ دہلی سے نواب صاحب کا قاصد یہ خبر لے کر آیا کہ حضور کی دعا سے نواب صاحب رہا ہو گئے اور جو اسباب ضبط ہوا تھا وہ بھی واپس مل گیا، اس پر حضرت نے مولوی غلام معین الدین صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بھائی معین الدین تمہاری دعا سے نواب فیض اللہ بیگ قید سے رہا ہو گئے۔ (تنبیہ المخلوق، ص: ۵۵، ۵۶) اس طرح مختلف طریقوں سے آپ اپنی کرامات و تصرفات کا اظہار کیا کرتے تھے یہی اہل اللہ کی شان ہے۔

بے ادبی پر سرزنش

مولوی مجاہد الدین ذاکر اپنے پیرومرشد خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مارہرہ میں رہنے والے کبوتر برادری کے ایک شخص نے ایک جگہ کہا کہ میں اور اچھے میاں حضرت سیدنا شاہ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں جو کچھ انھیں بتایا ہے وہی مجھ کو بھی بتایا ہے جو وظیفہ وہ پڑھتے ہیں وہی میں بھی پڑھتا ہوں جیسی داڑھی ان کی ہے ویسی ہی طویل داڑھی میری بھی ہے بس اتنا فرق ہے کہ میں شیخ کبوتر ہوں اور وہ سید ہیں۔

کچھ عرصہ بعد وہ حاضر بارگاہ ہوئے تو حضور شمس مارہرہ نے فرمایا ”اے بھائی خدا کا شکر ہے کہ تم نے ہماری سیادت تو باقی رکھی،“ تھوڑے دن بعد ان کی داڑھی میں خارش ہو گئی اور اس میں جوئیں پڑ گئیں، ہر چند صاف کرتے تھے مگر جوئیں کم نہ ہوتی تھیں جتنی نکالتے تھے اتنی ہی اور ہو جاتی تھیں۔ آخر کار تکلیف سے تنگ آ کر اپنی طویل سفید داڑھی مونڈ دی اور شرم کی وجہ سے رومال لپیٹ لیا۔ ایک روز حضرت نے طلب فرمایا بجز حاضری کے چارہ نہ دیکھا، حاضر بارگاہ ہوئے، حضرت نے فرمایا بھائی منہ کیوں باندھا ہے رومال کھولو، انھوں نے پہلے تو کچھ عذر کیا لیکن جب حضرت نے تکرار کی تو مجبوراً رومال کھولا۔ حضرت

نے فرمایا کہ بھائی اب ہم میں دو فضیلتیں ہیں ایک تو ہم سید ہیں دوسرے ہماری داڑھی بہت بڑی ہے، وہ صاحب نادم ہو کر قدموں پر گر گئے اور تقصیر کی معافی چاہی، حضرت نے معاف فرمایا اور انھوں نے پھر داڑھی رکھ لی۔

علوم و فنون کا انسائیکلو پیڈیا آئین احمدی

حضرت اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے زمانے کے جید علما کا ایک بورڈ تشکیل دے کر اپنی نگرانی میں فقہ حنفی کا ایک انسائیکلو پیڈیا مرتب کروایا تھا جو فتاویٰ عالمگیری کے نام سے معروف ہے۔ تاریخی طور پر یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ ہندوستان میں اس کے بعد علما کی ایک جماعت نے مل کر اگر کوئی انسائیکلو پیڈیا ترتیب دیا ہے تو وہ آئین احمدی ہے، جو حضور شمس مارہرہ کے حکم پر آپ کے مریدین و خلفا علما و فضلاء کی ایک جماعت نے مل کر ترتیب دیا، عالمگیری انسائیکلو پیڈیا اور آل احمدی انسائیکلو پیڈیا میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ حضرت عالمگیر نے صرف فقہ حنفی کے مسائل و جزئیات پر مشتمل کتاب ترتیب دلوائی جب کہ شمس مارہرہ کے حکم سے ترتیب دی گئی اس انسائیکلو پیڈیا کی شان یہ ہے کہ علوم متداولہ میں سے کوئی علم فن ایسا نہیں ہے جو اس میں درج نہ ہو۔ اس طرز پر اور بھی کتابیں لکھی گئی ہیں جو علوم متداولہ کی بہت سی شاخوں کو محیط ہوں، ان میں علامہ قطب الدین شیرازی کی درۃ التاج لغرة الدیباں علمی حلقوں میں معروف ہے۔ آئینہ احمدی کی تالیف کے سلسلہ میں مولانا غلام شہر قادری لکھتے ہیں:

”خلفا و مریدین سے ایک جماعت علما حاضر ہے، ارشاد ہوا کہ اگر کتب خانہ سرکار مارہرہ کو کوئی مکمل دیکھنا چاہے (تو) ایک بڑا وقت درکار ہوگا۔ مناسب ہے کہ آپ لوگ کوشش کریں اور کتب خانہ سے متفرق علوم و فنون کی کتب انتخاب کریں پھر ہر فن کا خلاصہ جو امور ضروریہ کا حامل ہو مرتب کریں جو اس خلاصہ کو دیکھ لے گویا بہت سی کتابوں اور مصنفوں کی تحقیقات سے مطلع ہو گیا۔ حسب الحکم ایک جماعت نے تعمیل کی اور ایک مجموعہ جو قریباً تیس اور بروایت ساٹھ جلد پر مشتمل تھا مکمل ہوا اس کا نام آئین احمدی رکھا گیا۔ اس میں بیشتر اکابر کے متون اور چھوٹے بڑے رسالے مستقل نقل ہیں۔ بعض مضامین بطور خلاصہ نقل ہیں اصل مسودہ اذکار و اشغال کی اس عاجز نے زیارت کی ہے جو کہیں کہیں حضرت کے

دستخط سے بھی مزین اور ہدایات سے آراستہ ہے، متعدد جلدیں صاف شدہ بھی دیکھی ہیں جو کلام و عقائد اور سلوک و سیر میں ہیں۔ چند جلدیں اس کی صاحبزادوں کے پاس ہیں چند مدرسہ قادریہ میں ہیں، کچھ اور حضرات کے قبضہ میں ہیں، افسوس یہ سلک در منتشر ہو گیا ورنہ عجب نعمت تھی۔ (مدائح حضور نور، ص: ۶۴، ۶۵)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ”آئین احمدی“ صرف ایک کتاب نہیں بلکہ اپنے اندر ایک مکمل کتب خانہ ہے۔ مگر افسوس کہ علوم و فنون کا یہ عظیم انسائیکلو پیڈیا محفوظ نہ رہ سکا اس کی مختلف جلدوں کے بارے میں جو بات سابقہ اقتباس میں کہی گئی ہے تقریباً وہی بات حضرت تاج العلماء نے بھی فرمائی ہے، آپ فرماتے ہیں:

”اس کی بہت سی جلدیں تلف ہو گئیں، اب فقیر کے کتب خانہ میں چند جلدیں ہیں جن میں سے ایک عقائد و فقہ میں بطور متکلمین و صوفیہ اور بقیہ اشغال و اواراد و اذکار وغیرہ میں ہیں۔“ (تاریخ خاندان برکات، ص: ۲۴، ۲۵)

غالباً یہ وہی جلدیں ہیں جن کی مولانا غلام شہر صاحب نے زیارت کی ہے اور ان پر حضور شمس مارہرہ کی تحریر و ہدایات کا درج ہونا بیان کیا ہے۔ حضرت تاج العلماء آگے لکھتے ہیں:

”کچھ جلدیں اس کی چچا صاحب سید مہدی حسن صاحب کے کتب خانے میں بھی تھیں اور کچھ جلدیں سنا جاتا ہے کہ استاذی مولانا مولوی عبدالمقتدر صاحب بدایونی کے کتب خانہ میں ہیں۔“ (مرجع سابق)

تقریباً تمام سوانح نگاروں نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ آئین احمدی کی چند جلدیں کتب خانہ قادریہ بدایوں میں موجود ہیں۔ کتب خانہ قادریہ میں موجود مطبوعات کی ترتیب جدید ہو چکی ہے اور ان کا ایک کیٹلاگ (Catalog) بھی تیار کیا جا چکا ہے، مگر ابھی مخطوطات پر کام نہیں ہوا ہے جو ایک اندازے کے مطابق ۸۰۰ اور ۱۰۰۰ کے درمیان ہوں گے، آئین احمدی کی مذکورہ جلدیں اسی حصہ مخطوطات میں کہیں ہیں، جلد ہی ارادہ ہے کہ حصہ مخطوطات کی فہرست سازی کا کام شروع کیا جائے۔ فہرست سازی کے عمل کے دوران ان شاء اللہ یہ جلدیں برآمد ہوں گی۔ کچھ سال قبل مخطوطات کی ایک الماری کو سرسری طور پر دیکھ رہا تھا اسی دوران ایک ضخیم کتاب برآمد ہوئی جس پر شمس مارہرہ کی تحریر اور دستخط تھے۔ اس کو میں نے الگ کر لیا اور عرصہ تک اس کو میں ”آئین احمدی“ گمان کرتا رہا، مگر ایک بار

فرصت میں اس کا بغور مطالعہ کیا تو معلوم ہوا یہ ”آئین احمدی“ نہیں ہے۔ مولانا غلام شہر صاحب نے لکھا ہے کہ

”حضور شمس مارہرہ نے اپنے کتب خانہ سے عمدہ عمدہ کتابیں منتخب فرما کر مدرسہ قادریہ کو جو اس وقت مدرسہ محمدیہ کہا جاتا تھا، مرحمت فرمائیں۔“ (مدائح حضور نور، ص: ۶۶)

اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب بھی انھیں عطا کردہ کتابوں میں سے ایک ہے۔

ذوق علمی اور معارف پروری:

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ شمس مارہرہ علم باطن میں امامت کے ساتھ ساتھ علم ظاہر میں یکتائے روزگار تھے، گویا ”علم قلب“ اور ”علم کتاب“ دونوں میں آپ کا دریائے فیض موجزن تھا۔ آپ کے حکم سے ترتیب دی جانے والی علوم و فنون کی انسائیکلو پیڈیا آئین احمدی کا ذکر آپ نے ملاحظہ کیا، یہاں ایک خاص بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ آپ کے خلفا و مریدین میں اپنے وقت کے اجلہ علما و فضلاء تھے، ان علما و فضلاء کی ظاہری و باطنی تربیت کے علاوہ ان سے آپ زمانہ کی ضرورت کے مطابق تصنیف کتب کا کام بھی لیا کرتے تھے۔ یہاں کم از کم دو کتابیں پیش کی جاسکتی ہیں جو آپ کے حکم اور ایما پر تالیف کی گئیں۔ یہ دونوں کتابیں آپ کے حکم پر آپ کے مرید اور خادم خاص شاہ عین الحق عبدالمجید بدایونی نے تصنیف کیں۔ ایک حضور غوث اعظم کے ملفوظات جو اہل الرحمن کا فارسی ترجمہ اور شرح اور دوسری سیرت طیبہ پر ایک جامع اور ضخیم کتاب۔ اول الذکر کا پورا نام ”مواہب المنان شرح جواہر الرحمن“ ہے اور دوسری کا نام ”محافل الانوار فی احوال سیدالابرار“ ہے۔

جواہر الرحمن کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے شاہ عین الحق تحریر فرماتے ہیں:

روزے بحفل فیض منزل شیخ الکل فی الکل امام الواصلین شیخی و سیدی و مولائی حضرت سید شاہ آل احمد قادری ادام اللہ غلالہ علی رؤوس المریدین ارشاد شد کہ کتب جواہر الرحمن معروف بہ بستان مجالس ملفوظ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دریں جا رسیدہ، عجب کتابے است، و طلب فرمودہ بدست کرم احقر را مرحمت فرمودند ایں ضعیف را بدیدن آں فرحت کلی و خوشی تمام دست داد۔ بعدہ از آنجا کہ عنایت کلی بحال عاصی مبذول است بزبان قضا ترجمان فرمودند کہ ایں کتاب مملو از نوایداست لیکن چونکہ بزبان عربی است اکثر مردم از

فوائد آں محروم اند اگر تو بزبان فارسی ترجمہ نمائی خاص و عام فیضیاب گردند ہر چند ایں احقر قابلیت ایں امر و استعداد ایں کار نمی داشت اما بمقتضائے آیت کریمہ اطيعوا اللہ واطيعوا الرسول واولی الامر منکم امتثال امر لازم بل واجب دانستہ در سنہ یک ہزار و دو صد و یازدہ از ہجرتہ نبویہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیہ بہ ترجمہ پرداخت و از آنجا کہ توجہ و تصرف آنحضرت شامل حال بود باوجود کمال نقصان و بے بضاعتی کاتب صورت اتمام یافت۔

(مواہب المنان شرح جواہر الرحمن قلمی ص: ۲؛ مملوک کہ کتب خانہ قادریہ بدایوں)

ترجمہ: ایک روز شیخ اکل فی اکل امام الواصلین شیخی و سیدی و مولائی حضرت سید شاہ آل احمد قادری (اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ مریدین کے سروں پر قائم و دائم رکھے) کی محفل فیض میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ملفوظات کی کتاب جواہر الرحمن جو بستان مجالس کے نام سے معروف ہے، یہاں آئی ہے، عجیب کتاب ہے۔“ پھر آپ نے وہ کتاب طلب فرما کر اپنے دست کرم سے اس احقر کو مرحمت فرمائی، وہ کتاب دیکھ کر یہ ضعیف بہت مسرور و خوش ہوا، چونکہ حضرت کی عنایت کلی اس عاصی کی طرف مبذول ہے لہذا اس کے بعد آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ ”یہ کتاب فوائد سے پُر ہے، لیکن چونکہ عربی زبان میں ہے اس لیے اکثر لوگ اس کے فوائد سے محروم ہیں، اگر تم اس کتاب کا ترجمہ فارسی زبان میں کر دو تو عام و خاص اس سے فیضیاب ہوں۔“ ہر چند کہ یہ احقر اس کام کی قابلیت اور صلاحیت نہیں رکھتا مگر آیت کریمہ ”اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی اطاعت کرو“ کے بموجب میں نے آپ کے حکم کی بجا آوری لازم بلکہ واجب جانی اور سنہ ۱۲۱۱ھ میں اس کا ترجمہ کیا۔ چونکہ حضرت کی توجہ اور آپ کا تصرف شامل حال رہا اس لیے راقم سطور کی بے بضاعتی کے باوجود یہ ترجمہ اپنے اختتام کو پہنچا۔

اس اقتباس سے حضور شمس مارہرہ کے ذوق مطالعہ کے ساتھ ساتھ آپ کے حضور غوث اعظم کی ذات اور ان کے ملفوظات سے کمال عقیدت و محبت کا بھی اشارہ ملتا ہے۔ مزید یہ کہ آپ کی معارف پروری اور اشاعت علم کے ذوق کا بھی پتہ چلتا ہے۔

وصال سے ۴ سال قبل ۱۲۳۱ھ میں آپ نے محسوس کیا کہ سیرت پاک کو عام لوگوں تک پہنچایا جائے تاکہ عام آدمی اپنے کردار کو اسوہ حسنہ کی روشنی میں درست کر سکے۔ یہ زمانہ اگرچہ اردو کا ابتدائی زمانہ تھا مگر رفتہ رفتہ اردو عام آدمی کی زبان ہوتی جا رہی تھی، آپ کی نگاہ

کرامت نے دیکھ لیا کہ اب زمانہ کے ساتھ ساتھ عام آدمی عربی و فارسی میں کمزور ہوتا جائے گا اور اردو کو اختیار کرتا جائے گا جبکہ سیرت طیبہ کی اکثر کتابیں عربی یا فارسی میں ہیں، اردو زبان میں سیرت کی کوئی مکمل کتاب اس وقت تک ترتیب نہیں دی گئی تھی، آپ نے اس کام کی اہمیت و ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اپنے مرید و خادم شاہ عین الحق عبد المجید بدایونی کو حکم دیا کہ وہ یہ اہم کام انجام دیں۔ شاہ عین الحق تحریر فرماتے ہیں:

”سنہ ۱۲۳۱ھ قدسی میں حضرت سیدی و شیخی مرشد کامل، ہادی مکمل، قافلہ سالار رہروان شریعت، سلطان سالکان سالک طریقت، خورشید خاور حقیقت، مہر سپہر معرفت، نور بہار ولایت، نور نہار ہدایت، شمع شبستان ہدی، مصباح کاشانہ اصطفا، حضرت سیدی و سندی سید شاہ آل احمد (ادام اللہ علی المریدین افاضہ) نے اس عاجز گناہ گار و شرمسار امیدوار مغفرت پروردگار، و شفاعت سید الابرار محمد عبد المجید بن مولانا محمد عبد الحمید صاحب بدایونی سے کہ کمینہٴ میدان اس جناب اور ادنیٰ خاک رو بان آستانہ اس ہدایت مآب کے سے ہے، فرمایا کہ ”اگر کوئی شخص کچھ احوال حضرت سرور عالم ﷺ کے زبان ہندی (اردو) میں بیان کرے خاص و عام، مرد و زن، عالم و جاہل سب فیضیاب ہوویں،“ پس اس عاجز نے باوجودے کہ عربی فارسی ہندی میں کچھ استعداد نہیں رکھتا اس خیال سے کہ شاید خوشی دل فیض منزل مرشد کامل کے ہووے اور اس سبب سے نجات دارین حاصل ہووے قصد کیا اور تھوڑا تھوڑا احوال برکت اشتمال محبوب ذوالجلال کا ابتدائے پیدائش نور سے وقت وصال تک مدارج النبوت اور معارج النبوت وغیرہ کتابوں فارسی سے ہندی میں ترجمہ کیا اور اس کتاب کا نام محافل الانوار فی احوال سید الابرار رکھا۔ (محافل الانوار قلمی ص: ۳)

یہ کتاب ۱۲ محافل (ابواب) پر مشتمل ہے، جواز ولادت تا وصال مبارک سیرت طیبہ کو محیط ہے۔ محافل کی ترتیب اس طرح ہے: پہلی محفل ذکر پیدائش نور با سرور، دوسری محفل ولادت با سعادت، تیسری محفل زمانہ شیر خوارگی، چوتھی محفل ذکر بشارت نبوت، پانچویں محفل ابتدائے وحی اور ظہور دعوت، چھٹی محفل بیان معراج شریف، ساتویں محفل ذکر ہجرت، آٹھویں محفل ہجرت کے سال اول سے نویں سال تک کے واقعات، نویں محفل ذکر معجزات، دسویں محفل ذکر خصائص و فضائل، گیارھویں محفل فضیلت درود، بارھویں محفل ذکر وفات شریف۔ اس کتاب کے سلسلہ میں اس اہم بات کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے

کہ اس کے زمانہ تصنیف سے لے کر آج تک تقریباً ۱۹۹ سال سے خانقاہ قادریہ بدایوں کا یہ معمول ہے کہ ربیع الاول شریف میں ۱۲ تا ۱۴ ربیع الاول بعد عصر زیب سجادہ خانقاہ قادریہ روزانہ اس کی ایک محفل پڑھتے ہیں اور کثیر تعداد میں اہل عقیدت اس کو سنتے ہیں۔ محفل کے بعد فاتحہ خوانی ہوتی ہے، جس میں خصوصیت کے ساتھ کتاب کے مصنف اور حضور شمس مارہرہ کی بارگاہ میں ہدیہ ثواب پیش کیا جاتا ہے۔

تصانیف:

معمولات ذکر و فکر، اشغال باطنی، مریدین و سالکین کی تربیت اور مخلوق خدا کی اصلاح و ہدایت میں مصروفیت کی وجہ سے آپ نے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہیں فرمائی، جس موضوع پر تصنیف کی ضرورت محسوس فرمائی اپنے خلفا اور خدام کو حکم دے کر کتاب تصنیف کروائی، آئین احمدی اور مواہب المنان وغیرہ کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ مولانا غلام شبر صاحب لکھتے ہیں:

حضور اقدس کو تصنیف و تالیف سے دلچسپی نہ تھی، بیشتر مسائل اور استفسارات و شبہات کا جواب خود سائلوں پر منکشف ہو جاتا، کبھی نوازش ناموں سے تسکین فرمادیتے، اس عاجز نے بعض کرامت نامے حضور کے دیکھے ہیں جن میں فوائد عجیبہ اور تحقیق مقام کے سوا خدام کی حفاظت و پرورش کا خاص پتہ چلتا ہے، افسوس اس زمانے میں کسی نے ان کے جمع کرنے کی کوشش نہیں کی اور اب بہت دشوار ہے۔ (مدائح حضور نور، ص: ۶۵)

مولانا ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرامی اپنے تحقیقی مقالے ”خاندان برکات کی علمی اور ادبی خدمات“ میں لکھتے ہیں:

اس قدر علمی جامعیت اور فضل و کمال کے باوجود حضرت اچھے میاں صاحب قدس سرہ کو تصنیف و تالیف سے دلچسپی نہ تھی، پھر بھی چند نہایت گراں مایہ تصانیف آپ سے یادگار ہیں جن میں (۱) آئین احمدی ۳۴ جلد، (۲) بیاض عمل و معمول دوازہ ماہی، (۳) آداب السالکین مطبوعہ، (۴) مثنوی تصوف، (۵) دیوان شعر فارسی، (۶) وصیت نامہ وغیرہ کے نام سوانحی کتب میں ملتے ہیں۔ (اہل سنت کی آواز، ص: ۱۶۴، مارہرہ شریف ۱۹۹۹ء)

ہم نے شمس مارہرہ کی تصانیف کے حوالے سے جب سوانحی کتب کا مطالعہ کیا تو بعض

قابل توجہ امور سامنے آئے جن کی روشنی میں صرف آداب السالکین اور بیاض عمل و معمول کو ہی حضرت کی تصانیف کے ذیل میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

آئین احمدی کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں کہ دراصل یہ حضور شمس مارہرہ کے حکم اور نگرانی میں ترتیب دیا جانے والا ایک عظیم انسائیکلو پیڈیا ہے جیسا کہ مولانا غلام شبر صاحب کے بیان سے واضح ہے مگر اس کو شمس مارہرہ کی تصنیف قرار دینا ذرا محل نظر ہے، ایک طرف تو اکثر سوانح نگار یہ لکھ رہے ہیں کہ اوراد و اشغال کی مصروفیت کی وجہ سے آپ کو تصنیف و تالیف سے دلچسپی نہیں تھی اور دوسری طرف آپ نے ۳۰، ۳۲ یا ۶۰ ”بخیم جلدیں“ تصنیف فرمادیں۔ مولانا غلام شبر صاحب جنہوں نے اس کی متعدد جلدوں کی زیارت کی ہے ان کا بیان ہے کہ ”اس میں بیشتر اکابر کے متون اور چھوٹے چھوٹے رسالے مستقل نقل ہیں، بعض مضامین بطور خلاصہ نقل ہیں“، مزید یہ کہ ”کہیں کہیں حضور کے دستخط سے مزین اور ہدایت سے آراستہ ہے“۔ ان اشارات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنے کی گنجائش ہے کہ آئین احمدی شمس مارہرہ کے حکم سے ان کے خلفا و خدام نے ترتیب دی، ہاں کہیں کہیں آپ نے بھی اس میں بطور ہدایت اپنے قلم حق رقم سے کچھ تحریر فرمادیا، بہر حال جب تک آئین احمدی کی باقی ماندہ جلدیں سامنے نہیں آتیں اس وقت تک یقین سے کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔

دیوان فارسی کو بھی یقینی طور پر حضرت شمس مارہرہ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا، خود حضرت تاج العلماء نے بھی جزم و یقین کے ساتھ اس کو حضرت کا دیوان قرار نہیں دیا ہے، آپ فرماتے ہیں ”ایک مختصر دیوان اشعار فارسی کی نسبت بھی گمان کیا جاتا ہے کہ حضرت کا ہے“ (خاندان برکات، ص: ۲۵)

یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ شمس مارہرہ کے حالات میں جتنے بھی قدیم ماخذ اب تک ہماری نظر سے گزرے کسی میں آپ کے شعری ذوق کے بارے میں کوئی اشارہ موجود نہیں ہے، عسقی یا عینتی کی طرح آپ کے تخلص کا بھی کہیں کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے، اگر آپ نے میدان شعر و سخن کو عزت بخشی تھی اور اس حد تک شعری ذوق تھا کہ ایک مکمل دیوان مرتب ہو گیا تو یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو سوانح نگاروں کو اپنی جانب متوجہ نہ کرتی، ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غلبہ حال کے وقت یا کسی مخصوص کیفیت کے وقت برجستہ کچھ اشعار نظم ہو جاتے ہیں، غالباً ایسے ہی کسی موقع پر تصوف کے اسرار و رموز کے سلسلہ میں حضرت نے

مثنوی کے طرز پر کچھ اشعار نظم کیے ہوں گے مگر یہ کوئی ایسی طویل اور مکمل مثنوی نہ ہوگی جس کو مستقل ایک تصنیف قرار دیا جاسکے، حضرت تاج العلماء نے بھی اس کو ”ایک چھوٹی سی مثنوی“ فرمایا ہے اور پھر یہ کہ یہ ”مثنوی ایک بدایونی صاحب کو حفظ تھی جو ان سے فقیر (حضرت تاج العلماء) نے بھی سنی تھی“، یہ خود اس بات کا اشارہ ہے کہ وہ کوئی دو چار سوا اشعار پر مشتمل مثنوی نہیں ہوگی ورنہ ایک بدایونی صاحب کو زبانی یاد ہونا اور ایک ہی نشست میں سنا دینا ذرا عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ وصیت نامے کو بھی ”تصنیف“ کے زمرے میں شامل کرنا محل نظر ہے، یہ دو صفحات کا وصیت نامہ ہے جس کو غلام شہر صاحب نے مدائح حضور نور اور حضرت تاج العلماء نے ”بہترین کملا کی وصیتیں“ میں نقل فرما دیا ہے۔

ہاں البتہ بیاض عمل و معمول کو حضرت کی تصنیف کہا جاسکتا ہے، حضرت تاج العلماء کے بقول ”اس میں مارہرہ کے متعلق جو اعمال و اورداد اور اذکار و اشغال و اعراس و فواتح خاندان عالی شان برکاتیہ میں معمول ہیں مندرج ہیں یہ بھی مبسوط کتاب ہے“۔ (خاندان برکات، ص: ۲۵)

یہ بیاض یقیناً کتب خانہ سرکار مارہرہ میں موجود ہوگی۔

دوسرا رسالہ آداب السالکین ہے جسے حضرت شمس مارہرہ کی تصانیف میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ یہ راہ سلوک اور ذکر و اشغال پر ایک مختصر مگر جامع رسالہ ہے، اس رسالہ کو سب سے پہلی مرتبہ شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری قدس سرہ نے ترجمہ کر کے شائع فرمایا (مطبع ادبی لکھنؤ ۱۹۳۵ء)، ہم تمام آل احمدیوں کو حضرت کا احسان مند ہونا چاہیے کہ آپ نے ترجمہ اور اشاعت کے ذریعہ شمس مارہرہ کا یہ مبارک رسالہ محفوظ فرما دیا ورنہ ممکن ہے یہ بھی مفقود ہو جاتا۔ حضرت تاج العلماء نے ترجمہ کے ساتھ اصل فارسی متن بھی شائع کیا تھا، رسالہ کا دوسرا ایڈیشن اراکین بزم قاسمی برکاتی کا پور کے زیر اہتمام شائع ہوا اس ایڈیشن میں صرف ترجمہ شائع کیا گیا متن شامل اشاعت نہیں کیا گیا۔ امین ملت ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی نے ۱۹۸۷ء میں از سر نو ترجمہ کیا اور آپ کے گراں قدر مقدمہ کے ساتھ یہ رسالہ برکاتی پبلشرز کراچی نے شائع کیا، یہی اشاعت ہمارے پیش نظر ہے۔

آداب السالکین

چوں کہ آپ کی تصانیف میں یہی رسالہ آداب السالکین محفوظ ہے لہذا ہم یہاں اس کا قدرے تفصیلی تعارف کرانا چاہتے ہیں۔

یہ رسالہ تین ابواب پر مشتمل ہے، پہلا باب آداب و فنا کے بیان میں، دوسرا باب ذکر کی ترتیب کے بیان میں اور تیسرا باب ذکر یا شغل اور حضوری قلب سے دفع خطرات کے فوائد کے بیان میں۔ پہلے باب میں ان آداب کا بیان ہے کہ اگر سالک مرشد کی موجودگی میں اپنی عقل کے مطابق ان پر عمل کرتا رہے تو اس کی صلاحیت میں اضافہ ہو۔ اس باب میں ۱۲ آداب کا بیان ہے۔

پہلا ادب: یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کچھ نہ مانگو کیونکہ جب اللہ ہی اس کا ہوگا تو ساری مخلوق اس کی ہوگی۔

دوسرا ادب: سالک کبھی ایسا حرف بھی زبان پر نہ لائے جو عاجزی، مسکینی، تابعداری اور انکساری سے خالی ہو۔

تیسرا ادب: وہ نعمتیں ہرگز ظاہر نہ کرے جو سلوک کی منزلیں طے کرتے وقت اسے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہوں۔

چوتھا ادب: اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنے ظاہر و باطن کے جملہ احوال پر مطلع جانے۔ پانچواں ادب: ہر چھوٹے بڑے کام میں سرور عالم ﷺ کی پیروی ضروری سمجھے، محبوبی کا درجہ ملنے کا یہی ایک راستہ ہے۔

چھٹا ادب: سادات کرام، مشائخ عظام اور علمائے دین کو رسول اللہ ﷺ کا نائب سمجھے اور دل و جان سے ان کی تعظیم کرے۔

ساتواں ادب: اپنے پیرومرشد کو اپنے حق میں دنیا کے تمام شیوخ سے افضل سمجھے۔ آٹھواں ادب: مرشد کے سامنے سالک کو ایسے رہنا چاہیے جیسے غنسل دینے والے کے ہاتھ میں میت ہوتی ہے۔

نواں ادب: راہ سلوک میں مشاہدہ تجلیات سے باطنی جوش پیدا ہوتا ہے، سالک کو لازم ہے کہ اس مقام پر اپنی حد سے باہر نہ جائے اور اپنے مرتبہ سے قدم آگے نہ بڑھائے۔

دسواں ادب: اپنے سارے کام خواہ وہ نفس کے بہکانے سے ہوں یا قلب و روح کے قوت دینے سے، ان سب کو اور خود کو خدا کے حوالے کر دینا چاہیے۔

گیارہواں ادب: خلق سے تنہائی اختیار کرے اور اپنے نفس سے غرور کو باہر نکال دے۔

بارہواں ادب: جس قدر ہو سکے کم کھائے اور کم سوے۔

یہ آداب لکھنے کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ ان آداب سے بھی زیادہ فائدہ مرشد کے پاس رہنے سے ہوگا اس لیے کہ مرشد کی موجودگی میں ایک ہی مجلس میں ہزاروں رکاوٹیں اور ہزاروں الجھنیں دور ہو جاتی ہیں۔

سلوک کی منزلیں طے کرنے میں جس حوصلہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ فنا سے حاصل ہوتا ہے، اس لیے آپ نے فنا کی تفصیل اور اس کی تینوں قسموں کا بیان فرمایا ہے۔

فنا کی پہلی قسم: فنا فی الشیخ یعنی اپنے آپ کو مرشد کے خیال میں ایسا گم کر دے کہ خود کو بھول جائے اور اپنے آپ کو مرشد سے الگ نہ سمجھے۔

دوسری فنا: فنا فی الرسول ہے یہ مرتبہ فنا فی الشیخ کے بعد حاصل ہوتا ہے، سالک کو جو کچھ مشاہدات تجلیات ہوں ان سب کو رسول اکرم ﷺ کا کرم سمجھے۔

تیسری فنا: فنا فی اللہ ہے۔ جب سالک فنا فی اللہ کے آخری درجہ تک پہنچتا ہے تو وہیں سے بقا کی ابتدا ہوتی ہے۔

اس کے بعد آپ نے تفصیل سے ان اوراد و اشغال اور نوافل و تلاوت کا بیان فرمایا ہے جو راہ سلوک میں ضروری ہیں۔

دوسرا باب ذکر کی ترتیب کے بیان میں ہے، اس میں آپ نے ذکر نفی و اثبات کا طریقہ اور تعداد بیان فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ ذکر دو وقت کرنا چاہیے ایک تو تہجد کے وقت کہ اس وقت رحمت خداوندی جوش میں ہوتی ہے دوسرا مغرب کے وقت کہ رات میں جاگنے والوں کا دن اسی وقت شروع ہوتا ہے۔

تیسرے باب میں دفع خطرات کے طریقے بیان کیے ہیں جب سالک ذکر و شغل کرتا ہے تو اس کے قلب پر وسوسے اور خطرات گزرتے ہیں اور یہ وسوسے حضوری قلب میں مانع ہوتے ہیں ان کو دفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے بائیں طرف غصہ سے تھوک دے اور یہ سوچے کہ میں نے شیطان کے منہ پر تھوک دیا اور وہ ملعون میرے تھوکے سے

بھاگ گیا۔ پھر اگر شیطان بہکائے تو تین گہری سانسیں لے اور پھر دونوں نھنوں سے ناک نکلنے کی طرح سانس نکالے گویا دماغ سے گندگی نکل گئی۔

اگر اب بھی کوئی اندیشہ ہو تو پوری قوت کے ساتھ تین مرتبہ ذکر نفی و اثبات کرے یعنی پوری طاقت سے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد دل پر الا اللہ کی ضرب لگائے اور اپنے ذکر میں مصروف ہو جائے۔

ذکر کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وضو کر کے کعبہ کی طرف منہ کر کے دو زانو یا چار زانوں بیٹھے اور اپنے حواس مجتمع کر کے ایک بار آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر اپنے اوپر دم کرے اور اپنے قلب کو مخلوق سے غافل کر کے ساری توجہ حق تعالیٰ کی جانب لگا لے۔

رسالہ کے خاتمے میں فرماتے ہیں کہ جو سالک ان آداب پر عمل کرے گا وہ انشاء اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، بزرگان دین متین کی ارواح کریمہ کی برکت سے فیض یاب ہوگا، مرتبہ شریعت سے مرتبہ طریقت پر پہنچ جائے گا اور اپنے سوالوں کو فرشتوں کے جواب سے دریافت کر لے گا۔ ان دونوں مرتبوں کو حاصل کرنے والا مرتبہ علم الیقین اور مرتبہ عین الیقین بھی حاصل کرے گا۔

کثرت مریدین:

نہش مارہرہ نے ۳۷ سال تک مسند برکاتیہ حمزویہ کو رونق بخشی، ان ۳۷ برسوں میں ہزاروں لوگوں نے آپ کے بحر فیضان و کرم سے اپنی ظاہری اور باطنی تشنگی بجھائی، دامن کرم سے وابستہ ہو کر سلوک کی منزلیں طے کیں، باطنی مقامات کی تکمیل کی، لاکھوں بندگان خدا کو آپ کے ذریعہ سے فیضان غوث اعظم سے حصہ ملا، تاج العلما لکھتے ہیں:

آپ مظهر جناب غوثیت مآب تھے، آپ کے خلفا چار دانگ عالم میں تھے، آپ کے مریدین کی صحیح تعداد نہیں ہو سکتی، مگر جہاں تک اندازہ کیا جاتا ہے دو لاکھ کے قریب تعداد پہنچتی ہے۔ (تاریخ خاندان برکات، ص: ۲۳، ۲۴)

حضور غوث اعظم کی یہ شان ہے کہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے لاکھوں کروڑوں قادری غلاموں پر نظر التفات فرماتے ہیں اور اپنے سلسلہ سے وابستہ ہر مرید کی دیگر فرماتے

ہیں، غوث اعظم کے مظہر اتم حضور شمس مارہرہ کو نسبت قادریہ کے فیضان سے یہ مرتبہ ملا کہ مریدین کی اس کثرت کے باوجود آپ کا کوئی مرید آپ کی نگاہ فیض سے محروم نہیں ہے، گلشن ابرار کے حوالے سے مولانا غلام شہر قادری نے اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے جو ہمارے مذکورہ دعوے کی دلیل ہے، آپ فرماتے ہیں:

”ایک شخص کسی گاؤں کا رہنے والا حاضر ہو کر مرید ہوا پھر ایک عرصہ تک اس کو اتفاق حاضری دربار اقدس کا نہ ہوا، اتفاقاً ایک سال عرس شریف حضور اسد العارفین قدس سرہ میں کہ ہزاروں آدمیوں کا مجمع تھا حاضر آیا، اپنے دل میں خیال کر رہا تھا کہ حضور اقدس کے ہزاروں مرید ہیں روزانہ ایک جماعت حاضر ہو کر مرید ہوتی ہے۔ بھلا حضور کو کیا یاد ہوگا کہ یہ ہمارا مرید ہے، جس وقت ایک جماعت میں باریاب سلام ہوا، حضور اقدس نے خصوصیت سے قریب طلب فرمایا خیریت دریافت فرمائی۔ اس کے گاؤں کا حال پوچھا اور ارشاد کیا میاں تم اپنے مویشی کے ساتھ گاؤں والوں کے جو چوپائے جنگل کو لے جاتے ہو ان میں اپنا پرایا کیسے پہچان لیتے ہو، اس نے کچھ عرض کیا، ارشاد ہوا اسی طرح فقیر بھی اپنے گلے کو خوب پہچانتا ہے، ان کے گلے میں ایک محبت کا ڈورا بندھا ہوا ہوتا ہے“۔ (مدائح حضور نور، ص: ۶۴)

خلفائے کرام:

حضور شمس مارہرہ کی عنایت سے وابستگان کی ایک بڑی تعداد نے آپ سے اجازت و خلافت حاصل کی۔ آپ کے خلفا میں اپنے وقت کے جید علما و فضلا، مفتیان کرام، اہل درس و تدریس، فقرا و صوفیا، اہل خانوادہ اور خود آپ کے پیر خانہ کا لپی شریف کے عظیم المرتبت افراد شامل ہیں۔ آپ کے خلفا کو ہم تین حصوں میں تقسیم کریں گے (۱) اہل خاندان، (۲) بدایونی خلفا، (۳) عام خلفا

خلفائے خانوادہ:

(۱) آپ کے برادر اصغر اور آپ کے بعد خانقاہ برکاتیہ کے مسند نشین حضرت سید آل برکات عرف ستھرے میاں قدس سرہ کو آپ نے اجازت و خلافت سے نوازا۔ صاحب ”برکات مارہرہ“ لکھتے ہیں:

حضرت ستھرے میاں صاحب مرید و خلیفہ حضرت سید شاہ حمزہ صاحب قدس سرہ کے

تھے، اس کے علاوہ مثال خلافت اپنے بڑے بھائی حضرت سید شمس الدین آل احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہ العزیز سے بھی حاصل کی تھی۔ (برکات مارہرہ، ص: ۸۱)

(۲) سلطان التارکین حضرت سید شاہ آل حسین سچے میاں۔ آپ حضور شمس مارہرہ کے سب سے چھوٹے بھائی تھے، آپ کو بھی اگرچہ اپنے والد گرامی حضرت شاہ حمزہ قدس سرہ سے اجازت و خلافت تھی اس کے باوجود آپ نے شمس مارہرہ سے اجازت و خلافت حاصل کی۔ مولانا غلام شہر قادری لکھتے ہیں:

آپ نے باوجود اجازت والد ماجد، حضرت اچھے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے اخ معظم سے بذریعہ خط بیعت کی اور اجازت و خلافت حاصل فرمائی۔ (مدائح حضور نور، ص: ۷۲)

تاریخ خاندان برکات میں بھی اس جانب اشارہ کیا گیا ہے (دیکھیے ص: ۲۹)

(۳) خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ۔ آپ حضور شمس مارہرہ کے خلیفہ اعظم و روحانی امانتوں کو سچے وارث تھے۔ مفصل تذکرہ آگے آتا ہے۔

(۴) سید العابدین سید شاہ اولاد رسول صاحب قدس سرہ۔ آپ شمس مارہرہ کے بھتیجے اور سیدنا آل برکات ستھرے میاں کے صاحبزادے ہیں۔ حضور شمس مارہرہ کے مرید ہوئے اور اجازت عام و خاص اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔

(۵) شمس العرفا حضرت سیدنا شاہ غلام محی الدین امیر عالم قدس سرہ۔ آپ حضرت آل برکات صاحب کے چھوٹے صاحبزادے ہیں، آپ کو بھی اپنے والد ماجد کے علاوہ شمس مارہرہ سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔

بدایونی خلفا:

بدایوں کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس پر حضور شمس مارہرہ کی بہت خاص نظر عنایت رہی ہے۔ بدایوں کو آپ اپنی جاگیر فرمایا کرتے تھے۔ مولانا غلام شہر صاحب لکھتے ہیں:

عام مخلوق پر نظر مہربانی و کرم تھی، لیکن خدام و مریدین پھر ان میں خدام سکناے بدایوں پر نوازش خاص تھی، ارشاد فرماتے ”بدایوں ہماری جاگیر ہے، یہ حضور غوثیت سے ہم کو عطا ہوئی ہے“، خدام میں بھی سکناے بدایوں ایک امتیازی شان رکھتے تھے، خلفا میں بھی سرخیل، جماعت حضرات بدایوں تھے۔ (مدائح حضور نور، ص: ۶۳)

”شمس مارہرہ اور بدایوں“ یہ عنوان مستقل ایک مقالہ چاہتا ہے، یہاں ہم اختصار

کے پیش نظر صرف بدایوں کے ان خوش نصیب افراد کا تذکرہ کریں گے جن کو شمس مارہرہ نے اجازت و خلافت سے نوازا۔ آپ کے بدایونی خلفا حسب ذیل ہیں:

(۱) افضل العبد شاہ عین الحق عبد الحمید قادری بدایونی

(۲) مولانا شاہ عبد الحمید عثمانی بدایونی

(۳) مولانا فخر الدین عثمانی بدایونی

(۴) مولانا ذکر اللہ شاہ فرشتوری بدایونی

(۵) مولانا غلام جیلانی عثمانی بدایونی

(۶) مفتی ابوالحسن عثمانی بدایونی

(۷) مولانا حبیب اللہ عباسی بدایونی

(۸) مولانا محمد بہاء الحق عباسی

(۹) مولانا محمد نظام الدین عباسی بدایونی

(۱۰) مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی ثم کانپوری

(۱۱) مولوی محمد افضل صدیقی بدایونی

(۱۲) میاں جی عبد الملک انصاری بدایونی

(۱۳) مولوی عبد العلی فرشتوری بدایونی

(۱۴) مولوی عبادت اللہ صدیقی بدایونی

(۱۵) شیخ بارک اللہ صدیقی بدایونی

(۱۶) منشی ذوالفقار الدین متولی بدایونی

(۱۷) شیخ مبارز الدین بدایونی

(۱۸) قاضی محمد عبد السلام عباسی بدایونی

(۱۹) قاضی امام بخش صدیقی بدایونی

(۲۰) میاں عبد اللہ شاہ سحرائی بدایونی

(۲۱) مولوی نصیر الدین عثمانی بدایونی

(۲۲) شیخ عبد الصمد متولی بدایونی

(۲۳) شاہ محمد رفعت عرف بے فکر شاہ صاحب بدایونی

(۲۴) قاضی ظہیر الدین صدیقی بدایونی

شمس مارہرہ کے بدایونی خلفا کی یہ فہرست ”مدائح حضور نور“ اور ”برکات مارہرہ“ سے اخذ کی گئی ہے۔ ان دونوں کتابوں میں بہت سے خلفا کے نام کے ساتھ ان کے وطن کا لاحقہ نہیں لگا ہے ممکن ہے ان میں بھی بعض خوش نصیب بدایوں کے ہوں اور پھر ہم نے یہاں خاص شہر بدایوں کے خلفا کا ذکر کیا ہے۔ ضلع بدایوں کے قصابات کے رہنے والے حضرات کا ذکر عام خلفا کے ذیل میں ہوگا۔

عام خلفا:

خانوادہ برکاتیہ اور بدایونی حضرات کے علاوہ شمس مارہرہ کے باقی خلفا کے اسم گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت پیر بغدادی صاحب صاحبزادہ حضور غوثیت

(۲) حضرت سید شاہ خیرات علی صاحب نبیرہ و سجادہ نشین شاہ فضل اللہ کانپوری

(۳) حافظ سید شاہ غلام علی شاہ جہانپوری

(۴) شاہ ریاض الدین سہوانی

(۵) سید احمد شاہ صاحب شاہ جہانپوری

(۶) سید شاہ میرن صاحب بریلوی

(۷) سید محمد علی صاحب الملقب غلام درویش لکھنوی

(۸) مولانا فضل امام صاحب راے بریلوی

(۹) شاہ غلام غوث صاحب (مدفون بدایوں)

(۱۰) شاہ گل صاحب

(۱۱) شاہ باز گل صاحب

(۱۲) میاں حبیب اللہ صاحب قندھاری (مدفون درگاہ قادری بدایوں)

(۱۳) میاں شاہ عالم صاحب

(۱۴) میاں شاہ حسن صاحب

(۱۵) شاہ حسین مغل صاحب

- (۱۶) مولوی غلام عباس بردوانی
- (۱۷) خواجہ کلن قاضی سرونج
- (۱۸) ملا محمد اعظم سہوانی
- (۱۹) حافظ مراد شاہ صاحب
- (۲۰) مولوی نور محمد صاحب
- (۲۱) شاہ غلام قادر صاحب
- (۲۲) شاہ شہاب الدین مست
- (۲۳) چودھری نیاز علی صاحب کبوتر مارہروی
- (۲۴) مولانا بدر الدین بخاری
- (۲۵) مولانا شیخ احمد دہلوی
- (۲۶) مولانا عبدالجبار شاہ جہاں پوری
- (۲۷) مولانا عبدالقادر صاحب داغستانی
- (۲۸) خواجہ غلام نقشبند خاں دہلوی
- (۲۹) سید قدرت علی شاہ صاحب شاہ جہاں پوری
- (۳۰) سید منور علی صاحب جھجری
- (۳۱) حافظ محمد محفوظ صاحب آنولوی
- (۳۲) شاہ الہ یار صاحب شاہ جہاں پوری
- (۳۳) میاں جی شہاب الدین کمرالوی
- (۳۴) سید شاہ فضل غوث بریلوی
- (۳۵) حافظ مراد شاہ پنجابی
- (۳۶) حضرت دیندار شاہ رامپوری
- (۳۷) شاہ عبدالحق صاحب شاہ جہاں پوری
- (۳۸) حضرت نعمت اللہ شاہ عرف کواری میاں ساکن کانٹ
- (۳۹) حضرت لطف علی شاہ صاحب
- (۴۰) شیخ اشرف علی صاحب انصاری منداوری

- (۴۱) سید رفعت علی شاہ صاحب
- (۴۲) حضرت اصالت خاں صاحب
- (۴۳) حضرت سید محمود کی صاحب
- (۴۴) حضرت جلال الدین صاحب پوربی
- (۴۵) حضرت شاہ خاموش

شمس مارہرہ کے اخلاف گرامی:

یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضور شمس مارہرہ کے شہزادے اور شہزادی کا وصال سن طفولیت ہی میں ہو گیا تھا، یہاں ہم آپ کے بھتیجوں کا تذکرہ کریں گے کہ انھیں حضرات سے آپ کا سلسلہ اور فیضان آگے بڑھا ہے۔

شمس مارہرہ کے برادر گرامی حضرت سید شاہ آل برکات سترے میاں صاحب کے چار صاحبزادے تھے یہاں ان چاروں حضرات کا اختصار کے ساتھ تعارف ہدیہ قارئین ہے۔

(۱) سید آل امام جمامیاں - آپ سید آل برکات سترے میاں صاحب کے بڑے صاحبزادے تھے، ولادت ۱۱۹۲ھ اور وفات ۸/ رمضان ۱۲۳۸ھ کو ہوئی۔ آپ کو بیعت اپنے عم کرم حضور شمس مارہرہ سے تھی، آپ کا زیادہ قیام لکھنؤ اور پورب میں رہا اس لیے صحبت کے اثر سے آپ کے عقائد میں تفصیلیت آگئی تھی، اس سبب سے حضور شمس مارہرہ نے آپ کو اجازت و خلافت عطا نہ فرمائی، بلکہ آپ کا حصہ شاہ عین الحق عبدالجید بدایونی قدس سرہ کو یہ کہہ کر عطا فرمایا کہ میرا ایک پوتا تمہارے پاس آئے گا یہ امانت اس کو واپس کر دینا۔ جمامیاں کے صاحبزادے سید ابن امام صاحب بھی اسی عقیدے پر قائم رہے لیکن ان کے صاحبزادے حضرت سید ابراہیم میاں قادری مارہروی قدس سرہ تابع ہو کر مذہب اہل سنت پر واپس آئے، انھیں معلوم ہوا کہ ان کے دادا کا حصہ حضور شمس مارہرہ نے بدایوں میں رکھوا دیا ہے۔ انھوں نے بدایوں جانے کا ارادہ فرمایا، آگے کا حال مولانا محمد عبدالہادی قادری کے الفاظ میں سنئے:

بدایوں میں حضور سیف اللہ المسلمول (سیدنا شاہ فضل رسول قادری) کا عرس ہو رہا تھا اس وقت آستانہ مجیدی کے سجادہ نشین حضرت (تاج الفحول) مظہر حق قدس سرہ تھے، مارہرہ

سے یہ برکاتی صاحبزادے بدایوں پہنچے اور سیدھے حضرت (تاج الفحول) کے پاس گئے۔ قادری متوسلین سب ان سے واقف تھے، دھوم مچ گئی، اپنی روایت کے مطابق بڑے احترام سے ان کا استقبال کیا گیا، حضرت مظہر حق نے پوچھا صاحبزادہ گرامی کیسے تشریف لائے، تو انھوں نے فرمایا میرے دادا نے بتایا تھا کہ ان کا حصہ بدایوں چلا گیا ہے، میں وہ واپس لینے حاضر ہوا ہوں۔ حضرت (تاج الفحول) نے انھیں داخل سلسلہ فرمایا، بیعت کے ساتھ خلافت بھی دی، فاتحہ ہوئی، حاضرین میں شیرینی تقسیم ہوئی، شاعروں نے مدحت پیش کی، ایک مطلع سن لیجیے۔

نور ذاتی بصفاتی آمد
برکاتی برکاتی آمد

(احوال و مقامات ۱۰۸)

(۲) خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ - آپ سیدنا شاہ آل برکات قدس سرہ کے فرزند اوسط ہیں، ولادت ۱۲۰۹ھ میں ہوئی، حضور شمس مارہرہ کی خاص نگاہ عنایت اور تربیت کے سائے میں تعلیمی مراحل طے کیے۔ ابتدائی تعلیم اپنے عم مکرم کے خلفا مولانا عبد المجید بدایونی اور مولانا شاہ سلامت اللہ کشتی بدایونی سے حاصل کی۔ پھر لکھنؤ کا سفر فرمایا اور حضرت مولانا نور الحق بن احمد انوار الحق فرنگی محلی (م ۱۲۳۸ھ) سے تکمیل کی۔ فن طب اپنے والد ماجد اور حکیم فرزند علی خاں موہانی سے علماً اور عملاً حاصل کیا۔ تحصیل حدیث کے لیے دہلی کا سفر فرمایا اور سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے حدیث سماعت کر کے اجازت و سند حاصل کی۔ علوم باطنی کی تعلیم اور منازل سلوک اپنے والد ماجد اور اپنے عم مکرم حضور شمس مارہرہ کی خدمت میں طے فرمائے۔ اپنے استاذ حضرت مولانا نور فرنگی محلی سے سلسلہ رزاقیہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے سلسلہ علویہ منامیہ کی اجازت حاصل فرمائی۔

عم مکرم حضور شمس مارہرہ سے بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت والد ماجد اور عم مکرم دونوں سے حاصل فرمائی۔

مولانا غلام شہر صاحب لکھتے ہیں:

تصرف و حکومت میں آپ اپنے پیرومرشد و عم معظم حضور اچھے میاں صاحب رحمۃ اللہ

علیہ کے سچے جانشین اور وارث کمالات اور اخفا و ستر حال میں اپنے والد ماجد حضور سترے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الصدق تھے۔ (مدائح حضور نور، ص: ۸۱)

شمس مارہرہ سے تعلق اور نسبت کے استحکام کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ ”احمدی“ تحریر فرماتے تھے، آپ کی مہر مبارک پر ”آل رسول احمدی“ ہی کندہ تھا۔

حضرت خاتم الاکابر کے عہد مبارک میں خانقاہ کی جو تعمیر و ترقی ہوئی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

مدرسہ و مکانات مدرسین و مشائخ حجرات و خلوات فقرا تعمیر کروائے، عالم، حافظ، قاری، طبیب، معلم، فقرا درگاہ شریف میں معین کیے، ایک محاسب مقرر کیا جو تمام حسابات درگاہ شریف رکھے، خدام آستانہ کی خدمات مقرر فرمائیں۔ مسجد میں امام و مؤذن ملازم رکھے، سابقاً اکثر خدمات درگاہ و خانقاہ و مسجد مریدین و خلفا کے سپرد تھیں جو عقیدتاً بلا معاوضہ کرتے تھے، غرض درگاہ، مسجد، خانقاہ کی آبادی زائرین و متوسلین کی مہمانداری اعراس کا اہتمام سب حضور فرماتے۔ (مرجع سابق، ص: ۸۲)

آپ کے معمولات و خصائل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ظاہر شریعت سے ایک ذرہ تجاوز نہ فرماتے معمولاً روزانہ حلقہ ذکر ہوتا تمام عملہ درگاہ جماعت میں پانچوں وقت حاضر ہوتا فقرا تہجد میں شریک ہوتے، عام خاندان برکاتہ کے تمام متوسلوں کی حاجات دینی و دنیوی آپ پوری فرماتے، ہر خادم و مرید سے نہایت شفقت و رافت سے معاملہ فرماتے ان کی پرسش حال و حوائج کا انصرام، خطا پر معافی، خفیہ معاونت عادت کریمہ تھی۔ (مرجع سابق، ص: ۸۲، ۸۳)

کسر نفسی، تواضع اور درویشی کا یہ حال تھا کہ باوجود ہر قسم کے استحقاق کے کبھی نماز کی امامت نہ فرماتے بلکہ ایک حافظ صاحب کی اقتدا میں نماز باجماعت ادا فرماتے، کسر نفسی کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوگی کہ اپنے شہزادوں کو اپنے عم معظم کے خادم شاہ عین الحق عبد المجید قدس سرہ سے حکماً خلافت و اجازت دلوائی۔ شاہ عین الحق عبد المجید بدایونی قدس سرہ کی اولاد کا یہ فرما کر اکرام فرماتے کہ یہ ہمارے استاذ زادے ہیں اور صاحبزادوں کو بھی ان کے احترام کی ہدایت فرماتے، نوازشات کا سلسلہ یہاں تک دراز ہوا کہ اپنے نواسوں

حضرت سید حسین حیدر صاحب اور سید شاہ ظہور حیدر صاحب کو تحصیل علم کے لیے مدرسہ قادریہ بدایوں بھیجا۔

بیشراکرامات و خرق عادات آپ سے ظاہر ہوئیں، جن میں خاص طور سے یہ کرامت ہے کہ آپ کو طے الارض کا مرتبہ حاصل تھا۔ اس کے باوجود اخفائے حال کا یہ عالم کہ اپنے کسی مرتبہ کا اظہار گوارا نہ فرماتے۔ صاحب مدارج نے اس سلسلہ میں آپ کی یہ کرامت نقل کی ہے: اخفا اس درجے کا تھا کہ حاجی رضا خاں صاحب ساکن مارہرہ مرید حضور روایت فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ میں بعد فراغ حج مولوی محمد اسماعیل صاحب مہاجر سے بیعت ہونا چاہا، مولوی صاحب نے فرمایا تم نے حضرت سید شاہ آل رسول صاحب مارہروی سے بیعت کیوں نہ کی، وہ حج و زیارت میں اب تک ہمارے ساتھ تھے، میں حاضر مارہرہ ہوا، حال عرض کیا فرمایا مولوی صاحب کوشبہ ہوا ہوگا دریافت کر لو فقیر مارہرہ سے باہر نہیں گیا، میں نے اصرار کیا کہ مولوی صاحب حضور والا کے جاننے والے ہیں نہایت سچے اور متدین ہیں پورے زمانہ حج کا ساتھ ہے، فرمایا خیر اگر تاحیات ہمارے اس راز کو ظاہر نہ کرو مرید ہو جاؤ، میں نے عہد کیا اور بیعت ہو گیا، بعد وصال حضور اقدس رحمۃ اللہ علیہ حاجی صاحب نے یہ قصہ بیان فرمایا۔ (مدارج حضور نور، ص: ۸۸)

آپ کے خلفا میں ایک بڑی تعداد اہل بدایوں کی ہے ان کے علاوہ اہل خاندان میں آپ کے خلفا مندرجہ ذیل ہیں:

۱- حضرت سید شاہ ظہور حسن صاحب (صاحبزادے)

۲- حضرت سید شاہ ظہور حسین صاحب (صاحبزادے)

۳- سیدنا شاہ ابوالحسن احمد نوری (پوتے)

۴- سید شاہ ابوالحسن خرقانی (پوتے)

۵- سید شاہ مہدی حسن صاحب (پوتے)

۶- سید شاہ محمد صادق صاحب (برادرزادے)

۷- سید شاہ امیر حسین صاحب (ہمشیرزادے)

۸- حضرت سید حسین حیدر صاحب (نواسے)

بیرونی خلفا میں شیخ المشائخ سید شاہ علی حسین اشرفی میاں، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد

رضا خاں صاحب بریلوی، شاہ عبدالرحمن صاحب مرید و خلیفہ شاہ عبدالعزیز دہلوی اور صاحبزادہ سید شاہ نجل حسین صاحب شاہ جہاں پوری قابل ذکر ہیں۔

۱۸/ ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ کو وصال فرمایا، درگاہ برکاتیہ میں اسد العارفین سید شاہ حمزہ مارہروی قدس سرہ کے جانب شمال آخری آرام گاہ ہے۔

(۳) سید العابدین سید شاہ اولاد رسول قادری قدس سرہ۔ آپ سیدنا شاہ آل برکات سترے میاں کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۵/ شعبان ۱۲۱۲ھ کو ہوئی، بچپن ہی سے حضور شمس مارہرہ کی زیر تربیت رہے، فن طب اپنے والد ماجد سے حاصل کیا، حضور شمس مارہرہ سے شرف بیعت حاصل کیا اور اجازت و خلافت سے نوازے گئے، تاج العلما لکھتے ہیں:

حضرت سید شاہ اولاد رسول صاحب نے فن طب علماً اور عملاً اپنے والد ماجد سے حاصل کیا اور اس فن میں شہرہ آفاق تھے۔ نواب میر خان صاحب والی ٹونک حضرت کے بہت معتقد تھے، اکثر حضرت ٹونک میں تشریف رکھا کرتے تھے، نواب مذکور بہت نیاز مندی سے پیش آتے تھے۔ (تاریخ خاندان برکات، ص: ۴۷، ۴۸)

آگے فرماتے ہیں:

آپ کو فن تکسیر و تسخیر روحانیات و سلب امراض میں ید طولیٰ تھا، آپ کے مؤلفہ و مصنفہ چند رسائل طب و حالات خاندان و بیان میلاد مبارک میں ہیں، آپ کے شاگرد فن طب میں مارہرہ اور اس کے گرد و نواح میں اکثر تھے جو اپنے وقت میں مشہور ہوئے۔

(مرجع سابق، ص: ۵۲)

آپ کی مطبوعہ تصانیف میں ”ذکر میلاد مبارک“ (نا تمام) اور ”تفصیل تبرکات خاندانی“ کا پتہ ملتا ہے یہ دونوں رسالے حضرت تاج العلما نے دارالاشاعت برکاتی خانقاہ برکاتیہ سے ۱۳۵۳ھ میں شائع فرمائے۔

آپ کا وصال ۲۶/ ربیع الثانی ۱۲۶۸ھ کو مارہرہ مطہرہ میں ہوا۔ اپنے جد محترم سیدنا شاہ حمزہ قدس سرہ کے مزار کے پائیں آرام فرما ہیں۔

شمس الکمل سید شاہ غلام محمد الدین امیر عالم قدس سرہ۔ آپ حضرت سترے میاں صاحب کے چھوٹے صاحبزادے ہیں، آپ کی ولادت ۱۲۲۳ھ میں ہوئی، آپ کی ولادت

کے وقت آپ کی ہمیشہ جو اس وقت کم سن تھیں دوڑتی ہوئی حضور شمس مارہرہ کے پاس گئیں اور عرض کیا کہ ہمارے بھیا پیدا ہوا ہے، حضرت نے ارشاد فرمایا ”وہ غلام محی الدین امیر عالم ہے“ حضور شمس مارہرہ آپ سے بہت محبت فرماتے تھے، آپ نے تحصیل علم شاہ عین الحق عبد المجید بدایونی، شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی اور مولانا ولی اللہ فرخ آبادی سے کی۔ منازل سلوک و معرفت اپنے عم معظم حضور شمس مارہرہ کی تربیت و نگرانی میں طے کیے۔ بیعت و خلافت والد ماجد سے رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ شمس مارہرہ نے بھی اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ ”والی اودھ کی سرکار میں نائب وزیر رہے، باوجود مشاغل منصبی کے اوراد و وظائف کے پابند تھے، فن تکسیر میں خاص دستگاہ رکھتے تھے“ (مدائح حضور نور، ص: ۷۶)

حضرت تاج العلماء فرماتے ہیں:

چونکہ بمقتضائے زمانہ برگزیدگان خدا کسی پردہ میں اپنے آپ کو نظر خلق سے پوشیدہ رکھتے ہیں نیز حضرت کے والد ماجد کی وصیت بھی تھی، اسی لیے عہد شاہی میں بادشاہ اودھ کے عاملان باوقار اور عہد انگریزی میں وکیل حکومت سرکار کے پردے میں اپنے آپ کو چھپائے رہے، دونوں حالتوں میں مخلوق خدا کو فائدہ ظاہر و باطنی پہنچاتے رہے۔

آپ کا وصال ۵ شعبان ۱۲۸۶ھ کو ہوا۔ درگاہ برکات تہ کے جنوبی والان میں آسودہ خاک ہیں۔

شاہ عین الحق عبد المجید بدایونی - حضور شمس مارہرہ کے خادم خاص، مرید باصفا احب الخلفاء، اسرار کے خزینہ دار اور امانتوں کے تحویل دار شاہ عین الحق عبد المجید قادری بدایونی قدس سرہ کی ولادت بدایوں کے مشہور عثمانی خاندان میں ۲۹ رمضان المبارک ۱۷۷۷ھ کو ہوئی، ”ظہور اللہ“ تاریخی نام تجویز کیا گیا۔ اپنے پھوپھا بحر العلوم ملا محمد علی عثمانی سے اخذ علم کیا۔ ان کے وصال کے بعد ملک العلماء ملا نظام الدین سہالوی کے تلمیذ رشید حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب ساکن دیوہ شریف سے تکمیل کی۔ سیف اللہ المسلمول سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی آپ ہی کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کے شمس مارہرہ کے دامن سے وابستہ ہونے کا واقعہ بھی بڑا دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ یہ واقعہ تمام سوانحی مآخذ آثار احمدی، ہدایت الخلق، گلشن ابرار اور حضرت تاج الفحول کی بیاض قادری وغیرہ سب میں موجود ہے۔ روایتوں کے درمیان واقعہ کی تفصیلات و جزئیات میں تھوڑا بہت تفاوت ہے جو عام

طور پر اس قسم کے واقعات کی نقل و حکایات میں ہوتا ہے مگر اس واقعہ کا ان تمام کتب میں ہونا اس کے ثبوت کی سب سے قوی دلیل ہے۔ مولانا ضیاء القادری نے اکل التاریخ میں آثار احمدی سے اس کو نقل کیا ہے۔ ہم مولانا ہی کے الفاظ میں اس کو یہاں نقل کرتے ہیں:

بعد تکمیل و فراغ جذبات باطنی نے اُبھرنا شروع کیا۔ رہبر صادق و مرشد برحق کی جستجو میں دیار و امصار کی بادیہ پیمائی کرتے ہوئے چاروں طرف نظریں دوڑانا شروع کیں۔ اکابر خاندان کی صحبت نے ہمت بلند اور نگاہ رفعت پسند کر دی تھی عرفان الہی کی نورانی روحانی راہیں روشن ضمیر قلب پر پیشتر ہی آئینہ ہو چکی تھیں۔ مشائخ وقت اور اصفیائے عصر کی مجلسیں دیکھیں بھالیں، بہت سے مسند نشین اور صاحب ارشاد اکابر نگاہوں سے گزرے مگر ظرف عالی اور فکر بلند نے بمصدق ”نرخ بالاکن کہ ارزانی ہنوز“ کہیں تسلی و تشفی نہ ہونے دی اگرچہ بعض اوقات خاطر عاطر میں اس طائفہ سے سونے ظن بھی پیدا ہو جاتا لیکن طلب شیخ سے کبھی سینہ خالی نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالغنی صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ ہم بتقریب عرس شریف حضرت سیدنا شاہ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مارہرہ شریفہ جانے والے ہیں وہاں حضرت سلطان امجد بین سیدنا شاہ آل احمد اچھے میاں صاحب تشریف فرما ہیں جو آج کل قبلۃ الاولیاء ہیں ہمارے ساتھ وہاں چل کر حضرت کی زیارت کرنا کیا تعجب ہے کہ وہاں تمہاری مقصد براری ہو جائے۔ بزرگ پھوپھا کے ارشاد کی تعمیل آپ نے ایک مشائقانہ آرزو کے ساتھ فرمائی حاضر مارہرہ شریفہ ہوئے چونکہ ابھی وقت نہیں آیا تھا کچھ کشود خاطر اور اطمینان قلب نہ ہوا۔ حضرت مفتی صاحب نے حضور اچھے میاں صاحب سے بہت اصرار کے ساتھ آپ کی طرف توجہ مبذول فرمانے کو کہا مگر کچھ جواب نہ ملا اور آپ اُسی طرح واپس تشریف لائے۔ مکان آ کر پھر آپ نے تلاش شیخ میں عزم سیاحت فرمایا جب مفتی صاحب کو خبر ہوئی تو پھر آپ کو سمجھایا اور کہا کہ اس زمانہ میں حضرت اچھے صاحب سے بہتر میری نظر میں کوئی بزرگ کہیں نہیں معلوم ہوتا۔ مارہرہ شریف ہی جا کر تمہیں بیعت کرنا چاہیے اور جو کچھ وہاں سے ملے اُس پر قناعت کرنا بہتر ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ بیعت کی دو قسمیں ہیں ایک جو بے اختیار واقع ہو، یہ سب سے عمدہ اور احسن ہے مگر مجھ کو نصیب نہیں۔ دوسری باختیار خود اس کے لیے وجہ وجیہ قائم کرنے کی ضرورت ہے، اُس کا اظہار جناب نے نہیں فرمایا۔ اگرچہ آپ کا پاس ادب لب کشائی کرنے کی اجازت نہیں دیتا ورنہ

میں تو یہی کہتا کہ وہاں بھی اونچی دوکان پھیکا پکوان والی ہندی ضرب المثل صادق آتی ہے۔ مفتی صاحب کو آپ کی اس صاف گوئی سے کسی قدر آزر دگی اور ملال ہوا، ادھر آپ بھی ساکت و خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اجازت سفر چاہی مفتی صاحب نے بادل نحو استہ اجازت عطا فرمادی۔ آپ مفتی صاحب سے رخصت ہو کر مکان پر تشریف لائے دوسرے روز صبح کو مصمم ارادہ سفر فرمایا۔ شب کو طالع خوابیدہ بیدار ہوا، عالم خواب میں حضور سید عالم حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس اقدس کی حضوری ہوئی۔ دیکھا کہ مجلس آراستہ ہے حضرات صحابہ کرام و اولیائے عظام کی صفیں حلقہ کیے ہوئے ہیں حضور دنگیر عالم غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت شیخ الاولیا فرید الملت والدین بابا شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ اور حضور اچھے میاں صاحب مارہروی قدس سرہ قریب تحت معلیٰ حاضر ہیں کہ اتنے میں حضور آقائے دو عالم روحی لہ الفد انے حضور غوث پاک کی طرف کچھ اشارہ فرمایا حضور دنگیر عالم نے اپنے دست حق پرست سے آپ کا ہاتھ پکڑ کر حضور اچھے میاں صاحب کے دست مبارک میں دے دیا جب اس طرح یہ دولت خداداد ہاتھ آئی۔ صبح کو ہزاروں فرحت و انبساط کے ساتھ بیدار ہوئے، فوراً مارہرہ شریفہ کا قصد فرمایا۔ بکمال عقیدت و اخلاص حاضر بارگاہ حضور معلیٰ ہو کر شرف بیعت حاصل کیا۔ (اکمل التاریخ اول ص: ۹۴، ۹۵)

بیعت کے بعد شیخ کی ذات میں ایسا فنا ہوئے کہ گھر بار چھوڑ کر شیخ کے آستانہ ہی پر ڈیرہ ڈال دیا۔ حضور شمس مارہرہ کے وصال تک مارہرہ شریف میں رہے، حضرت شمس مارہرہ حکم فرما کر بدایوں بھیجے اور یہ دو چار دن رہ کر پھر واپس آ جاتے۔ شاہ عین الحق عبد المجید بدایونی قدس سرہ پر شمس مارہرہ کی جو عنایت خاص تھی اس کی تفصیل کے لیے تو ایک مستقل مقالہ درکار ہے۔ مولانا غلام شبر صاحب لکھتے ہیں:

بعد صاحبزادوں کے خلفا میں حضرت مولانا مولوی عبد المجید عین الحق رحمۃ اللہ علیہ پر خاص نگاہ کرم تھی ان کے والد ماجد مولانا عبد الحمید صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی مرید حضور تھے لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ بعد بیعت بیشتر خدمت اقدس میں حاضر رہتے حکماً وطن جاتے آپ بہت سے جواہر اسرار کے خزینہ دار اور امانتوں کے تحویل دار تھے سوائے تکمیل باطنی سرمایہ دینی و دنیوی مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سرکار سے پایا۔ شاہ عین الحق کا معزز لقب افضل العبد مولانا عبد المجید کا امتیازی خطاب پیرزادوں کی تعلیم کیسی بڑی اور بھاری نعمتیں

تھیں، کتب خانہ سرکار سے عمدہ عمدہ کتابیں منتخب فرما کر مدرسہ قادریہ کو جو اس وقت مدرسہ محمدیہ کہا جاتا تھا مرحمت فرمائیں ایک موضع مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو جاگیر میں دلادیا جو اس وقت تک اُن کی آل کے قبضہ میں ہے روزینہ فرخ آباد کے بھی محصل مولانا قرار پائے۔ ایک حاکم کو بسفرارش مولانا رحمۃ اللہ علیہ نوازش نامہ تحریر فرمایا کہ یہ فقیر کے مخصوص یاروں میں ہیں اور یہی ہمارے مایہ بساط ہیں ان کا کام فقیر کا کام ہے۔ (مدائح حضور نور، ص: ۶۵، ۶۶)

آثار احمدی میں لکھا ہے:

آنجناب دست بحبل المتین عروۃ الوثقی زدہ رہنما مقصد اعلیٰ گردید و ابواب فیوض و برکات بر روئے خود کشود و جادہ سلوک بقدم آگہی نور دیدہ چراغ امتیاز در امثال و اقربان بر افروخت و از رتبہ عشق محویتی کمال بجمال ہمایوں بہر ساندہ بسر مایہ حضوری آنجناب کامیابی حاصل ساخت واپس از طے مراحل سلوک و فقر و لباس صوفیہ و سند خلافت سلاسل عالیہ سرفرازی یافت و ملازم آستان قدسی گشت جناب عالی باولی نظرے و عنایتے خاص و ایشان را بآنجناب نسبت مخصوص بل اقوی بود چنانچہ اکثر جناب عالی می فرمود کہ مولوی عبد المجید بمقام ہل من مزید است و ہجو و اطالع صادق و یار موافق نیست و بمفاوضات شریفہ سرنامہ نامش افضل العبد مولوی عبد المجید می فرمود۔

ترجمہ: جبل المتین اور عروۃ وثقی ان کے ہم دست تھی، مقصد اعلیٰ کے رہنما، فیوض و برکات کے دروازے اپنے آپ پر کشادہ کیے، سلوک کے راستہ پر معرفت کا قدم رکھا، اپنے معاصرین و اقربان میں امتیاز کا چراغ روشن کیا، رتبہ عشق سے ایسے سرفراز ہوئے کہ جمال شمس مارہرہ میں کمال محویت حاصل ہوئی، شمس مارہرہ کے دربار کی حضوری کا سرمایہ نصیب ہوا، سلوک و فقر کے مراحل طے کرنے کے بعد سلاسل عالیہ کی سند خلافت سے سرفراز ہوئے، شمس مارہرہ کی آپ پر خاص نظر اور خاص عنایت تھی اور یہ بھی نسبت مخصوص رکھتے تھے، چنانچہ شمس مارہرہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ”مولوی عبد المجید مقام ہل من مزید پر ہیں اور ان جیسا کوئی دوسرا خادم صادق اور یار موافق نہیں“۔ حضور شمس مارہرہ اپنے مکتوبات میں ”افضل العبد مولوی عبد المجید“ لکھ کر مخاطب فرماتے۔

صاحب آثار احمدی نے حضور شمس مارہرہ کا یہ فرمان بھی نقل کیا ہے کہ:

درویش باید کہ ظاہر ش چوں ابی حنیفہ باشد و باطنش چوں منصور وایں معنی بجز مولوی

عبدالحمید در دیگرے ندیدہ ام۔

ترجمہ: درویش کو چاہیے کہ اس کا ظاہر ابوحنیفہ کی طرح ہو اور باطن منصور کی طرح اور یہ معنی سوائے مولوی عبدالحمید کے کسی اور میں نہیں دیکھا۔

”برکات مارہرہ“ میں مولوی طفیل احمد صدیقی متولی حضرت شمس مارہرہ کا یہ فرمان نقل فرماتے ہیں:

اپنے مریدین و خلفا کو جو اس وقت حاضر حضور تھے مخاطب کر کے فرمایا کہ جو مولوی عبدالحمید اور ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کو دوست رکھے گا وہ مجھے دوست رکھے گا اور جس نے ان سے اور ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد سے عناد رکھا اس نے مجھ سے اور میرے پیران طریقت سے عناد رکھا۔ پس جو شخص مولوی عبدالحمید اور ان کے گھرانے سے بیزار ہے آل احمد اور آل احمد کے پیران طریقت اس سے بیزار ہیں۔ لہذا مولوی عبدالحمید کا اور ان کے گھر کا مخالف قیامت کے دن آل احمد اور اس کے پیران سلسلہ سے کسی قسم کی دشگیری کی امید نہ رکھے۔ (برکات مارہرہ، ص: ۷۷)

شاہ عین الحق عبدالحمید بدایونی کے بارے میں حضور شمس مارہرہ کا یہ فرمان عالی شان حد تو اتر کو پہنچا ہوا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سلطان المشائخ حضرت محبوب الہی فرمایا کرتے تھے کہ اگر بروز حشر خدا نے مجھ سے پوچھا کہ نظام الدین دنیا سے میرے لیے کیا تحفہ لائے ہو تو میں امیر خسرو کو پیش کر دوں گا کہ اے پروردگار تیری بارگاہ میں یہ تحفہ لایا ہوں، اسی طرح اگر فقیر سے سوال کیا گیا تو فقیر مولوی عبدالحمید بدایونی کو بارگاہ خداوندی میں پیش کر دے گا۔

اپنے پیر و مرشد شمس مارہرہ کے وصال کے بعد آپ ۲۷ سال ۱۰ ماہ تک بدایوں میں مسند رشد و ہدایت پر جلوہ افروز رہے۔ ۱۷ محرم ۱۲۶۳ھ کو وصال فرمایا، درگاہ قادری میں آپ کا مزار پر انوار مرجع خلائق ہے۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند ارجمند سیف اللہ المسلمول سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی آپ کے جانشین ہوئے۔ میری ناقص معلومات کی حد تک شہزادگان خانوادہ برکاتیہ کے علاوہ حضور شمس مارہرہ کے خلفا میں صرف شاہ عین الحق عبدالحمید قادری کا ہی سلسلہ جاری ہے۔ (شمس مارہرہ کے ایک دوسرے خلیفہ سید شاہ فضل غوث بریلوی سے بھی ایک زمانے تک سلسلہ جاری رہا اب معلوم نہیں) آج بھی خانقاہ قادریہ بدایوں سے فیضان غوث اعظم اور فیضان آل احمد تقسیم ہو رہا ہے، اس

وقت خانقاہ قادریہ مجیدیہ کی مسند سجادگی پر حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری مدظلہ رونق افروز ہیں جو اپنے اسلاف کے سچے وارث و جانشین ہیں۔ رب قدیر و مقتدر اس سلسلہ خیر و برکت کو جاری و ساری رکھے۔

مسئلہ قرطاس کی تفہیم: سرور کائنات ﷺ نے ناسازی طبع کے دوران وصال مبارک سے کچھ پہلے ارشاد فرمایا کہ کاغذ قلم لاؤ میں ایک ایسی تحریر لکھوا دوں جو میرے پردہ فرمانے کے بعد تمہاری رہنمائی کرے اور تم میں کوئی نزاع نہ پیدا ہو۔ حضرت عمر فاروق نے خیال فرمایا کہ حضور علیہ السلام اس وقت ناسازی طبع میں ہیں، تحریر لکھوانے میں آپ کو مزید تکلیف ہوگی، ہماری خاطر حضور یہ تکلیف کیوں اٹھائیں، دین مکمل ہو چکا ہے کتاب اللہ اور اسوۂ رسول ہمارے سامنے ہے لہذا ان کی روشنی میں ہم مسائل حل کر لیں گے، یہ خیال کر کے آپ نے وہ تحریر نہیں لکھنے دی۔ عمر فاروق کا یہ عمل رسول اکرم ﷺ سے ان کے غایت محبت و ادب کی دلیل ہے مگر شیعہ حضرات اس واقعہ کو ایک الگ انداز میں پیش کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ حضرت عمر کو اندازہ ہو گیا تھا کہ حضور ﷺ حضرت علی کی خلافت کے بارے میں کوئی تحریر لکھوانا چاہتے ہیں اس لیے حضرت عمر نے وہ تحریر نہیں لکھنے دی (معاذ اللہ) علمائے اہل سنت نے اس مسئلہ پر بڑی وضاحت سے لکھا ہے اور اہل تشیع حضرات کے شبہات کا ازالہ کیا ہے، علمی دنیا میں یہ مسئلہ مسئلہ قرطاس کے نام سے معروف ہے۔

حضور شمس مارہرہ کے آخر عہد میں ایک بار حضرت شاہ عین الحق عبدالحمید قادری بدایونی نے عرض کیا کہ مسئلہ قرطاس میں ہر چند علما نے جواب دیے ہیں لیکن حضور تسکین خاطر فرمادیں، ارشاد فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ ہم رفع شبہ کر دیں گے، بروز وصال کہ مرض نہایت شدت پر تھا اور وقت رحلت قریب تھا، حکم فرمایا کہ مولانا کاغذ قلم دوات لایے، ہم کچھ لکھ دیں کہ ہمارے بعد نزاعات نہ ہوں، شاہ عین الحق نے عرض کیا حضور تکلیف نہ فرمائیں کوئی معاملہ متنازعہ ہی نہیں ہے، سب معاملات موجودہ و آئندہ میں خدام کو ہدایت شافی مل چکی ہیں اور رازدار خدام ان پر مطلع اور تعمیل کو جان و دل سے حاضر ہیں، حضور اقدس نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا الحمد للہ کہ فقیر کا وعدہ وفا ہو گیا اور آپ پر مسئلہ قرطاس کی حقیقت واضح ہو گئی۔ (مدائح حضور نور، ص: ۶۵)

مولانا غلام شبر صاحب نے یہ واقعہ لکھنے کے بعد ایک لطیف نکتہ بیان کیا ہے کہ دراصل باطنی معاملات کے جو اصحاب خدمت ہیں ان میں قطب وقت کا نام عبداللہ ہوتا ہے اور اس کا دست راست وزیر ایمن عبدالرب کہلاتا ہے۔ قطب وقت نائب رسول ہوتا ہے اور وزیر ایمن نائب فاروق اعظم۔ مولانا غلام شبر صاحب نے یہ نکتہ پیدا کیا کہ اس واقعہ میں شمس مارہرہ نے کاغذ قلم طلب فرمایا اور شاہ عین الحق نے تحریر لکھنے سے معذرت ظاہر کی، اس سے ثابت ہو رہا ہے حضور شمس مارہرہ عبداللہ قطب وقت ہیں اور شاہ عین الحق ان کے وزیر ایمن عبدالرب جو نائب فاروق اعظم ہے، جس طرح فاروق اعظم نے حضور کی ناسازی طبع کو دیکھتے ہوئے تحریر سے روک دیا اسی طرح شاہ عین الحق نے بھی تحریر سے روک دیا۔

وصیت نامہ: وصال سے قبل شمس مارہرہ نے دو وصیتیں مرتب فرمائیں ایک وصیت اپنے مریدین و وابستگان کے لیے اور دوسری وصیت خاص اپنے اہل خاندان کے لیے۔ یہ دونوں وصیتیں فارسی میں ہیں، ان کی ایک قدیم نقل کتب خانہ قادریہ میں موجود ہے، جس کو حافظ علی اسد اللہ جمیدی نے بمقام مارہرہ مطہرہ محرم ۱۴۷۳ھ میں نقل کیا تھا، اس کے علاوہ ان وصیتوں کو مولانا غلام شبر قادری بدایونی نے اپنی کتاب ”مدائح حضور نور“ میں درج کر دیا ہے، نیز تاج العلماء شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب نے اکابر خاندان برکات کی وصایا کا مجموعہ ”بہترین کملا کی وصیتیں“ کے عنوان سے مرتب فرمایا ہے اس میں بھی یہ وصیتیں شامل ہیں۔ ہم یہاں ان دونوں وصیتوں کا مختصر ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

اہل خاندان کے لیے وصیت: اللہ لا الہ الا هو الحی القيوم، اے خدا کے بندو! اللہ تم سب کو سلامت رکھے۔ والد ماجد علیہ الرحمۃ نے اپنی وصیت میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسی کو میری جانب سے بھی سند سمجھو اور حتی الامکان اس پر مواظبت کرو اور اپنے اسلاف کرام کے بہترین طریقہ سے سر مو تراز نہ کرو، اہل دل کے معاملہ میں عقل کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔

اور یہ بعض اہل زمانہ یہ اہل دین نہیں ہیں بلکہ یہ اہل کینہ ہیں کیونکہ اگر یہ دیندار ہوتے تو آپس میں شفقت و محبت سے رہتے، نفاق کی راہ نہیں بلکہ اتفاق کی راہ چلتے کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔

اور بیعت اپنے خاندان کے علاوہ کسی اور سے نہ کریں، خواہ اپنے والد سے ہو یا اپنے بھائیوں سے یا پھر اپنے خاندان کے خلفا سے، یہی صحیح راستہ ہے۔

باغ مراچہ حاجت سرو و صنوبر ست ☆ شمشاد خانہ پرور ما از کہ کمتر است (ہمارے باغ کو سرو و صنوبر کی کیا ضرورت ہے، خود ہمارے گھر کا پروردہ شمشاد کس سے کم ہے) والد ماجد علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی اہل اللہ نظر آجائے تو اس کا دامن ہو اور تمہارا ہاتھ ہو (یعنی اس سے اخذ فیض کرو) لیکن یہ معاملہ اب مفقود ہے۔ محض کسی کی چرب زبانی اور شیریں بیانی دیکھ کر فریفتہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ طائفہ اہل اللہ ہر زمانہ میں کبریت احمر سے بھی زیادہ نایاب ہے۔ ان سے فائدہ و استفادہ میں البتہ کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

متاع نیک از ہر دکان کہ باشد

(اچھا سامان جس دکان سے بھی ملے لینے میں مضائقہ نہیں)

مسجد، درگاہ اور خانقاہ کے آداب کو ہمیشہ نظر میں رکھو، ضروری چیزوں کو ملحوظ رکھو اور غیر ضروری سے محفوظ رہو کہ یہی بہترین طریقہ شریعت ہے۔

خلاف پیغمبر کسے رہ گزید

کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

جو شخص بھی پیغمبر (ﷺ) کے خلاف راہ چلے گا وہ ہرگز منزل کو نہیں پہنچے گا۔

آنے جانے والوں کی خدمت، مشائخ و فقرا اور علما و فضلا کی تعظیم و تکریم کا خیال کریں۔ علم و عمل کو پیش نظر رکھیں، یہی کام ہے۔ اور میری سالانہ فاتحہ میں کوئی تکلف نہ کریں سوائے ایک پیالہ شربت اور ایک باسی روٹی کے اور مہمانوں کی خدمت سچے دل سے کریں کیونکہ جس نے خدمت کی اس کی خدمت کی گئی۔

مریدوں کے لیے وصیت: کان اللہ ولم یکن معہ شی (ازل میں اللہ تعالیٰ موجود تھا اور اس کے ساتھ کوئی نہ تھا)

میرے دینی و یقینی بھائیو! جاننا چاہیے کہ جو کچھ والد ماجد نے وصیت فرمائی ہے اگر اخلاف میں کوئی سعادت مند ہے تو اسی پر اس کو عمل کرنا چاہیے، اس لیے کہ اس میں عاقبت کی عافیت ہے۔ سات پشتوں سے یہ خاندان برکات حیزویہ فیض ماب غوث الثقلین قطب الکونین کا نمک پروردہ چلا آ رہا ہے، لہذا ہمارے مریدوں کو چاہیے کہ حضور غوث پاک کی غلامی کو ہاتھ سے نہ جانے دیں کہ دارین کی سلامتی اسی میں ہے۔ مذہب حنفی پر قائم رہیں اور علما و فقرا اور مساکین کی

تعظیم و خدمت کی پوری کوشش کریں، جو کچھ خشک و تر میسر ہو پورے وقار اور تواضع کے ساتھ ان کی خدمت میں پیش کر دیں، اگر وہ قبول کریں تو ان کے حسن اخلاق کی رو سے بہتر ہے اور دوسری صورت میں ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ (وصال کے بعد) تعزیت کی رسم تین دن سے زیادہ نہ کریں، جیسا کہ ہمارے خاندان کا معمول ہے اور ایسا ہی والد ماجد کی رحلت کے وقت کیا گیا تھا اور خاندان کے لوگوں کو روزہ کی تکلیف نہ دیں کہ اس میں ان کے خانگی معاملات کا بڑا نقصان ہوتا ہے، سوائے تیجے، بیسویں اور چالیسویں کی فاتحہ کے اور کچھ نہ کریں اور روشنی و چراغاں وغیرہ نہ کریں جیسا کہ متاخرین کا معمول ہے کیونکہ یہ عاصی تکلف کا روادار نہیں ہے اور تکلف شریعت میں روا نہیں ہے۔ میری سالانہ فاتحہ میرے یوم وفات پر ایک روپیہ چار آنے کے بتائے یا روٹی پر احتیاط کے ساتھ شریعت کے مطابق انجام دیں اور اس سے زیادہ کچھ نہ کریں، حضور غوث الثقلین کے عرس (یعنی گیارہویں شریف) کے دن غوث پاک کی فاتحہ کے بعد سوا پاؤ بتائے پر اس فقیر کو بھی فاتحہ کے ذریعہ یاد کر لیں تاکہ حضور غوث پاک کی برکت سے اس موروثی غلام کی عاقبت بھی بخیر ہو جائے، جد محترم نے فرمایا ہے:

منم مرید و غلام کمینہ در تو
ز خاک کوئے تو ماراست آبرو یا غوث

(اے غوث پاک میں آپ کے در کا ایک ادنی غلام و مرید ہوں آپ کے کوچہ کی خاک ہی میری آبرو ہے)

اور اسی طرح میرے پردادا (صاحب البرکات) دادا (سیدنا آل محمد) اور حضرات والدین کے عرس کے دن بھی کریں۔ فقط

سوانحی کتب: آپ کی حیات ظاہری ہی میں آپ کے جاں نثار خلفا و مریدین نے آپ کے حالات قلم بند کرنا شروع کر دیے تھے۔ وصال کے بعد بھی کئی کتب خاص آپ کے حالات میں تالیف کی گئیں، اس کے علاوہ جو کتابیں عمومی طور پر خانوادہ برکاتیہ کے اکابر و مشائخ کے حالات میں لکھی گئیں ان میں کسی میں تفصیلی اور کسی میں اجمالی طور پر آپ کے حالات نقل کیے گئے۔ ہماری معلومات میں آپ کی جو مستقل سوانح آسکیں ان کا تعارف درج ذیل ہے:

ہدایت المخلوق: یہ آپ کے جاں نثار مرید و خلیفہ مولانا شاہ محمد افضل بدایونی (م):

۱۸۴۶ء) کی تالیف ہے۔ کتاب کا نام تاریخی ہے جس سے سنہ ۱۲۲۷ھ برآمد ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شمس مارہرہ کی حیات ہی میں تالیف کی گئی تھی، اگر آثار احمدی اس سے پہلے نہیں لکھی گئی تو اس کو حضرت شمس مارہرہ کی اولین سوانح قرار دیا جاسکتا ہے، کتاب فارسی زبان میں ہے۔ اس میں حضور شمس مارہرہ کی ۶۱ کرامات اور خرق عادات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے زیادہ تر واقعات خود مولف کے چشم دید ہیں یا پھر انھوں نے ایسے ثقہ لوگوں سے سنے ہیں جو واقعہ کے وقت موجود تھے۔ اس کتاب کے کسی نسخہ کی موجودگی کا علم راقم سطور کو نہیں ہے، ممکن ہے خافقاہ برکاتیہ کے کتب خانہ میں موجود ہو۔ کتاب کے بارے میں یہ معلومات تنبیہ المخلوق کے مقدمہ سے اخذ کی گئی ہیں۔

آثار احمدی: یہ شمس مارہرہ کے مرید جناب حکیم عنایت حسین صاحب مارہروی کی تصنیف ہے۔ اول الذکر کے مقابلہ میں یہ قدرے تفصیلی حالات پر مشتمل ہے۔ نسب نامہ، شجرات طریقت، بیان کرامات، تذکرہ خلفا و مریدین سب کا تذکرہ الگ الگ فصلوں کے تحت کیا گیا ہے۔ بعد میں لکھے جانے والے اکثر تذکروں کا بنیادی ماخذ یہی ہے۔ حضرت تاج الفحول نے ”بیاض قادری“ میں اس کے کئی طویل اقتباسات نقل کیے۔ اکمل التاریخ (۱۳۳۱ھ) لکھتے وقت مولانا ضیاء القادری صاحب کے بھی پیش نظر تھے، جس کا جگہ جگہ حوالہ دیا ہے۔ خافقاہ برکاتیہ میں اس کا کوئی نسخہ ضرور موجود ہوگا، ”اصح التاریخ“ کی ترتیب کے وقت حضرت تاج العلماء کے بھی پیش نظر تھے جس کا آپ نے تذکرہ کیا ہے۔ پروفیسر ایوب قادری صاحب نے اپنے ذاتی کتب خانے میں آثار احمدی کے ایک قلمی نسخے کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ (دیکھیے: تذکرہ علمائے ہند) غالباً مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ کے ”احسن کلکیشن“ میں بھی آثار احمدی کا ایک نسخہ موجود ہے۔

دس بارہ سال قبل کتب خانہ قادریہ بدایوں میں مجھے ناقص الاول ایک نسخہ ملا تھا، بعد میں کتب خانہ کی صفائی اور ترتیب کے دوران مخطوطات کی الماریوں میں کہیں رکھ گیا۔ حصہ مخطوطات کی فہرست مرتب ہو تو یہ سامنے آئے۔

گلشن ابرار: یہ حضرت شمس مارہرہ کے خلیفہ مولانا شاہ ریاض الدین سہوانی کی تالیف ہے۔ مولانا غلام شبر صاحب بدایونی نے مدائخ حضور نور میں شمس مارہرہ کے چند واقعات اس کے حوالے سے درج کیے ہیں۔

تنبیہ المخلوق: مولوی مجاہد الدین ذاکر (ابن شاہ مبارز الدین آل احمدی مرید و خلیفہ حضور شمس مارہرہ) کی تالیف ہے۔ جناب مجاہد الدین ذاکر (۱۲۵۱ھ/۱۳۳۲ھ) خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ کے مرید اور خلیفہ تھے ۱۲۷۴ھ میں شاہ عین الحق عبد المجید بدایونی کے مرید حافظ علی اسد اللہ مجیدی قادری رئیس بدایوں نے ان سے فرمائش کی کہ ہدایت المخلوق فارسی میں ہے جس کو اب لوگ کم سمجھتے ہیں تم اس کا اردو میں ترجمہ کرو اور ساتھ میں بعض حالات کا اضافہ بھی کر دو تا کہ خانوادہ برکاتیہ کے عام وابستگان و مریدین حضور شمس مارہرہ کے حالات سے واقف ہوں۔ انھوں نے حافظ صاحب کی فرمائش پر لبیک کہا، حضرت خاتم الاکابر سے اجازت لی، حضرت نے کتب خانہ برکاتیہ سے ہدایت المخلوق اور آثار احمدی ان کو عنایت کی۔ کتاب کا نام تنبیہ المخلوق رکھا جس سے سال تالیف ۱۲۷۴ھ برآمد ہوتا ہے۔ کتاب کو تین مقامات پر تقسیم کیا گیا ہے۔ مقام اول در بیان نسب نامہ و شجرہا، مقام دوم در بیان کرامات موافق ہدایت المخلوق، مقام سوم در بیان کرامات شنیدہ از ثقات۔

مقام اول میں نسب نامہ اور تمام سلاسل قدیم و جدید کے شجرے و نظم میں نقل کیے گئے ہیں، اسی میں حضرت خاتم الاکابر کی روایت سے شمس مارہرہ کے معمولات شب و روز ذکر کیے ہیں۔ مقام دوم میں ۶۱ روایات و کرامات کا ذکر ہے اور مقام سوم میں ۵۹ کرامات ذکر کی گئی ہیں۔ اس کا جو نسخہ ہمارے پیش نظر ہے اس میں ۱۳۵ صفحات ہیں اور یہ محمد احمد حسن نے شعبان ۱۳۴۲ھ میں نقل کیا ہے۔

اعتراف غلامی: مولانا غلام شبر صاحب نے حضرت خاتم الاکابر کے تذکرے میں شاہ عین الحق عبد المجید بدایونی کی اولاد کے بارے میں چند جملے تحریر کیے ہیں ان کو جب بھی پڑھتا ہوں ایک عجیب روحانی لذت و کیف محسوس کرتا ہوں اور ہر جملہ پر سوسو بار قربان ہونے کو دل چاہتا ہے، مولانا ”مدائح حضور نور“ میں لکھتے ہیں:

حالانکہ ان میں (شاہ عین الحق عبد المجید کی اولاد میں) کوئی کسی کمال میں آپ کا (خاتم الاکابر کا) مماثل نہ تھا اور پھر جو کچھ بھی تھا وہ آپ کے گھر کا صدقہ اور اسی آستانے کا ہدیہ تھا۔ عالم دین پرورد کس نے بنادیا تھا؟ عارف کس نے کر دیا تھا، بادشاہ و فقرا، علماء و عرفا کا مقتدی کس نے ٹھہرا دیا تھا؟ ہر بزم میں صدارت ہر رزم میں فتح و ظفر کہاں سے عنایت ہوئی تھی؟ دین و دنیا کے کمالات کس نے سوئے تھے، یہ چمکتے چاند اور ستارے کس شمس کی نور و ضیا سے منور ہو گئے تھے؟

اس بات کا اعتراف خاندان مجیدی کے ہر فرد کے لیے باعث افتخار ہے کہ یقیناً یہ سب حضور شمس مارہرہ کا صدقہ اور ان کے در کی خیرات تھی، اور آج بھی جو کچھ ہے وہ سب اسی خانقاہ بے کس پناہ کا صدقہ اور اسی در کا فیضان ہے۔

شمع نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ
جتنے چراغ ہیں تری محفل سے آئے ہیں

کتابیات

- ۱- آثار احمدی (قلمی): حکیم عنایت حسین مارہروی
- ۲- آداب السالکین: سید شاہ آل احمد اچھے میاں، ترجمہ ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی، برکاتی پبلشرز کراچی ۱۹۸۷ء
- ۳- احوال و مقامات: مولانا محمد عبد الہادی محمد میاں قادری بدایونی، مطبوعہ حیدر آباد ۱۹۹۲ء
- ۴- اکمل التاریخ: مولانا ضیاء القادری بدایونی، مطبع قادری بدایوں ۱۳۳۳ھ
- ۵- اہل سنت کی آواز ۱۹۹۹ء: خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف
- ۶- برکات مارہرہ: مولوی طفیل احمد صدیقی بدایونی، مطبع نول کشور لکھنؤ سنہ ندارد۔
- ۷- بیاض قادری (قلمی): تاج الفحول مولانا عبد القادر قادری بدایونی
- ۸- تاریخ خاندان برکات: تاج العلماء شاہ اولاد رسول محمد میاں مارہروی، برکاتی پبلشرز کراچی ۱۹۸۷ء
- ۹- تنبیہ المخلوق (قلمی): مجاہد الدین ذاکر بدایونی
- ۱۰- محافل الانوار (قلمی): شاہ عین الحق عبد المجید قادری بدایونی
- ۱۱- مدائح حضور نور: مولانا غلام شبر قادری بدایونی، امیر الاقبال پریس بدایوں ۱۳۳۴ھ
- ۱۲- ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ: ثروت صولت، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی
- ۱۳- مواہب المنان (قلمی): شاہ عین الحق عبد المجید قادری بدایونی
- ۱۴- وصیت نامہ شاہ آل احمد اچھے میاں (قلمی) بقلم حافظ علی اسد اللہ مجیدی ۱۲۷۰ھ



امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ
ترجمہ: مولانا جمیل احمد نوری، سٹی ہائی اسکول اے، ایم، یو علی گڑھ

اے بدورِ خود امام اہل ایقان آمدہ

جان انس و جانِ جان و جانِ جانان آمدہ

قامت تو سروِ نازِ جو بہار معرفت

روئے تو خورشیدِ عالم کتابِ ایمان آمدہ

موئے زلفِ عنبرینت قوتِ رُوحِ ہدیٰ

رنگِ رویتِ غازی دینِ مسلمان آمدہ

زنگِ از دلہا زواید خاکِ بوسیِ درت

تابناک از جلوہ ات مرآتِ احسان آمدہ

صد لطفِ می کشاید یک نگاہِ لطف تو

دستِ فیضانت کلیدِ بابِ عرفان آمدہ

نامتِ آلِ احمد و احمد شفیع المذنبین

زاں دل از دستِ گنہ پیش تو نالاں آمدہ

پر صدا شد باغِ قدس از نغمہائے وصفِ تو

تا بہارِ جنت از گلزارِ جیلاں آمدہ

چوں گلِ آلِ محمد رنگِ حمزہ بر فروخت

بوئے آلِ احمد اندر باغِ عرفان آمدہ

گلبنِ نورستہ ات راسبزہ چرخِ کہن

فرشِ پاندا از بزمِ رفعتِ شان آمدہ

تاکشید مِ نالہ یا آلِ احمد الغیث

بے سرو سامانیم راطرفہ سامان آمدہ

در پناہ سایہ دمانتِ اے ابرکرم

گرمیِ غمِ کشتہ با سوزِ احزان آمدہ

دلِ فگارے، آبلہ پائے بشہرِ جود تو

از بیا بانِ بلافتاں و خیزاں آمدہ

تازہ فریادِ ے برآرد اے مسیحا بردرت

کہنہ رنجورے کہ از غمِ بر لبش جاں آمدہ

زہرِ نوشِ جامِ غمِ در حسرتِ فیہ شفاء

زانکینِ رحمتِ یک جرعه جو یاں آمدہ

بہر آں رنگیں ادا گل برگ چند آل رسول
برکش از دل خارِ آلائے کہ درجاں آمدہ

احمد نوری دریں ظلمات رنج و تشنگی
رہنمائ سوئے تو اے آب حیوان آمدہ

اے زلال چشمہ کو ٹرلپ سیراب تو
بردر پاکت رضا باجان سوزاں آمدہ



ترجمہ:

- (۱) آپ اپنے زمانے میں اہل ایمان کے مقتدا و پیشوا بن کر آئے۔ انسانوں اور جنوں کے محبوب بنے اور محبوبیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔
- (۲) آپ کا قد مبارک نہر معرفت کا سرو ناز ہے اور آپ کا چہرہ زیبا ایمان کا آفتاب عالم تاب ہے۔
- (۳) آپ کی زلف معنبر روح ہدایت کے لیے قوت و طاقت ہے اور آپ کے روئے مبارک کا حسن و جمال اہل اسلام کے لئے زیب و زینت ہے۔
- (۴) آپ کے در کی خاک بوسی دلوں کا زنگ مٹا دیتی ہے، آپ کے جلوؤں سے آئینہ احسان صاف و شفاف اور تابناک ہے۔
- (۵) آپ کے لطف و کرم کی ایک نگاہ سینکڑوں لطیف حکمتوں کے دروازے کھول دیتی ہے اور درحقیقت آپ ہی کا دستِ فیضان و کرم باب معرفت کی کلید ہے۔
- (۶) آپ کا نام آل احمد ہے اور حضور احمد ﷺ شفیع المذنبین ہیں، اسی بنا پر یہ دل اپنے دستِ گنہ سے آپ کے پاس نالہ کنناں حاضر ہوا ہے۔

- (۷) جب سے آپ کے چمنستانِ طریقت میں شاہ جیلاں کے گلزارِ طریقت سے بہار جنت آئی ہے، آپ کے نعماتِ وصف سے باغِ قدس گونج رہا ہے۔
- (۸) جب حضرت سید آل محمد کے پھول نے حضرت سید حمزہ کا رنگ و روپ نکھارا تو اس باغِ معرفت میں حضرت سید آل احمد کی خوشبو پھیل گئی۔
- (۹) آپ کے نور و نیدہ تر و تازہ گلبن کی بزمِ رفعت و منزلت کے لئے چرخ کہن کا سبزہ فرشِ پا انداز بنا۔
- (۱۰) جب کبھی میں نے یا آل احمد الغیاث کہہ کر فریاد کی تو میری بے سرو سامانی کو نئے ساز و سامان میسر آ گئے۔
- (۱۱) اے ابر جو دو کرم! آپ کے سایہ دامن کی پناہ میں یہ محبت کے رنج و غم کا مارا ہوا حاضر ہے۔
- (۱۲) یہ خستہ دل آبلہ پا آپ کے شہرِ جو دو کرم میں بیابانِ بلا سے گرتا پڑتا حاضر ہوا ہے۔
- (۱۳) اے مسیحا آپ کے درِ پاک پر پھر فریاد لے کر یہ آپ کا جاں بلب پرانا بیمار حاضر ہوا ہے۔
- (۱۴) شفا و صحت کی حسرت میں یہ جامِ غم کا زہر پینے والا آپ کے شہدِ رحمت سے ایک گھونٹ کا طلب گار ہے۔
- (۱۵) اس رنگین ادا، گل خوش رنگ آل رسول کے طفیل میں میرے دل سے آلام و مصائب کے وہ کانٹے جن کی اذیت روح تک پہنچ چکی ہے، آپ نکال دیجئے۔
- (۱۶) اس رنج اور پیاس کی تاریکی میں اے آبِ حیات، آپ تک پہنچنے کے لئے حضرت احمد نوری میرے رہنما اور پیشوا ہیں۔
- (۱۷) حضور آپ کے لب ہائے مبارک، زلال چشمہ کوثر ہیں، یہ رضائے سوختہ جاں آپ کے درِ پاک پر اس چشمہ کوثر سے سیراب ہونے کے لئے حاضر ہے۔



تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر فقیر قادری قدس سرہ

شمس و قمر سے بڑھ کر ہے شانِ آل احمد
 ہے نور مصطفائی چہرہ سے ان کے ظاہر
 روئے زمین سے لے کر بالائے آسمان تک
 بے شک ہوئے ہیں حاصل دربار احمدی سے
 ہے ہند کامدینہ مارہرہ شریفہ
 لے ہند سے عرب تک ایک شور پڑ گیا ہے
 درگاہ پاک ان کی ہے منبع عطایا
 اُس شہر جانفزا کو کیوں کر لکھوں میں جنت
 اللہ رے شان و شوکت نقشہ یہ بندھ گیا ہے
 محبوبیت کا رتبہ حاصل تھا ان کو بے شک
 بے شک سرور دل ہیں وہ شاہ انبیا کے
 قربان آل احمد قربان آل احمد
 ہے نور حق وہ روئے رخشان آل احمد
 مثل قمر ہے روشن برہان آل احمد
 وہ مرتبے کہ تھے جو شایان آل احمد
 ہے منصب جہاں میں فرمان آل احمد
 ظاہر ہوا ہے جب سے عرفان آل احمد
 جاری ہے بحر فیض و احسان آل احمد
 فردوس سے ہے بڑھ کر ایوان آل احمد
 ہوتا ہے سُن کے عالم حیران آل احمد
 ہے اولیا میں جاری فیضان آل احمد
 آرام غوث اعظم ہے جان آل احمد



قاضی غلام شہر حسرت بدایونی

یہ کب تک ہو فریاد و بکا یا آل احمد خذ بیدی
 اے سید و آقا سن لے ذرا یا آل محمد خذ بیدی
 بغداد سے تجھ کو ہے قربت اجمیر سے تجھ کو ہے نسبت
 ہے غوث و معین شاہ و گدایا آل احمد خذ بیدی
 صحت بخش ہر درد ہے تو فریاد رسی میں فرد ہے تو
 ای عیسیٰ دوران خضر لقا یا آل احمد خذ بیدی
 سلطان عرب اے ہند ولی فرزند نبی اولاد علی
 اے نائب خاص غوث وریٰ یا آل احمد خذ بیدی
 تاریکی غم نے گھیر لیا برقع کو اٹھا کھڑے کو دکھا
 ہے مہر جبین اے ماہ لقا یا آل احمد خذ بیدی
 مدت گزری بے کار ہوں میں مفلس ہوں نجیف و زار ہوں میں
 اے صاحب جو دو دست شفا یا آل احمد خذ بیدی
 حیران و غمیں مضطرب شد رکیا تجھ کو نہیں حسرت کی خبر
 ہے غرق سیل جفا و بلا یا آل احمد خذ بیدی



مولانا طفیل احمد متولی بدایونی علیہ الرحمہ

زمین سے عرش اعظم تک ہے شہرت آل احمد کی
خدا کی میں خدا کی بادشاہی میں محمد کی
خدا کے برگزیدہ، پیشوا ساری خدائی کے
ولی ابن ولی ابن ولی لاریب ہیں حضرت
خوشا قسمت کہ جس دن سے تصور ہاتھ آیا ہے
شبیبہ شبرو شبیر ہیں، تصویر حیدر ہیں
یہ وہ داتا ہیں سائل ان سے جو مانگے وہ پاتا ہے
خدا شاہد میں نے ان سے جو چاہا وہ ہی پایا
کفیل اپنے ہیں جب اچھے میاں تو مجھ کو کیا کھکا
کہاں دستار حضرت غوث اعظم اور کہاں بندہ
بُرا ہوں یا بھلا اچھے میاں کا نام لیوا ہوں
غلام احمد نوری ہوں خدمتگار مہدی ہوں
مرے مخدوم ہیں حاجی میاں میں ان کا اک خادم
یہ ہیں فرزند اولاد رسول اور آل حیدر ہیں
جسے کینہ ہے ان سے اُس کو کینہ ہے پیہر سے
عقیدہ میں مرے ان کی محبت جزو ایمان ہے
یہ سب عزت انہیں کی کفش برداری کا صدقہ ہے
طفیل ان کا طفیلی ہو کے پہو نچا شاہ جیلاں تک

کلام اللہ میں آئی ہے مدحت آل احمد کی
جدھر دیکھو ادھر بختی ہے نوبت آل احمد کی
نہ ہو پھر کیوں خدائی بھر میں عزت آل احمد کی
مسلم ہے زمانہ میں ولایت آل احمد کی
مجھے حاصل ہے گھر بیٹھے زیارت احمد کی
سراپا غوث اعظم کا ہے صورت آل احمد کی
کہیں بڑھ کر ہے حاتم سے سخاوت آل احمد کی
نوازش مجھ پہ ہے کچھ خاص حضرت آل احمد کی
کفالت میں ہوں میں حضرت سلامت آل احمد کی
مگر دولت ملی ہے یہ بدولت آل احمد کی
ہوئی ہے یہ سرافرازی بہ برکت آل احمد کی
تعجب کیا ہے گر ہے مجھ پہ شفقت آل احمد کی
سمجھتا ان کی خدمت کو ہوں خدمت آل احمد کی
انہیں میراث میں پہونچی ہے سیرت آل احمد کی
رسول اللہ کی الفت ہے الفت آل احمد کی
اطاعت ان کی ہے گویا اطاعت آل احمد کی
نوازش ان کی ہے گویا عنایت آل احمد کی
جناب غوث کی بیعت ہے بیعت آل احمد کی



قاضی غلام شہر برکاتی حسرت بدایونی علیہ الرحمہ

پر گہر دامن آل برکات
باشمر گلشن آل برکات
شد تو نگر بیجاں ہر کہہ بچید
دانہ از خرمن آل برکات
مرجع و ماخذ اہل عرفان
موطن و مسکن آل برکات
نوری و مہدی و پیر برکات
نوگل از گلبن آل برکات
پر زالماس و زر گوہر باد
معدن و مخزن آل برکات
ابدا فایز و واصل بادا
خادم برزن آل برکات
دائما خایب و خاسر بادا
حاسد و دشمن آل برکات
آمداین خادم نوری بسوال
بردر مامن آل برکات



احمد مجتبیٰ صدیقی برکاتی

وہ جن کے دل میں سچا احترام آلِ احمد ہے
وہ سب ہیں جنتی اُن کو پیامِ آلِ احمد ہے
دراقدس پے بلوا کر نوازیں بھی سنواریں بھی
بڑا اچھا بڑا ستھرا نظامِ آلِ احمد ہے
میں کیا سمجھوں بھلا جب یہ سمجھنے والوں نے سمجھا ہے
حدِ ادراک سے بڑھ کر مقامِ آلِ احمد ہے
رسائی غوث کے دربار تک جن کی کرائی تھی
یہ عین حق سے پوچھو کیا مقامِ آلِ احمد ہے
برا ہوں یا بھلا ہوں بس انہیں کا نام لیوا ہوں
برے کو اچھا کر دینا ہی کامِ آلِ احمد ہے
وظیفہ گر کوئی درکار ہے اہل بدایوں کو
وہ نامِ آلِ احمد ہے وہ نامِ آلِ احمد ہے
بفیض احمد نوری ملا دستِ امینی سے
وہ جامِ غوثِ اعظم ہی تو جامِ آلِ احمد ہے
یہی پہچان کافی ہے بروزِ حشر بخشش کو
کہ احمد قادری ہے اور غلامِ آلِ احمد ہے



نعت و منقبت



پروفیسر الحاج سید ابوالحسنات حقّی، بیکن گنج کانپور

رفتہ رفتہ بکھر رہا ہوں اے عشق نبی سنور رہا ہوں
 خوشبوئے نواحِ ارضِ طیبہ کیا میں ترا ہمسفر رہا ہوں
 ہمراہ مرے ہے شادمانی پھر عزم سفر میں کر رہا ہوں
 اذکار ہیں سب ادھورے میرے افکار پہ تکیہ کر رہا ہوں
 بخشا یہ وقارِ مصطفیٰ نے ہر شاخ پہ معتبر رہا ہوں
 سب ثبت و کشادِ مصطفیٰ ہے گنبد ہو کوئی نہیں در رہا ہوں
 نخوت کے تمام بام و در ہیں زینہ زینہ اتر رہا ہوں
 دنیائے ادنیٰ پہ مر رہا تھا اب ان کی گلی میں مر رہا ہوں
 راحت کی ڈگر دکھائیں گے وہ میں درد کے دن سے ڈر رہا ہوں
 باقی جہاں میں آدمیت سر کارِ سلام کر رہا ہوں



پدم شری بیکل اتساہی، بلرام پور

پھولوں کا تبسم بھول گئے سرمستی شبنم بھول گئے
سرکار کا جب سے عشق ملا ہر حسن کا عالم بھول گئے
ہم اپنے وطن اپنے گھر کی یادوں کو لئے پھرتے ہیں مگر
جب کوچہ طیبہ میں پہونچے خود اپنا پتہ ہم بھول گئے
قسمت سے گلی میں طیبہ کی ٹھوکر کھائی اور چوٹ لگی
پھر روح کو لطف ملا ایسا ہم زخم کا مرہم بھول گئے
لہکے سے ہوا مہکے سے فضا وہ حسن شبتان طیبہ
دیکھا جو بھجوروں کا جھرمٹ ہر رنگ کا موسم بھول گئے
مٹھرائیں ملے کا نہا سے نین کاشی میں ہوا شیو کا درشن
طیبہ میں ملا انمول رتن سب سادھنا سیم بھول گئے
بیکل نہ زمانہ شاد رہے سرکار کی سیرت یاد رہے
پھر بھی وہ سبھی برباد رہے جو نور جسم بھول گئے



شاہ طیبہ کا جس پہ کرم ہو گیا وہ ہی ستیم شیوم سندرم ہو گیا
اسکے قدموں پہ دستور دنیا جھکا عشق سرکار جس کا نیم ہو گیا
بٹیوں کی لہکنے لگی زندگی روپ بیواؤں کا محترم ہو گیا
ہر طرف علم کی چھا گئی روشنی جو تھا ان پڑھ وہ اہل قلم ہو گیا
ہر پڑوسی میں لطفِ محبت بڑھا فاصلہ ہر قبیلے کا کم ہو گیا
ایک صف میں ہیں دھوانِ نردھن کھڑے فرق نسل و نسب بے دھرم ہو گیا
عمر کی آخری ہچکیاں آئیں تھیں نام سرور لیا تازہ دم ہو گیا
روح یادِ مدینہ میں بیکل ہوئی
دل فدائے جمیل الشیم ہو گیا



حضرت افسر امر دہوی

فکرِ رسا کو رحمتِ حق پر لٹائیے
نعتِ رسولِ رحمتِ حق سے لکھائیے
جس کا جو حق ہے اس کو ادا کرتے جائیے
طیبہ میں دل تو مکہ میں سر کو جھکائیے
دل کی تڑپ کو پاسِ غلامی سکھائیے
ان کی رضا نہ ہو تو مدینے نہ جائیے
دیدار کی طلب کو کچھ اتنا بڑھائیے
ہوسامنا لحد میں تو پہچان جائیے
سوزِ دروں ہی کام کرے گا بروزِ حشر
دوزخ کی آگ کی لگی سے بجھائیے
ایسا لگے گا جیسے اکیلے نہیں ہیں آپ
تنہائیوں میں نعتِ نبی گنگنائیے
طیبہ کی یاد پوچھ رہی ہے یہ بار بار
یہ کس نے رائے دی تھی کہ گھروٹ آئیے
سو بار بھی ہو جرم تو سو بار ہے معاف
سو جان سے حضور کے قربان جائیے
دامن پہ جتنے داغِ نظر آئیں حشر میں
گن گنجے اور اتنی ہی نعتیں سنائیے
بینائی میں اضافہ کا ضامن ہے سبز رنگ
گند وہ سامنے ہو تو بس دیکھے جائیے
افسر کی خوش نصیبی کا قائل نہیں ہے جو
فہرستِ نعتِ خوانوں کی اس کو دکھائیے



سید منظر چشتی، پھپھوند شریف

بیٹھے بیٹھے مجھے اک دن یہ خیال آیا تھا
زندگانی میں مری کیسے جمال آیا تھا
اب سے پہلے تو مری زیست میں یہ بات نہ تھی
جسم حاضر تھا مگر روح مرے ساتھ نہ تھی
عیش و عشرت تو فقط خواب تھے دیوانے کے
کشمکش، الجھنیں، عنوان تھے افسانے کے
زندگی تھی تو مگر زیست کا مطلوب نہ تھا
اس کے دشمن تو بہت تھے کوئی محبوب نہ تھا
زخم ہی زخم تھے، مرہم نہ مسیحا کوئی
سب منافق تھے، نہ تھا دوست بھی سچا کوئی
میں مسافر تھا مگر کچھ نہ تھا منزل کا سراغ
کوئی جگنو، نہ ستارہ، نہ ہی روشن تھے چراغ
میری کوشش سے کبھی پھول نہ کھلتا تھا کوئی
ہاتھ بھی ہاتھ ملانے کو نہ ملتا تھا کوئی
یورش غم تھی مری زیست میں ہر جانب سے
طنز و طعنے ہی ملا کرتے تھے ہر صاحب سے

بس مری زیست تھی تپتا ہوا صحرا جیسے
قید خانے میں کوئی قیدی ہو تنہا جیسے
زندگی میری تھی ویران گلستاں کی طرح
اک بیابان میں آہوئے پریشاں کی طرح
دیکھتے دیکھتے پھر زیست نے کروٹ بدلی
مستقل آتی تھی کانوں میں جو آہٹ بدلی
پھر مری زیست میں اک ابر برستا آیا
اور پڑمردہ شگوفوں کو کھلاتا آیا
پھر اچانک کوئی اک موڑ پر جب ٹکرایا
فلسفہ زندگی جینے کا مجھے سمجھایا
پھر مرے دل میں کسی کے لیے ارماں جاگے
ایک افسانے کی خاطر کئی عنوان جاگے
پھر مرے سینے میں جذبات مچلتے آئے
شب گئی غم کی، مسرت کے اجالے آئے
چشم الفت سے مری سمت یہ دیکھا کس نے
زخم پر مرہم تسکین یہ رکھا کس نے
کس نے دی ہے مجھے آواز مرا نام لیا
کس نے اس درجہ محبت سے مجھے تھام لیا
کس نے سکھائی مجھے زندگی جینے کی ادا
کس نے رکھی ہے مرے سر پہ محبت کی ردا
کس نے غم لے لیا اور اپنی محبت دے دی
کس نے چھینا ہے مرا ڈر، مجھے ہمت دے دی



نامعلوم

نزولِ رحمت ہوا ہے ان پر انہیں کے رتبے بڑے ہوئے ہیں
نبی کی چوٹ پہ احتراماً جو سر جھکائے کھڑے ہوئے ہیں
صبا بھی آئی ہے گل بداماں ہیں ماہ و انجم بھی نور ساماں
جہاں کا والی ہے آنے والا گلوں سے گلشن سجے ہوئے ہیں
جہاں کی ظلمت ہے جانے والی اجالے خلقت ہے پانے والی
مرے نبی کا ہے جشنِ آمد کہ دونوں عالم سجے ہوئے ہیں
وہ دونوں عالم کے تاج ور ہیں رموزِ حق سے وہ باخبر ہیں
نظامِ قدرت چلانے والے علوم سارے پڑھے ہوئے ہیں
قسیمِ نعمت شفیق محشرِ خدا نے تم کو بنا دیا ہے
اسی لئے تو زمانے والے امید تم سے رکھے ہوئے ہیں
درِ نبی پر وہ سر جھکائیں حبیبِ رب سے وہ لو لگائیں
مصیبتوں کے سمندروں میں سفینے جن کے پھنسے ہوئے ہیں
ہمیں بھی اپنا غلام کہدو ہمارا اونچا مقام کردو
تمہارے در پر ہمارے جیسے ہزاروں راہی پڑے ہوئے ہیں

کس نے بخشا ہے مری زیست کو یہ کیف و نشاط

کس نے پلٹی ہے مری زیست کی بازی و بساط

کس نے ہونٹوں کو مرے جامِ تبسم بخشا

کس نے گیتوں کو مرے ساز و ترنم بخشا

کس نے دکھلائے ہیں فردوس کے منظر مجھ کو

کس نے بخشے ہیں محبت کے گل تر مجھ کو

کس نے امید کو ایقان میں تبدیل کیا

کس نے اک وہم کو ارمان میں تبدیل کیا

کون ہے، کیسی ہے، کیا شکل و شباهت اس کی

اس قدر کیوں ہے مرے سینے میں چاہت اس کی

یہ سوال اپنی جگہ آج نہ رہ پائے گا

جو ہے پوشیدہ وہ اب سامنے آجائے گا

اس کی نسبت سے بلند آج مراقد ہے جناب

وہ کوئی اور نہیں نعتِ محمد ﷺ ہے جناب



یاوروارثی، کانپور

دل و نظر میں مدینہ ہے آج بھی روشن مرا یہ حرفِ تمنا ہے آج بھی روشن
ترے کرم کا صحیفہ ہے آج بھی روشن مرا خدا یہ ذریعہ ہے آج بھی روشن
اسی کی ضو سے یہ سارا جہان روشن ہے وہ آستان وہ منارہ ہے آج بھی روشن
مری نگاہ میں روشن ہیں سب نشیب و فراز ترا کرم مرے آقا ہے آج بھی روشن
جو کبرِ قیصر و کسریٰ کو سرنگوں کر دے ترا وہ نقشِ کفِ پا ہے آج بھی روشن
غبارِ کوئے نبی تاجِ سر بنے میرا یہ آرزو یہ تمنا ہے آج بھی روشن
بہارِ چہرہ یسین کا فیض جاری ہے سحابِ کیسوئے طہ ہے آج بھی روشن
جوان کے پاک لبوں سے ادا ہوا تھا کبھی وہ حرفِ دعا کا ہے آج بھی روشن
انھیں کے دامنِ رحمت کی حکمرانی ہے مرے نبی کا زمانہ ہے آج بھی روشن
پتہ بھی لات و ہبل کا نہیں رہا باقی مکانِ گنبدِ خضریٰ ہے آج بھی روشن
مرے نبی کے پسینے کی برکتوں کے طفیل گلاب سب سے زیادہ ہے آج بھی روشن
ہوئے تھے نشر جو فاراں کی وادیوں سے کبھی انھیں حروف سے دنیا ہے آج بھی روشن
مرے نبی کے غبارِ گزر کے صدقے میں مہ و نجوم کا چہرہ ہے آج بھی روشن
دیارِ سرور عالم سے لوٹنے والے تری گلی ترا کوچہ ہے آج بھی روشن

نگاہِ عشق میں، قرآنِ پاک میں یاد
مدینے والے کا چہرہ ہے آج بھی روشن



یاوروارثی، کانپور

یہ شب یہ نعت نبی کا موسم یہ خوشبوؤں کا خرام دیکھو
ہر ایک لب پر کھلا ہوا ہے گلِ درود و سلام دیکھو
جنگینِ ارضی ہے ان کا گنبدِ معین عالم ہے ذات ان کی
جبینِ عرشِ علی پہ روشن ہمارے آقا کا نام دیکھو
دیارِ سرور میں جا کے دیکھو بہارِ محبوبیت کا جو بن
چراغِ وحدت کی روشنی میں فضائے بیت الحرام دیکھو
خدا کے عرفان کے لئے ہیں کتبِ احادیثِ مصطفیٰ کی
اگر سمجھنا ہو مصطفیٰ کو تو سوئے ام الکلام دیکھو
شفاعتوں کا حسین منظر میانِ محشرِ نظر سے گزرا
اب ان کے ہاتھوں سے پی رہے ہیں غلامِ کوثر کے جام دیکھو
طوالتِ شب تھکی تھکی ہے، سحر کی آغوش ڈھونڈتی ہے
نبی کے قعدے نبی کے سجدے نبی کا طولِ قیام دیکھو
وہاں ہے جلوہ مرے نبی کا وہاں ہے روضہ مرے نبی کا
وہ رشکِ جنت مقام دیکھو دیارِ خیر الانام دیکھو
خدا بصارت عطا کرے تو درِ رسولِ خدا پہ جا کر
ملائکہ کے سجود دیکھو ملائکہ کا قیام دیکھو
یہاں کے باغوں کی سیر کرنے میں دیر کیسی گریز کیسی
دیارِ مدحت میں آگئے ہو تو صبح دیکھو نہ شام دیکھو
نگارِ یادِ رسولِ اکرم درِ عقیدت پہ لکھ گئی ہے
مرے حوالے کرو پھر اپنے مکانِ دل کا نظام دیکھو
تم اپنے گھر سے لپٹ کے روتے ہو کیا ملے گا یہاں سے یاد
نبی کے محراب و در کو چومو نبی کے دیوار و بام دیکھو



یاور وارثی، کانپور

مہرباں محبوبیت کا تاجور ہونے کو ہے
ذرہ طیبہ کا مسکن میرا گھر ہونے کو ہے
اٹھنے والی ہے نگاہِ رحمتہ للعالمین
آنے والا ہے وہ جس کی منتظر تھی کائنات
ہونے والے ہیں عمارِ آشنائے انقلاب
منصبِ نو ملنے والا ہے ابوسفیان کو
نقش پائے مصطفیٰ کے جلنے والے ہیں چراغ
چلنے والی ہیں نظامِ مصطفیٰ کی آندھیاں
فکر کرتی ہے طوافِ عظمت شاہِ ام
رکھنے والے ہیں مرے سرکار سینے پر قدم
اب بصیرت پانے والی ہے بصارت کی جگہ
خوشبوؤں کے قافلے ڈالے ہیں ڈیراشام سے
جبریل ورف ورف و براق پیچھے رہ گئے
سبلِ غم تھمنے لگا دل کو سکوں ملنے لگا
دل کو عجلت ہے بہت اور دور ہے ان کی گلی

اب یہ دنیا کا خذف رشک گھر ہونے کو ہے
روشنی ہی روشنی اب یہ کھنڈر ہونے کو ہے
دفترِ عصیاں مرا زیرِ وزبر ہونے کو ہے
ختم پر آئی شبِ بھراں، سحر ہونے کو ہے
بدنگاہی لمحہ بھر میں خوش نظر ہونے کو ہے
دشمن چاک شرافت کوزہ گر ہونے کو ہے
درحقیقت رہگزارِ رہگزر ہونے کو ہے
سطوتِ مینارِ بابل، خاکِ درہونے کو ہے
رشتہ قرطاس و قلم کا معتبر ہونے کو ہے
راستے کا ایک پتھر تاجور ہونے کو ہے
نام پر ان کے فدا اک چشم تر ہونے کو ہے
خانہ دل رحمت عالم کا گھر ہونے کو ہے
اوج کی اب آخری منزل بھی سر ہونے کو ہے
یعنی قصہ دردیوں کا مختصر ہونے کو ہے
آج یاور امتحانِ بال و پر ہونے کو ہے



الحاج ناظر صدیقی، کانپور

خود کو جب ان کے تصور میں ڈبو دیتا ہوں میں
اپنا دامن اپنے اشکوں سے بھگو دیتا ہوں میں
سرورِ عالم کا غم سوغات ہے میرے لئے
کوئی موسم ہو ہر اک موسم میں رو دیتا ہوں میں
آپ کے شایانِ شاں کچھ بھی نہیں ہے میرے پاس
نذر کرنے کو یہ جاں حاضر ہے سو دیتا ہوں میں
روز کرتا ہوں امیدِ بارش ابرِ کرم
کشتِ جان میں روزِ غم کی فصل بو دیتا ہوں میں
میرے آقا آپ کی لطف و عنایت کی قسم
زیست کا غم آپ کے غم میں سمو دیتا ہوں میں
جانے کس منزل پہ لایا ہے مجھے ذوقِ طلب
چلتے چلتے اب حواس و ہوش کھو دیتا ہوں میں
آپ کا اسمِ گرامی ورد کر لینے کے بعد
اک لڑی میں سارے عالم کو پرودیتا ہوں میں
کتنی افضلِ شب ہے جس میں خود یہ کہتا ہے خدا
جاگنے والو سنو، آؤ، چلو، دیتا ہوں میں
مجھ کو روتا دیکھ ناظرِ غیب سے آئی صدا
داغِ عصیاں سب کے سب دامن سے دھو دیتا ہوں میں



مولانا محمد قاسم حبیبی برکاتی، کانپور

اے مرے حامی مرے غم خوار میں کچھ بھی نہیں
 آپ سب کچھ ہیں مرے سرکار میں کچھ بھی نہیں
 المدد اے لذتِ حیر شہنشاہِ امم
 معترف ہے حاملِ آزار میں کچھ بھی نہیں
 مدحتِ آقا سے ملتا ہے رمِ دلکش کا نور
 اے غزالِ وادیِ افکار میں کچھ بھی نہیں
 میری مٹی بھی مہک جائے چمک جائے یہاں
 شہرِ گل کے ثابت و سیار میں کچھ بھی نہیں
 شہپروں کو شوکتِ پرواز مل جائے شہا!
 کہہ رہی ہے قوتِ رفتار میں کچھ بھی نہیں
 سب عنایت ہے تری سب مہربانی ہے تری
 اے غبارِ کوچہِ دلدار میں کچھ بھی نہیں
 تیری نسبت باعثِ عظمت ہے میرے واسطے
 ورنہ اے آقا شہِ ابرار میں کچھ بھی نہیں
 سارے منصب آپ کے ساری کلا ہیں آپ کی
 جز گدائے احمدِ مختار میں کچھ بھی نہیں
 ان کے نقشِ پا سے قاسم پائی ہے میں نے چمک
 کہہ رہا ہے ماہِ گوہر بار میں کچھ بھی نہیں



مولانا محمد قاسم حبیبی برکاتی، کانپور

سمندروں سے سفینے نکالتے ہیں وہی
 بھنور کے پاؤں میں زنجیر ڈالتے ہیں وہی
 کہیں نہیں ہے کوئی مشفق و کریم اُن سا
 کرم کے پھول فضا میں اچھالتے ہیں وہی
 پکارتے رہو ان کو کہ بزمِ امکاں میں
 سوادِ رنجِ و الم کو اُجالتے ہیں وہی
 جنہیں مدینے سے ملتے ہیں دست و بازوئے شوق
 گہرِ نواز سمندر کھگالتے ہیں وہی
 انہیں کے لطف نے بخشی طنابِ عشق و وفا
 ہمارا خیمہ ہستی سنبھالتے ہیں وہی
 وہی بچاتے ہیں ہر موجِ بے اماں سے مجھے
 ہر ایک سیلِ مصائب کو ٹالتے ہیں وہی
 محبتوں کی تپش دے کے سنگِ نخوت کو
 خلوص و مہر کے سانچے میں ڈھالتے ہیں وہی
 انہیں کا دستِ سخاوت ہے سائبانِ قاسم
 گدائے کوچہِ رحمت ہوں پالتے ہیں وہی



مولانا محمد میکائیل ضیائی، کانپور

ملتفت محبوب رب سوائے زمیں ہونے کو ہے
یعنی یہ ہستی بھی اب عرش بریں ہونے کو ہے
آج ذکرِ رحمۃ للعالمین ہونے کو ہے
میرے گھر مہمان میرا شاہِ دیں ہونے کو ہے
عرشِ اعظم سے شہنشاہِ دو عالم آگئے
جو وہاں سے ہو رہا تھا اب یہیں ہونے کو ہے
خوشبوؤں کے قافلے ہر سوراں ہو جائیں گے
سایہ زن دنیا یہ زلفِ عنبریں ہونے کو ہے
غم گسار دو جہاں کی غم گساری کے طفیل
غم سے بے پروا ہر اک اندوہ گیس ہونے کو ہے
دیکھئے وہ رحمتِ کونین کا در آگیا
جس کو اب تک تھا نہ رحمت کا یقین ہونے کو ہے
ہونے ہی والا ہے حاصلِ باریابی کا شرف
ان کے در کی خاک سے روشن جییں ہونے کو ہے
اپنی قسمت پر ہونا زان کیوں نہ کوہِ بونیس
آسمان پر آج شوقِ ماہِ مبین ہونے کو ہے
ان کے دامن سے مری ہو جائے گی وابستگی
تلخ شاخِ زندگی شہدِ آفریں ہونے کو ہے
چلنے والی ہے شفاعت اور رحمت کی ہوا
جلد ہی خاشاکِ عصیاں تہ نشیں ہونے کو ہے
شامتِ اعمال سے میں مستحقِ نار تھا
اک نگاہِ خیر سے جنت ملیں ہونے کو ہے
جن کے جلووں سے ضیائی ہر جہاں روشن ہوا
ان سے روشن آج فردوسِ حسین ہونے کو ہے



مولانا محمد میکائیل ضیائی، کانپور

نورِ معبودِ حقیقی جلوہ گر ہونے کو ہے
آج ہر اگلا صحیفہ معتبر ہونے کو ہے
اک سراپا، منبعِ شمسِ وقار ہونے کو ہے
ایک چہرہ، جاذبِ قلب و نظر ہونے کو ہے
آسمانوں کی طرف روئے سفر ہونے کو ہے
مفترِ دنیا کا ہر فرد بشر ہونے کو ہے
جل اٹھیں گے ہر جہاں میں علم و حکمت کے چراغ
کبرِ ابلیسی کا قصہ مختصر ہونے کو ہے
تھا جو اب تک بے اثر آوازہٗ بیچارگاں
نام و نسبت سے نبی کے بااثر ہونے کو ہے
شعلہ زن صدیوں سے آتشِ خانہٗ زرتشت تھا
نور کی ٹھنڈی ہوا سے گل بہ سر ہونے کو ہے
کفر کی زنجیر پیروں سے الگ ہو جائے گی
ذرہٗ بے قدر بھی نجمِ سحر ہونے کو ہے
ایک ذاتِ منفرد ہونے کو ہے اصلِ جہاں
اک مقدس نام، شمعِ بام و در ہونے کو ہے
رحمتِ کون و مکاں ہوں گے شفیعِ المذنبین
عرصہٗ محشر ہمیں، رحمتِ نگر ہونے کو ہے
ہو گیا تھا ان کے جد پر سرد اک آتش کدہ
سرد ان کے نام سے نارِ سقر ہونے کو ہے
جارِ باہوں سوائے طیبہ ہاتھ میں کچھ بھی نہیں
ایک ہی دل ہے جو نذرِ سنگِ در ہونے کو ہے
مل ہی جائے گا ضیائی کو کمالِ لازوال
صرفِ کارِ نعت، دستِ بے ہنر ہونے کو ہے



مولانا محمد میکائیل ضیائی، کانپور

سر صحرائے طیبہ جو ادائے دل نوازی ہے
پس منظر یقیناً شاہِ دیں کی حسن سازی ہے
جہالت کے اندھیروں میں خرد کا نور پھیلا نا
کفِ آبِ رواں پر آپ کی پیکر طرازی ہے
جہاں جبریل اپنے پر سمیٹے آتے جاتے ہیں
اگر جھک جائے سجدے میں تو دل کی سرفرازی ہے
ہمارے دل میں روشن ہے چراغِ ان کی محبت کا
ہمارے سر پہ بھی ظلِ شہنشاہِ حجازی ہے
جہاں قبر میں عشقِ نبی ہی پرکھا جائے گا
غرض اس سے نہیں کوئی نمازی ہے کہ غازی ہے
رسولِ دو جہاں کی طاعت و عشق و عقیدت ہی
نشانِ امتیازِ رومی و جامی و رازی ہے
انہیں کی سوچنا ان کی ہی سننا ان کے گن گانا
گدائے سرور دیں کا کمالِ بے نیازی ہے
برائے مدحتِ سرکار لازم ہے دروں گوئی
نہ ہو عشقِ نبی جس میں فقط الفاظ بازی ہے
تری فکرِ رسا تو عرش کے اس پار جا پہنچی
ضیائی ہاں تری پروازِ رشکِ شاہ بازی ہے



شانِ عالمِ مسعودی، بہرائچ شریف

وقت مہکا ہے گھڑی مہکی ہے منظر مہکا
پائے سرکارِ دو عالم کی یہ برکت دیکھو
اس کی خوشبو سے معطر ہوئے قلب و اذہان
جب بھی نعتِ شہ کونین میں لکھنے بیٹھا
آپ مہمان ہوئے حضرت ایوب کے گھر
مل گیا رحمتِ عالم کا پسینہ جس کو
اس سے آگے مرے جانے کی نہیں گنجائش
جاہلیت کا اندھیرا تھا ہر اک سو بکھرا
نعت کے پھول کھلے بر لبِ حسانِ عرب
گلشنِ دیں کے تحفظ کے لئے کربل میں
ہند پر آج بھی قائم ہے حکومت ان کی
دور دورہ ہوا ہر سمت مسیحائی کا
بزمِ کونین میں جب دین کا سرور مہکا
حضرت دائیِ حلیمہ کا مقدر مہکا
گلشنِ نعتِ نبی میں جو سخن در مہکا
آ کے نزدیک مرے لفظوں کا لشکر مہکا
شاہ والا کی سواری کا جو تیور مہکا
اس کو کنبے کا ہر اک فرد برابر مہکا
گل مقصد لبِ جبریل امیں پر مہکا
”آمد شاہ سے دنیا کا مقدر مہکا“
صحنِ مسجد میں عنایات کا منظر مہکا
مہکے اکبر تو کہیں ننھا سا اصغر مہکا
جن کے کا سے میں سمٹ کر انا سا گر مہکا
بن کے جب حضرت عیسیٰ کا وہ منظر مہکا

واصفِ سرورِ کونین کی صورت لے کر
شانِ عالم بھی کوئی دنیا کے اندر مہکا



احمد مجتبیٰ صدیقی برکاتی

ہر ایک رنج و مصبت کا سدِ باب کرے
تمہارا نام دعاؤں کو مستجاب کرے
میں نعتِ سرور کو نین لکھنے والا ہوں
اس امتحان میں خدا مجھ کو کامیاب کرے
چراغِ یادِ نبی جب فصیل دل پے رکھیں
ہمارے سینہ تیرہ کو آفتاب کرے
لُعب سید عالم کا ہے یہی اعجاز
کرشمے میں بدر میں خیبر میں بوترا ب کرے
سراقہ ہوں کہ ابوذر بلال ہوں کہ عمر
نگاہِ آقا تو بس دل کا انتخاب کرے
تمہاری ذات میں کیا رحمتیں ہیں رب جانے
جو بولہب پے دوشنبہ میں کم عذاب کرے
میں نام بھی کبھی فردوس کا نہ لوں احمد
دیارِ طیبہ اگر مجھ کو باریاب کرے



ڈاکٹر رضوان الرضا رضوان، سدھارتھ نگر

ایمان مبارک ہو یہ قرآن مبارک
امت کے لیے یہ سرو سامان مبارک
سرکار کا ہر قول و عمل راہنما ہے
یہ اسوۂ حسنہ یہی فرمان مبارک
یہ صوم و صلوٰۃ اور زکوٰۃ و حج کعبہ
توحید کے صدقے میں یہ ارکان مبارک
ہر وقت کٹے ذکرِ خدا یادِ نبی میں
جو ان پہ ہو قربان دل و جان مبارک
اے اہل مدینہ جو مدینے میں بسے ہو
دربار مبارک ہو وہ سلطان مبارک
ملتا ہے زمانے کو اُسی نام کا صدقہ
یہ چشمۂ الطاف یہ فیضان مبارک
خوشبوئے صحابہ بھی ہے رنگِ شہدا بھی
گلہائے کرم کا چہستان مبارک
انگوٹ بھی، اقطاب بھی، ابدال بھی تیرے
یہ قصر ولایت کا، یہ ایوان مبارک
مہکا ہے جہانِ نعت و مدحتِ آقا
بوئے سخنِ حضرتِ حسان مبارک



کلیم دانش برکاتی

روشنی پھیلا رہا ہے احمد نوری کا نام
میرے لب پر آ رہا ہے احمد نوری کا نام
اب زمانے کی توجہ ہو گئی میری طرف
اب مجھے چکا رہا ہے احمد نوری کا نام
بالیقین ہو جائیں گی میری دعائیں اب قبول
مجھ سے یہ کہلا رہا ہے احمد نوری کا نام
رحمتوں کی کھیتیاں سرسبز ہوں جس کے طفیل
ابر وہ برسا رہا ہے احمد نوری کا نام
راستے میں وہ مدینے کے بھٹک سکتا نہیں
ساتھ جس کے جا رہا ہے احمد نوری کا نام
رفتہ رفتہ اس قدر ملنے لگا دل کو سکوں
ورد بنتا جا رہا ہے احمد نوری کا نام
روز محشر میرے سائے میں رہے گا تو کلیم
مجھ کو یہ سمجھا رہا ہے احمد نوری کا نام



صابر فریدی برکاتی کانپور

ہیں یہاں نوری میاں ہیں وہاں نوری میاں
تیرگی کیسے رہے گی ہوں جہاں نوری میں میاں
سر بسر ہم خاک ہیں سر بسر وہ نور ہیں
ہم زمیں ہیں اور ہیں آسمان نوری میاں
انجمن در انجمن ہر طرف یہ ذکر ہے
میرا دل نوری میاں میری جاں نوری میاں
زندگی کی دوڑ میں در بدر بھٹکا بہت
اپنے در پر اب مجھے دو اماں نوری میاں
چلچلاتی دھوپ میں یاد جب صابر کیا
بن گئے میرے لئے سائباں نوری میاں
دیکھنے والی نظر رشک سے یہ کہہ اٹھی
ہیں غلاموں پر بہت مہر باں نوری میاں
سخت حیرانی میں ہوں سخت مشکل میں ہوں میں
کوئی بتلاؤ مجھے ہیں کہاں نوری میاں



میرے دل کے تمام رنج و الم
دور کرتے ہیں احمد نوری
اور تاریکیوں کے سینے میں
نور بھرتے ہیں احمد نوری



مولانا محمد میکائیل ضیائی، کانپور

علم کا روشن منار ہیں ابو القاسم حسن
معرفت کا استعارہ ہیں ابوالقاسم حسن
شافع روز جزا سے میری بخشش کے لئے
کرنے والے اک اشارہ ہیں ابو القاسم حسن
سنیو برکاتو! ہر خوف و غم زائل کرو
بے سہاروں کا سہارا ہیں ابوالقاسم حسن
علم و حکمت، زہد و تقویٰ، حلم و خلق احمدی
سن لوہر خوبی میں گیارہ ہیں ابوالقاسم حسن
ان کی آنکھوں میں جمال سرور کونین ہے
ہر گھڑی محو نظارہ ہیں ابوالقاسم حسن
لب کا دروازہ کھلا کرتا ہے ان کے نام سے
صحن دل میں جلوہ آرا ہیں ابوالقاسم حسن
جن سے ہیں منسوب تقریبات عرس قاسمی
ہاں وہی رحمت کا دھارا ہیں ابوالقاسم حسن
رہ کے دنیا میں بھی وہ دنیا سے بے پروا رہے
چرخ استغنا کا تارا ہیں ابوالقاسم حسن
جانے کتنے چاند سورج ان کے آگے ماند ہیں
مرحبا وہ ماہ پارہ ہیں ابوالقاسم حسن
اے ضیائی کشتی امید ان پر چھوڑ دے
آرزوں کا کنارہ ہیں ابوالقاسم حسن



الحاج ناظر صدیقی، کانپور

سر بلندی کی علامت مصطفیٰ حیدر حسن
ہیں وقار اہل سنت مصطفیٰ حیدر حسن
آپ کے شایان شان الفاظ ملتے ہی نہیں
کیا بیاں ہو شان و عظمت مصطفیٰ حیدر حسن
جس کو دیکھو ڈھونڈتا ہے آپ کے نقش قدم
رہبر راہ طریقت مصطفیٰ حیدر حسن
آپ کی قربت پہ روشن دیکھنے کو مل گیا
مہر تابان ولایت مصطفیٰ حیدر حسن
نام نامی آپ کا ورد زباں رہتا ہے بس
اب وہ خلوت ہو کہ جلوت مصطفیٰ حیدر حسن
ہیں امین و اشرف و افضل نجیب باصفا
آپ کے گلشن کی زینت مصطفیٰ حیدر حسن
بھر رہا ہے رات دن خالی ہر اک کشتول کو
آپ کا دست سخاوت مصطفیٰ حیدر حسن
جاگ اٹھی اس کی قسمت جس بشر پر ہو گئی
آپ کی چشم عنایت مصطفیٰ حیدر حسن
آپ جیسا آج تک ناظر نے دیکھا ہی نہیں
پیکر رشد و ہدایت مصطفیٰ حیدر حسن
ایک اک لمحہ تری یادوں سے روشن ہو گیا
اے انیس شام فرقت مصطفیٰ حیدر حسن
کچھ سفارش کے کیجئے ناظر کی بھی سرکار سے
اے مکین باغ جنت مصطفیٰ حیدر حسن



محمد قاسم حبیبی برکاتی، کانپور

اے میرے حسن خوب ہے تنویر تمہاری
روشن ہے جنہیں پر مری تحریر تمہاری
ملتا ہے مجھے تم سے ہی ہر روز گزارا
جو کچھ بھی ہے میرا وہ ہے جاگیر تمہاری
جس سے کہ لرزتا ہے ہر اک لشکر نخوت
وہ فوج ظفر موج ہے بے تیر تمہاری
حسرت سے مجھے تلتی ہے رعنائی گلشن
الفت ہے مرے دل میں مرے پیر تمہاری
لرزیدہ نظر آتا ہے خورشید مصائب
ہے سر پہ مرے چادر توقیر تمہاری
ہر لفظ ہو سرمایہ عرفان الہی
مل جائے اگر خوشبوئے تقریر تمہاری
ہیں امن و شرف فضل و نجابت کے درتچے
مشہور زمانہ ہے یہ تعمیر تمہاری
ہیں جتنے بھی گل گلشن رحمت میں تمہارے
ہر گل میں نظر آتی ہے تاثیر تمہاری
ہر گل کی جنہیں پر ہے منور گل طیبہ
ضو بار ہوئی نکبت تطہیر تمہاری
حیرت سے مجھے دکھ رہے ہیں جہاں والے
مٹھی میں ہے خاک درِ تسخیر تمہاری
اس واسطے محفوظ ہے قاسم بھی تمہارا
آفات کے پیروں میں ہے زنجیر تمہاری



کلیم دانش برکاتی، کانپور

زمانے بھری ہیں آنکھوں کے تارے مرشد اعظم
ہمارے مرشد اعظم ہمارے مرشد اعظم
عطا کر دیجئے اب تو انھیں حسنین کا صدقہ
گدا ہیں سب کے سب دامن پیارے مرشد اعظم
مرے نزدیک آسکتی نہیں اب گردشِ دوراں
لبوں پر نام رقصاں ہیں تمہارے مرشد اعظم
یقین ہے منزل مقصود مل جائے گی مجھ کو بھی
چلا ہوں میں تمہارے ہی سہارے مرشد اعظم
ہر اک لب پر بہ ہر لمحہ یہی نغمہ ابھرتا ہے
بگڑ سکتے نہیں تیرے سنوارے مرشد اعظم
امین و اشرف و افضل نجیب شیخ لاٹانی
تمہارے آسمان کے ہیں ستارے مرشد اعظم
شہنشاہی ہے کیاشے بس ہمیں اتنی تمنا ہے
یونہی ملتے رہیں تیرے اتارے مرشد اعظم
کلیم تشنہ لب کو بھی عطا کرتے ہیں سیرابی
تمہاری رحمتوں کے تیز دھارے مرشد اعظم



کلیم دانش برکاتی، کانپور

بایں انداز کرتا ہوں ثنائے مرشد اعظم
مرا کچھ بھی نہیں سب ہے عطائے مرشد اعظم
مرے مرشد نجیب محترم کی چشمِ رحمت سے
مجھے بھی ہوگئی حاصلِ ولائے مرشد اعظم
ہزاروں چاند روشن ہو گئے عشق و عقیدت کے
ہماری بزمِ الفت میں جب آئے مرشد اعظم
تری تقدیر بھی اوجِ ثریا پر پہنچ جائے
اگر تو دیکھ لے ہو کر گدائے مرشد اعظم
امین و اشرف و افضل نجیب محترم جیسے
گل شاداب تم نے ہی کھلائے مرشد اعظم
نہ پوچھو مرتبہ اس کا نہ پوچھو عظمتیں اس کی
جسے چھو کر گزر جائے ہوائے مرشد اعظم
الہی خیر گردانی بحق شاہ جیلانی
بہر لمحہ یہ ہوتی تھی دعائے مرشد اعظم
مرے تیمار دارو! یہ دعائو کو محبت سے
مریضِ غم کو مل جائے دعائے مرشد اعظم
مشام جاں معطر ہے کلیم اس کے حوالے سے
را دیکھو مرے سر پر روائے مرشد اعظم



کلیم دانش برکاتی، کانپور

کس نے پہنایا ہے مارہرہ کو توری پیر ہن
میں نے پوچھا تو یہ بولے یاسمین و نسترن
مصطفیٰ حیدر حسن مصطفیٰ حیدر حسن
عاشقِ محبوب رب ہیں دافعِ رنج و الم لکھ دے اے میرے قلم
میرے دل کی دھڑکنیں میری صدا میرا سخن
مصطفیٰ حیدر حسن مصطفیٰ حیدر حسن
تیرے دندانِ مبارک پر فدا درعدن نور چشمِ بختن
مرشد اعظم بہارِ سنیت آقائے من
مصطفیٰ حیدر حسن مصطفیٰ حیدر حسن
زندگی کا لمحہ لمحہ سنتوں کا آئینہ عاشقِ شاہِ ہدیٰ
قادریت کے گل شاداب جانِ انجمن
مصطفیٰ حیدر حسن مصطفیٰ حیدر حسن
روزِ محشر منتظر ہے سب غلاموں کی نظر میرے آقا ہیں کدھر
ہر زباں کا ہے وظیفہ مصطفیٰ حیدر حسن
مصطفیٰ حیدر حسن مصطفیٰ حیدر حسن
شفقتِ شاہِ دو عالم نہت مولا علی واقعی ہاں واقعی
میرے مرشد کو ملا ہے آپ سے یہ بانگین
مصطفیٰ حیدر حسن مصطفیٰ حیدر حسن
اے کلیم ایسا سخی بس ایک ہی دیکھا گیا مرجا صد مرجا
اب بھی جاری جس کے در سے ہے سخاوت کا چلن
مصطفیٰ حیدر حسن مصطفیٰ حیدر حسن

عرس قاسمی برکاتی ۲۰۰۸ء کی سہ روزہ تقریبات

محمد اکبر قادری برکاتی، قادری مسجد، کبیر کالونی، علی گڑھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ میں ۸۲ واں عرس قاسمی برکاتی کی روحانی تقریبات زیر قیادت حضور صاحب سجادہ حضرت امین ملت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی دامت برکاتہم العالیہ اور زیر اہتمام رفیق ملت سید شاہ نجیب حیدر قادری برکاتی مدظلہ ۱۴ نومبر ۲۰۰۸ء سے شروع ہو کر ۱۶ نومبر ۲۰۰۸ء کو اختتام پذیر ہو گئیں۔ علما، مشائخ، اہل دانش اور عوام اہل سنت کی کثیر تعداد اس روحانی تقریبات میں شریک ہوئی اور آستانہ سے فیوض و برکات لے کر واپس ہوئی۔ یہ عرس کئی جہت سے یادگاری تھا۔ بریلی، بدایوں اور مبارک پور جیسے دینی علمی و فکری مراکز اہل سنت کی مرکز عقیدت اس آستانے پر اس سال ماضی کے بہ نسبت سب سے زیادہ عقیدت مندوں کا ہجوم رہا۔ اس سال پہلی بار اہل سنت کے اشاعتی اداروں نے بک اسٹال لگائے۔ زائرین نے روحانی فیوض و برکات کے ساتھ علمی تشنگی کی تسکین کے لیے کتابیں خریدیں، رضا اکیڈمی کے اسٹال سے خصوصی رعایت کے تحت ہر کتاب ۳۰ روپے میں فروخت ہو رہی تھی اس لیے اہل شوق نے بطور خاص اس سے فائدہ اٹھایا۔

عرس کی پہلی رات یعنی ۱۴ نومبر بعد نماز عشاء ملک کے مختلف مدارس کے طلبہ کا مقابلہ قراءت ہوا جس میں محمد علی، دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف کو پہلی پوزیشن ملی، انہیں ۵۰۰۰ ہزار روپے نقد اور ٹرافی پیش کیا گیا، جب کہ دوسرا انعام فیضان علی برکاتی، سید العلوم کاس گنج، تیسرا انعام محمد فیصل، دارالعلوم وارشید لکھنؤ اور جمعی انعام محمد سلمان دارالعلوم



احوال و کوائف

علیمیہ جمہوریت کو پھر علی الترتیب ۳۰۰۰ ہزار، ۲۰۰۰ ہزار اور ۱۰۰۰ ہزار روپے نقد اور شیڈ دیا گیا۔ اس کے بعد پدم شری جناب بیکل اتساہی کے زیر صدارت محفل مشاعرہ کا انعقاد ہوا جس میں ملک کے معروف شعرا نے اپنا کلام پیش کیا۔ اس کے بعد خانقاہ برکاتیہ کے علمی، فکری اور روحانی ترجمان ”اہل سنت کی آواز“ کا ۶۵۶ صفحات کا خصوصی شمارہ ”گوشہ خواجہ غریب نواز“ کا اجرا حضور صاحب سجادہ کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ خصوصی شمارے میں حضرت خواجہ خواجگان کے افکار و خدمات پر ہندوستان کے نامور اہل قلم کے ذریعہ مضامین شامل ہیں، یہ اردو زبان میں لکھنے والوں کے لیے ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔

عرس کے دوسرے دن ۱۵ نومبر بعد نماز فجر حسب معمول قرآن خوانی اور ذکر و فکر کے بعد صبح ۱۰ بجے تلاوت قرآن سے محفل کا آغاز ہوا، متعدد علمائے خطاب کیا اور شعرا نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا، اس کے بعد محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی نظام الدین رضوی، صدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے زائرین کی جانب سے پوچھے گئے مختلف شرعی سوالوں کے مدلل جوابات دیے۔ سوال و جواب کا یہ سیشن بڑا مفید اور دلچسپ رہا، صاحب سجادہ حضرت امین ملت صاحب اور ان کے برادر گرامی حضرت سید محمد افضل میاں صاحب سابق رجسٹرار جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے بھی مفتی صاحب سے براہ راست سوال کر کے جواب حاصل کیے۔

ہندوستان میں دن بدن مسلم مسائل کے بڑھتے ہوئے گراف اور ان کی تعلیمی، اقتصادی، سیاسی اور فکری پسماندگی میں ہو رہے اضافے سے آج ہر باشعور شخص واقف ہے۔ آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مقدسہ نے اس چیز کو محسوس کرتے ہوئے ان مسائل کا جائزہ لینے اور ان کے حل اور عملی پیش رفت کا خاکہ مرتب کرنے کے لیے اسی دن بعد نماز ظہر ملک گیر سطح کے ایک سو سے زائد مشائخ، علماء اور اہل دانش کا خصوصی اجتماع بعنوان ”فکر و تدبیر کانفرنس“ منعقد کیا۔

کانفرنس میں یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ مسلمانوں کے بہت سے مسائل کی جڑ بے خبری اور احساس کمتری ہے، اس کو دور کرنے کے لیے ہر علاقے میں انفارمیشن سینٹر قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور کہا گیا کہ تواتر کے ساتھ سماجی، معاشی، تعلیمی، ملکی، ملی اور دینی موضوعات پر سیمینار، سمپوزیم، کارنر میٹنگ، اور خصوصی نشستیں منعقد کی جائیں۔ شرکائے اجلاس کی سنجیدگی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انفارمیشن سینٹر کے قیام اور مختلف نمائندہ طبقات مثلاً ائمہ، علماء، اساتذہ، طلبہ، وکلاء، ماہرین کے ورکشاپ کے انعقاد کے لیے اس

موقع پر ملک کے مختلف حصوں سے تعلق رکھنے والے کئی اداروں کے ذمہ داروں نے اپنی خدمات کی پیشکش کی۔ اس کانفرنس کی صدارت صاحب سجادہ حضرت امین ملت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی مارہروی نے خطبہ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے ملک و قوم کے مسائل پر روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر خواجہ اکرام، ایسوسی ایٹ پروفیسر جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی نے میڈیا کے مسائل، ڈاکٹر سید محبت الحق، لیکچرار مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے عالمی مسائل علامہ یسین اختر مصباحی نے مذہبی و ملی مسائل اور ڈاکٹر فہیم عثمان صدیقی، کوآرڈینیٹر البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ نے تعلیمی و مذہبی امور پر کلیدی خطبہ پیش کیا۔

اس کے بعد مولانا خوشتر نورانی، مدیر اعلیٰ ماہنامہ جام نور، دہلی نے پاور پوائنٹ کے ذریعے ملک و قوم کے حالات کا جائزہ پیش کرتے ہوئے اس کے تدارک اور حل کے لیے مختلف منصوبے پیش کیے۔ اس کے بعد اظہار خیالات کا سلسلہ شروع ہوا جس میں حضرت سید محمد افضل میاں قادری برکاتی، حضرت رفیق ملت سید نجیب میاں قادری برکاتی نائب سجادہ نشین آستانہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ، ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی ریڈر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مفتی محمد کرم احمد شاہی امام جامع مسجد فتحپوری دہلی، مفتی محمد نظام الدین رضوی، صدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور، مفتی مطیع الرحمن مضطر رضوی، احمد جاوید مدیر اعلیٰ روزنامہ ہندوستان ایکسپریس دہلی، مولانا عطیف قادری، خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں، مولانا یعقوب قادری، خطیب و امام مسجد خلیل اللہ جامعہ نگر دہلی، مفتی آل مصطفیٰ مصباحی استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی منو، مولانا ادیس بستوی نائب ناظم جامعہ اشرفیہ مبارک پور، مولانا اقبال قادری، دارالعلوم وارشید لکھنؤ، مولانا عمر نورانی بیت الانوار گیا، ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی علی گڑھ نے حصہ لیا۔ اس کے بعد تجاویز منظور کی گئیں۔ اس کانفرنس کی نظامت جناب قاضی احمد مجتبیٰ صدیقی برکاتی جوائنٹ سکریٹری البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی علی گڑھ نے کی۔

عرس کے دوسرے دن ہی بعد نماز عشا حضور صاحب سجادہ کی خرقہ پوشی کی رسم ادا کی گئی، آستانہ شریف کی یہ مبارک رسم صدیوں سے بڑے اہتمام کے ساتھ ہوتی چلی آرہی ہے۔ جس میں صاحب سجادہ اپنے اسلاف کے ملبوسات زیب تن فرما کر حویلی سے درگاہ معلیٰ اور پھر جلسہ گاہ تشریف لے جاتے ہیں۔ خرقہ پوشی کے بعد محفل کا باقاعدہ آغاز ہوا، جس میں علماء کے خطابات کے دوران تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر اور دوسرے اداروں اور اسکالروں کی نئی کتابوں کی رونمائی ہوئی، منبر اہل علم سے اور

مجمع عوام اہل سنت سے اٹھا ہوا تھا، ایسے وقت میں ہندوستان کی تین معروف شخصیتیں رئیس التحریر مولانا بسین اختر مصباحی، حامی سنیت مولانا عبدالستار ہمدانی اور ناشر سنیت الحاج محمد سعید نوری کی گراں مایہ خدمات کے اعتراف میں سپاس نامے، شالیں اور ٹرافیوں پیش کی گئیں۔ بھرے مجمع میں مولانا خوشتر نورانی مدیر اعلیٰ ماہنامہ ”جام نور“ دہلی نے سپاس نامے پڑھے اور حضور صاحب سجادہ حضرت امین ملت مدظلہ کے ہاتھوں انھیں ٹرافی تفریض کی گئیں۔ حاضرین علماء و مشائخ نے زبان حال سے کہا ”حق بہ حق دار رسید“۔ اس کے بعد عالمی شہرت یافتہ نثار خواں الحاج محمد اویس رضا قادری نے نعتوں کا نذرانہ پیش کیا اور گھنٹوں سامعین سنتے اور محفوظ ہوتے رہے۔

تیسرے دن ۱۶ نومبر کو صبح تلاوت اور ذکر و فکر کے بعد علماء کے خطابات ہوئے۔ حضور صاحب سجادہ اور حضور شرف ملت کے حکم سے ”فکر و تدبیر کا نفرنس“ میں منظور شدہ تجاویز کو مولانا خوشتر نورانی نے پڑھ کر عوام کو سنایا۔ پھر حضرت رفیق ملت کا نہایت عمدہ خطاب ہوا، جس میں حضرت نے علمائے اہل سنت سے گزارش کی کہ وہ مقاصد شریعت کو مد نظر رکھتے ہوئے نئے دور کے تقاضوں کو حکیمانہ انداز میں پورا کریں اور مریدیں و متوسلین کو زندگی گزارنے اور علماء و مشائخ کا احترام بجالانے کے آداب بتائے۔ دوپہر کو قتل شریف ہوا پھر حضور صاحب سجادہ کے فکر انگیز خطاب اور رقت انگیز دعاؤں پر عرس اختتام پذیر ہوا۔ ملک میں امن و امان کی بحالی کے لیے بطور خاص دعائیں کی گئیں۔ اس کے بعد عقیدت مند ان آستانہ کو آثار مبارکہ کی زیارت کرائی گئی، ہزاروں کے مجمع نے ان آثار کی زیارت کر کے اپنے اسلاف سے قلبی وابستگی کو مستحکم کیا اور نرم آنکھوں سے آستانے کو الوداع کہا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ سے دعا ہے کہ عرس قاسمی اسی طرح ہر سال اپنی شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوتا رہے اور تشنگان علم و معرفت فیضیاب ہوتے رہیں۔ جانشین قاسم البرکات یعنی صاحب سجادہ حضور امین ملت حضرت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی دامت برکاتہم القدسیہ کی سرپرستی صحت و توانائی کے ساتھ حاصل رہے اور ان کی عمر میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل میں صحت و سلامتی کے ساتھ برکت عطا فرمائے اور ان کے برادران ذوی الاحترام کو ہمت و قوت عطا کرے اور ان کے محبین و مخلصین کو دارین کی سعادتیں نصیب کرے آمین آمین بجاہ الحبیب الکریم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

سالانہ فاتحہ حضور احسن العلماء علیہ الرحمۃ

محمد اکبر قادری برکاتی، قادری مسجد، کبیر کالونی، علی گڑھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

گیارھویں شریف کا مہینہ (یعنی ربیع الثانی) یوں تو ہر مسلمان کے لئے رحمت و شادمانی کا باعث ہے مگر برکاتیوں کے لئے اس میں دوہری خوشی و مسرت کا سامان ہے کہ اسکی ۴۱/ اور ۵۱ تاریخ کو مرشد اعظم حضور احسن العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان کا فاتحہ عرس خانقاہ و درگاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ میں منعقد ہوتا ہے لہذا اس سال بھی چودھواں فاتحہ عرس مرشد اعظم ہند حضور احسن العلماء حضرت علامہ حافظ قاری سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ۱۴/۵۱ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۲/۱۱ اپریل ۲۰۰۹ء بروز ہفتہ اور اتوار خانقاہ و درگاہ مارہرہ مطہرہ میں منعقد ہوا۔

۱۱ اپریل بروز ہفتہ صبح سے مریدین و متوسلین کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ معمول کے مطابق بعد نماز عصر تمام مریدین و زائرین حویلی شریف کے دروازے کے سامنے جمع ہو گئے اور تازہ تازہ پھولوں کی چادریں سروں پر سجا کر درود و سلام پڑھتے ہوئے شہزادگان عالی مرتبت کی رہنمائی میں بشکل جلوس بڑی درگاہ شریف یعنی سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے اور وہاں پر حاضر ہو کر نعت و مناقب کے بعد صلوٰۃ و سلام پڑھا گیا اور فاتحہ خوانی ہوئی، رفیق ملت نے حجرہ عالیہ قادریہ برکاتیہ پڑھنے کے بعد دعا فرمائی۔ بعدہ جلوس درگاہ برکاتیہ پر حاضر ہوا اور صاحب عرس یعنی حضور احسن العلماء علیہ الرحمۃ کے مزار پر انوار پر پھولوں کی چادریں پیش کر دی گئیں۔

باجاماعت مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد تمام حاضرین درگاہ برکاتیہ میں حاضر

ہوئے تلاوت قرآن عظیم سے محفل کا آغاز ہوا۔ حافظ محمد بلال برکاتی، مارہرہ، قاری رحمت اللہ قادری برکاتی نوری، مارہرہ، محمد ندیم برکاتی، شیرپور، محمد تنزیل الرحمن برکاتی آنند گجرات، خلیل اشرف برکاتی، پورنپور، حافظ محمد پرویز برکاتی، مارہرہ، مولانا قاری محمد قاسم حبیبی، کانپور، کلیم دانش، کانپور، سرتاج احمد برکاتی پورنپور، محمد عمران جے پور اور مولانا غلام مصطفیٰ قادری برکاتی سورت (خلیفہ حضرت رفیق ملت مدظلہ) نے نعت و مناقب پڑھیں۔

رفیق ملت حضرت سید شاہ نجیب حیدر میاں صاحب نے استقبالیہ کلمات کہے اور ان کے بعد شرف ملت حضرت سید شاہ محمد اشرف میاں صاحب قادری برکاتی مدظلہ نے اپنے کلام فیض ترجمان سے مستفیض فرمایا۔ صاحب سجادہ امین ملت حضور سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی دامت برکاتہم العالیہ منبر برکاتی پر تشریف لائے اور چند کلمات خیر فرمانے کے بعد ٹھیک آٹھ بج کر پچاس منٹ پر فاتحہ قل پڑھا۔ شجرہ طیبہ عالیہ قادریہ برکاتیہ پڑھنے کے بعد تمام حاضرین و عالم اسلام کے لئے دعائیں کیں اور ساتھ ہی اعلان فرمایا کہ اب نماز عشاء کے لئے وقفہ دیا جا رہا ہے آپ تمام حاضرین نماز عشاء جامع مسجد برکاتی میں باجماعت ادا کریں اور نماز پڑھنے کے بعد دوبارہ اپنی اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ جائیں تاکہ دوسری نشست برپا ہو اور آپ علماء کرام کے بیانات سے مستفید ہو سکیں۔

بعد نماز عشاء درگاہ برکاتیہ میں دوبارہ محفل منعقد ہوئی اور حافظ قاری محمد کوثر علی برکاتی مدرس مدرسہ قاسم البرکات خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف نے قرآن عظیم کی تلاوت فرمائی۔ شان محمد برکاتی، مارہرہ، حافظ محمد یوسف برکاتی متعلم مدرسہ قاسم البرکات، حافظ سید محمد نفیس الحسن برکاتی متعلم مدرسہ قاسم البرکات، محمد عمران برکاتی، جے پور، محمد فاروق برکاتی، مدناپوری نے نعت و مناقب پیش کیں۔

مولانا محمد عرفان الحق برکاتی گھاٹم پوری اور مولانا بشیر قادری نے تقریریں کیں۔ آخر میں صاحب سجادہ حضور امین ملت نے اپنے نورانی عرفانی ارشادات عالیہ سے سامعین کو نوازا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت اور انکی سنتوں پر عمل پیرا ہونے کی تاکید فرمائی اور بتایا کہ خانقاہ برکاتیہ کے مرشداں عظام تازندگی اسی پر عمل پیرا رہے اور اپنے مریدین و متوسلین کو ہمیشہ اسی بات کی نصیحت کرتے رہے۔ لہذا اگر ہم اپنے مرشداں عظام کی خوشنودی چاہتے ہیں تو ہمیں ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا پڑیگا۔ صلوٰۃ و سلام

اور دعا پر یہ نورانی محفل قریب ساڑھے گیارہ بجے اختتام پذیر ہوئی۔ محفل برخاست ہونے کے بعد زائرین نے کھانا تناول کیا اور جو لوگ نماز عشاء نہیں پڑھ پائے تھے انہوں نے نماز عشاء ادا کی اور اپنی قیام گاہ پر آرام کیا۔ ۱۵ ربیع الثانی مطابق ۱۲/۱۱/۲۰۰۹ء بروز اتوار بعد نماز فجر درگاہ برکاتیہ میں حلقہ ذکر قادریہ ہوا جسکی نظامت مولانا عبدالقدیر خاں قادری برکاتی عرف نشی پھول خاں صاحب مدظلہ العالی نے فرمائی۔ صلوٰۃ و سلام اور دعا کے بعد قرآن خوانی ہوئی ایصال ثواب کیا گیا اور تبرک تقسیم ہوا۔

ٹھیک نو بجے مہمان خانہ کے پہلے منزلے پر تیسری محفل منعقد ہوئی۔ حافظ قاری محمد کوثر علی قادری برکاتی نے کلام ربّانی سے آغاز فرمایا۔ محمد شریف برکاتی جے پور، محمد احمد برکاتی ممبئی، محمد فاروق قادری برکاتی فتحپوری، محمد بلال رضا برکاتی بنگلور، محمد تحسین برکاتی، محمد خلیل برکاتی، محمد ایاز برکاتی کلیان، حافظ عبدالقادر متعلم دارالعلوم حنفیہ غوثیہ آگرہ، محمد عمران برکاتی جے پور، محمد فاروق مدناپوری، کلیم دانش برکاتی کانپور، مولانا محمد قاسم حبیبی کانپور نے نعت و مناقب پیش کیں۔

مولانا نوشاد عالم چشتی، مولانا محمد انوار صاحب اندور، مولانا وقار صاحب عزیزی پھوند، مولانا مفتی حنیف برکاتی کانپور اور نبیرہ مفتی اعظم ہند علامہ جمال رضا خاں صاحب بریلی کے خطابات ہوئے۔ مولانا محمد انوار صاحب اندور نے زیر آیت کریمہ الا ان اولیسا اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون تقریر فرمائی۔ مولانا جمال رضا خاں صاحب نے اپنی اور اپنے خاندان کی مارہرہ مطہرہ سے وابستگی اور مرشد اعظم ہند حضور احسن العلماء کی کرم فرمائی کے تعلق سے بیان فرمایا۔

رفیق ملت حضرت سید شاہ نجیب حیدر میاں صاحب نے نصیحت آمیز اور اصلاحی بیان فرمایا۔ شرف ملت حضرت سید شاہ محمد اشرف میاں صاحب نے اپنے کلام فیض ترجمان سے سامعین کے دلوں کے منور اور جگلی فرمایا۔ آخر میں خلف اکبر جانشین مرشد اعظم ہند امین ملت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی دامت برکاتہم القدسیہ نے ارشادات عالیہ سے زائرین کے قلوب کی تسکین کا سامان کیا۔ اپنی پیاری پیاری اور اشارتی گفتگو سے سمندروں کو کوزوں میں بھر دیا جس کا خلاصہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے مندرجہ ذیل شعر سے ظاہر ہے۔

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

صلوٰۃ وسلام مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام کے بعد فاتحِ قل (جیسا کہ عوام سمجھتے ہیں کہ اختتامی محفل ہی میں قل ہوتا ہے) اور شجرہ طیبہ پڑھنے کے بعد تمام حاضرین اور مریدین، ملک و بیرونِ ممالک تمام عالم اسلام کے لئے فلاح و بہبود، شادمانی و کامرانی کی دعائیں کیں۔ ۲۰۰۹ء میں ہونے والے عرس قاسمی برکاتی کی تاریخوں کا اعلان فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ خانقاہ و درگاہ برکاتیہ میں ۶/۷/۸ نومبر ۲۰۰۹ء، بروز جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو منعقد ہوگا۔ تمام حاضرین کو دعوتِ عام دی جاتی ہے۔

گرمی کے پیش نظر مہمان خانہ کے نیچے بہترین روح افزا شربت کا انتظام تھا۔ زائرین نے نماز ظہر ادا کی اور کھانا تناول کیا۔ کھانے میں نان گرم اور گوشت کے ساتھ توشہ غوثیہ اور زردہ کا بھی اہتمام تھا۔ تمام زائرین نے اچھی طرح سے کھانا تناول کیا اور اپنے مرشدانِ عظام کے گن گاتے ہوئے اللہ رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے اپنے مقامات کے لئے روانہ ہوئے۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس میں بطفیل نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا ہے کہ ہمارے مرشدانِ عظام کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور جانشین مرشدِ اعظم اور ان کے شہزادوں کو صحت و سلامتی کے ساتھ قائم و دائم رکھے۔ آمین بجاہ الحبیب الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حضرت امین ملت مدظلہ کے تبلیغی اسفار کی اجمالی روداد

محمد اکبر قادری برکاتی، قادری مسجد، کبیر کالونی، علی گڑھ

خانقاہ برکاتیہ کے مشائخ کا معمول رہا کہ مذہب اہل سنت اور سلسلہ برکاتیہ کی اشاعت کے لئے ملک و بیرونی ممالک کے اسفار کرتے رہے۔ موجودہ صاحبِ سجادہ حضرت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری برکاتی نے بھی بزرگوں کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اس سلسلے کو قائم رکھا اور گونا گوں مصروفیات اور علالت کے باوجود تبلیغی دوروں کو جاری رکھا۔ عرس شریف کے بعد ۲۲ نومبر ۲۰۰۸ء کو حضرت صاحب شاہجہاں پور کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ دوران سفر بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے آستانے پر حاضری دی اور حضرت مولانا تحسین رضا خان صاحب علیہ الرحمہ کے دولت کدے پر تشریف لے گئے۔ شام کو برادرِ طریقت رضوان خاں صاحب کے مکان واقع رات پور پہنچے۔ رات محلہ ایمن زئی جلال نگر میں حافظ فراست اللہ خاں صاحب کے زیر اہتمام جلسہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد ہوا جس میں مشہور نعت خواں مناظر حسین بدایونی صاحب نے بھی شرکت کی۔

۲۳ نومبر ۲۰۰۸ء کو حضرت صاحب مولانا احسن میاں صاحب کے ادارے شریعت کالج گئے پھر مولانا حضور احمد منظری کے مدرسہ غوث الوری گئے۔ شاہجہاں پور کے ایک اہل دل محمد عبیدہ قصاب نے مدرسہ غوث الثقلین قائم کیا ہے جہاں بچے بچیوں کی تعلیم کا معقول انتظام ہے، اس کے بعد فاطمہ گرلز اسکول تشریف فرما ہوئے جو مسلم بچیوں کی تعلیم کا با فیض ادارہ ہے۔ وہاں سے مارہرہ مطہرہ واپسی ہوئی۔

۲۹ نومبر ۲۰۰۸ء کو ”البرکات قادریہ گرلز اسکول“ کا سنگ بنیاد بدست سید حامد صاحب چانسلر ہمدردیونیورسٹی رکھا گیا۔

۴ دسمبر ۲۰۰۸ء کو حضرت صاحب احمد آباد کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز دہلی سے روانہ ہوئے۔ وہاں بٹو شریف میں سید زاہد صاحب کے گھر قیام ہوا۔ شام کو رتن پور کا دارالعلوم دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ علامہ عبدالستار ہمدانی بھی شریک سفر تھے۔ رات کو احمد آباد کے علاقے جمال پور میں جلسہ عید میلاد منعقد ہوا۔

۵ دسمبر کو حضرت شاہ قطب عالم کے مزار اقدس پر حاضری ہوئی۔ اسی رات درگاہ مبارک کے دارالعلوم میں جلسہ دستار بندی میں شرکت کی اور رات کو محمد رضوان برکاتی کے گھر قیام کیا۔

۶ دسمبر کو مدرسہ مدینۃ العلوم احمد آباد گئے۔ حضرت شاہ وجیہ الدین گجراتی اور حضرت موسیٰ سہاگ کے آستانوں پر حاضری دی۔ رات ۸ بجے احمد آباد سے بذریعہ طیارہ روانہ ہو کر سوانو بجے دہلی آ گئے۔

برادر طریقت حاجی محمد رفیق برکاتی صاحب متصلب سنی اور پکے برکاتی ہیں۔ ان کے صاحبزادے محمد حمزہ سلمہ کی شادی میں شرکت کے لئے حضرت صاحب اپنی ہم شیرہ صاحبہ کے ساتھ ۱۳ دسمبر کو دہلی سے کراچی روانہ ہوئے۔ اور کراچی پہنچ کر حاجی محمد رفیق برکاتی کے گھر قیام پذیر ہوئے، شادی کے سلسلے میں رات کو ”محفل نعت“ ہوئی جس میں شاعر دربار رسالت محمد اولیس قادری نے سامعین کے قلوب کو مزید منور و مجلل کیا۔

۱۴ دسمبر کو حضرت داتا گنج بخش شیخ علی ہجویری رضی اللہ عنہ کے آستانہ عالیہ پر حاضری دی اور لاہور کے مشہور معالج اطفال ڈاکٹر راٹھور صاحب کی صاحبزادی کا نکاح پڑھایا۔ ۱۵ دسمبر کو برادر طریقت حاجی عبدالغفار برکاتی کے صاحبزادے کی منگنی میں شرکت کی۔ رات کو برادر طریقت عبدالعزیز برکاتی کے گھر محفل نعت منعقد ہوئی۔

۱۸ دسمبر کو حاجی محمد امین برکاتی کے گھر ظہرانہ میں شرکت کی رات کو حاجی حسین لشکر کے گھر ان کی بچی کی ”آمین“ کی محفل میں شرکت کی۔ مشہور معالج قلب ڈاکٹر انیس میمن کے گھر تشریف لے گئے۔

۱۹ دسمبر کو حضرت صاحب نے جمعہ کی نماز اقصیٰ مسجد میں پڑھائی۔ اسی شام میمن مسجد میں عزیزم مصطفیٰ موتی کا نکاح ہوا۔

۲۰ دسمبر کو حاجی محمد رفیق برکاتی کے صاحبزادے محمد حمزہ کا نکاح اسماعیل گریگا

جامع مسجد میں منعقد ہوا۔ رات کو عشائیے میں شرکت کی۔ ۲۱ دسمبر کو مبارک مسجد میں عبدالمقدم برکاتی کا نکاح ہوا۔ الطاف موتی کے یہاں دعوت ولیمہ میں گئے۔ حاجی رفیق صاحب کے گھر دعوت ولیمہ میں شرکت کی۔ حاجی ناصر پردیسی کے صاحبزادے غلام محمد طہ کی منگنی میں شرکت کی۔

۲۲ دسمبر کو رات میں برادر محترم سید وثاق احسن رضوی (منے بھائی) کے دولت کدے پر دعوت میں شرکت کی۔

۲۳ دسمبر کو سر سید یونیورسٹی کے چانسلر ظل احمد نظامی صاحب نے یونیورسٹی میں اولڈ بائز کو جمع کیا اور شاندار دعوت دی۔

۲۴ دسمبر کو برادر طریقت حاجی عبدالقادر برکاتی کے گھر دعوت ہوئی۔ ۲۵ دسمبر کو مارہرہ مطہرہ کے احباب ملنے کے لئے آئے۔ مداح رسول محمد اولیس رضا قادری کے گھر دعوت ہوئی۔

۲۶ دسمبر کو حضرت صاحب نے جمعہ کی امامت اسماعیل گریگا مسجد میں کی۔ محدث سورتی علیہ الرحمہ کے عزیز خواجہ رضی حیدر صاحب ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ ۲۷ دسمبر کو حضرت صاحب کے اعزہ عباس ہاشمی صاحب، ان کی بیگم اور دیگر افراد ملنے کے لئے آئے۔ رات کو حاجی عارف برکاتی کے گھر دعوت میں گئے۔

۳۱ دسمبر کو حضرت صاحب اپنی والدہ ماجدہ اور ہم شیرہ کے ساتھ کراچی سے روانہ ہوئے اور دوپہر کو دہلی آ گئے اور اسی رات علی گڑھ واپس آ گئے۔

۸ جنوری ۲۰۰۹ء کو حضرت صاحب نے درگاہ برکاتیہ میں سید الشہد اسیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور صاحب البرکات قدس سرہ کی یاد میں جلسہ کا انعقاد کیا۔ شام کو حضرت والا علی گڑھ آ گئے۔

۱۵ جنوری کو حضرت صاحب مہرولی شریف حاضر ہوئے اور قطب الاقطاب حضرت قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ کے آستانہ عالیہ پر فاتحہ عرض کیا۔

۲۱ مارچ ۲۰۰۹ء حضرت صاحب قادری مسجد ذاکر نگر نئی دہلی کے جلسہ عید میلاد میں شرکت کرنے دہلی گئے۔

۲۲ مارچ کو M.S.O کے جلسے میں شرکت کرنے کینیڈی ہال گئے۔

۷/ اپریل کو بغیر شریف میں حضرت شاہ بہاء الدین قادری کے قل شریف میں شرکت کے لئے حاضری ہوئی۔

۹/ مئی ۲۰۰۹ء کو برادر طریقت محمد جمیل خاں مغل کی دعوت پر مٹھرا سے کوٹہ روانہ ہوئے۔ قیام جمیل مغل کے گھر ہوا۔

۱۰/ مئی کو مدرسہ برکاتیہ کا جلسہ ہوا اور رات کو تنظیم اہل سنت کوٹہ کا جلسہ منعقد ہوا۔

۱۱/ مئی کو حضرت صاحب علی گڑھ واپس آ گئے۔

۲۶/ مئی کو برادر طریقت محمد حنیف برکاتی ساکن مارہرہ کی نماز جنازہ میں شرکت کرنے کے لئے حضرت صاحب مارہرہ مطہرہ گئے۔

یکم جون ۲۰۰۹ء کی شام حضرت صاحب کانپور کے لئے روانہ ہوئے۔ رات کو برادر طریقت لیتیق برکاتی کے گھر قیام کیا۔

۲/ جون کو کالپی شریف حاضری دے کر حضرت صاحب گلولی پنچے۔ رات کو حضرت سید اکبر میاں صاحب علیہ الرحمہ پھوند شریف کے ایصال ثواب کے سلسلے میں جلسہ ہوا جس میں حضرت سید اختر میاں صاحب سجادہ نشین پھوند شریف مفتی انفاس الحسن صاحب، مفتی محمد حنیف صاحب اور حضرت والا نے تقاریر کیں۔

۹/ جون کو حضرت صاحب مع صاحبزادہ گرامی سید عثمان میاں دہلی روانہ ہوئے اور رات وہاں قیام کیا۔

۱۰/ جون کو رات بمبئی کے لئے روانگی ہوئی۔ ممبئی ایرپورٹ پر عبدالعزیز سنی، امتیاز برکاتی، مشتاق سورتی برکاتی اور فاروق برکاتی ملے۔

۱۱/ جون کو حضرت صاحب قصبہ ”اُرن“ گئے اور پیر بابا کے آستانے پیرواڑی اور شکر پیر پر حاضری دی میری والدہ آمنہ خاتون (ماسٹر نی صاحبہ) جن کا ۲۵/ اپریل ۲۰۰۹ء بروز ہفتہ اُرن ہی میں انتقال ہو گیا تھا ان کی قبر پر فاتحہ پڑھنے ”مورا قبرستان“ تشریف لے گئے۔ رات کو ممبئی واپس آ گئے۔

۱۲/ جون کو ممبئی میں پیر سید عنایت علی شاہ علیہ الرحمہ کے سالانہ فاتحہ میں شرکت کی۔

۱۳/ جون کو مینارہ مسجد میں حضرت صاحب کی زیر سرپرستی عرس احسن العلماء علیہ الرحمہ کا انعقاد ہوا جس میں عوام و خواص کا کثیر مجمع تھا۔

۱۶/ جون کو برادر طریقت نعمان صاحب کے گھر محفل میلاد میں شرکت کی۔

۱۷/ جون کو حضرت صاحب نے سنی بڑی مسجد مدن پورہ میں عرس محبوب ملت میں شرکت کی۔

۱۸/ جون کو پنچ گنی کے لئے روانگی ہوئی۔ نماز فجر شواپور میں ادا کی اور حضرت قمر علی شاہ درویش کے آستانے پر حاضری دی۔ رات کو برادر طریقت نثار جوہری کے ہوٹل ”راہیل پلازا“ میں جشن عید میلاد منعقد ہوا۔ مولوی اسماعیل جانی صاحب، مفتی محمد ابراہیم مقبولی صاحب نے تقریر کی۔ مہابلیشور میں حضرت جلال قطب کے آستانے پر حاضری ہوئی۔ ۱۹/ جون کو پنچ گنی میں مسجد کا افتتاح ہوا اور ۲۰/ جون کو ممبئی آ گئے۔

۲۲/ جون کو حضرت سیدنا بابا بہاء الدین قادری اور حضرت غزالی شاہ کے مزارات پر حاضری دی۔

۲۳/ جون کو صبح قطب کو کن مخدوم علی فقیہ مہائمی کے آستانے پر حاضری ہوئی۔ رات کو سنگاپور ایرلائن سے آسٹریلیا کے سفر کا آغاز ہوا۔

۲۴/ جون کو مقامی وقت کے مطابق ۸ بجے رات برس بن ایرپورٹ پنچے۔ بڑی تعداد میں احباب اہلسنت، ایرپورٹ پر جمع تھے، برادر طریقت محمد حنیف برکاتی کے ساتھ گولڈ کوست آ گئے۔

۲۵/ جون کو آسٹریلیا کی مشہور یونیورسٹی دیکھنے کے لئے حضرت صاحب بوئڈ یونیورسٹی گئے وہاں کے اساتذہ اور طلباء سے ملاقات ہوئی۔

۲۶/ جون کو گولڈ کوست سے برس بن گئے اور ایڈجسٹر کی مسجد میں جمعہ پڑھایا۔ اسی رات گولڈ کوست واپسی ہوئی۔

۲۷/ جون کو محمد حنیف اسماعیل برکاتی کے گھر محفل میلاد ہوئی۔

۲۹/ جون کو سڈنی گئے اور شام کو برس بن واپسی ہوئی۔

۳۰/ جون کو چھٹی شریف کا فاتحہ حنیف برکاتی کے گھر ہوا۔

۲/ جولائی کو مقامی وقت کے مطابق رات 9:30 بجے دبئی کے لئے روانگی ہوئی۔

۳/ جولائی صبح ساڑھے پانچ بجے دبئی پنچے۔

۵/ جولائی کو سوسہ پہر ۴ بجے دہلی کے لئے روانگی ہوئی اور رات ساڑھے آٹھ بجے

دہلی آ گئے۔

۱۶ جولائی کو حضرت صاحب عمران سورہ کا نکاح پڑھانے ممبئی روانہ ہوئے اور ۱۷ جولائی کو نکاح منعقد ہوا۔

۲۰ جولائی کو مغل بادشاہ شاہجہان کے سالانہ عرس میں شرکت کرنے حضرت صاحب آگرہ گئے اور مرزا سردار بیگ کے گھر قیام کیا۔

۲۸ اگست ۲۰۰۹ء کو حضرت صاحب نے دارالعلوم وارشہ لکھنؤ کے جلسہ دستار بندی میں شرکت کی اور سیدنا شاہ مینا کے مزار اقدس پر حاضری دی۔

۱۱ ستمبر کو سید محمد امان میاں کے بڑے ماموں سید واصف علی صاحب کا الہ آباد میں انتقال ہو گیا۔ حضرت صاحب کانپور ہوتے ہوئے چار بجے شام الہ آباد پہنچے اور بعد عصر سید واصف علی صاحب کی تدفین ہوئی۔

۲۱ ستمبر کو حضرت صاحب نے درگاہ و برکاتہ میں نماز عید الفطر پڑھائی۔

۲۶ ستمبر کو حضرت والا شتادہ سے کانپور ہوتے ہوئے اناؤ پہنچے۔ برادر طریقت اشتیاق برکاتی کے گھر چھٹی شریف کا فاتحہ ہوا۔ حضرت صاحب کا قیام عبدالحفیظ بھورے برکاتی کے گھر ہے۔ رات کو ایمان و عمل کانفرنس ہوئی جس میں مولانا غلام رسول بلیاوی، مفتی محمد حنیف صاحب کانپوری اور حضرت صاحب کی تقاریر ہوئیں۔

۲۷ ستمبر کو مخدوم شیخ صفی قدس سرہ کے آستانے پر صفی پور شریف حاضری ہوئی وہاں حضرت اعزاز محمد فاروقی ثمر میاں اور ان کے صاحبزادے افضل محمد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اسی روز کانپور ہوتے ہوئے علی گڑھ آ گئے۔

۳ اکتوبر کو برادر بدر الدین برکاتی کی صاحبزادی کی منگنی کے سلسلے میں مع صاحبزادہ سید محمد امان میاں کانپور روانہ ہوئے۔ ۴ اکتوبر کو رسم منگنی میں شرکت فرما کر حضرت صاحب علی گڑھ آ گئے۔

۱۱ اکتوبر کو رضا اکادمی کے بانی محمد سعید نوری صاحب نے اسلامک کلچرل سنٹرئی دہلی میں نوری تصوف کانفرنس کا انعقاد سید ابوالحسن احمد نوری رضی اللہ عنہ کے ۵۷ ویں جشن ولادت کے سلسلے میں کیا جس میں ہندوستان کے مشہور علماء اور مشائخ نے شرکت کی۔ حضرت والا نے اس کانفرنس کی سرپرستی کی اور رات کو علی گڑھ آ گئے۔

۱۴ اکتوبر کو برادر طریقت عبدالحفیظ بھورے برکاتی نے اناؤ میں اجتماعی شادیوں کا پروگرام بنایا۔ حضرت صاحب ۱۴ اکتوبر کو اناؤ کے لئے روانہ ہوئے ۱۴ اکتوبر کو ناٹلی گیسٹ ہاؤس اناؤ میں گیارہ جوڑوں کی شادی ہوئی جس میں شہر کے ہر طبقے کے لوگ شریک تھے۔

۱۶ اکتوبر کو حضرت صاحب واپی کے لئے روانہ ہوئے۔ ۱۷ اکتوبر کو واپی پہنچ کر سلواسا گئے جہاں برادر طریقت امین برکاتی نے نیاز کا اہتمام کیا تھا۔ سہ پہر سلواسا کی جامع مسجد میں جلسہ منعقد ہوا۔ اسی شام حضرت صاحب نوساری تشریف لائے اور دارالعلوم انوار رضا کے سالانہ جلسہ دستار بندی میں شرکت کی۔ علامہ عبدالستار ہمدانی اور مفتی محمد مجیب اشرف صاحب مدظلہ بھی جلوہ افروز تھے۔

۱۸ اکتوبر کو حضرت صاحب سورت آئے اور اشفاق برکاتی کے گھر مقیم ہوئے۔ اسی رات متھرا کے لئے روانہ ہو گئے۔

۲۲ اکتوبر ۲۰۰۹ء کو حضرت صاحب ممبئی کے ارادے سے دہلی روانہ ہوئے۔ رات کو ۹ بجے بذریعہ قطار روانہ ہو کر اناؤ پہنچے ممبئی آئے اور باٹلی والا مینشن میں مقیم ہوئے۔ ۲۳ اکتوبر کو نماز جمعہ کی ادائیگی مسجد عبدالسلام میں کی اور بعد عصر برادر طریقت شوکت علی صاحب کے صاحبزادے کا نکاح پڑھایا۔

۲۴ اکتوبر کو حضرت صاحب نے مینارہ مسجد میں توفیق تابانی برکاتی کے لڑکے احمد کا نکاح پڑھایا اور رات کو استقبالہ میں شرکت کی۔

۲۵/۲۰۰۹ء اکتوبر کو حضرت صاحب گرلا دارالعلوم محبوب سبحانی گئے اور عنایت اللہ برکاتی کے بھانجے ابرار احمد خاں برکاتی کے صاحبزادے کا نکاح پڑھایا۔

اسی رات حضور والا اگست کرانتی سے روانہ ہو کر ۹ بجے متھرا اور ۱۲ بجے دوپہر گھر آ گئے۔ ان تبلیغی اسفار میں حضرت والا نے مذہب اہلسنت، مسلک اعلیٰ حضرت اور سلسلہ برکاتہ کی اشاعت کے سلسلے میں بھرپور توجہ دی اور بے شمار لوگ داخل سلسلہ ہوئے۔ ہزاروں نقوش دیئے گئے۔

مولیٰ عزوجل بطیفیل سرور کو نین صلی اللہ علیہ وسلم حضور والا کو صحت و سلامتی کے ساتھ عمر طویل عطا فرمائے اور یہ اسفار اسی طرح جاری رہیں۔ آمین بجاہ الحبیب الامین و علی آلہ وصحبہ اجمعین۔

کوائف جامعہ البرکات

احمد مجتبیٰ صدیقی، جوائنٹ سکریٹری البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی

سالہائے گزشتہ کی طرح امسال بھی جامعہ البرکات کی سرگرمیوں کی روداد لے کر حاضر خدمت ہوں۔ ہر سال آپ کی خدمت میں ادارے کے کوائف بہتر پیش کئے جاتے ہیں اور ہر سال البرکات اور البرکات والوں سے محبت کا رشتہ رکھنے والوں کی دعاؤں میں اضافہ ہوتا ہے جس کا یہ ثمرہ ہے کہ جامعہ البرکات دن بدن ترقی اور امتیاز کی راہوں پر گامزن ہے۔

سب سے پہلے تعمیرات کے سلسلے میں یہ خوش خبری سنا دوں کہ البرکات انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ اسٹڈیز (ایم بی اے) کی نئی عمارت مکمل ہوئی اور انسٹی ٹیوٹ کو گزشتہ مہینے میں منتقل بھی کر دیا گیا۔ نئی عمارت بھی البرکات کی کچھلی عمارتوں کی طرح دیدار و زیب اور تمام جدید سہولیات سے مزین ہے۔ الحمد للہ اس عمارت میں کلاسز بھی شروع ہو گئے ہیں۔

سو لڑکیوں کی گنجائش والے ”البرکات محبوب فاطمہ گرلس ہاسٹل“ اس سال الحمد للہ شروع ہو گیا۔ فی الحال ۳۵ طالبات اس ہاسٹل میں رہائش پذیر ہیں۔ طالبات کی دیکھ بھال کے لیے دو وارڈن ایک سپروائزر اور تین آ یا کا انتظام ہیں۔ ایک لیڈی ڈاکٹر کا انتظام کیا گیا ہے تاکہ روزانہ ان کی صحت و تندرستی کے معاملات پر نظر رکھی جاسکے۔ ہاسٹل میں لڑکیاں نماز و قرآن پاک کی تلاوت کا خصوصی اہتمام کرتی ہیں۔ ان کی تربیت اور روزمرہ کے دینی و شرعی مسائل کے معلومات کے لیے باقاعدہ ایک معلمہ تشریف لاتی ہیں اور بعد نماز عصر درس دیتی ہیں۔ ساتھ اپنی ایک ساتھی کی مدد سے طالبات کو قرآن پاک پڑھانے کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔

آپ سب کی دعاؤں سے ہمارا بی ایڈ کورس شروع ہو گیا۔ دو ماہ قبل اس عمارت کا افتتاح اور اس کورس کا آغاز ہوا۔ معروف ماہر تعلیم پروفیسر مسعود الحسن صاحب اور صدر

سوسائٹی حضرت امین ملت دامت برکاتہم کے ہاتھوں یہ مبارک رسم انجام دی گئی۔

البرکات پبلک اسکول کا دوسرا نتیجہ بھی ماشاء اللہ اس بار امتیازی رہا، سارے بچے الحمد للہ کامیاب ہوئے اس بار فرسٹ Division اور 75% above نمبر لانے والے طلبہ و طالبات کی تعداد پہلے سے کہیں سال زیادہ رہی۔ بڑے فخر اور مسرت کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ ہمارے ہاسٹل میں رہنے والے سبھی طالب علم اس سال First Division پاس ہوئے البرکات میں بہتر تعلیم و عمدہ تربیت اور اس برکاتی تعلیمی مشن کے محبت کرنے والے احباب کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ اس سال اسکول اور ہاسٹل میں طلبہ و طالبات کی تعداد پہلے سے دوگنی ہو گئی ہے۔ ماشاء اللہ اس وقت ہمارے یہاں اسکول میں تقریباً دو ہزار طلبہ و طالبات زیور تعلیم سے آراستہ ہو رہے ہیں۔ ہاسٹل میں رہائش پذیر طلبہ نماز، تلاوت قرآن پاک کے الحمد للہ بہت پابند ہے بلکہ عبادت ہمارے ہاسٹل کے معمولات کا ایک ضروری حصہ ہے اور اس پر رغبت دلانے کے لئے ہمارا اسٹاف بہت مستعد ہے۔

تلاوت قرآن کریم کا شوق تو ہمارے ہاسٹل میں مقیم طلبہ کو پہلے ہی سے تھا لیکن اس سال سے ہم نے چار حفاظ کو مقرر کیا تاکہ وہ ان طلبہ کو ناظرہ کی تکمیل کرائیں جو طلبہ اپنے گھروں سے قرآن پاک نہیں پڑھ کر آتے ہیں۔ اور جو طلبہ قرآن پاک پڑھے ہوئے ہیں۔ ان کو ناظرہ پختہ کرنے کے لئے مشق کرائی جائے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ دینی و شرعی مسائل کا روز درس دیا جاتا ہے۔ اس کو ہم نے تربیت کورس کا نام دیا ہے۔

ہم خادمان البرکات نے ”البرکات سیرت کمیٹی“ کی بنیاد ڈالی تاکہ بچوں کو عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ سے آشنائی ہو سکے۔ اور وہ اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔ اب تک ہم اسکول کی سطح پر یہ مقابلے منعقد کیا کرتے تھے۔ لیکن اس سال الحمد للہ ہم نے علی گڑھ ضلع کے تمام اسکولوں کے طلبہ و طالبات کو شامل مسابقہ کیا اور بڑے ترک اور احتشام کے ساتھ ”سیرت ہفتہ“ کا انعقاد کیا۔ اسکولی بچوں کو نقد انعامات اور مفید دینی کتب کے علاوہ پرائمری سطح پر سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے اسکول کے طلبہ کو ”احسن العلماء“ ٹرائی اور سکندری سطح پر سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے اسکول کو ”صاحب البرکات ٹرائی“ حضرت امین ملت، حضرت شرف ملت، و حضرت رفیق ملت کے ہاتھوں پیش کی گئی۔

اس سیرت ہفتہ کی تکمیل پر عظیم الشان جشن عید میلاد النبی ﷺ کا انعقاد ۱۴ ربیع الاول کو کیا گیا جس کی صدارت حضرت امین ملت مدظلہ نے فرمائی۔ خصوصی خطاب حضرت ڈاکٹر سید علیم اشرف صاحب جانشی کا ہوا۔ اس جلسے کو حضرت شرف ملت، حضرت رفیق ملت، جناب ڈاکٹر سید لیاقت حسین معینی صاحب گدی نشین امیر مقدس، جناب ڈاکٹر سید سراج اجملی صاحب وغیرہم خطاب فرمایا۔ تقسیم انعامات کی رسم بھی ان حضرات کے ہاتھوں ادا ہوئی۔ پہلی ربیع الاول سے پندرہ ربیع الاول تک البرکات کی تمام عمارتوں پر روشنی کا اہتمام کیا گیا۔

ہمارے اسکول کے طلبہ و طالبات نے اس سال تمام ادبی ثقافتی سرگرمیوں میں نہ صرف اپنے اسکول میں حصہ لیا بلکہ علی گڑھ ضلع کے مختلف اسکولوں اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں منعقد مختلف ادبی ثقافتی مقابلوں میں حصہ لے کر امتیازی مقام حاصل کیا۔ ایسے ہی Games & Sports کے مقابلوں میں طلبہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کامیابیوں سے ہمکنار ہوئے۔ الحمد للہ ہمارے ایک طالب علم عزیز ی محمد رضوان کا نام State میں کھیلنے کے لئے نامزد کیا گیا۔ ہمارے طلبہ نے اس سال صوبائی سطح پر Tennis Ball Cricket Tournament میں حصہ لیا اور اپنی بہتر کارکردگی کا نمونہ پیش کیا۔ ہمارے تین طالب علم عزیز ی عبدالقادر، محمد رضوان، محمد فیصل، صوبائی سطح پر ”اتھلیٹک میٹ“ میں حصہ لینے کے لئے آگرہ ریجن ٹورنامینٹ میں شامل ہوئے۔ اس سال ہمارے طلبہ نے Open Distt Foot ball اور والی بال میں حصہ لیا۔ ہمارے ۱۳ طالب علم اٹھلیٹک کی CBSE Cluster Meet میں حصہ لینے کے لئے نئی تال اس مہینے جارہے ہیں رب کریم انھیں کامیاب فرمائے۔

ایم. بی. اے. انسٹی ٹیوٹ کے علمی امتیاز میں ایک اور خوش گوار اضافہ ہوا۔ کہ اس سال ”ABIMS Times“ یعنی انسٹی ٹیوٹ کی سرگرمیوں پر مبنی خبرنامے کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا ہے جو سال میں چار بار منظر عام پر آیا کرے گا۔ اس خبرنامہ کے ذریعہ ایم بی اے انسٹی ٹیوٹ کی، یہاں کے اساتذہ و طلبہ کی تمام علمی و ثقافتی کارگزاریوں سے باہر کے لوگوں کو مطلع کیا جاسکے گا۔

گذشتہ سال بھی ایم. بی. اے کے طلبہ کا Placement بہت ہی نامور Public اور Private Sectors میں ہوا۔ ہم نے اپنے طلبہ کے لئے ایک

Personality Development Programme شروع کیا۔ جس میں دہلی کی ایک ایجنسی Advit (ادویت) کے ذمہ داران ادارے میں آکر ہمارے طلبہ کو شخصیت میں نکھار لانے اور ملازمت کے نازک معاملات سمجھنے اور Interview میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کے طریقے بتاتے ہیں جو طلبہ کے لیے مفید ہیں۔

جامعہ البرکات کی مجلس شوریٰ نے متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ ہمارے ادارے کی مرکزی لائبریری کا نام ”البرکات حسن لائبریری“ رکھا جائے اور اسلامک اسٹڈیز کے ادارے کا نام ”البرکات ادارہ علوم اسلامی“ رکھا جائے۔ بہت جلد اس کے نصاب کے تعین کے لئے علماء کرام اور دانشوران کو دعوت دی جائے گی۔

البرکات کے ساتھ ہمارا مارہرہ پبلک اسکول بھی حضرت رفیق ملت کی سرپرستی میں ترقیوں کی منزل پر گامزن ہے۔ اس اسکول میں تقریباً ۶۰۰ سے زائد طلبہ و طالبات زیر تعلیم ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ اس سال مارہرہ پبلک اسکول کو بھی CBSE کے Affiliation کے واسطے صوبائی حکومت نے منظوری دے دی ہے۔ انشاء اللہ نومبر دسمبر تک CBSE کا Affiliation حاصل ہو جائے گا۔ مارہرہ پبلک اسکول میں طلبہ کو بہتر تعلیمی سہولت مہیا کرانے کے لئے حضرت رفیق ملت نے ایک بس کا انتظام کیا ہے۔ جس کے ذریعہ روز اساتذہ علی گڑھ سے مارہرہ تشریف لاتے ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ مارہرہ پبلک اسکول میں اکثریت ان اساتذہ کی ہے جو علی گڑھ اور اس کے اطراف سے پڑھانے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔

حضرت امین ملت کی سرپرستی و صدارت اور ان کے برادران عزیز کی نگرانی میں قوم کا یہ عظیم ادارہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ ہماری ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ پوری ایمان داری اور لگن کے ساتھ تمام اداروں کو چلایا جائے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ بہت کم وقت میں ”جامعہ البرکات“ کی شہرت اور افادیت زبان زد خاص و عام ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ ہمارے سرپرستوں کی عمر میں صحت میں برکت عطا فرمائے، ابھی ان کو بہت بڑے کام انجام دینا ہے۔ اور ہمارے ادارے کو ہر بری نظر سے محفوظ رکھے۔ آمین









